الحمد للہ حکومت پاکستان کی جانب سے اوّل انعام یافتہ

2

سید الوریٰ ﷺ

اضافہ شدہ نیا ایڈیشن

قاضی عبدالدائم دائم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰھُمَّ !

صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ
وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ وَ سَلَّمْتَ
وَ بَارَکْتَ عَلٰی سَیِّدِنَا اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا
اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ.

تو مہرِ لازوال سرِ مطلعِ ازل
تو طاقِ جاں میں شمعِ ابد سیّدالوریٰ

حفیظ تائبؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکومتِ پاکستان
وزارتِ مذہبی امور

اسلام آباد

سندِ امتیاز

نہایت مسرت سے تصدیق کی جاتی ہے کہ محترم قاضی عبدالدائم دائم کی تالیف کردہ کتاب سید الوریٰ بزبان اردو مقابلہ کتب سیرت برائے سال ۱۹۹۸ء میں اول انعام کی مستحق قرار پائی اور مؤلف موصوف کو حکومتِ پاکستان کی طرف سے مبلغ تیس ہزار روپے بطور انعام دیئے گئے۔

نمبر ۱۲(۲)ایس ڈی آر ۹۸/۰۰

تاریخ ۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
۷/جولائی ۱۹۹۸ء

سید احمد صوفی
سیکرٹری
وزارتِ مذہبی امور حکومتِ پاکستان
اسلام آباد

سَیِّدُالوَریٰ

(اوّل انعام یافتہ)

(جلد دوم)

جانِ دو عالم

صلی اللہ علیہ وسلم

کی سیرت مطہرہ

قاضی عبدالدائم دائمؔ

علم و عرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40- اُردو بازار، لاہور۔

فون: 7232336'7352332 فیکس: 7223584

www.ilmoirfanpublishers.com

E-mail: ilmoirfanpublishers@hotmail.com

نام کتاب	....	سید الوریٰ ﷺ
مصنف	....	قاضی عبدالدائم دائم
کمپوزنگ	....	محمد بشیر، محمد شبیر، صدریہ کمپیوٹرز، ہری پور
پروف ریڈنگ	....	قاری جاوید اختر، شیخ توحید احمد
نظر ثانی	....	قاضی عابد الدائم عابد
عکاسی	....	قاضی واجد الدائم (بھائی)، اختر، امجد
پبلشر	....	گلفراز احمد، علم وعرفان پبلشرز، لاہور
اہتمام اشاعت	....	محمد طاہر اکرم، گوجرانوالہ
مطبع	....	زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور
اشاعت اوّل	....	1996ء
اشاعت ششم	....	2012ء
ہدیہ فی جلد	....	-/700 روپے
مکمل سیٹ	....	-/2100 روپے

ملنے کے پتے

علم وعرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40۔ اُردو بازار، لاہور

اشرف بک ایجنسی

اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی

کتاب گھر

اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی

خزینہ علم وادب

الکریم مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور

ویلکم بک پورٹ

اُردو بازار، کراچی

جہانگیر بکس

بوہڑ گیٹ، ملتان

رشید نیوز ایجنسی

اخبار مارکیٹ، اُردو بازار، کرا

کشمیر بک ڈپو

تلہ گنگ روڈ، چکوال

شمع بک ایجنسی

بھوانہ بازار، فیصل آباد

رائل بک کمپنی

فضل داد پلازہ، اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی

سعید بک بنک

جناح سپر، اسلام آباد

انتساب

والدِ مکرم ، حضرتِ معظم

قاضی محمد صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ

کے نام!

جن کے فیضانِ نظر نے میرے دل کو درد آشنا کیا اور عشقِ مصطفیٰ سے سرشار کیا

سیّد الوریٰ

اسی دردِ پنہاں کی تفسیر ہے --- اسی عشقِ سوزاں کی تعبیر ہے

سرمایۂ جاں ہیں شہِ ابرار کی باتیں
کس درجہ سکوں دیتی ہیں سرکار کی باتیں
جی چاہے کہ ہر آن کروں ذکرِ پیمبر
ہوتی رہیں کونین کے سردار کی باتیں

صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمْ

فہرست

فہرست حواشی

باب ۶

غزوۂ اُحد

عشق ووفا کا امتحان ---- صبر ورضا کی داستان

ہیں مقدس اُحد کی وہ سب گھاٹیاں
جن میں عُشاق نے دے کے قربانیاں
مصطفیٰ سے نبھائیں وفاداریاں
اُن کے آگے وہ حمزہ کی جانبازیاں
شیرِ غُرّانِ سطوت پہ لاکھوں سلام

(اس باب میں غزوۂ اُحد کے علاوہ چند دیگر غزوات کی تفصیل بھی مرقوم ہے۔)

عطائے نبی

صلی اللہ علیہ وسلم

قاضی عبدالدائم دائم

کبھی خواب میں جلوہ دکھائے نبی، کبھی پاس مدینے بلائے نبی
یوں امیدوں کی کلیاں کھلائے نبی، ذرا دیکھو تو شانِ سخائے نبی!
وہ ہمارے لئے کریں کچھ بھی طلب، یہی کہتا ہے رب کہ اے شاہِ عرب!
تری پیاری دعائیں قبول ہیں سب، ذرا دیکھو تو شانِ دعائے نبی!
بنا کعبہ جو قبلہ تو کیسے بنا؟ یہ تھی ان کی تمنا تو حق نے کہا
کرو کعبہ کو رخ جو ہے تیری رضا، ذرا دیکھو تو شانِ رضائے نبی!
گئے ملنے خدا سے خدا کے حبیب، ہوا ان کو جو قربِ الٰہی نصیب
کہا---"آ جا قریب، قریب، قریب" ذرا دیکھو تو شانِ لقائے نبی!
کوئی زخمی تھی آنکھ کہ دکھتی ہوئی، ڈسی سانپ نے ٹانگ کہ ٹوٹ گئی
ہوئیں شاہؐ کے ہاتھ سے ٹھیک سبھی، ذرا دیکھو تو شانِ شفائے نبی!
ہوئے سامنے انؐ کے جو مدح سرا، کسی کو ملی برکتوں والی ردا
کوئی لے گیا دل سے جو نکلی دعا، ذرا دیکھو تو شانِ ثنائے نبی!
ہیں مدینے میں دریا کرم کے رواں، لگا رہتا ہے منگتوں کا میلہ جہاں
سبھی پاتے ہیں دل کی مرادیں وہاں، ذرا دیکھو تو شانِ عطائے نبی!
بھریں دائمِ خستہ نے جھولیاں جب، ملے جام جو اس کو بھرے لبالب
لگے کہنے یہ حیرت و رشک سے سب، ذرا دیکھو تو شانِ گدائے نبی!

✿✿✿

اس خوفناک غزوے کے حالات لکھتے ہوئے دل کانپتا ہے اور قلم تھرتھراتا ہے۔
اسی غزوہ میں جانِ دو عالم ﷺ کے پیارے چچا کو انتہائی ظالمانہ طریقے سے شہید کیا گیا۔
آپ کا اپنا روئے تاباں زخمی ہوا، ایک دانت مبارک شکستہ ہوا اور بیسیوں جاں نثار ساتھی
آپ پر پروانہ وار فدا ہوگئے۔

حفیظ جالندھری مرحوم اس ابتلاء و آزمائش کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں

اگر چشمِ بصیرت سے اُحد کی جنگ دیکھو گے
تو انسانوں کی فطرت کے ہزاروں رنگ دیکھو گے
اُحد کا دن دکھائے گا نگاہوں کو نیا منظر
بشر کی رفعت و افتاد کا عبرت نما منظر
بروزِ بدر امت کو ہلاکت سے بچانا تھا
اُحد میں دعوئ عشق و وفا کو آزمانا تھا
سکھانا تھا کہ مؤمن وقتِ سختی صبر کرتے ہیں
نہیں کھاتے فریب نفس، دل پر جبر کرتے ہیں
فسادِ حبِ مال و جاہ سے آگاہ کرنا تھا
انہیں وقفِ جہادِ فی سبیل اللہ کرنا تھا
ضرورت پڑ گئی تھی اک نمونہ پیش کرنے کی
ثباتِ ''عبدہٗ'' ہفتاد گو نہ پیش کرنے کی

(شاہنامۂ اسلام)

تیاریاں

یہ غزوہ شوال ۳ھ میں پیش آیا اور اس کا محرک مشرکین کا جذبۂ انتقام تھا کیونکہ بدر

میں ان کے بڑے بڑے سردار مارے گئے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں تو ایک آدمی کے قتل پر سالوں تک لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا اور انتقام در انتقام کا چکر چلتا رہتا تھا، جب کہ بدر کے دن ایک دو نہیں پورے ستر مشرکین مارے گئے تھے، پھر کیسے ممکن تھا کہ وہ بھرپور انتقام لینے کی کوشش نہ کرتے، جب کہ ان کا عقیدہ تھا کہ جب تک مقتول کا انتقام نہ لے لیا جائے، اس کی روح تڑپتی اور چیختی چلاتی رہتی ہے۔ چنانچہ جب یہ لوگ بدر کے غم سے سنبھلے اور ماتم وغیرہ سے فارغ ہوئے تو عبداللہ، عکرمہ اور صفوان نے ان لوگوں کو اکٹھا کیا جن کا کوئی نہ کوئی عزیز بدر میں مارا گیا تھا اور سب مل کر ابوسفیان کے پاس گئے۔ ابوسفیان کا قافلہ ہی جنگ بدر کا سبب بنا تھا، اس لئے سب نے ابوسفیان سے کہا کہ ہمیں محمد اور اس کے ساتھیوں سے انتقام لینے میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔ ابوسفیان خود یہی چاہتا تھا اس لئے اس نے مکمل اتفاق کیا اور ان لوگوں سے جن کا مال اس کاروانِ تجارت میں شامل تھا، مطالبہ کیا کہ آپ لوگ اس سلسلے میں ہمارے ساتھ تعاون کریں اور مالی امداد فراہم کریں۔ سب نے وعدہ کیا کہ ہم ہر قسم کی مدد کریں گے اور بھرپور ساتھ دیں گے۔ چنانچہ زور شور سے تیاریاں شروع ہوگئیں۔ مشرکین اس دفعہ کوئی کمی نہیں چھوڑنا چاہتے تھے، اس لئے انہوں نے عرب کے دو مشہور شاعروں ابوعزہ اور نافع کو اس کام پر مامور کیا کہ وہ گرد و نواح کے قبائل میں پھریں اور پر درد اشعار کہہ کر انہیں انتقام پر ابھاریں اور جنگ کے لئے تیار کریں۔ ابوعزہ اور نافع دونوں آتش بیاں تھے۔ انہوں نے چند ہی دنوں میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک آگ لگا دی اور ہر شخص کو انتقام کے لئے بے تاب و بے قرار کر دیا۔ غزوۂ بدر میں سب سے زیادہ نقصان حضرت حمزہؓ کے ہاتھوں اٹھانا پڑا تھا، اس لئے ان کے قتل کا باقاعدہ اہتمام کیا گیا اور جبیر ابن مطعم نے اپنے غلام وحشی ابن حرب کو لالچ دیا کہ اگر تم نے حمزہ کو قتل کر دیا تو تم کو آزاد کر دیا جائے گا۔ وحشی کے انتخاب کی وجہ یہ تھی کہ مشرکین جانتے تھے کہ حمزہ کے ساتھ روبرو مقابلہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ وحشی دور سے نیزہ پھینکا کرتا تھا اور اس فن میں ایسا طاق تھا کہ اس کا پھینکا ہوا نیزہ شاذونادر ہی ہدف سے خطا ہوتا تھا۔

ان انتظامات کے علاوہ اس دفعہ بہت سی عورتوں کو بھی ساتھ رکھا گیا کیونکہ عرب،

عورتوں کی موجودگی میں پیچھے ہٹنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ اس صورت میں عورتیں بزدلی کے طعنے دے دے کر ان کا جینا حرام کر دیتی تھیں۔ نیز عورتیں ساتھ ہونے کی صورت میں یہ خطرہ بھی ہوتا تھا کہ اگر دشمن غالب آ گیا تو عورتوں کی بے حرمتی کرے گا اور انہیں کنیزیں بنا لے گا، اس لئے خواتین کی حرمت اور عصمت کے تحفظ کے لئے مرد جانیں لڑا دیتے تھے۔ عرب عورتیں بھی ہماری خواتین کی طرح چھوئی موئی نہیں ہوتی تھیں؛ بلکہ جنگوں میں باقاعدہ حصہ لیتی تھیں اور رجزیہ اشعار پڑھ کر مردوں کے دل گرماتی تھیں۔

معزز خواتین کے علاوہ دل بہلانے کے لئے کنیزوں، طوائفوں اور ناچنے گانے والیوں کا بھی انتظام کیا گیا۔ ڈھول ڈھمکے اور شراب کے کنستر بھی مہیا کئے گئے اور پورے دھوم دھڑکے سے تین ہزار جنگ آزماؤں پر مشتمل یہ لشکر مکے سے روانہ ہوا۔

جانِ دو عالم ﷺ کو اطلاع

حضرت عباسؓ نے یہ ساری صورت حال ایک خط میں لکھی اور اسے سر بمہر کر کے ایک اعتباری قاصد کے حوالے کیا اور کہا---"تین دن کے اندر اندر یہ خط رسول اللہ ﷺ تک پہنچانا ہے۔"

قاصد نے انتہائی تیز رفتاری سے سفر کیا اور حضرت عباسؓ کا مکتوب جانِ دو عالم ﷺ کو پہنچایا۔ جانِ دو عالم ﷺ نے مہر توڑ کر خط نکالا اور حضرت اُبیؓ کو پڑھنے کے لئے دیا۔ تفصیلات معلوم ہونے کے بعد آپ نے حضرت اُبیؓ کو ہدایت کی کہ یہ راز افشا نہ ہونے پائے۔

پھر آپ حضرت سعدؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ انہیں صورت حال سے آگاہ کیا اور ان کو بھی رازداری کی تلقین کرتے ہوئے ان کے گھر سے باہر نکل آئے۔ آپ کے باہر نکلتے ہی حضرت سعدؓ کی اہلیہ نے خاوند سے پوچھا---"یہ رسول اللہ آپ کے ساتھ کیا باتیں کر رہے تھے؟"

چونکہ جانِ دو عالم ﷺ نے رازداری کا حکم دیا تھا، اس لئے حضرت سعدؓ نے انتہائی درشتی سے جواب دیا---"تیری ماں مر جائے، تجھے ہماری باتوں سے کیا غرض، تو اپنا کام کر۔"

"آپ بے شک نہ بتائیں، مگر میں نے چھپ کر آپ کی باتیں سن لی ہیں۔" بیوی نے کہا۔

''کون سی باتیں سن لی ہیں؟'' حضرت سعدؓ نے حیرت سے پوچھا۔ چنانچہ بیوی نے وہ سب کچھ بتا دیا جو سنا تھا۔ حضرت سعدؓ نے بیوی کی کلائی پکڑی اور اسے لے کر اسی وقت جانِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی --- ''یارسول اللہ! اس نے ہماری باتیں سن لی ہیں۔ اگرچہ یہ رازداری کا وعدہ کر رہی ہے مگر میں اسے اس لئے لے آیا ہوں کہ اگر خدانخواستہ یہ خبر باہر نکل گئی تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہوگا۔''

جانِ دو عالم ﷺ ان کے اس انداز سے محظوظ ہوئے اور فرمایا--- ''اب چھوڑ بھی دو اسے۔''

مشرکین کی آمد

مشرکین منزلوں پر منزلیں مارتے جلد ہی مدینہ کے قریب پہنچ آئے۔ مخبروں نے یہ اطلاع پہنچائی تو وہ پُرجوش صحابہ انتہائی خوش ہوئے جو بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے اور کہنے لگے۔

''اب ہم بھی دشمن سے دو دو ہاتھ کریں گے اور جہاد و شہادت کے مزے لوٹیں گے۔''

جانِ دو عالم ﷺ کا خواب

جمعہ کی رات کو جانِ دو عالم ﷺ نے ایک خواب دیکھا اور صبح صحابہ کرامؓ کو بتایا کہ میں نے نیند اور بیداری کی درمیانی حالت میں دیکھا کہ ایک گائے ذبح کی گئی ہے--- اور میں نے اپنی تلوار ذوالفقار کو دیکھا کہ اس کی دھار ٹوٹی ہوئی ہے اور اس میں دندانے پڑے ہیں--- اور میں نے دیکھا کہ میں نے ایک مضبوط اور محفوظ زرہ پہن رکھی ہے--- اور میں نے دیکھا کہ میں ایک دنبے کا تعاقب کر رہا ہوں۔

صحابہ کرامؓ نے عرض کی--- ''یارسول اللہ! اس کی تعبیر کیا ہے؟''

فرمایا--- ''ذبح شدہ گائے کی تعبیر یہ ہے کہ میرے کچھ ساتھی شہادت پائیں گے۔ تلوار کی دھار ٹوٹنے سے مراد یہ ہے کہ میرے گھرانے کا کوئی بڑا شخص شہید ہوگا۔ محفوظ زرہ، مدینہ ہے اور دنبے کے تعاقب کا مطلب یہ ہے کہ میرے ہاتھوں دشمنوں کا ایک سردار مارا جائے گا۔''

چونکہ اس خواب میں مدینہ طیبہ محفوظ زرہ کی صورت میں دکھایا گیا تھا، اس لئے

آپ نے مشورہ دیا کہ ہمیں مدینے میں بیٹھ کر دشمن کا انتظار کرنا چاہئے۔ اگر ان لوگوں نے اندر داخل ہونے کی جرأت کی تو ہم ان کو گھیر لیں گے، مکانوں کے اوپر سے عورتیں پتھر برسائیں گی اور گلیوں میں ہم ان کا تلواروں اور نیزوں سے استقبال کریں گے۔ اس طرح مدینے کے تنگ کوچے ان کا مقتل بن جائیں گے اور انہیں بھاگنے کا کوئی راستہ نہ ملے گا۔

رئیس المنافقین عبداللہ ابن اُبی نے بھی یہی تجویز پیش کی اور فی الواقع یہ بہت عمدہ تجویز تھی، مگر مشتاقانِ شہادت نوجوانوں نے عرض کی---''یارسول اللہ! ہماری کب سے تمنا تھی کہ ہمیں اللہ تعالیٰ مشرکین سے مقابلے کا کوئی موقع فراہم کرے۔ ہم رات دن یہی دعائیں کیا کرتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے یہ موقع مہیا کیا ہے تو ہمیں ان کے ساتھ کھلے میدان میں لڑنے کی اجازت عطا فرمایئے!''

ایک اور شخص نے کہا---''یارسول اللہ! ہمیں جنت سے محروم نہ کیجئے، اللہ کی قسم، میں جنت میں ضرور داخل ہوں گا۔''

''کیسے داخل ہوگے جنت میں؟'' جانِ دوعالم ﷺ نے پوچھا۔

''اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے صدقے اور میدان کارزار میں ثابت قدم رہ کر۔'' اس نے جواب دیا۔

جانِ دوعالم ﷺ نے فرمایا---''صَدَقْتَ'' (سچ کہتے ہو۔)

سرفروشی و جانبازی کے جذبات سے مغلوب ہو کر صحابہ نے یہ باتیں کہہ تو دیں، مگر جب جانِ دوعالم ﷺ ان کی رائے سن کر گھر تشریف لے گئے، تاکہ جنگ کے لئے تیاری کریں تو ان لوگوں کو احساس ہوا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے منشا کے خلاف اپنی رائے ظاہر کر کے بہت غلط کام کیا ہے۔ اس پر انہیں سخت ندامت ہوئی اور جب آپ تیار اور مسلح ہو کر باہر تشریف لائے تو سب نے عرض کی۔

''یارسول اللہ! ہم سے غلطی ہوئی ہے۔ واقعی آپ کی رائے ہی صائب ہے۔ ہم حسبِ ارشاد مدینہ میں ہی ان کا انتظار کریں گے۔''

''میں نے تو پہلے ہی یہ مشورہ دیا تھا۔'' جانِ دوعالم ﷺ نے قدرے ناگواری

سے کہا ''مگر تم لوگوں نے میری بات نہ مانی اور کھلے میدان میں مقابلے پر اصرار کیا۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا کیونکہ نبی جب ایک دفعہ اسلحہ سے لیس ہو جائے تو پھر اس کے لئے زیبا نہیں کہ لڑے بغیر ہتھیار اتار دے۔''

اس کے بعد جانِ دو عالم ﷺ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے، گلے میں تلوار اور کمان حمائل کی، ہاتھ میں نیزہ لیا، پشت پر ڈھال رکھی اور روانگی کے لئے تیار ہو گئے۔ ایک ہزار کی نفری بھی ہمرکاب ہو گئی۔ مدینہ کے قریب ایک پہاڑی کے دامن میں آپ نے لشکر کا معائنہ کیا اور جو کم عمر تھے، انہیں واپس کر دیا؛ البتہ ایک نوعمر لڑکے حضرت رافعؓ کو اس لئے شمولیت کی اجازت مل گئی کہ وہ بہت عمدہ تیر انداز تھے۔ اس پر ایک اور کم عمر نوجوان حضرت سمرہؓ نے یہ نکتہ اٹھایا کہ اگر رافع کو اجازت ملتی ہے تو مجھے بھی ملنی چاہئے کیونکہ میں اس سے زیادہ طاقتور ہوں اور اس کو پچھاڑ دیتا ہوں۔

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ تم دونوں کشتی لڑو۔ اگر تم غالب آ گئے تو تمہیں بھی شامل کر لیا جائے گا۔

چنانچہ کشتی ہوئی اور واقعی سمرہؓ نے رافعؓ کو گرا دیا۔ اس طرح سمرہؓ کو بھی شرکت کی سعادت حاصل ہو گئی۔ (۱)

---

(۱) حضرت رافعؓ اور حضرت سمرہؓ دونوں کا تعلق انصار سے ہے۔ حضرت رافعؓ کی زندگی کے مفصل حالات نہیں دستیاب ہو سکے، سوائے اس کے کہ غزوۂ احد میں ان کے حلق میں ایک تیر آ کر لگا تو جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا۔

''اگر تم پسند کرو کہ تیر نکال لیا جائے اور اس کا ٹوٹا ہوا ٹکڑا بیچ ہی میں چھوڑ دیا جائے تو میں بروز قیامت گواہی دوں گا کہ تم شہید ہو۔''

حضرت رافعؓ نے منظور کر لیا، چنانچہ تیر کا ایک ٹکڑا چھوڑ دیا گیا، مگر اس سے ان کو کسی قسم کی تکلیف نہیں محسوس ہوتی تھی اور جب ہنستے تھے تو وہ ٹکڑا نمایاں نظر آتا تھا۔

حضرت سمرہؓ کو دین کی خدمت کا بچپن ہی سے شوق تھا اور جانِ دو عالم ﷺ کے ☜

کیا جذبے تھے اور جہاد و شہادت کے کیا ولولے تھے! رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنھُم اَجمَعِین۔
رات کو آپ نے یہیں قیام فرمایا، بوقت سحر آگے روانہ ہوئے۔ ایک جگہ صبح کی

اقوال و اعمال کے مشاہدہ کرنے اور یاد رکھنے سے خصوصی دلچسپی تھی۔ صاحب استیعاب لکھتے ہیں۔

"کَانَ سَمُرَۃُ مِنَ الْحُفَّاظِ الْمُکْثِرِیْنَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ --- (سمرہ ان حفاظ میں سے تھے، جنہوں نے بکثرت رسول اللہ ﷺ کی احادیث بیان کی ہیں۔)

حضرت معاویہؓ کے زمانے میں کوفہ اور بصرہ دونوں علاقے، حضرت معاویہؓ کے دستِ راست زیاد ابن ابیہ کے زیر نگیں تھے اور زیاد کی نگاہ میں سمرہؓ کا بڑا مقام تھا۔ اس لئے وہ چھ مہینے حضرت سمرہؓ کو بصرہ میں اور چھ مہینے کوفہ میں اپنا قائم مقام نامزد کرتے تھے اور حضرت سمرہؓ ان دونوں مقامات پر اہل حق کی حمایت اور اہل باطل کی سرکوبی میں ہمہ تن مصروف رہتے۔ خارجیوں کے سخت مخالف تھے اور جب کوئی خارجی گرفتار کر کے لایا جاتا تھا تو فوراً اس کے قتل کا حکم صادر کر دیتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ روئے زمین پر بدترین مقتول ہیں کیونکہ یہ مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں اور خونریزی میں بے باک ہوتے ہیں۔

اس طرز عمل کی وجہ سے خوارج ان کے سخت دشمن تھے اور ان پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے رہتے تھے، مگر محمد ابن سیرینؒ، حسن بصریؒ اور بصرہ کے دیگر ارباب علم و فضل ان کی تعریف میں رطب اللسان رہتے تھے اور خوارج کے اعتراضات کے بھرپور جوابات دیا کرتے تھے۔

ان کی وفات کا قصہ عجیب ہے! ایک مرتبہ جانِ دو عالم ﷺ نے تین صحابہ، حضرت سمرہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابو محذورہؓ کو مخاطب کر کے کہا --- "تم تینوں میں سے جو شخص سب سے آخر میں مرے گا اس کی موت کا سبب آگ ہو گی۔"

ابو ہریرہؓ اور ابو محذورہؓ تو پہلے ہی چل بسے تھے، اب حضرت سمرہؓ باقی تھے اور جانِ دو عالم ﷺ کی پیشنگوئی کا مصداق اب انہوں نے ہی بننا تھا۔ ان کو ایک بیماری تھی، جس کے علاج کے لئے وہ گرم پانی کی بھاپ لیا کرتے تھے۔ ایک دن حسب معمول ابلتی ہوئی دیگ سے بھاپ لے رہے تھے کہ ناگاہ اس کے اندر گر پڑے اور اسی سے ان کی موت واقع ہو گئی۔ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ وَ عَنْ جَمِیْعِ الصَّحَابَۃ۔

(یہ واقعات استیعاب اور مستدرک سے ماخوذ ہیں۔)

نماز پڑھی۔ یہاں آپ کو ایک پریشانی سے دوچار ہونا پڑا۔ عبداللہ ابن اُبی جو اپنے تین سو حامیوں کے ساتھ ہمرکاب تھا، یہ کہتے ہوئے جدا ہوگیا کہ رسول اللہ نے مدینہ میں مقابلہ کرنے والی میری تجویز پر عمل نہیں کیا، اس لئے میں ساتھ دینے سے معذور ہوں۔ اس کے ہمنواؤں نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ اس طرح تین سو آدمی واپس چلے گئے اور صرف سات سو باقی رہ گئے۔

دامن کوہ میں

جبلِ احد کے دامن میں پہنچ کر جانِ دو عالم ﷺ نے قیام فرمایا اور رات گزاری۔ نماز صبح کے بعد مختصر سا خطاب کیا اور جہاد میں ثابت قدم رہنے کی تلقین کی۔ اس کے بعد لشکر کو مرتب کیا۔ علم حضرت مصعبؓ کو عطا فرمایا، حضرت زبیرؓ کو رسالے کا کمانڈر مقرر کیا، حضرت حمزہؓ کو اس جانباز دستے کی قیادت سونپی جو زرہ پوش نہ تھا اور حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کو پچاس تیراندازوں کا کمانڈر بنا کر کوہِ احد کے ایک درے میں متعین فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ تم نے ہر حال میں یہاں رہنا ہے، خواہ فتح ہو یا شکست۔ اگر تم دیکھو کہ دشمن بھاگ اٹھا ہے اور ہم ان کی لشکرگاہ پر قابض ہو چکے ہیں، تب بھی تا حکم ثانی تمہیں یہ جگہ چھوڑنے کی کسی صورت میں اجازت نہیں ہے۔

دراصل لڑائی کی صورت میں یہ درہ لشکر اسلام کے عقب میں واقع تھا اور جانِ دو عالم ﷺ کو خطرہ تھا کہ کہیں شکست خوردہ دشمن پلٹ کر اس درے کے راستے حملہ نہ کردے۔ اس لئے آپ نے اس محاذ کا بہت خیال رکھا تھا، مگر آہ! کہ جو ہونا تھا، ہو کر رہا۔

مشرکین کی ترتیب

مشرکین بدر میں مسلمانوں کے جوہر دیکھ چکے تھے، اس لئے اس دفعہ بہت محتاط تھے اور ہر کام سوچ سمجھ کر کر رہے تھے۔ انہوں نے میمنہ (دائیں طرف) کی کمان خالد ابن ولید کو دے رکھی تھی، میسرہ (بائیں طرف) کی قیادت عکرمہ ابن ابی جہل کے سپرد تھی، سواروں کا دستہ صفوان ابن امیہ کی کمان میں تھا، تیراندازوں کا کمانڈر عبداللہ ابن ربیعہ اور علم طلحہ کے ہاتھ میں تھا۔ یہ طلحہ قبیلہ بنی عبدالدار کا ایک فرد تھا۔ مشرکین مکہ کی لڑائیوں میں علم بردار ہمیشہ اسی قبیلے کا ہوا کرتا تھا۔ بدر میں بھی علم اسی قبیلے کے پاس تھا۔ ابوسفیان نے بدر کی
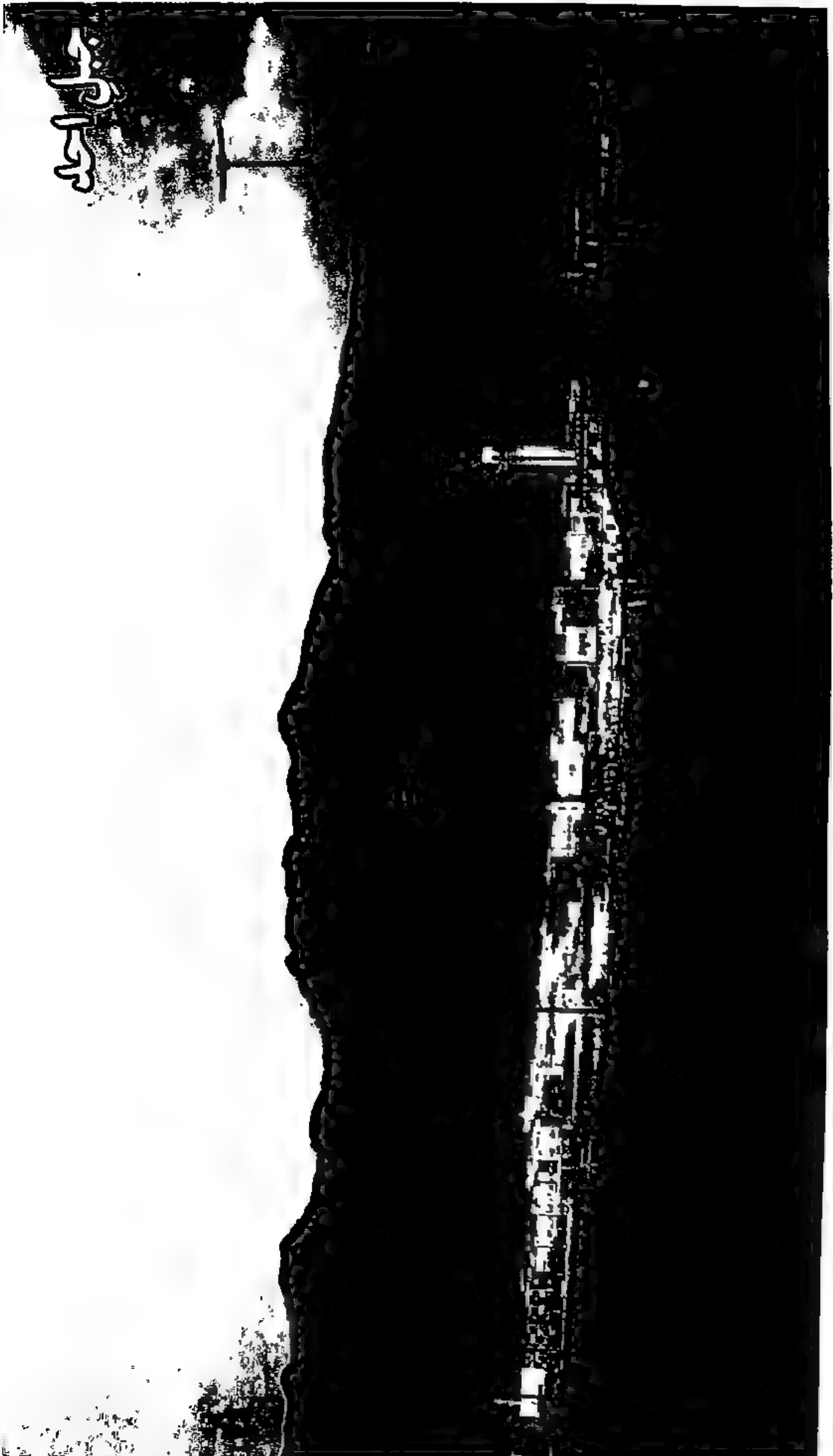
شکست کا طعنہ دے کر ان کے جذبات کو مزید بھڑکا دیا۔ اس نے کہا

''اے بنی عبدالدار! فتح کا دارومدار علم کے بلند رہنے پر ہوتا ہے۔ بدر کے دن بھی علم تمہارے ہاتھوں میں تھا، مگر تم اسے اونچا نہ رکھ سکے اور ہمیں شکست سے دوچار ہونا پڑا، اس لئے میرا خیال ہے کہ اب یہ جھنڈا واپس کر دو کیونکہ تمہارے بازوؤں میں اسے اٹھانے کی سکت نہیں رہ گئی۔''

اس طعنے سے بنی عبدالدار سخت مشتعل ہو گئے اور ابوسفیان کو گالیاں دیتے ہوئے کہنے لگے کہ لڑائی کے وقت پتہ چل جائے گا کہ ہمارے ہاتھ اسے اونچا رکھ سکتے ہیں یا نہیں۔ ابوسفیان گالیاں سن کر بدمزہ نہ ہوا کیونکہ اس کا مقصد انہیں اشتعال دلانا تھا اور اس میں وہ پوری طرح کامیاب رہا تھا۔

ھند کا رجز

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے، اس جنگ میں مشرکین کے ساتھ بہت سی خواتین بھی آئی تھیں جن میں ابوسفیان کی بیوی ہند بھی شامل تھی۔ جنگ شروع ہونے کا لمحہ قریب آیا تو ہند کی قیادت میں سب عورتیں دف کی تھاپ پر رجز کہتی ہوئی میدان میں اتریں۔ رجز کے بول یہ تھے۔

نَحۡنُ بَنَاتُ طَارِقۡ

نَمۡشِیۡ عَلَی النَّمَارِقۡ مَشۡیَ الۡقَطَا النَّوَازِقۡ

وَالۡمِسۡکُ فِیۡ الۡمَفَارِقۡ وَالدُّرُّ فِیۡ الۡمَخَانِقۡ

اِنۡ تُقۡبِلُوۡا نُعَانِقۡ وَنَفۡرِشِ النَّمَارِقۡ

اَوۡ تُدۡبِرُوۡا نُفَارِقۡ فِرَاقَ غَیۡرِ وَامِقۡ

نَحۡنُ بَنَاتُ طَارِقۡ

(ہم ستاروں کی بیٹیاں ہیں۔ ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں، جیسے ہلکی پھلکی کونجیں چلتی ہیں۔ ہماری مانگوں میں کستوری ہے اور ہمارے گلوں میں موتیوں کے ہار ہیں۔ اگر تم آگے بڑھو گے تو ہم تمہیں گلے لگائیں گی اور تمہارے لئے قالینیں بچھائیں گی اور اگر پیچھے ہٹو

گے تو ہم تم سے بے تعلق لوگوں کی طرح جدا ہو جائیں گی۔)

اس شعلہ آسا رجز نے ایک آگ سی لگا دی اور فوج کا ہر سپاہی کٹ مرنے کے لئے تیار ہو گیا۔

حقِ شمشیر

جب دونوں فوجیں آمنے سامنے صف آرا ہو گئیں تو جانِ دو عالم ﷺ نے ایک تلوار نکالی جس پر یہ شعر کندہ تھا۔

فِي الْجُبْنِ عَارٌ وَفِي الْإِقْبَالِ مَكْرَمَةٌ
وَالْمَرْءُ بِالْجُبْنِ لَايَنْجُوْ مِنَ الْقَدْرِ

(بزدلی میں شرمندگی ہے اور آگے بڑھنے میں عزت ہے اور بزدلی دکھانے سے کوئی آدمی تقدیر سے نہیں بچ سکتا۔)

اس تلوار کو آپ نے بلند کیا اور کہا---"کون جوان مرد ہے جو اس تلوار کو اس شرط کے ساتھ تھامے کہ اس کا حق ادا کرے گا؟"

یہ سنتے ہی متعدد بہادر اس کو حاصل کرنے کے لئے لپکے، جن میں حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت زبیرؓ پیش پیش تھے، مگر جانِ دو عالم ﷺ نے ان میں سے کسی کو نہ دی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ان میں سے کسی نے اس کا حق جاننے کی کوشش نہیں کی، جب کہ اس کی عطا ادائیگی حق کے ساتھ مشروط تھی۔ پھر حضرت ابو دجانہؓ آگے بڑھے اور پوچھا۔

"یا رسول اللہ! اس کا حق کیا ہے؟"

"یہ کہ لڑنے والا اس وقت تک مسلسل لڑتا رہے، جب تک یہ ٹوٹ کر بیکار نہ ہو جائے۔"

"میں اس کا یہ حق ادا کروں گا یا رسول اللہ!" ابو دجانہؓ نے پرجوش لہجے میں کہا۔

چنانچہ جانِ دو عالم ﷺ نے تلوار ان کو عنایت فرما دی۔ اس اعزاز پر ابو دجانہؓ پھولے نہ سمائے اور فخریہ انداز میں اکڑ اکڑ کر چلنے لگے۔ جانِ دو عالم ﷺ کو ان کا یہ انداز بہت بھایا اور مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا

"یہ متکبرانہ چال عام حالات میں اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے، مگر اس وقت پسند ہے۔"

پھر حضرت ابو دجانہؓ نے سرخ پٹی نکالی اور اس کو سر پر باندھ لیا۔ ابو دجانہؓ کی اس پٹی کو انصار عِصَابَۃُ الْمَوْتِ کہا کرتے تھے، یعنی موت کی پٹی۔ اس کے بعد آپ یوں ٹوٹ کر لڑے کہ کشتوں کے پشتے لگا دیئے --- محاورۃً نہیں؛ بلکہ حقیقتاً اور اس تلوار کی حرمت کا اس قدر پاس کیا کہ ایک شخص پر حملہ کرنے کے لئے آپ نے تلوار سونتی تو اس کی چیخ نکل گئی۔ وہ چیخ نسوانی تھی اور وہ عورت ہند تھی۔ باوجودیکہ اس وقت ہند اس جنگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھی اور ہر لحاظ سے قتل کی مستحق تھی، مگر ابو دجانہؓ نے یکلخت اپنا ہاتھ روک لیا اور کہا

''میں رسول اللہ کی عطا کردہ تلوار کو کسی عورت کے خون سے رنگین کرنا پسند نہیں کرتا۔''

ابو عامر کی خوش فہمی

جانِ دو عالم ﷺ کی مدینہ طیبہ میں آمد سے پہلے قبیلہ اوس کا ایک فرد ابو عامر، مذہبی پیشوا تھا اور انصار اس کا بہت احترام کیا کرتے تھے۔ جانِ دو عالم ﷺ کی تشریف آوری کے بعد جب انصار کے دونوں قبیلے --- اوس اور خزرج --- حلقہ بگوش اسلام ہوگئے تو ابو عامر مدینہ کو چھوڑ کر مکہ چلا گیا اور وہیں آباد ہوگیا۔ غزوۂ احد میں وہ بھی مشرکین کے ساتھ آیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ انصار اب بھی حسب سابق میرا احترام کریں گے اور میری ہر بات تسلیم کریں گے۔ اسی خوش فہمی کی بناء پر اس نے مشرکین کو یقین دلا رکھا تھا کہ اگر میں نے انصار کو محمد کا ساتھ چھوڑ دینے کا کہہ دیا تو ان میں سے کوئی ایک آدمی بھی میرے حکم سے سرتابی نہیں کرے گا۔ چنانچہ جب لڑائی شروع ہوئی تو ابو عامر صفوں سے برآمد ہوا اور قبیلہ اوس کو مخاطب کر کے گویا ہوا

''اے اوس کے لوگو! مجھے پہچانتے ہو، میں کون ہوں؟ میں ابو عامر ہوں۔''

اس کا خیال تھا کہ یہ سنتے ہی اوس میرے ہاتھ پاؤں چومنے کے لئے دوڑ پڑیں گے مگر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اوس نے بھی چلا کر کہا --- ''او بدکار! خدا تیری آنکھوں کو کبھی ٹھنڈا نہ کرے --- لَا مَرْحَبًا وَّلَا اَھْلًا''

اوس کا یہ جواب سن کر ابو عامر کی امیدوں پر اوس پڑ گئی اور کہنے لگا

''میرے بعد میری قوم برائی میں مبتلا ہوگئی ہے۔''

پھر غصے میں پتھر اٹھا کر مسلمانوں کو مارنے لگا۔ اس کے ساتھ اس کے چند غلام بھی تھے۔ انہوں نے اپنے آقا کو سنگباری کرتے دیکھا تو وہ بھی ساتھ شامل ہو گئے۔ جواباً مسلمانوں نے بھی از راہِ تفنن ان کو پتھر مارنا شروع کر دیئے۔ ظاہر ہے کہ جنگ سرد مزاج راہبوں اور خودی سے محروم غلاموں کا کھیل نہیں ہوتی۔ اس لئے پتھروں کی بارش سے گھبرا کر یہ لوگ جلد ہی بھاگ اٹھے اور مشرکین کے لشکر میں پناہ گزیں ہو گئے۔

طلحہ کی مبارز طلبی

جنگ کے آغاز ہی میں کچھ لوگوں کا بھاگ اٹھنا کوئی اچھا شگون نہ تھا۔ اس سے باقی فوج کے حوصلے بھی پست ہونے کا خطرہ تھا، اس لئے فی الفور مشرکین کا علمبردار طلحہ بڑے جوش اور جذبے سے نمودار ہوا اور مسلمانوں کو مخاطب کر کے طنزیہ انداز میں گویا ہوا

''ہے کوئی تم میں ایسا شخص جو یا تو مجھے دوزخ میں پہنچا دے، یا میرے ہاتھوں جنت میں داخل ہو جائے---؟''

یہ مسلمانوں کے عقیدے پر چوٹ تھی کہ وہ ایسا سمجھتے ہیں۔

حضرت علیؓ تیزی سے آگے بڑھے اور فرمایا---''ہاں! میں یہ کام کر دیتا ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی حیدری تلوار بجلی کی طرح لہرائی اور طلحہ کا سر دو پارہ ہو گیا۔

طلحہ کے بیٹے عثمان نے جھپٹ کر گرا ہوا علم اٹھایا اور نیزہ تان کر یہ شعر پڑھتا ہوا آگے بڑھا۔

اِنَّ عَلٰی اَھْلِ اللِّوَاءِ حَقًّا

اَنْ یُّخْضِبُوا الصَّعْدَۃَ اَوْ تَنْدَقَّا

(علمبرداروں کا فرض ہے کہ وہ نیزے کو خون سے رنگین کرتے رہیں یہاں تک کہ وہ ٹوٹ جائے۔)

اس کے ''استقبال'' کے لئے حضرت حمزہؓ باہر نکلے اور انتہائی تیزی سے ایسا زور دار وار کیا کہ تلوار اس کا شانہ کاٹتی ہوئی کمر سے جا نکلی اور عثمان اپنے نیزے کو خون سے رنگین کرنے کی حسرت دل ہی میں لئے دو حصوں میں بٹ گیا۔

اللہ جانے کیا بجلیاں بھری ہوئی تھیں، حمزہؓ و علیؓ کے دست و بازو میں کہ ان کی تلواریں فولادی خودوں اور آہنی زرہوں کو بے دریغ کاٹتی ہوئی گزر جاتی تھیں!!

ان دو کے علاوہ حضرت سعدؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت مصعبؓ اور دیگر بہت سے جانبازوں نے یکے بعد دیگرے مشرکین کے کئی علمبردار خاک وخون میں لوٹا دیئے۔ جو بھی ان کے سامنے آیا زندہ واپس نہ جاسکا، مگر مشرکین کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ ایک مرتا تھا تو دوسرا علم تھام لیتا تھا اور اس سلسلے میں اس حد تک جانبازی کا مظاہرہ کرتا تھا کہ دم میں جب تک دم رہتا تھا، علم بلند کیے رکھتا تھا۔ چنانچہ جب ایک علمبردار صواب کے دونوں ہاتھ کٹ گئے اور علم زمین پر گر پڑا تو اس نے فی الفور گھوڑے سے نیچے چھلانگ لگائی اور علم کو سینے اور کٹے ہوئے بازوؤں کے درمیان تھام لیا اور کہا---"میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔" ---اسی حالت میں مارا گیا۔

اس کے بعد علم دیر تک زمین پر پڑا رہا اور کسی کو اسے اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ لگتا تھا کہ اب مشرکین کے پاؤں اکھڑ جائیں گے، مگر ایک بہادر عورت عمرہ نے ہمت کی اور بڑھ کر اسے اٹھالیا۔ یہ دیکھ کر مردوں کو بھی غیرت آ گئی اور چاروں طرف سے علم کے گرد سمٹ آئے۔ اس طرح اکھڑتے ہوئے قدم پھر سے جم گئے اور معرکہ مزید شدت اختیار کر گیا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور سباع

حضرت حمزہ کے دونوں ہاتھوں میں تلواریں تھیں، جنہیں وہ بے محابا چلا رہے تھے۔ جس طرف رخ کرتے صفوں کی صفیں الٹ جاتیں اور لاشوں کے انبار لگ جاتے۔ اچانک عرب کے مشہور شمشیرزن سباع غیشانی سے آمنا سامنا ہوگیا۔ سباع نے کہا---"مقابلہ کروگے؟"

حضرت حمزہؓ اس وقت غضبناک شیر کی طرح بپھرے ہوئے تھے، بولے

"ہاں! او ختنے کرنے والی کے بیٹے! (۱) اللہ رسول کے دشمن!" ---اس کے ساتھ ہی دستِ قضا حرکت میں آیا اور سباع کا سر تن سے جدا ہوگیا۔

---

(۱) سباع کی ماں ختنے کیا کرتی تھی۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

سباع آخری بدنصیب تھا جو حضرت حمزہؓ کے ہاتھوں جہنم رسید ہوا۔ اس کو ٹھکانے لگاتے وقت حضرت حمزہؓ کی زرہ پیٹ سے کھسک گئی تھی۔ وحشی کسی ایسے ہی موقع کی تاک میں ایک چٹان کی آڑ میں چھپا بیٹھا تھا۔ اس نے ان کے پیٹ کا نشانہ لے کر پوری قوت سے نیزہ پھینکا۔ وحشی اس کام کا ماہر تھا۔ چنانچہ اس کا پھینکا ہوا نیزہ ان کی ناف سے ذرا نیچے آ کر لگا اور ان کا شکم کٹ گیا۔ غضبناک ہو کر وحشی کی طرف لپکے، مگر وحشی دور تھا اور انتہائی طاقت سے پھینکا ہوا نیزہ اپنا کام کر چکا تھا، لڑکھڑا کر گر پڑے اور جاں، جان آفرین کے سپرد کر دی۔

غسیل الملائکہ

ابو عامر کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔ وہ مشرکین کا ہمدم و ہمنوا تھا مگر اس کے صاحبزادے حضرت حنظلہؓ مسلمانوں کی طرف سے لڑ رہے تھے اور بڑھ چڑھ کے حملے کر رہے تھے۔ انہوں نے جانِ دو عالم ﷺ سے اپنے باپ کا مقابلہ کرنے کی بھی اجازت مانگی تھی مگر آپ کی شانِ رحمت نے گوارا نہ کیا کہ بیٹا باپ پر ہاتھ اٹھائے، اس لئے آپ نے منع کر دیا۔ اچانک مشرکین کا سپہ سالار ابوسفیان، حضرت حنظلہؓ کی زد میں آ گیا۔ حضرت حنظلہؓ نے اس پر زوردار حملہ کیا۔ قریب تھا کہ اس کا کام تمام ہو جائے کہ ناگاہ ایک پہلو سے شداد جھپٹ پڑا اور حنظلہؓ کو شہید کر دیا۔ (۱)

---

(۱) حضرت حنظلہؓ کو تاریخ اسلام میں غَسِیْلُ الْمَلَائِکَۃِ سے یاد کیا جاتا ہے اور اس کی وجہ مؤرخین نے یہ بیان کی ہے کہ جنگ کے خاتمے کے بعد جب شہداء کی لاشیں تدفین کے لئے اکٹھی کی جا رہی تھیں تو ان میں حضرت حنظلہؓ کی لاش موجود نہ تھی۔ سب حیران تھے کہ آخر حنظلہؓ کی لاش کہاں غائب ہو گئی ہے! اسی دوران جانِ دو عالم ﷺ نے آسمان کی جانب نگاہ اٹھائی تو دیکھا کہ آسمان و زمین کے درمیان ملائکہ چاندی کے برتن لئے حنظلہؓ کو غسل دے رہے ہیں۔ آپ نے یہ بات صحابہ کرام کو بتائی تو سب کو تعجب ہوا کہ حنظلہ کو اتنا بڑا مرتبہ کس عمل کے صلے میں ملا ہے۔ چنانچہ واپسی پر تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ لڑائی سے صرف ایک دن پہلے حنظلہؓ کی شادی ہوئی تھی۔ شب باشی کے بعد غسل سے پہلے ہی اس جوانِ رعنا کو پتہ چل

قبر انور حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ
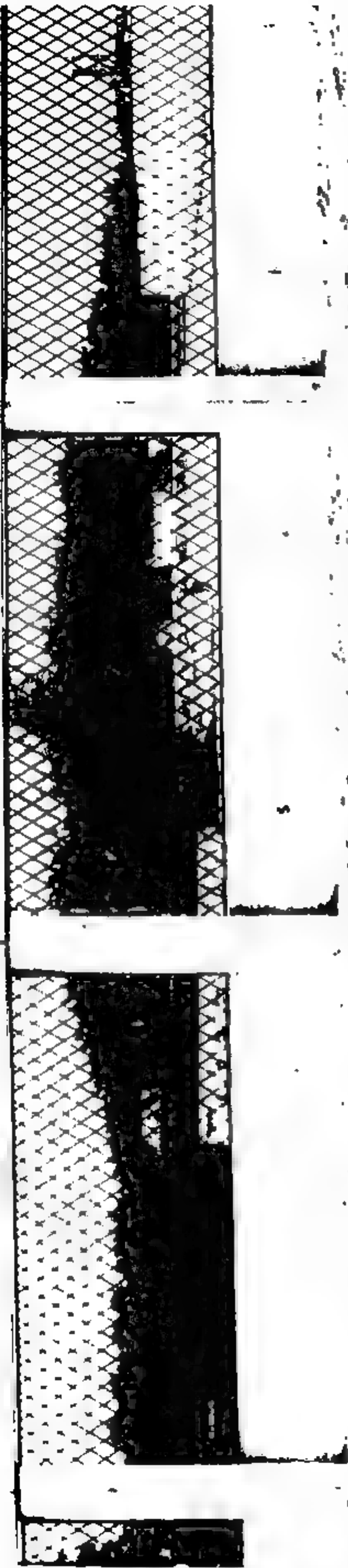
فتح ، لیکن........!

اگر چہ اِکا دُکا مسلمان بھی شہید ہو رہے تھے مگر مشرکین کے تو اتنے سورما مارے جاچکے تھے کہ اب مشرکین پر رفتہ رفتہ دہشت چھاتی جارہی تھی۔ آخر اہل ایمان کے صف شکن حملوں کا اثر ظاہر ہوُا، مردانِ وفاکیش کی جاں نثاریاں اور جانبازیاں رنگ لائیں اور کارکنانِ قضاوقدر نے مسکرا کر فتح کے دروازے کھول دیئے۔ مشرکین کی صفوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ چند لمحے پہلے جو عورتیں رجز گا گا کر اپنی فوج کی ہمت بندھا رہی تھیں، اب پابرہنہ، سر برہنہ چیختی ہوئی اِدھر اُدھر دوڑ رہی تھیں۔ مسلمانوں کے خارا شگاف حملوں نے پھر بدر کی یاد تازہ کردی تھی اور وہ پیش قدمی کرتے ہوئے دشمن کی خیمہ گاہ تک پہنچ گئے تھے۔ اب مشرکین کے لئے اللہ کے ان شیروں سے مزید مقابلہ کرنا ممکن نہ رہا تھا، اس لئے انہوں نے پیٹھ دکھا دی اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے فی الفوران کی لشکر گاہ پر قبضہ کرلیا اور مال غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف ہوگئے۔

یہی وہ لمحہ تھا --- ہاں، یہی وہ افسوسناک لمحہ تھا جب درے پر متعین دستے کے کچھ لوگوں سے ایسی لرزہ خیز اجتہادی غلطی ہُوئی کہ جیتی ہوئی بازی الٹ گئی اور فتح مبین کا سورج گہنا گیا۔

ایسا کیوں ہوُا؟

دراصل درے پر جو تیر انداز مامور تھے، انہوں نے جب دیکھا کہ دشمن میدان چھوڑ کر بھاگ چکا ہے اور مسلمان لشکر گاہ پر قابض ہو کر مال غنیمت اکٹھا کر رہے ہیں تو ان میں اختلاف رائے ہوگیا۔ کمانڈر اور ان کے چند ساتھیوں کا خیال تھا کہ ہمیں تاحکمِ ثانی یہاں جمے رہنا چاہئے اور جب تک رسول اللہ ﷺ اجازت نہ دیں، یہاں سے ہٹنا نہیں

گیا کہ آج کوہِ احد کے دامن میں عشق ووفا کی امتحان گاہ سجی ہے۔ شوقِ شہادت میں غالبًا نہانے کا خیال ہی نہ رہا اور اسی حالت میں میدانِ کارزار کی طرف دوڑ پڑا اور شہید ہو کر من کی مراد پا گیا۔ چونکہ شہادت سے پہلے غسل نہیں کر سکا تھا، اس لئے ملائکہ نے اسے فضا کی پہنائیوں میں نہلا کر ایک انوکھے اعزاز سے نواز دیا اور اس کا لقب (غَسِیْلُ الْمَلَائِکَۃِ) یعنی ملائکہ کا نہلایا ہوُا پڑ گیا۔ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ۔

چاہئے، جب کہ بعض دوسرے لوگوں کا خیال تھا کہ ہمیں یہاں ٹھہرانے کا مقصد دشمن پر غلبہ حاصل کرنا تھا اور وہ بحمد اللہ حاصل ہو گیا ہے، اب یہاں ٹھہرنا بے سود ہے، اس لئے ہمیں نیچے اتر کر مال غنیمت جمع کرنے میں دوسروں کا ہاتھ بٹانا چاہئے۔ کمانڈر نے ان کو بہتیرا سمجھایا بجھایا مگر انہوں نے کوئی بات نہ مانی اور جا کر غنیمت سمیٹنے والوں میں شامل ہو گئے۔ اب درہ تقریباً خالی ہو چکا تھا۔ بھاگتے ہوئے دشمن نے جب دیکھا کہ درے پہ صرف چند آدمی کھڑے ہیں تو اس نے اس غیر متوقع غفلت سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور خالد ابن ولید نے پلٹ کر درے کے راستے حملہ کر دیا۔ درے میں جو مٹھی بھر آدمی موجود تھے، انہیں شہید کر دیا اور عقب سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا۔ مسلمان اس وقت بے فکری سے مال غنیمت جمع کر رہے تھے اور اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے اس لئے اس ناگہانی حملے سے سنبھل نہ سکے اور بدحواس ہو گئے۔ جو شخص جہاں کھڑا تھا گھر کر رہ گیا۔ ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی، لشکر کو سالار کا پتہ نہ تھا۔ ہر شخص انفرادی طور پر لڑ رہا تھا، آہن و فولاد ٹکرا رہا تھا، مگر ترتیب باقی نہ رہنے کی وجہ سے کسی کو یہ علم نہیں ہوتا تھا کہ میری تلوار جس کا خون چاٹ رہی ہے اور میرا نیزہ جس کا سینہ چھید رہا ہے وہ دوست ہے یا دشمن، اپنا ہے یا پرایا۔ اسی افراتفری کے عالم میں چند مسلمانوں نے حضرت حذیفہؓ کے بوڑھے والد حضرت یمانؓ پر حملہ کر دیا۔ آخری لمحوں میں حضرت حذیفہؓ نے پہچان لیا اور چلائے ---''میرے والد ہیں، میرے والد ہیں۔'' ---مگر اس وقت تک تلواریں اپنا کام کر چکی تھیں اور حضرت یمانؓ جاں بحق ہو چکے تھے۔

غرضیکہ عجب انتشار کا عالم تھا --- ترتیب معدوم تھی، اجتماعیت مفقود تھی، شیرازہ بکھرا ہوا تھا اور ہر فرد دشمنوں کے نرغے میں گھرا ہوا تھا --- یہ سب کچھ تھا مگر بایں ہمہ مسلمان ڈٹے ہوئے تھے اور دشمن اپنی تمام تر کوشش کے باوجود ان کے پاؤں اکھاڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا --- عجیب سر بکف اور کفن بردوش لوگ تھے! کٹ جاتے تھے، مر جاتے تھے، مگر پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لیتے تھے۔

مگر پھر ایک ایسی جگر خراش اور دلدوز صدا ان کے کانوں میں پڑی کہ دل ڈوبنے لگے اور سارے ولولے ماند پڑ گئے --- ہاں، ہاں یہ صدا تھی ہی ایسی جانکاہ اور روح

فرما--- اَلَا اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ، اَلَا اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ --- آگاہ ہو جاؤ! محمد مارا جا چکا ہے، آگاہ ہو جاؤ! محمد مارا جا چکا ہے۔ (ﷺ)

یہ ندا کس کی تھی؟

بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ ایک شیطان نے انسانی صورت میں نمودار ہو کر یہ اعلان کیا تھا، وہ اس شیطان کا نام بھی بتاتے ہیں اور جس انسان کی شکل اختیار کی تھی، اس کا نام بھی ذکر کرتے ہیں، مگر ہمیں ان سے اتفاق نہیں ہے کیونکہ شیطان کو اس کام کے لئے انسانی شکل میں متشکل ہونے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اگر اپنی اصلی شکل میں یہ اعلان کرتا، تب بھی اس کا یہی اثر ہوتا۔ دراصل ہوا یہ تھا کہ ابن قمیہ کے ہاتھوں حضرت مصعبؓ شہید ہو گئے تھے اور حضرت مصعبؓ قد و قامت میں جانِ دو عالم ﷺ کے ساتھ کافی مشابہت رکھتے تھے۔ اس لئے ابن قمیہ یہ سمجھا کہ اس نے --- معاذ اللہ --- جانِ دو عالم ﷺ کو مار ڈالا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے خیال میں اس سے بڑا اور کوئی کارنامہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اس لئے جذباتِ فخر و مسرت سے بے قابو ہو کر چلانے لگا ''الا ان......''

اثر

آواز خواہ کسی کی ہو، بہر حال اس مختصر سے جملے نے وہ کام کر دکھایا جو ہزاروں کا لشکر اپنی سر توڑ کوششوں کے باوجود نہ کر سکا تھا۔ یا تو یہ عالم تھا کہ ایک ایک سپاہی کٹ مرنے پر تلا ہوا تھا، یا اب یہ حالت ہو گئی کہ بڑے بڑے نامور شجاع اور بہادر دل چھوڑ بیٹھے اور لڑنے سے دستکش ہو گئے۔ حتیٰ کہ فاروقِ اعظمؓ جیسے مضبوط اعصاب کے مالک انسان نے بھی ہتھیار پھینک دیئے اور دل گرفتہ و ملول ایک جانب کھڑے ہو گئے۔ حضرت انس بن نضرؓ لڑتے ہوئے ان کے پاس سے گزرے تو ان کو اس حال میں دیکھ کر حیران رہ گئے، پوچھا

''یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو؟''

یاس انگیز لہجے میں بولے--- ''اب لڑ کر کیا کریں--- ! رسول اللہ تو شہادت پا گئے۔''

''اگر رسول اللہ شہید ہو گئے ہیں تو ان کے بعد ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے''

حضرت انسؓ نے کہا اور پھر دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ اس دفعہ وہ مرنے کے لئے لڑ رہے تھے،

اس لئے ہر احتیاط بالائے طاق رکھ کر لڑے اور شہید ہو گئے۔ بعد میں ان کی لاش دیکھی گئی تو اس پر تیروں، تلواروں اور نیزوں کے اسی [۸۰] سے زیادہ زخم آئے تھے اور جسم کا کوئی حصہ محفوظ نہ رہا تھا، چہرہ بھی نا قابل شناخت ہو چکا تھا۔ ان کی بہن نے صرف انگلیاں دیکھ کر پہچانا تھا۔

عام حالات میں نہ حضرت عمرؓ جیسا شخص ہتھیار پھینک سکتا تھا، نہ انس بن نضرؓ جیسا بہادر زندگی سے بیزار ہو سکتا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی اندوہناک خبر نے سب کے حواس گم کر دیئے تھے اور ہوش چھین لئے تھے۔ کوئی لڑائی سے دل برداشتہ ہو چکا تھا اور کوئی جان سے بیزار۔ کچھ لوگ بھاگ کر پہاڑی دروں میں روپوش ہو گئے اور کچھ نے مدینہ کی راہ لی --- اس کے علاوہ وہ کر بھی کیا سکتے تھے! --- ہاں! جس محبوب کی رضا جوئی کی خاطر یہ ساری جانبازیاں تھیں، جس جاناں کے لبوں پر ایک مسکراہٹ دیکھنے کے لئے یہ تمام جاں نثاریاں تھیں اور جس دلبر کی زبان سے داد کے دو بول سننے کی غرض سے یہ جملہ سرفروشیاں تھیں، وہی جب ان سے بچھڑ گیا، وہی جب شہادت سے ہمکنار ہو گیا تو پھر وہ کس لئے لڑتے اور کیوں لڑتے ---؟!

مژدۂ جانفزا

تعجب ہے کہ ان حوصلہ شکن حالات میں بھی حق کے کچھ متوالے ثابت قدم تھے اور اپنے زورِ بازو سے دشمن کی یلغار کو روکے ہوئے تھے۔ ایسے ہی ایک دلاور حضرت کعبؓ مارتے کاٹتے آگے بڑھے جا رہے تھے کہ ناگاہ ان کی نظر ایک سوار پر پڑی، جس کے سر پر خود تھا اور جسم پر دیگر سامان جنگ، صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں اور گرد و غبار کے طوفان میں بھی حضرت کعبؓ نے ان چشمانِ نور افشاں کو پہچان لیا --- ہاں! یہ چمکتی دمکتی غزالی آنکھیں اسی آقائے کونین کی تھیں جس کی معیت پہاڑوں سے ٹکرا جانے کا حوصلہ عطا کر دیتی تھی اور دریاؤں کا رخ پھیر دینے کی ہمت بخش دیتی تھی۔ حضرت کعبؓ عالم وارفتگی میں چیخ کر بولے

''اَیُّھَا النَّاسُ! ھٰذَا رَسُوْلُ اللّٰہِ۔'' (لوگو! رسول اللہ تو یہ ہیں۔) صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ.

فائدہ اور نقصان

اس اعلان سے فائدہ بھی ہوا اور نقصان بھی۔ فائدہ تو یہ ہوا کہ مسلمانوں کو اپنے

مرکزِ عقیدت کا پتہ چل گیا اور حرب وضرب کی ایک جہت متعین ہوگئی۔ اس کے بعد میدان میں موجود تمام اہل ایمان ہر طرف سے مار دھاڑ کرتے اور راستے میں آنے والی ہر رکاوٹ کو فنا کے گھاٹ اتارتے اسی طرف آنے لگے۔ مگر نقصان یہ ہوا کہ دشمنوں کو بھی پتہ چل گیا کہ رسول اللہ یہاں ہیں، اس لئے ان کے حملوں کا رخ بھی اسی جانب ہوگیا اور انہوں نے اس محاذ پر اپنی پوری طاقت جھونک دی۔

ام عمارہ رضی اللہ عنہا

بادشاہوں اور مہاراجوں کی لڑائیوں میں اکثر ایسا ہوتا آیا ہے کہ جب راجہ جی کو دشمن کے غلبے کا یقین ہوجاتا تھا تو وہ فوج کو لڑتا ہوا چھوڑ کر خود چپکے سے کھسک جاتا تھا اور اپنی جان بچالیتا تھا، مگر وہ بادشاہوں کا بادشاہ جو اللہ کا آخری رسول بھی تھا اور جس کی جان تمام کائنات کی جانوں سے زیادہ قیمتی تھی، دشمنوں کے نرغے میں بھی ثابت قدم رہا اور تنِ تنہا طوفانی حملوں کے مقابلے میں ڈٹا رہا۔ کچھ دیر تک یہی صورت حال رہی پھر حضرت علی، سعد، زبیر، ابوبکر، ابوطلحہ، ابودجانہ رضی اللہ عنہم اور دیگر بہت سے پروانے جانِ دو عالم ﷺ تک آپہنچے، مگر حیرت ہے کہ ایسی ہولناک گھڑیوں میں آپ تک پہنچنے میں سبقت لے جانے اور سب سے پہلے آپ کا دفاع کرنے کا اعزاز ایک خاتون ام عمارہؓ کو حاصل ہوا۔ وہ بتاتی ہیں کہ میں اس دن مدینہ سے پانی سے بھرا ہوا مشکیزہ لے کر آئی تھی، تاکہ زخمیوں کی پیاس بجھائی جاسکے۔ اس وقت تک مسلمانوں کو غلبہ حاصل تھا، اس لئے بے فکر ہو کر پانی پلانے لگ گئی۔ ایک بار اچانک میری نگاہ میدان کی طرف اٹھی تو مجھے نقشہ بدلا ہوا نظر آیا۔ کیا دیکھتی ہوں کہ رسول اللہ ﷺ تنہا لڑ رہے ہیں اور ان کے آس پاس کوئی بھی نہیں ہے۔ یہ صورت حال دیکھ کر میں نے پانی پلانا چھوڑ دیا اور آپ کی طرف دوڑ پڑی۔ اس وقت ابن قمیہ بڑی تیزی سے رسول اللہ کی جانب بڑھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا ---''دُلُّوْنِیْ عَلٰی مُحَمَّدٍ.........''
(مجھے بتاؤ کہ محمد کہاں ہے؟ آج میں اس کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔)

ام عمارہؓ کہتی ہیں کہ میں نے تیزی سے اس کا راستہ روک لیا اور اس کے مقابلے میں ڈٹ گئی۔ اس نے میرے کندھے پر وار کیا، جس سے مجھے خاصا گہرا زخم لگا۔ میں نے بھی

اس پر وار کئے مگر اس اللہ کے دشمن نے اوپر تلے دو زرہیں پہن رکھی تھیں، اس لئے میری کوششیں بارآور نہ ہوسکیں۔ اتنے میں مصعب نے ابن قمیہ پر حملہ کر دیا، مگر وہ زرہوں کی وجہ سے پھر بچ گیا اور مصعب اس کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

قارئین کرام! یہی وہ گھڑی تھی جب ابن قمیہ نے یہ منحوس اعلان کیا تھا---الاَ انّ مُحمّد اقد قُتل--- بہر حال ام عمارہؓ نے اس دن جانِ دو عالم ﷺ کا اس قدر بھرپور دفاع کیا تھا کہ آپ خود فرماتے ہیں---''مَا الْتَفَتُّ یَمِیْنًا وَّلاَ شِمالًا اِلَّا وَرَأَیْتُھَا تُقَاتِلُ دُوْنِی.'' (میں نے دائیں بائیں جس طرف بھی نگاہ اٹھائی، دیکھا کہ ام عمارہ میرے دفاع میں لڑ رہی ہے۔)(۱)

محیر العقول جانبازیاں

اس دن اہلِ عشق و وفا نے دفاعِ مصطفےٰ ﷺ میں ایسے ایسے کارنامے انجام دیئے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ چند جھلکیاں ملاحظہ فرمایئے۔

﴿۞﴾---حضرت ابوطلحہؓ غضب کے تیر انداز تھے۔ انہوں نے اپنے ترکش کے سارے تیر جانِ دو عالم ﷺ کے سامنے ڈھیر کر رکھے تھے اور ایک تسلسل کے ساتھ

---

(۱) واضح رہے کہ ام عمارہؓ، ان کے شوہر زید ابن عاصمؓ اور دو بیٹے خبیبؓ اور عبداللہؓ، یہ چاروں افراد اس جنگ میں شریک تھے۔ جانِ دو عالم ﷺ اس گھرانے کی اجتماعی شرکت سے بہت مسرور ہوئے اور ان کو دعا دی---''بَارَکَ اللّٰہُ فِیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ'' (تمہارے خاندان کو اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے۔) ام عمارہؓ نے دریائے کرم جوش میں دیکھا تو صرف اتنی دعا پر قناعت نہ کر سکیں اور ایک بڑا مطالبہ پیش کر دیا۔---''یارسول اللہ! دعا فرمایئے اللہ تعالیٰ ہم کو جنت میں آپ کا ساتھی بنائے۔'' جانِ دو عالم ﷺ نے اسی وقت دعا فرما دی---''اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھُمْ رُفَقَائِیْ فِی الْجَنَّۃِ'' (الٰہی! ان کو جنت میں میرا رفیق بنادے۔) ام عمارہ اس قدر خوش ہوئیں کہ کہنے لگیں---''اب مجھے کچھ پروا نہیں کہ دنیا میں مجھ پر کیا گزرتی ہے۔''

مشرکین پر چلا رہے تھے۔ایک بار جانِ دو عالم ﷺ نے ان کے تیر کو ہدف پر لگتا دیکھنے کے لئے گردن اٹھائی تو انہوں نے فی الفور عرض کی

''یا نبی اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، سر اقدس اوپر نہ کیجئے۔ ہیں آپ کو کوئی تیر نہ لگ جائے۔ میں اپنی جان آپ پر قربان کر دوں گا اور آپ کی طرف آنے والے ہر تیر کو اپنے چہرے پر روک لوں گا۔'' نَفْسِیْ لِنَفْسِکَ الْفِدَاءُ وَوَجْهِیْ لِوَجْهِکَ الْوِقَآءُ.''

اللہ غنی! انسان اپنے جسم پر زخم کھالیتا ہے، مگر چہرے کو بہر صورت بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے، مگر اللہ جانے وہ لوگ عشق و محبت کی کس معراج کو پہنچے ہوئے تھے کہ اپنے حسین و دلکش چہروں پر تیر کھالیتے تھے، مگر جانِ دو عالم ﷺ کو بچا لیتے تھے۔

◉ ---حضرت قتادہؓ بھی جانِ دو عالم ﷺ کی طرف کوئی تیر آتا دیکھتے تو اپنا چہرہ آگے کر دیتے۔ایک دفعہ جب انہوں نے اسی طرح اپنا چہرہ آگے بڑھایا تو ایک تیر ان کی آنکھ میں آ کر لگا اور آنکھ کا ڈھیلا باہر نکل کر رخسار پر لٹک گیا۔

جانِ دو عالم ﷺ نے ان کو اس حال میں دیکھا تو آنکھیں ڈبڈبا آئیں، پھر آپ نے ان کی لٹکتی ہوئی آنکھ کو اپنے دستِ مبارک سے اپنی جگہ پر جمایا اور دعا فرمائی۔

''اَللّٰهُمَّ قِ وَجْهَ قَتَادَةَ كَمَا وَقٰى وَجْهَ نَبِيِّكَ فَاجْعَلْهَا اَحْسَنَ عَيْنَيْهِ وَاَحَدَّهُمَا.''

(اے اللہ! قتادہ کے چہرے کو اس عیب سے بچا، جس طرح اس نے تیرے نبی کے چہرے کو بچایا ہے اور اس کی اس آنکھ کو زیادہ خوبصورت اور زیادہ بینائی والی بنا دے۔)(۱)

---

(۱) اہل دل کی نگاہ میں حضرت قتادہؓ کے اس عمل کی کتنی قدر تھی، اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہی حضرت قتادہؓ کی اولاد میں سے کوئی شخص اپنی کسی ضرورت کے سلسلے میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دربار میں حاضر ہوا تو حضرت عمرؒ نے اس سے پوچھا کہ تم کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟ اس نے جواب میں یہ دو شعر پڑھے۔ ☜

چنانچہ آنکھ اسی وقت ٹھیک ٹھاک ہوگئی اور بینائی بھی پہلے سے زیادہ تیز ہوگئی۔

۞ ---ایک موقع پر جب تیروں کی بوچھاڑ شدت اختیار کرگئی تو حضرت ابودجانہؓ جانِ دو عالم ﷺ پر یوں جھک گئے کہ چاروں طرف سے آئے ہوئے تیران کی پیٹھ اور کمر میں پیوست ہوگئے---- اللہ اکبر!---کتنے ہی تیران کے بدن میں ترازو ہوگئے، مگر جانِ دو عالم ﷺ تک انہوں نے کوئی تیر نہ پہنچنے دیا۔

۞ ---حضرت طلحہؓ تیروں کے آگے اپنا ہاتھ رکھ دیتے تھے۔ اس طرح ان کا ایک ہاتھ شل ہوگیا۔ اس دن ان کے جسم پر ستر کے قریب زخم آئے۔ ایک زخم سر پر لگا، جس سے بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ صدیق اکبرؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے لئے پانی لایا تو آپ نے فرمایا---'' جا کر طلحہ کو پلاؤ۔'' میں طلحہ کے پاس گیا تو وہ بے ہوش پڑے تھے اور زخموں سے خون ابل رہا تھا۔ میں نے ان کے چہرے پر پانی چھڑکا تو ان کو کسی قدر افاقہ ہوا اور ہوش میں آنے پر پہلا سوال یہ کیا، کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ میں نے بتایا کہ اللہ کے فضل سے بخیریت ہیں اور انہوں نے ہی مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔

یہ سن کر ان کے چہرے پر رونق آگئی اور کہا---'' كُلُّ مُصِيْبَةٍ بَعْدَهٗ جَلَلٌ.'' (ان کے ہوتے ہوئے ہر مصیبت آسان ہے۔)

اَنَا ابْنُ الَّذِیْ سَالَتْ عَلَی الْخَدِّ عَيْنُهٗ ... فَرُدَّتْ بِكَفِّ الْمُصْطَفٰى اَحْسَنَ الرَّدِّ

فَعَادَتْ كَمَا كَانَتْ لِاَوَّلِ اَمْرِهَا ... فَيَا حُسْنَ مَا عَيْنٍ وَّيَا حُسْنَ مَارَدِّ

(میں اس انسان کا بیٹا ہوں، جس کی آنکھ رخسار پر بہہ گئی تھی۔ پھر دستِ مصطفٰی ﷺ سے دوبارہ اپنی جگہ پر بہترین انداز میں لوٹا دی گئی اور وہ اسی طرح ہوگئی جیسے کہ اس سے پہلے تھی۔ پس کیا ہی حسین تھی کوئی آنکھ اور کیا ہی حسین تھا کسی کا لوٹانا!)

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے اس کو بہت عزت دی، اس کا مطالبہ پورا کیا اور اس کے علاوہ بھی بہت کچھ دیا، پھر فرمایا بِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَتَوَسَّلِ الْمُتَوَسِّلُوْنَ. (وسیلہ تلاش کرنے والوں کو چاہیے کہ ایسے ہی اعمال کو اپنا وسیلہ بنایا کریں۔)

---حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کو جانِ دو عالم ﷺ نے اپنے سامنے بٹھالیا اور کہا---''تیر چلاؤ!''

حضرت سعد نے تیر چلانا شروع کیے تو جانِ دو عالم ﷺ اپنے ترکش سے تیر نکال کر ان کو دیتے جاتے اور فرماتے جاتے

''اِرْمِ! فِدَاکَ اَبِیْ وَاُمِّیْ.'' (تیر چلا! تجھ پر میرے ماں باپ قربان ہوں)

اللہ اللہ! آقائے کونین ﷺ کسی کو کہہ دیں کہ میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں---اس سے بڑا اعزاز بھلا اور کیا ہوگا!

واضح رہے کہ اس وقت جانِ دو عالم ﷺ کے آس پاس صرف بارہ تیرہ جاں نثار تھے جو آپ کے دفاع کا حق ادا کر رہے تھے، مگر ظاہر ہے کہ چند افراد ہزاروں کی یلغار کو کسی طرح نہیں روک سکتے تھے۔ چنانچہ دشمنوں کا گھیرا تنگ ہوتا جا رہا تھا اور اب تیروں کی بجائے تلواروں سے لڑائی ہو رہی تھی۔ اس وقت جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا---''کون ہے، جو میرا دفاع کرے اور جنت میں میرا رفیق بنے۔''

حضرت زیادؓ نے جواب دیا---''میں، یارسول اللہ!'' اور اپنے سات [۷] ساتھیوں کے ساتھ دشمن پر یوں ٹوٹ پڑے کہ یکے بعد دیگرے ساتوں پروانے شمع نبوت پر فدا ہوگئے۔ حضرت زیادؓ سخت زخمی حالت میں اٹھا کر لائے گئے۔ جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا---''اس کو میرے پاس لے آؤ!''

چنانچہ ان کو جانِ دو عالم ﷺ کے قریب پہنچا دیا گیا۔ زندگی کے آخری لمحات میں ان کو یہ سعادتِ عظمیٰ حاصل ہوئی کہ انہوں نے اپنا رخسار جانِ دو عالم ﷺ کے قدم مبارک پر رکھ دیا اور اسی حالت میں جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔

کوئی دیکھے تو یہ اعزاز شیدائے محمد کا
کہ خوابِ ناز کو تکیہ مِلا پائے محمد کا
ﷺ

جانِ دو عالم ﷺ پر حملے

آخر دشمن جانِ دو عالم ﷺ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ ابن شہاب کی ضرب سے آپ کی جبینِ انور مجروح ہو گئی۔ ابن قمیہ نے اتنے زور سے وار کیا کہ خود کٹ گیا اور اس کی دو آہنی کڑیاں رخسارِ پُر انوار کو کاٹتی ہوئی اندر دھنس گئیں۔ عتبہ نے پتھر برسائے۔ ایک پتھر سے آپ کا زیریں ہونٹ پھٹ گیا اور نچلے دانتوں میں سے ایک دانت کا کچھ حصہ ٹوٹ کر جدا ہو گیا۔ (۱)

---

(۱) اردو کے اکثر سیرت نگاروں نے جانِ دو عالم ﷺ کے دو دندان مبارک کی شہادت کا ذکر کیا ہے۔ بعض نے چار بھی لکھے ہیں، مگر تحقیقات سے ثابت ہوا کہ یہ محض غلط فہمی ہے۔

اس بات کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے حدیث، تاریخ اور لغت کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ غزوۂ احد میں رسول اللہ ﷺ کا رَباعِیَہ ٹوٹ گیا تھا۔ کُسِرَتْ رباعیتہ ..... بخاری ج ۲، ص ۵۸۴۔

کونسا رَباعِیَہ ٹوٹا تھا---؟ تمام محدثین اور مؤرخین متفق ہیں کہ رَباعِیَہ یُمْنیٰ سُفْلیٰ ٹوٹا تھا، یعنی دائیں طرف والا نچلا رباعیہ۔ حاشیہ بخاری میں ہے اَیِ الْیُمْنیٰ اَلسُّفْلیٰ یعنی دایاں نچلا رباعیہ۔ ابن ہشام، مواہب اور سیرت و تاریخ کی دیگر کتابوں میں بھی یہی لکھا ہے۔

(واضح رہے کہ رباعیہ، ثنیہ اور ناب عربی میں مؤنث ہیں مگر ترجمے میں ہم نے دانت کی مناسبت سے ان کو مذکر سے تعبیر کیا ہے۔)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رباعیہ کیا ہے---؟ تو اس کی وضاحت ائمہ لغت نے یوں کی ہے

اَلرَّباعِیَۃُ --- مِثْلُ الثَّمَانِیَۃِ --- اِحْدَی الْاَسْنَانِ الْاَرْبَعِ الَّتِیْ تَلِی الثَّنَایَا، بَیْنَ الثَّنِیَّۃِ وَالنَّابِ ... وَالْجَمْعُ رَبَاعِیَاتٌ قَالَ الْاَصْمَعِیُّ: لِلْاِنْسَانِ مِنْ فَوْقِ ثَنِیَّتَانِ وَرَبَاعِیَتَانِ بَعْدَھُمَا ...... وَکَذٰلِکَ مِنْ اَسْفَل

(رباعیہ، بروزن ثمانیہ، ان چار دانتوں میں سے ایک دانت کو کہتے ہیں جو ثنایا سے ملے ہوتے ہیں اور یہ ایک دانت ثنیہ اور ناب کے درمیان واقع ہوتا ہے۔ رَباعِیَہ کی جمع رباعیات ہے۔ انسان

ہائے! کیسا دلدوز اور جاں سوز منظر رہا ہوگا!!

شکستہ ہوگئیں سلکِ درِ شہوار کی لڑیاں
دو پارہ ہوگئے لب، گڑ گئیں رخسار میں کڑیاں
لب و دنداں کہ تھے سب لائق دید و شنید اس کے
وہ لب زخمی، وہ دندانِ مبارک تھے شہید اس کے

اصمعی نے کہا ہے کہ ہر انسان کے اوپر والے دانتوں میں دو ثنیہ ہوتے ہیں اور دو رباعیہ اسی طرح نیچے کے دانتوں میں بھی ثنیۃ اور رباعیہ ہوتے ہیں۔) (لسان العرب، ج۸، مادہ ربع)

مزید وضاحت کے لئے دانتوں کا درج ذیل عکس ملاحظہ فرمائیے!

ثَنِیَّۃ (یُمْنٰی عُلْیَا)
ثَنِیَّۃ (یُسْرٰی عُلْیَا)
رَبَاعِیَۃ (یُمْنٰی عُلْیَا)
رَبَاعِیَۃ (یُسْرٰی عُلْیَا)
نَابٌ (یُمْنٰی عُلْیَا)
نَابٌ (یُسْرٰی عُلْیَا)
نَابٌ (یُمْنٰی سُفْلٰی)
نَابٌ (یُسْرٰی سُفْلٰی)
رَبَاعِیَۃ (یُمْنٰی سُفْلٰی)
رَبَاعِیَۃ (یُسْرٰی سُفْلٰی)
ثَنِیَّۃ (یُمْنٰی سُفْلٰی)
ثَنِیَّۃ (یُسْرٰی سُفْلٰی)
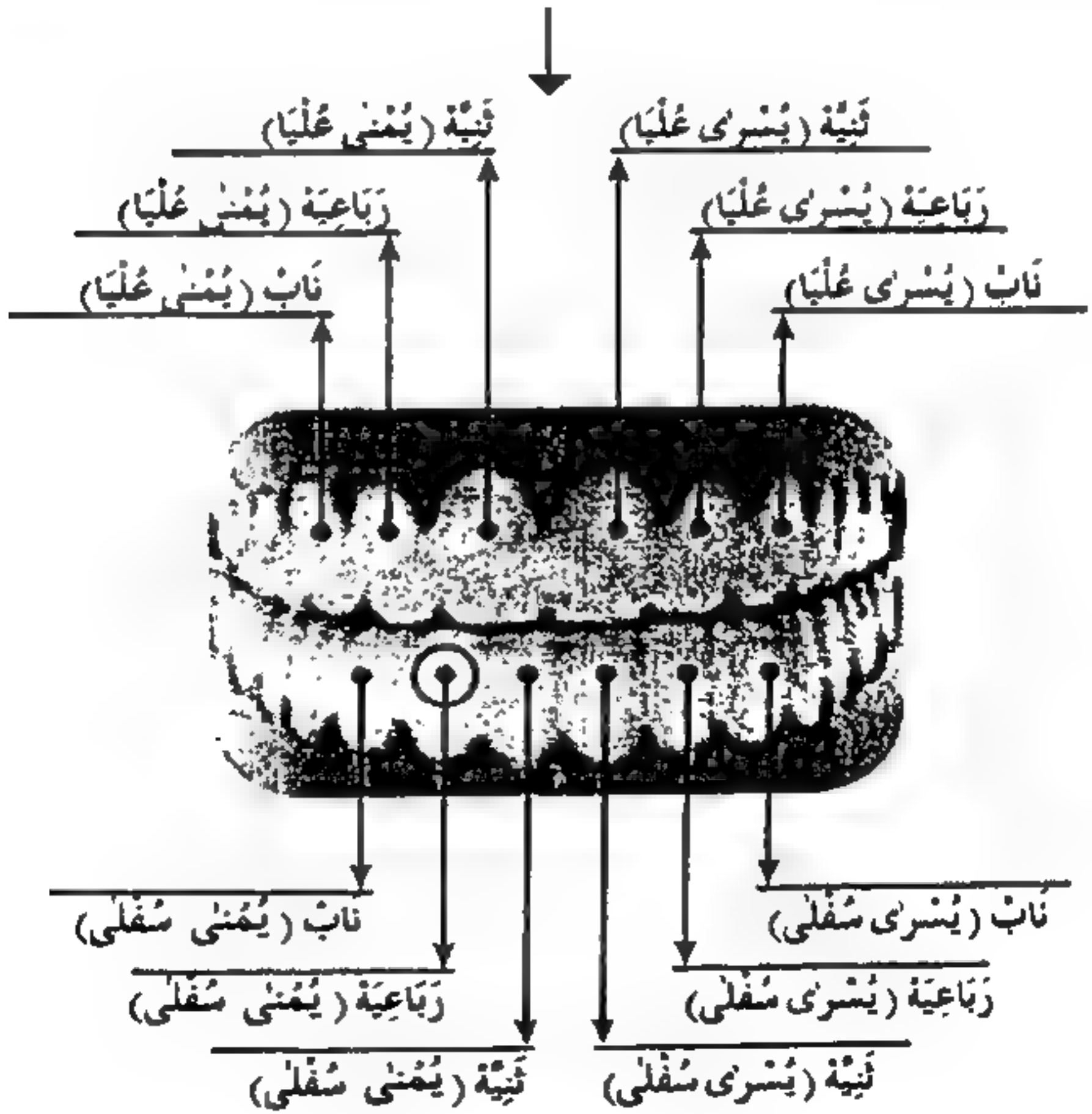
نَابٌ کی تثنیہ نَابَان، نَابَیْن اور جمع اَنْیَاب ہے۔
رَبَاعِیَہ کی تثنیہ رَبَاعِیَتَان۔ رَبَاعِیَتَیْن اور جمع رَبَاعِیَات ہے۔
ثَنِیَّہ کی تثنیہ ثَنِیَّتَان۔ ثَنِیَّتَیْن اور جمع ثَنَایَا ہے۔

زمیں پر پھول جن کے عکس تھے افلاک پر تارے
نظر آتے تھے خون آلودہ وہ پر نور رخسارے

آہ! کہ ظلم و ستم کے یہ پہاڑ ظالموں نے اس رحیم و شفیق اور مہربان رسول پر توڑے، جو ان کے ہاتھوں لہولہان ہو کر بھی دستِ بدعا تھا --- ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ o'' (اے اللہ! میری قوم کو معاف فرما دے کیونکہ یہ نا سمجھ ہیں۔)

مندرجہ بالا حوالہ جات سے واضح ہے کہ

(ا) --- رَبَاعِیَۃ مفرد ہے۔ اِحْدَی الْاَسْنَانِ، یعنی وہ ایک دانت جو ناب اور ثنیہ کے درمیان ہوتا ہے۔

(ب) --- اس کی تثنیہ رَبَاعِیَتَانِ اور جمع رَبَاعِیَات ہے۔

(ج) --- جانِ دو عالم ﷺ کا صرف ایک رَبَاعِیَۃ ٹوٹا تھا جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کُسِرَتْ رَبَاعِیَتُہ'۔ اگر دو دانت ٹوٹے ہوتے تو اس صورت میں اگر وہ دونوں رباعیے ہوتے تو حدیث کے الفاظ اس طرح ہوتے کُسِرَتْ رَبَاعِیَتَاہُ. (آپ کے دو رباعیے ٹوٹ گئے تھے۔) اور اگر ایک رباعیہ اور دوسرا ثنیہ یا ناب ہوتا تو عبارت یوں ہوتی کُسِرَتْ رَبَاعِیَتُہ' وَثَنِیَّتُہ' یا کُسِرَتْ رَبَاعِیَتُہ' وَنَابُہ'. یعنی رباعیہ اور ثنیہ یا رباعیہ اور ناب ٹوٹ گئے تھے۔

(د) --- محدثین و مؤرخین کے نزدیک بالاتفاق ٹوٹنے والا دانت رباعیہ یُمْنٰی سُفْلٰی تھا، یعنی دایاں نچلا رباعیہ۔

ان حقائق کے پیشِ نظر یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ جانِ دو عالم ﷺ کے دو یا چار دانت ہرگز نہیں ٹوٹے تھے! بلکہ صرف ایک دانت مبارک شکستہ ہوا تھا، یعنی وہ دانت جو دائیں ثنیہ اور دائیں ناب کے درمیان واقع تھا۔

نہ جانے دو اور چار دانتوں والی بات اردو کے بعض سیرت نگاروں نے کہاں سے نکال لی ---!!

پھر رباعیہ بھی سارا نہیں ٹوٹا تھا؛ بلکہ اس کا ذرا سا حصہ ٹوٹ کر جدا ہوا تھا۔ بخاری شریف کے حاشیہ میں ہے وَلَمْ یُکْسَرْ رَبَاعِیَتُہ' مِنْ اَصْلِھَا، بَلْ ذَھَبَ مِنْھَا فَلْقَۃٌ،ص۵۸۴ (آپ کا رباعیہ جڑ سے نہیں ٹوٹا تھا؛ بلکہ اس کا ایک ٹکڑا جدا ہوا تھا۔)

یہ چھوٹا سا ٹکڑا جو جدا ہوا تھا، اوپر والا تھا یا سائڈ والا ---؟ اس کے بارے میں کوئی ☜

خود کی کڑیاں پُر نور رخسار میں کچھ اس طرح پھنس گئی تھیں کہ حضرت ابو عبیدہؓ ابن جراح کو دانتوں سے پکڑ کر نکالنا پڑیں۔(۱) اس طرح کڑیاں تو نکل گئیں مگر حضرت ابو عبیدہؓ

وضاحت نہیں مل سکی؛ تاہم ہمارے خیال میں--- وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ--- یہ سائڈ والا حصہ رہا ہوگا کیونکہ اوپر سے جو دانت ٹوٹ جائے وہ دانتوں کے ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق ہمیشہ اسی طرح رہتا ہے اور دوسرے دانتوں کے ساتھ کبھی بھی برابر نہیں ہوتا۔ اس صورت میں چاہئے تھا کہ آپ کا حلیہ مبارکہ بیان کرنے والے اور آپ کے حسین دانتوں کی منظر کشی کرنے والے یہ تذکرہ ضرور کرتے کہ پہلے آپ کے دانت مبارک برابر اور ہموار تھے، بعد میں غزوۂ احد کے دوران ایک دانت ٹوٹ جانے کی وجہ سے وہ دانت باقیوں کی بنسبت پست ہو گیا تھا؛ حالانکہ کسی بھی حلیہ نگار نے اس بات کا ذکر نہیں کیا۔ یوں بھی اس طرح کے دانت خوبصورت نہیں سمجھے جاتے ہیں؛ جبکہ جان دو عالم ﷺ کے دندان مبارک کا حسن و تناسب شک وشبے سے بالاتر ہے۔ اس لئے ہمارے خیال میں اوپر کا نہیں؛ بلکہ سائڈ کا ذرا سا ٹکڑا الگ ہوا ہوگا جو بعد میں جلد ہی متوازن ہو گیا ہوگا کیونکہ ماہرینِ دندان کہتے ہیں کہ اگر ایک داڑھ نکل جائے تو درمیانی رکاوٹ ہٹ جانے کی وجہ سے دونوں طرف والی داڑھیں ایک دوسرے کی طرف جھک جاتی ہیں اور ان میں بہت کم فاصلہ رہ جاتا ہے۔ جان دو عالم ﷺ قدرتی طور پر مُفَلَّجُ الْاَسْنَان تھے۔ یعنی آپ کے دندان مبارک بہت زیادہ پیوستہ اور باہم جڑے ہوئے نہیں تھے؛ بلکہ ان میں مناسب وموزوں فاصلہ تھا، اور اس طرح کے دانتوں میں سے اگر کسی دانت کی سائڈ سے چھوٹی سی کرچ جدا بھی ہو جائے تو دیکھنے میں کوئی خاص فرق محسوس نہیں ہوتا، پھر چند دنوں کے بعد دونوں دانتوں کے ایک دوسرے کی طرف جھک جانے کی وجہ سے وہ معمولی سا فرق بھی کالعدم ہو گیا ہوگا، اس لئے نہ کسی حلیہ نگار نے اس کو بیان کیا، نہ جان دو عالم ﷺ کے دندان مبارک کے حسن وجمال اور ربط واتصال میں ذرا برابر کوئی کمی واقع ہوئی۔

جن کے گچھے سے لچھے جھڑیں نور کے
ان ستاروں کی نزہت پہ لاکھوں سلام

(۱) کڑیاں نکالنے سے خون یوں بُھل بُھل بہنے لگا، جیسے مشکیزہ کا منہ کھل گیا ہو، یہ دیکھ کر حضرت مالک بن سنانؓ آگے بڑھے اور بہتا ہوا لہو چوسنا شروع کر دیا۔ جانِ دو عالم ﷺ نے پوچھا ''اَتَشْرَبُ الدَّمَ؟'' (کیا تم خون کو پیتے جا رہے ہو؟) ☜

کے اپنے دو دانت ٹوٹ کر گر گئے۔

ابن قمیہ نے ایک اور وار آپ کے شانۂ اقدس پر کیا۔ زرہ کی وجہ سے زخم تو نہ لگا، مگر آپ توازن برقرار نہ رکھ سکے اور ایک گڑھے میں گر پڑے جس سے پنڈلیاں اور رانیں زخمی ہو گئیں۔

یہ صورت حال دیکھ کر دشمنوں سے نبرد آزما سرفروش جان کی بازیاں لگا کر پلٹے اور گڑھے کو گھیرے میں لے لیا۔ حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ گڑھے میں اترے، حضرت علیؓ نے آپ کا روئے زیبا اپنے ہاتھوں سے سنبھالا اور حضرت طلحہؓ نے آپ کو اٹھا کر کھڑا کیا اور باہر نکالا۔ پھر سب نے آپ کے گرد حلقہ بنا لیا اور دشمنوں سے بچاتے ہوئے ایک گھاٹی کی طرف لے چلے۔

اس تدبیر سے آپ کفار کے نرغے سے نکل آئے اور کسی حد تک محفوظ ہو گئے، مگر اُبی ابن خلف نے پیچھا نہ چھوڑا اور تعاقب کرتا ہوا آپ کے قریب آ پہنچا۔ صحابہ کرامؓ نے اس کو واصل جہنم کرنا چاہا تو جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا

''اس کو آنے دو۔ اس کے ساتھ میں خود مقابلہ کروں گا۔''

صحابہ کرامؓ حیران تو ہوئے ہوں گے کہ اس بدبخت کے ساتھ آپ خود کیوں مقابلہ کرنا چاہتے ہیں، جب کہ بے تحاشا خون بہنے کی وجہ سے آپ پر کافی نقاہت طاری تھی مگر تعمیلِ حکم کے سوا چارہ نہ تھا، اس لئے سب ہٹ گئے اور اس کو آگے بڑھنے کے لئے راستہ دے دیا۔

جانِ دو عالم ﷺ نے ایک صحابی سے نیزہ لیا اور ابی کی گردن پر ہلکا سا وار کیا جس سے بہت معمولی سی خراش پڑی، مگر اللہ جانے اس ہلکے سے وار میں کون سی معجزانہ قوت کار

''جی ہاں! یا رسول اللہ!'' مالک بن سنانؓ نے جواب دیا۔

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا---''مَنْ مَسَّ دَمِیْ دَمَہٗ لَمْ تَمَسَّہُ النَّارُ'' (جس کے خون میں میرا خون شامل ہو گیا، اس کو آگ چھو بھی نہیں سکتی۔)

اللہ اکبر! عام انسان کا خون نجس، ناپاک اور قطعی طور پر حرام مگر محبوب خدا کا خون طاہر، مطہر اور جو اس کو پی لے اس پر آتشِ دوزخ قطعی طور پر حرام--- کار پاکاں را قیاس از خود مگیر۔

فرماتھی کہ ابی کربناک لہجے میں چلانے لگ گیا۔

''قَتَلَنِیْ وَاللهِ مُحَمَّدٌ ، قَتَلَنِیْ وَاللهِ مُحَمَّدٌ'' (اللہ کی قسم! مجھے محمد نے مار ڈالا۔ اللہ کی قسم! مجھے محمد نے مار ڈالا۔)

اسی طرح چیختا چلاتا اپنے ساتھیوں کی طرف بھاگا۔ انہوں نے سمجھا کہ شاید بری طرح زخمی ہوگیا ہے اس لئے یوں گلا پھاڑ پھاڑ کر چلا رہا ہے۔ چنانچہ سب اس کے گرد اکٹھے ہوگئے، مگر یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ گردن پر ذراسی خراش کے علاوہ اس کے پورے جسم پر کوئی زخم نہیں ہے، اس کے باوجود وہ ذبح کئے ہوئے بیل کی طرح تڑپ رہا ہے اور فریادیں کررہا ہے کہ---''قَتَلَنِیْ وَاللهِ مُحَمَّدٌ''

آخر وہ لوگ جھنجھلا گئے اور کہنے لگے۔

''ذَهَبَ وَاللهِ فُؤَادُکَ........''

(اللہ کی قسم! تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے، تم تو اپنے جسم میں لگے ہوئے تیروں کو اپنے ہاتھ سے نکال لیا کرتے تھے اور پھر انہی تیروں سے دشمنوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا کرتے تھے۔ آج تمہیں کیا ہوگیا کہ یوں چیخ رہے ہو؟ تمہاری گردن پر یہ جو ذراسی لکیر ہے، یہ تو اتنی معمولی ہے کہ اگر ہماری آنکھوں میں بھی ایسی خراش پڑ جائے تو ہمیں کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ واللہ! تم تو بالکل ٹھیک ٹھاک ہو اور خواہ مخواہ چلائے جارہے ہو۔ شاید تمہیں وہم ہوگیا ہے۔)

اُبی نے تڑپتے ہوئے جواب دیا---''لات وعزیٰ کی قسم! مجھے اس قدر درد ہے کہ اگر میرا درد ربیعہ اور مضر کے قبیلوں پر تقسیم کردیا جائے تو ان کا ہر فرد تڑپ تڑپ کر مر جائے۔ دراصل محمد نے ایک دفعہ مجھ سے کہا تھا کہ میں تجھے قتل کروں گا۔(۱) آج اس نے

---

(۱) اُبی بدر کے دن گرفتار ہوگیا تھا اور فدیہ دے کر رہا ہوا تھا۔ رہائی کے بعد جب مکہ کی طرف روانہ ہونے لگا تو جانِ دو عالم ﷺ کو مخاطب کر کے گویا ہوا---''محمد! میں نے ایک گھوڑا پال رکھا ہے، جسے روزانہ بارہ [۱۲] سیر دانہ کھلاتا ہوں۔ ایک دن آئے گا کہ میں اس گھوڑے پر سوار ہو کر آؤں گا اور تمہیں قتل کردوں گا۔'' ☜

اپنی بات پوری کردی ہے اور مجھے یقین ہے کہ آج وہ مجھ پر تھوکتا بھی تو میں مر جاتا، یہ تو پھر خراش ہے۔"
واپسی کے سفر میں بھی ابی اسی طرح چیختا اور تڑپتا رہا، آخر سرف نامی جگہ پر تکلیف کی شدت سے مر گیا۔

خدمت گزاری

جانِ دو عالم ﷺ جس گھاٹی کی طرف جا رہے تھے وہ خاصی اونچی اور دشوار گزار تھی، جب کہ جانِ دو عالم ﷺ بہت سا خون ضائع ہو جانے کی وجہ سے خاصی کمزوری محسوس کر رہے تھے۔ دو زرہیں جو آپ کے بدن پر تھیں، ان کا بوجھ الگ تھا۔ چنانچہ راستے میں آنے والے ایک بڑے پتھر پر جب آپ نے چڑھنا چاہا تو نہ چڑھ سکے۔ یہ دیکھ کر حضرت طلحہؓ فوراً آگے بڑھے اور پتھر کے پاس جھک گئے۔ جانِ دو عالم ﷺ ان کی پشت پر پاؤں رکھ کر اوپر چڑھ گئے تو فرمایا

"اَوْجَبَ طَلْحَه" (طلحہ نے اپنے لئے جنت واجب کر لی ہے۔)

واضح رہے کہ یہ وہی طلحہؓ ہیں جو ستر [۷۰] کے قریب زخم کھانے کے بعد بے ہوش ہو کر گر پڑے تھے اور صدیق اکبرؓ کے پانی چھڑکنے سے ہوش میں آئے تھے۔ وہی طلحہؓ اب اپنے داغ داغ بدن کو پائے مصطفٰے ﷺ کے لئے زینہ بنا کر جھکے کھڑے ہیں تاکہ آپ کو اوپر چڑھنے میں دقت نہ ہو--- خدمت گزاری کا یہ کیسا بے مثال اور لازوال جذبہ ہے---رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ.

جانِ دو عالم ﷺ اس کی لاف زنی سن کر مسکرائے اور فرمایا---"تم تو مجھے قتل نہیں کر پاؤ گے؛ البتہ میں انشاء اللہ ضرور تمہیں قتل کر دوں گا۔"
آپ کا یہی فرمان اُبی کو اس وقت یاد آ رہا تھا۔ آپ نے بھی محض اپنے اس وعدے کو پورا کرنے کے لئے اس کے ساتھ بذاتِ خود مقابلہ کیا تھا، ورنہ ایک اس بدنصیب کے علاوہ آپ نے زندگی بھر کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ.

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا

جانِ دو عالم ﷺ کی شہادت کی افواہ مدینہ طیبہ پہنچی تو وہاں سے سیدہ فاطمہؓ اور متعدد خواتین بے تاب ہو کر احد کی طرف چل پڑیں، مگر جب سیدہ فاطمہؓ نے اپنے پیارے ابا جان کو زندہ وسلامت دیکھا تو دوڑ کر گلے لگ گئیں۔ پھر علاج معالجے کی طرف متوجہ ہوئیں۔ حضرت علیؓ پانی لائے اور زخموں پر ڈالنا شروع کیا۔ سیدہ فاطمہؓ نے اپنے ہاتھوں سے زخم دھوئے، صاف کئے، مگر خون تھمنے میں نہیں آتا تھا۔ آخر سیدہ فاطمہؓ نے چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اور اس کی راکھ زخموں پر چپکا دی۔ یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی اور خون نکلنا بند ہو گیا۔

درندگی کا مظاہرہ

جنگ ختم ہو گئی تو وحشی نے حضرت حمزہؓ کا پیٹ چاک کیا اور ان کے جگر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر ابوسفیان کی بیوی ہند کے پاس گیا اور کہا۔

''اگر تمہیں بتاؤں کہ میں نے تمہارے والد کے قاتل کو مار ڈالا ہے تو مجھے کیا انعام ملے گا۔''(۱)

ہند نے کہا---''اس وقت جو کچھ میرے پاس ہے وہ سب تیرا ہوگا اس کے علاوہ گھر جا کر دس دینار مزید دوں گی۔''

وحشی خوش ہو گیا اور حضرت حمزہؓ کے جگر کا ٹکڑا ہند کو دے کر کہا---''یہ رہا تمہارے دشمن کا کلیجہ!''

ہند نے کلیجہ لے کر چبا ڈالا اور یوں دل ٹھنڈا کیا۔ پھر حسبِ وعدہ اپنا تمام زیور اور قیمتی کپڑے اسی وقت وحشی کے حوالے کر دیئے۔ تعجب ہے کہ کلیجہ چبا کر بھی اس کی تسلی نہ ہوئی۔ چنانچہ آخر وہ خود حضرت حمزہؓ کی لاش پر گئی اور ان کے کان اور ناک کاٹ کر ہار بنایا اور گلے میں ڈال لیا۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ مکہ واپس پہنچنے تک یہ ہار اس کے گلے میں پڑا رہا۔

---

(۱) حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ہند کے والد کو بدر میں قتل کیا تھا۔

ھند کا اظہارِ مسرت

جنگ کے خاتمے پر ہند نے مندرجہ ذیل اشعار میں اپنی بھرپور خوشی کا اظہار کیا اور وحشی کا شکریہ ادا کیا۔

نَحْنُ جَزَيْنَاكُمْ بِيَومِ بَدْرٍ وَالْحَرْبُ بَعْدَ الْحَرْبِ ذَاتُ سَعْرٍ

شَفَيْتُ نَفْسِىْ وَ قَضَيْتُ نَذْرِىْ شَفٰى وَحْشِىٌّ غَلِيْلَ صَدْرِىْ

فَشُكْرُ وَحْشِىِّ عَلٰى عُمْرِىْ حَتّٰى تَرُمَّ اَعْظُمِىْ فِىْ قَبْرِىْ

(آج ہم نے بدر کا بدلہ چکا دیا ہے اور جنگ کے الاؤ تو اسی طرح یکے بعد دیگرے بھڑکتے رہتے ہیں۔ میں نے اپنا دل ٹھنڈا کر لیا ہے، منت پوری کر لی ہے اور وحشی نے میرے سینے کی جلن اور پیاس بجھا دی ہے۔ میں وحشی کا شکریہ عمر بھر ادا کرتی رہوں گی؛ بلکہ اس وقت بھی جب قبر میں میری ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی۔)

مشرکین کی واپسی

مشرکین واپس جانے لگے تو ابوسفیان اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ اس پہاڑی کے پاس آیا جس پر جانِ دو عالم ﷺ قرار پذیر تھے۔ تھوڑا سا اوپر چڑھا اور پکارا

''کیا یہاں محمد ہے؟''

جانِ دو عالم ﷺ کے اشارہ پر صحابہ کرامؓ خاموش رہے۔

پھر پوچھا---''ابوبکر ہے؟''

کسی نے جواب نہ دیا۔

''عمر ہے؟''

پھر بھی خاموشی چھائی رہی تو وہ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا---''معلوم ہوتا ہے سب مارے گئے ہیں۔ اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے۔''

یہ سن کر حضرت عمرؓ ضبط نہ کر سکے اور بآوازِ بلند پکار اٹھے۔

''جھوٹ کہتا ہے تو، او اللہ کے دشمن! تو نے جن کے نام لئے ہیں، وہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل سے زندہ اور صحیح سلامت ہیں۔''

ابوسفیان نے نعرہ لگایا---اُعْلُ ھُبَلُ (ہبل تو اونچا رہ) جیسے اردو میں کہا جائے ''ہبل کی جے۔''

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا---''عمر! اٹھو اور اس کو جواب دو---اللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلُّ'' (اللہ تعالیٰ بہت بلند اور نہایت جلیل شان والا ہے۔)

ابوسفیان بولا---''لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ.'' (ہمارے پاس عزّیٰ دیوی ہے؛ جبکہ تمہارے پاس کوئی عزّیٰ نہیں ہے۔)

صحابہ کرامؓ نے جواب دیا---''اَللّٰہُ مَوْلٰنَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ.'' (اللہ ہمارا مولیٰ ہے؛ جبکہ تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔)

ابوسفیان نے کہا---''آج ہم اور تم دونوں برابر ہوگئے ہیں۔''

صحابہؓ نے جواب دیا---''برابر کیسے ہوگئے ہیں؟ ہمارے مقتول جنت میں گئے ہیں؛ جبکہ تمہارے مقتول جہنم کا ایندھن بنے ہیں۔''

''یہ تم لوگوں کا اپنا خیال ہے۔'' ابوسفیان نے کہا ''بہر حال جنگ میں فتح و شکست ہوتی رہتی ہے۔ بدر میں تم جیت گئے تھے، آج ہم جیت گئے ہیں۔ بدر میں ہمارے ستر [۷۰] آدمی مارے گئے تھے، آج اتنے ہی تمہارے آدمی کام آگئے ہیں اور ہمارا انتقام پورا ہوگیا ہے۔ ہمارے بعض ساتھیوں نے جوشِ انتقام میں تمہارے کچھ مقتولوں کے ناک کان بھی کاٹ لئے ہیں۔ اگرچہ میں نے انہیں اس کا حکم نہیں دیا تھا مگر مجھے ان کا یہ فعل کچھ ایسا ناگوار بھی نہیں گزرا۔ اب ہم واپس جارہے ہیں۔ آئندہ سال پھر میدانِ جنگ میں ملاقات ہوگی۔''

ابوسفیان یہ کہہ کر واپس چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد مشرکین کا لشکر کوچ کر گیا۔

حضرت سعد ابن ربیع رضی اللہ عنہ

مشرکین کے چلے جانے کے بعد جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا

''کوئی جا کر سعد ابن ربیع کی خبر لائے کیونکہ میں نے متعدد نیزوں کو اس کی طرف اٹھتے دیکھا تھا۔ اگر وہ زندہ ہو تو اس کو میرا سلام کہو اور میری طرف سے اس کا حال پوچھو۔''

ایک صحابی انہیں تلاش کرنے گئے تو وہ ایک جگہ سخت مجروح حالت میں پڑے مل گئے۔

زندگی کی آخری گھڑیوں میں جانِ دوعالم ﷺ کا سلام و پیام سن کر منہ پہ رونق آ گئی اور فرمایا

''مجھے بارہ نیزوں نے چھید ڈالا ہے اور میں کوئی دم کا مہمان ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کو میرا آخری سلام پہنچا دینا اور کہنا---''سعد ابن ربیع آپ کے لئے دعا کرتا ہے کہ جَزَاکَ اللّٰہُ عَنَّا خَیْرَ مَاجَزٰی نَبِیًّا عَنْ اُمَّتِہٖ''(جو جزا اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو اس کی امت کی طرف سے دی ہو، ہماری طرف سے اللہ تعالیٰ آپ کو اس سے بہتر جزا دے۔)

پھر میری طرف سے میری قوم کو یہ پیغام پہنچا دینا کہ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ ڈرتے رہنا اور اس معاہدے کا بہت خیال رکھنا جو تم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیعت عقبہ کے موقع پر کیا تھا اور یاد رکھو اگر تم میں سے کسی میں بھی زندگی کی کوئی رمق باقی ہو اور اس کے باوجود دشمن، رسول اللہ ﷺ تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارا کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔''

یہ کہتے ہوئے حضرت سعدؓ شہید ہو گئے۔ پیغامبر صحابی واپس آئے اور سب کچھ تفصیل سے بیان کیا تو جانِ دوعالم ﷺ نے فرمایا

رَحِمَہُ اللّٰہُ --- نَصَحَ لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ حَیًّا وَّمَیِّتًا ۔

(اللہ تعالیٰ اس پر رحمتیں نازل فرمائے۔ وہ زندگی میں اور مرتے دم بھی اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ مخلص اور خیر خواہ رہا۔)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تکفین

اس کے بعد جانِ دوعالم ﷺ حضرت حمزہؓ کی تلاش میں نکلے۔ ان کی لاش پر نظر پڑی--- ناک کان سے محروم لاش--- پیٹ کٹا ہوا، سینہ چرا ہوا، کلیجہ نکلا ہوا--- آپ کا وہ محبوب چچا جسے آپ نے اللہ اور رسول کا شیر قرار دیا تھا، آج اپنا انگ انگ اللہ اور رسول پر قربان کر چکا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے اور جانِ دوعالم ﷺ زار زار رونے لگے۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ آپ اس دن اتنا روئے کہ نہ اس سے پہلے کبھی یوں روئے تھے، نہ بعد میں۔

تھوڑی دیر بعد حضرت حمزہؓ کی بہن حضرت صفیہؓ بھی آ گئیں اور کہا کہ میں اپنے بھائی کو دیکھنا چاہتی ہوں۔ جانِ دو عالم ﷺ نے پہلے تو یہ سوچ کر منع فرمادیا کہ بہن اپنے پیارے وِیر (بھائی) کو اس حال میں دیکھ کر کہیں ہوش ہی نہ کھو بیٹھے، مگر پھر ان کے اصرار پر اجازت دے دی۔

حضرت صفیہؓ نے اپنے بھائی کی لاش دیکھی تو دیر تک روتی رہیں۔ جانِ دو عالم ﷺ بھی ان کو روتا دیکھ کر پھر رونے لگے۔ آخر دل کی بھڑاس نکل گئی اور حضرت صفیہؓ کو قرار آ گیا۔

حضرت صفیہؓ بھائی کے کفن کے لئے دو کپڑے بھی لائی تھیں۔

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا --- ''چچا جان کے لئے ایک کپڑا کافی ہے۔ دوسرے سے جابر کے والد کو کفن دیں گے۔''

چنانچہ اسی ایک کپڑے میں آپ کو کفن دیا گیا۔ کپڑا چھوٹا تھا۔ سر ڈھانپا جاتا تو پاؤں ننگے ہو جاتے، پاؤں ڈھکے جاتے تو سر برہنہ ہو جاتا۔ جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا --- ''سر ڈھانپ دو اور پاؤں پر گھاس ڈال دو۔''

عبداللہ ابن جحش رضی اللہ عنہ

حضرت حمزہؓ کے علاوہ حضرت عبداللہ ابن جحشؓ کے ناک کان بھی کاٹ لئے گئے تھے۔ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ بیان فرماتے ہیں کہ احد کے دن عبداللہ ابن جحش نے مجھ سے کہا کہ آؤ! دونوں مل کر دعا کریں۔ آپ دعا کریں، میں آمین کہوں گا، میں دعا کروں گا، آپ آمین کہئے۔

حضرت سعدؓ کہتے ہیں میں نے یوں دعا کی۔

''الٰہی! میرا کسی مضبوط دشمن سے مقابلہ کرا، وہ مجھ پر بھرپور حملہ کرے اور میں اس پر زوردار حملہ کروں، آخر وہ مارا جائے اور مجھے فتح حاصل ہو جائے۔''

عبداللہ ابن جحش نے آمین کہی۔ پھر عبداللہ نے دعا کی۔

''الٰہی! میرا مقابلہ بھی کسی طاقت ور دشمن سے کرا، وہ مجھ پر سخت حملہ کرے اور میں اس پر زبردست حملہ کروں۔ آخر میں تیری راہ میں مارا جاؤں اور میرے ناک کان بھی کاٹ لئے جائیں۔ اور جب میں اس حال میں تیرے روبرو پیش ہوں تو تُو پوچھے کہ ابن جحش! تیرے

ناک کان کیوں کاٹ لئے گئے تھے؟ تو میں جواب دوں کہ تیری اور تیرے رسول کی راہ میں کاٹے گئے تھے۔ پھر تُو کہے کہ سچ کہتے ہو عبداللہ ابن جحش! واقعی میری راہ میں کاٹے گئے تھے۔

اللہ اللہ! کیسے لذت آشنائے دردلوگ تھے!!

لذت رقصِ بسمل شہیدوں سے پوچھ
آ گئے وجد میں، سر جو کٹنے لگا

حضرت سعدؓ کہتے ہیں کہ میں نے آمین کہی۔ پھر دونوں کی دعائیں اسی طرح مستجاب ہوئیں جس طرح مانگی گئی تھیں۔ حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ ابن جحش کی دعا میری دعا سے بہتر تھی۔ میں نے جنگ ختم ہونے کے بعد دیکھا کہ دشمنوں نے ان کے ناک کان کاٹ ڈالے تھے اور ان سے ہار پرولیا تھا۔

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ

حضرت مصعبؓ کا کفن بھی حضرت حمزہؓ کی طرح ناتمام تھا اسلئے ان کے لئے بھی جانِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی حکم دیا کہ بالائی حصہ کپڑے سے ڈھانپ دیا جائے اور پاؤں پر گھاس ڈال دی جائے۔

حضرت مصعبؓ، جانِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکل تھے۔ انہی کو شہید کر کے ابن قمیہ نے کہا تھا کہ محمد مارا گیا ہے۔ وہ اس غزوہ میں مسلمانوں کے علمبردار تھے۔ ایک ہاتھ کٹ گیا تو علم دوسرے ہاتھ میں لے لیا۔ وہ بھی کٹ گیا تو کٹے ہوئے بازوؤں کے ساتھ سینے سے لگا لیا۔ آخر اسی حالت میں شہید ہو گئے۔ (۱)

حضرت عمر ابن جموح رضی اللہ عنہ

اس غزوہ میں حضرت عمر ابن جموحؓ نے بھی جامِ شہادت نوش کیا۔ ان کے پاؤں میں لنگ تھا اور وہ بھی شدید قسم کا، اس لئے بیٹے ان کو جنگ میں شامل نہیں ہونے دیتے تھے۔ بیٹے تو یہ سب کچھ محبت کی بنا پر کرتے تھے مگر عمر ابن جموحؓ کو ان کی یہ روک ٹوک بہت ناگوار گزرتی تھی۔ غزوۂ اُحد کے لئے جب روانگی ہونے لگی تو عمر ابن جموحؓ

---

(۱) ان کا مفصل تذکرہ جلد اول، ص ۲۱۵ پر گزر چکا ہے۔

جانِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیٹوں کی شکایت کی کہ خود تو ہر غزوے میں آپ کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں، مگر مجھے اس سعادت سے محروم رکھتے ہیں۔ یا رسول اللہ! انہیں کہئے کہ مجھے نہ روکیں۔

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا

''تمہاری معذوری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں جنگ میں شامل نہ ہونے کی اجازت دے رکھی ہے، پھر تم کیوں جانے پر اصرار کرتے ہو؟''

''یارسول اللہ! میں اپنی اس لنگڑاہٹ کے ساتھ جنت کی سرزمین کو روندنا چاہتا ہوں۔''

یہ سن کر جانِ دو عالم ﷺ مسکرائے اور ان کے بیٹوں سے فرمایا---''اس کو جانے دو، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو شہادت نصیب فرمادے۔''

اجازت مل گئی تو خوشی خوشی تیار ہوئے اور جب مدینہ سے باہر نکلے تو روبقبلہ ہو کر دعا مانگی---''الٰہی! مجھے شہادت نصیب کرنا اور گھر کی طرف ناکام و نامراد واپس نہ لوٹانا۔''

دعا قبول ہوئی اور وہ اس غزوے میں شہید ہو گئے۔ جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا

''میں نے دیکھا ہے کہ وہ حسبِ خواہش جنت کی زمین کو اپنے لنگ کے ساتھ روند رہا ہے۔''

اللہ اکبر! جنت میں داخلے کی تمنا کے بجائے ارضِ جنت کو پاؤں تلے روندنے اور پامال کرنے کی خواہش کیسی انوکھی اور البیلی تھی، لطف یہ کہ شہادت پاتے ہی ان کی یہ آرزو پوری بھی ہو گئی۔

ایک خاتون کا عشق نبی ﷺ

ایک خاتون کے چار انتہائی قریبی رشتہ دار مارے گئے تھے۔ یعنی باپ، بیٹا، شوہر اور بھائی۔ وہ پریشان حال، آشفتہ سر بھاگی بھاگی آ رہی تھی۔ اسے بتایا گیا کہ تیرا باپ شہید ہو گیا ہے، اس نے کہا---''مجھے رسول اللہ کے بارے میں بتاؤ!''

''بھائی بھی مارا گیا ہے۔'' ایک طرف سے آواز آئی۔

''مجھے رسول اللہ کے بارے میں بتاؤ!''

''کسی نے آ کر کہا---''تیرا بیٹا اور شوہر بھی شہادت پا گئے ہیں۔'' ---مگر اس اللہ کی بندی کی ایک ہی رٹ تھی---''مجھے رسول اللہ کے بارے میں بتاؤ!''

آخر اس کو جانِ دو عالم ﷺ کے پاس لایا گیا اور جب اس نے آپ کے نور افشاں چہرے کو دیکھا تو دل ٹھنڈا ٹھار ہو گیا اور کہا

''کُلُّ مُصِیْبَۃٍ بَعْدَکَ جَلَلٌ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ!......''

(یا رسول اللہ! آپ سلامت ہیں تو پھر باقی ہر مصیبت ہیچ ہے۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ زندہ ہیں تو مجھے اپنے اقرباء کی شہادت کا کوئی غم نہیں۔)

شہداء کا اعزاز و اکرام

اس غزوے میں مجموعی طور پر بہتر [۷۲] پروانے شمعِ رسالت پر فدا ہوئے اور اس شان سے فدا ہوئے کہ جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا---''احد کے شہداء کو اللہ تعالیٰ نے عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی سنہری قندیلوں میں ٹھکانہ عطا کیا ہے اور سبز پرندوں کو ان کے لئے مسخر کیا ہے۔ وہ جب چاہتے ہیں ان کو جنت کی سیر کراتے ہیں۔ وہاں وہ انواع و اقسام کے کھانے کھاتے ہیں۔ خوش ذائقہ مشروبات پیتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں چلتے پھرتے ہیں۔ آرام و آسائش اور سرور و نعمت کی اس دنیا کو دیکھ کر انہوں نے کہا---''کاش! ہمارے اس اعزاز و اکرام سے کوئی ہمارے زندہ بھائیوں کو اطلاع دے دے۔ تاکہ وہ ہمیشہ شہادت کے مشتاق و طلب گار رہیں۔''

رب کریم نے فرمایا---''میں انہیں مطلع کر دیتا ہوں۔''

چنانچہ یہ آیات نازل ہوئیں

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ.........

(اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں، انہیں ہرگز مردہ مت خیال کرو، بلکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں، رزق پاتے رہتے ہیں اور ان نعمتوں سے مسرور ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کی ہیں۔(۱)

---

(۱) سورہ ۳، آیات ۱۶۹، ۱۷۰۔ اگر دنیا کو کسی قسم کا مشاہدہ نہ ہوتا، تب بھی اس ☜

واپسی

شہداء کی تدفین کے بعد جانِ دو عالم ﷺ مدینہ منورہ کی طرف واپس ہوئے۔ آپ گھوڑے پر سوار تھے اور حضرت سعد ابن معاذؓ لگام تھامے آگے آگے چل رہے تھے۔ اچانک ایک خاتون تیز تیز چلتی ہوئی آپ کی جانب بڑھیں۔ حضرت سعدؓ نے کہا

''یارسول اللہ! یہ میری امی ہیں۔''

جب وہ آپ کے قریب پہنچیں تو آپ نے ان کے بیٹے حضرت عمر بن معاذؓ کی

آیت کی صداقت ہر طرح کے شک وشبہ سے بالاتر تھی مگر ایک واقعہ سے اس کی صداقت عالم آشکارا ہوگئی۔

حضرت معاویہؓ کے زمانے میں ایک نہر کی کھدائی شروع ہوئی جو میدان احد سے گزرتی تھی۔ حضرت معاویہ نے حکم دیا کہ شہداء کے ورثاء اپنے اپنے شہیدوں کو متبادل جگہ میں دفن کردیں۔ اس حکم پر عمل شروع ہوا اور قبریں کھودی جانے لگیں تو سب شہداء صحیح وسالم تھے اور ان کے جسموں سے کستوری کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ کھدائی کے دوران ایک کسی غلطی سے حضرت حمزہؓ کے پاؤں پر لگ گئی تو وہاں سے خون رسنے لگا۔ یہ واقعہ ۴۶ ہجری کا ہے۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ پیش آیا۔ حضرت جابرؓ کے والد اور حضرت عمرا بن جموحؓ ایک ہی قبر میں دفن کیے گئے تھے۔ ایک دفعہ بارانی سیلاب نے ان کی قبر کو کھول دیا تو ان کے بدن ظاہر ہوگئے۔ فَوُجِدَا لَمْ يَتَغَيَّرَا كَأَنَّمَا مَاتَا بِالْأَمْسِ. ان کو اس حال میں پایا گیا کہ ان میں ذرہ بھر کوئی تغیر واقع نہیں ہوا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ ابھی کل ہی فوت ہوئے ہیں۔

جنگ میں حضرت جابرؓ کے والد کے چہرے پر ایک زخم لگا تھا اور انہوں نے اس پر اپنا ہاتھ رکھ لیا تھا۔ اسی حالت میں شہید ہوگئے تھے اور اسی طرح دفن کر دیئے گئے تھے۔ اب ان کو دوسری جگہ منتقل کرنا تھا۔ اس لئے ان کو قبر سے نکالا جانے لگا۔ نکالنے کے دوران کسی نے حضرت جابرؓ کے والد کا ہاتھ ان کے چہرے سے ہٹا دیا تو نیچے سے تازہ خون بہنے لگا۔ چنانچہ ہاتھ دوبارہ وہیں رکھ دیا گیا اور خون بند ہوگیا۔

رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔

شہادت پر ان سے تعزیت کی ۔انہوں نے بھی وہی محبت بھرا جواب دیا کہ

''یارسول اللہ! جب آپ کو سلامت دیکھ لیا ہے تو پھر کسی مصیبت کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔''

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا---''اے اُمّ سعد! تمہیں اور ان تمام لوگوں کو جن کے اعزہ و اقارب شہادت سے ہمکنار ہوئے ہیں، مژدہ ہو کہ وہ سب جنت میں داخل ہو چکے ہیں اور اپنے پس ماندگان کے لئے شفاعت بھی کر چکے ہیں۔''

اُمّ سعد نے کہا---''یارسول اللہ! جب ان کو اتنا بڑا اعزاز مل چکا ہے تو پھر ان کے لئے رونے کا کیا جواز ہے؟ البتہ ان کے پس ماندگان کے لئے آپ دعا فرمادیجئے۔''

چنانچہ جانِ دو عالم ﷺ نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں سے حزن و ملال دور فرمائے اور ان کو سکون نصیب فرمائے۔

اسی طرح جانِ دو عالم ﷺ کی پھوپھی زاد ہمشیرہ حضرت حمنہؓ بھی آپ کے پاس آئیں۔آپ نے فرمایا

''حمنہ! صبر کرو!''

''کس پر یارسول اللہ!؟'' انہوں نے پوچھا

''اپنے ماموں حمزہ پر، جو شہید ہو گئے ہیں۔'' آپ نے جواب دیا

حضرت حمنہؓ نے انتہائی صبر و استقلال سے کہا

''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کو شہادت مبارک ہو۔''

جانِ دو عالم ﷺ نے دوبارہ فرمایا

''حمنہ! صبر کرو!''

''کس پر، یارسول اللہ!؟''

''اپنے بھائی عبداللہ پر۔''

''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرمائے اور اس کو بھی شہادت مبارک ہو۔''

جانِ دو عالم ﷺ نے سہ بارہ فرمایا

''حمنہ! صبر کرو!''

'کس پر یا رسول اللہ!؟''

''اپنے خاوند مصعب پر۔''

یہ سن کر حضرت حمنہؓ کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹ گیا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔

ان کی یہ کیفیت دیکھ کر آپ نے فرمایا

''سچ ہے، عورت کو جتنی محبت اپنے خاوند سے ہوتی ہے، اتنی اور کسی سے نہیں ہوتی۔''

حضرت حمنہؓ نے کہا

''یا رسول اللہ! مجھے شوہر کا غم اس لئے زیادہ محسوس ہوا ہے کہ اس کے چھوٹے چھوٹے بچے یتیم رہ گئے ہیں۔ اب نہ جانے ان کا کیا بنے گا!''

جانِ دو عالم ﷺ نے ان کو تسلی دی اور دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ان بچوں کی تربیت کا کوئی بہتر انتظام فرمائے۔

آپ کی دعا کی برکت سے کچھ عرصہ بعد حضرت حمنہؓ کا نکاح حضرت طلحہؓ سے ہو گیا اور حضرت طلحہؓ نے ان بچوں کو اتنا پیار دیا کہ ان کو کبھی باپ کی کمی کا احساس نہیں ہوا۔

کمسن بشیر ابن عفراءؓ کے والد بھی شہید ہو گئے تھے۔ یہ معصوم بچہ ایک جگہ کھڑا رو رہا تھا۔ جانِ دو عالم ﷺ اس کے پاس سے گزرے تو اس کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا

''کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ میں تیرا باپ بن جاؤں اور عائشہ تیری ماں بن جائے؟''

یہ سن کر بشیر ابن عفراءؓ کو قرار آ گیا اور اس نے رونا بند کر دیا۔

غرضیکہ اسی طرح بیواؤں کو تسلیاں دیتے ہوئے، یتیموں کی دلجوئیاں کرتے ہوئے اور دکھیاروں کی ڈھارس بندھاتے ہوئے جانِ دو عالم ﷺ مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ اس وقت پورا مدینہ ماتم کدہ بنا ہوا تھا اور ہر گھر سے عورتوں کی آہ و بکا کی آوازیں آ رہی تھیں۔ یہ دیکھ کر جانِ دو عالم ﷺ کو اپنے چچا حمزہؓ یاد آ گئے جن کے سب رشتہ دار مکہ میں تھے

اور یہاں ان پر رونے والی کوئی نہیں تھی۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور حسرت بھرے لہجہ میں فرمایا

''باقی سب شہداء کے غم میں رونے والیاں تو موجود ہیں، لیکن حمزہ کے لئے رونے والی کوئی نہیں ہے۔''

آپ کی دل گرفتگی محسوس کر کے سردارانِ انصار حضرت سعدؓ اور حضرت اسیدؓ اپنے اپنے قبیلے میں گئے، اپنی قوم کی عورتوں کو جمع کیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ اس بات سے افسردہ ہیں کہ ان کے چچا کے لئے نوحہ و ماتم کرنے والی کوئی نہیں۔ اس لئے تم سب رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر جاؤ اور ان کے چچا جان کے لئے خوب ماتم کرو!

چنانچہ سب عورتیں درِ دولت پر حاضر ہوئیں اور رونے پیٹنے لگیں۔

تھوڑی دیر بعد جانِ دو عالم ﷺ نماز کے لئے حرم سرا سے باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ بیسیوں عورتیں دروازے پر کھڑی رو رہی ہیں اور حضرت حمزہؓ کا نام لے لے کر ماتم کر رہی ہیں۔ آپ ان کے اس جذبے سے بہت متاثر ہوئے اور فرمایا

''اے انصار کی عورتو! تم نے ہمدردی اور مواسات کا حق ادا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تم سب کو جزائے خیر دے، اب تم اپنے گھروں کو واپس جاؤ اور یاد رکھو کہ آئندہ کسی بھی میت پر ماتم نہ کرنا۔''

عورتوں نے واپس جا کر گھر والوں کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے آئندہ کے لئے ماتم سے منع کر دیا ہے۔ یہ سن کر انصار خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی

''یارسول اللہ! سنا ہے کہ آپ نے نوحہ و ماتم کرنے سے منع کر دیا ہے، حالانکہ اس سے ہمارے دلوں کی بھڑاس نکل جاتی ہے اور ہمارا غم کم ہو جاتا ہے۔''

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا

''منہ پیٹنے، سینہ کوبی کرنے اور گریبان پھاڑنے کے بغیر رونے میں کوئی حرج نہیں۔ اس کی اجازت ہے۔''

استدراک

قارئین کرام! غزوۂ احد کے واقعات بحمد اللہ اختتام پذیر ہوئے۔ آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ اس غزوہ کے کسی واقعے کا حوالہ نہیں دیا گیا ہے؛ جبکہ اس سے پہلے ہر واقعے کا فرداً فرداً حوالہ پیش کیا جاتا رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس غزوے کے واقعات کی ترتیب میں مؤرخین کا بیان مختلف تھا۔ ایک واقعہ کسی مؤرخ نے ایک جگہ ذکر کیا ہے اور کسی نے دوسری جگہ۔ دراصل اس غزوے میں ایسی افراتفری مچ گئی تھی کہ کسی واقعے کے وقت کا تعین کرنا تقریباً ناممکن تھا، اس لئے ہر مؤرخ نے اپنی صوابدید کے مطابق واقعات بیان کئے ہیں۔ میرے پاس کسی ایک مؤرخ کی ترتیب کو ترجیح دینے کی کوئی مثبت وجہ نہ تھی، اس لئے میں نے تمام حالات و واقعات اور ان کی مختلف ترتیبوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے طور پر ان کو مرتب کر کے آپ کے روبرو پیش کیا ہے۔ اس صورت میں ہر واقعے کا حوالہ ثبت کرنے کا کوئی خاص فائدہ نہ تھا۔

ویسے آپ یقین کیجئے کہ جو کچھ لکھا ہے، اس احساس کے ساتھ لکھا ہے کہ بروزِ قیامت اس کے حرف حرف کا جواب دینا ہے، اس لئے حتی الوسع پوری کوشش کی ہے کہ ترتیب درست ہو، تاہم انسان سہو و خطا کا پتلا ہے، اگر کہیں مجھ سے غلطی ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ سے معافی کا خواستگار ہوں۔

اہل علم و فضل قارئین سے التماس ہے کہ اگر ان کے خیال میں کسی واقعے کی ترتیب نادرست ہو تو فقیر کو ضرور مطلع فرمائیں۔ شکریہ

غزوۂ حمراء الاسد

یہ غزوہ کوئی مستقل غزوہ نہیں ہے؛ بلکہ احد ہی کا تتمہ ہے۔ دراصل مشرکین جب احد سے واپس چلے گئے تو راستے میں انہوں نے ایک دوسرے پر لے دے شروع کر دی کہ جب ہم کو فتح حاصل ہو چکی تھی اور ہم تقریباً غلبہ پا چکے تھے تو ہم محمد اور اس کے ساتھیوں کو قتل کئے بغیر واپس کیوں چلے آئے---؟ ہمیں تو چاہئے تھا کہ اس موقع سے خوب فائدہ اٹھاتے اور مسلمانوں کا قصہ تمام کر کے لوٹتے۔

چنانچہ ان میں اختلافِ رائے ہو گیا۔ اکثریت کا خیال تھا کہ ہمیں دوبارہ مدینے پر حملہ کر دینا چاہئے اور پہلے اس سے کہ مسلمان تازہ دم ہو کر از سرِ نو ہمارے مقابلے پر آ جائیں، ان کو تہہ تیغ کر دینا چاہئے۔

لیکن صفوان کی رائے یہ تھی کہ اس وقت مسلمان سخت غصے کے عالم میں ہیں اور ان کے سینے جوشِ انتقام سے بھرے ہوئے ہیں۔ اگر ہم نے ان کو دوبارہ چھیڑا تو چھوٹے بڑے سربکف ہو کر میدان میں اتر آئیں گے۔ اس طرح ہو سکتا ہے کہ ہماری یہ ناتمام سی فتح مکمل شکست میں بدل جائے اور ہمیں بدر کی طرح رسوا ہو کر بھاگنا پڑے۔

جانِ دو عالم ﷺ کو مشرکین کے اس اختلافِ رائے کی خبر پہنچائی گئی تو آپ نے دوسرے ہی دن علی الصباح ان کے تعاقب میں جانے کا فیصلہ کیا تاکہ ان پر رعب پڑ جائے اور انہیں پتہ چل جائے کہ اہلِ ایمان کا دم خم اسی طرح باقی ہے۔

اس وقت جنگ کے لئے نکلنا ازبس مشکل تھا کیونکہ کل ہی تو زخموں سے چور چور مجاہدین واپس آئے تھے اور ابھی پوری طرح آرام بھی نہیں کر پائے تھے کہ جانِ دو عالم ﷺ کی طرف سے مشرکین کے تعاقب کی منادی ہونے لگی۔

قربان جائیں ان کے جذبۂ اطاعت و اتباع پر کہ ایک ایک مجاہد کے بدن پر بیس بیس اور تیس تیس گہرے گھاؤ لگے تھے اور ان سے ابھی تک خون رس رہا تھا، مگر منادیٔ رسول کی آواز سنتے ہی سب اٹھ کھڑے ہوئے اور میدانِ کارزار کی طرف جانے کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ (۱)

---

(۱) انہی جاں نثارانِ مصطفیٰ کی شان میں مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں۔

......اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا .... الآيات

(جن لوگوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ و رسول کی پکار پر لبیک کہا۔ ان میں جو نیکوکار و متقی ہیں، ان کے لئے بڑا اجر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن سے کہنے والوں نے کہا (یعنی منافقین نے) کہ لوگوں نے (مکہ والوں نے) تمہارے خلاف بڑا سامان اکٹھا کیا ہے، ان سے ڈرو۔ لیکن اس بات نے ان کا جوشِ ایمان اور بڑھا دیا اور وہ بولے "ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہی بہتر کارساز ہے۔" پس ☜

١٧ رشوال ٣ ھ کو اہل عشق و وفا کا یہ کارواں جانِ دو عالم ﷺ کی قیادت میں مدینہ منورہ سے نکلا اور مشرکین کا تعاقب کرتے ہوئے آٹھ دس میل کے فاصلے پر موضع حمراء الاسد میں خیمہ زن ہو گیا۔

ہوسکتا تھا کہ ایک بار پھر جنگ چھڑ جاتی کیونکہ مشرکین کی اکثریت کی رائے یہی تھی مگر معبد خزاعی کی باتوں نے مشرکین کو خوف زدہ کر دیا اور وہ پلٹ کر حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔

معبد کی ہمدردی

معبد، قبیلہ خزاعہ کا رئیس تھا۔ اگرچہ اس وقت تک وہ اسلام نہیں لایا تھا مگر جانِ دو عالم ﷺ کے ساتھ محبت رکھتا تھا اور اہل اسلام کو پسند کرتا تھا۔ جب جانِ دو عالم ﷺ حمراء الاسد میں مقیم تھے تو معبد مکہ مکرمہ جاتے ہوئے آپ کے پاس سے گزرا اور دل جوئی کے انداز میں گویا ہوا

''یا محمد! آپ پر اور آپ کے اصحاب پر جو مصیبت گزری ہے، اس کا ہمیں بہت دکھ ہوا ہے۔ ہم تو دل سے چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عزت اور سربلندی نصیب کرے اور شکست کا غم آپ کے دشمنوں کے حصے میں آئے۔''

یہاں سے معبد آگے بڑھا تو راستے میں مشرکین سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے انتہائی بے تابی سے پوچھا

''یہ بتاؤ کہ مسلمان کس حال میں ہیں؟''

''ان کے تیور انتہائی خطرناک ہیں۔'' معبد نے بتایا ''وہ سب تم لوگوں کے تعاقب میں چل پڑے ہیں۔ ان کے غصے کا یہ عالم ہے کہ گویا ان کے سینوں میں آگ بھڑک رہی ہے، اوس وخزرج کے جو لوگ جنگ میں شامل نہیں ہوئے تھے، اب وہ بھی مسلمانوں کے ساتھ مل گئے ہیں اور یہ عہد کر کے مدینے سے نکلے ہیں کہ یا انتقام لیں گے یا سب کٹ مریں گے۔''

یہ لوگ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ واپس آئے کہ انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچی۔ انہوں نے وہ کام کیا جس میں اللہ کی رضا تھی اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔) سورہ ٣، آیات ١٧٢، ١٧٤۔

مشرکین تو یہ سننا چاہتے تھے کہ مسلمان غم واندوہ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ زخموں سے کراہ رہے ہیں اور سخت مایوس و دل گرفتہ ہیں۔ معبد کی زبانی یہ باتیں سن کر ان کو سخت حیرت ہوئی۔

ابوسفیان بولا---''کیا کہہ رہے ہو معبد!؟ ہم تو واپس جا کر دوبارہ حملہ کرنے کے بارے میں سوچ رہے ہیں اور تم حوصلہ شکن خبریں سنا رہے ہو۔''

''میں سچ کہہ رہا ہوں۔'' معبد نے جواب دیا'' جو صحیح صورت حال تھی وہ میں نے بیان کر دی ہے، اس لئے فی الحال مسلمانوں کو چھیڑنے کا خیال بھی دل میں مت لاؤ۔''

مشرکین میں سے صفوان کی پہلے ہی یہ رائے تھی، معبد کی باتوں سے اس کی مزید تائید ہوگئی۔ اس لئے مشرکین دوبارہ حملہ کرنے کی حسرت دل ہی میں لئے مکہ مکرمہ کی طرف لوٹ گئے۔

معبد خزاعی نے ایک قاصد بھیج کر جانِ دو عالم ﷺ کو مطلع کیا کہ مشرکین خوف زدہ ہو کر واپس چلے گئے ہیں اور اب ان کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں رہا۔

جانِ دو عالم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور مدینہ منورہ کو واپس چلے گئے۔

شراب کی حُرمت

اسی سال یعنی ۳ ھ کو غزوۂ احد کے بعد شراب کی حرمت نازل ہوئی۔ اگرچہ ذوقِ سلیم کے حامل چند افراد زمانۂ جاہلیت میں بھی شراب نہیں پیتے تھے۔ تاہم اہل عرب کی اکثریت اس غارت گرِ ہوش کی شیدائی تھی اور یہ نشہ ان کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کا چھوڑنا ان کے لئے بے حد مشکل تھا لیکن حکیم و دانا رب نے ایسا حکیمانہ انداز اختیار فرمایا کہ یہ کارِ گراں ان کے لئے سہل و آساں ہوگیا۔ چنانچہ پہلے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے بتدریج متنفر کرنا شروع کیا اور ایک جگہ کھجور اور انگور کے پھلوں کے فوائد بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا

تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا ط (تم ان سے نشہ بھی حاصل کرتے ہو اور اچھا رزق بھی۔)

اس آیت میں اگرچہ نشے کی ممانعت نہیں ہے لیکن اس کو ''رِزْقِ حَسَن'' (اچھے رزق) کے مقابلے میں ذکر کر کے اشارۃً سمجھا دیا کہ نشہ رزقِ حسن نہیں ہے۔ چنانچہ جن لوگوں نے اس مفہوم کو پالیا انہوں نے اسی وقت اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ لیکن چونکہ صریح ممانعت نہ تھی، اس لئے پینے پلانے کا سلسلہ چلتا رہا۔ پھر ایک دفعہ نشے کی حالت میں نماز پڑھاتے ہوئے ایک صحابی کو تلاوت میں غلطی لگ گئی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى.﴾ (اے ایمان والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب مت جایا کرو۔)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ........رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ....... (اے ایمان والو! شراب نوشی ......ایک پلید اور شیطانی کام ہے۔ اس لئے اس سے بچ کر رہو۔)

جانِ دو عالم ﷺ نے اسی وقت ایک منادی کو حکم دیا کہ تمام مدینے میں حرمتِ خمر کا اعلان کر دو۔

پھر جہاں جہاں یہ آواز پہنچی، اٹھے ہوئے جام رُک گئے، ہونٹوں سے لگے ہوئے ساغر پیچھے ہٹ گئے، مینا و خم توڑ دیئے گئے اور شراب نالیوں میں بہادی گئی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک جگہ چند احباب کی محفل جمی ہوئی تھی اور میں ساقی کے فرائض انجام دے رہا تھا کہ اچانک ایک شخص آیا اور ہم سے پوچھنے لگا کہ تمہیں کچھ پتہ چلا ہے؟

''کس بات کا؟'' ہم نے پوچھا

''یہ کہ شراب حرام کر دی گئی ہے۔'' اس نے بتایا۔

یہ سنتے ہی احباب نے مجھ سے کہا کہ اٹھو اور شراب کے تمام مٹکے توڑ ڈالو!

میں نے اسی وقت مٹکے توڑ دیئے اور سب نے ہمیشہ کے لئے شرابِ خانہ خراب کو خیر باد کہہ دیا۔

اطاعت اور تعمیلِ حکم کے کیسے بے مثال جذبوں سے سرشار تھے وہ لوگ!

رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ.

سریہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ

ڈیڑھ سو افراد پر مشتمل یہ سریہ یکم محرم کو طلیحہ اور مسلمہ کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا گیا، کیونکہ جانِ دو عالم ﷺ کو اطلاع ملی تھی کہ یہ دونوں اپنی قوم کو مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کے لئے تیار کر رہے ہیں اور دیگر قبائل کو بھی شمولیت کی دعوت دے رہے ہیں۔

جانِ دو عالم ﷺ نے اس فتنے کا فوری تدارک فرمایا اور حضرت ابو سلمہ (۱) کو ۱۵۰ مہاجرین و انصار کا قائد بنا کر طلیحہ و مسلمہ کی طرف بھیج دیا مگران لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایسا رعب ڈالا کہ وہ مقابلے کی جرأت نہ کر سکے اور مسلمانوں کو دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ چنانچہ لڑائی تو نہ ہوئی؛ البتہ اونٹ اور بکریاں بڑی تعداد میں مسلمانوں کے ہاتھ لگیں۔

مؤرخین کہتے ہیں کہ خمس وغیرہ نکالنے کے بعد ہر غازی کے حصے میں سات اونٹ اور کئی بکریاں آئیں۔(۲)

خالد ابن سفیان کا قتل

کعب بن اشرف کی طرح خالد بن سفیان بھی قتل کیا گیا۔ یہ شخص مکہ مکرمہ کے قریب وادیٔ عرنہ میں رہتا تھا اور مختلف قبائل میں اثر و رسوخ رکھتا تھا۔ غزوۂ احد کے بعد اس نے

---

(۱) حضرت ابوسلمہؓ کا نام عبداللہ ہے۔ جانِ دو عالم ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے اور رضاعی بھائی بھی۔ اسلام لانے والوں میں ان کا نمبر گیارھواں ہے۔ اس لحاظ سے بہت ابتدائی دور کے مومن ہیں۔ صاحب الہجرتین ہیں۔ یعنی ایک دفعہ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور وہاں سے واپسی کے بعد دوسری دفعہ مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کی۔ اس طرح انہوں نے دو مرتبہ اپنا گھر بار اللہ کی رضا کے لئے چھوڑا۔

غزوۂ احد میں زخمی ہو گئے تھے۔ مندرجہ بالا سریہ کی قیادت انہوں نے اسی زخمی حالت میں کی تھی، واپسی پر زخم مزید خراب ہو گئے۔ آخر ماہ صفر میں واصلِ بحق ہو گئے۔ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ان کی اہلیہ ام سلمہؓ بعد میں جانِ دو عالم ﷺ کے عقد میں آئیں اور ام المؤمنین بنیں۔ (اصابہ و استیعاب ذکر ابو سلمہ)

(۲) سیرت حلبیہ ج ۳، ص ۱۸۶، زرقانی ج ۲، ص ۷۵۔

متعدد قبائل عرب کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔

چونکہ اس تمام شرانگیزی کا روحِ رواں یہی ایک شخص تھا۔ اس لئے جانِ دو عالم ﷺ نے حضرت عبداللہؓ ابن انیس کو اس کا کام تمام کرنے کا حکم دیا۔ حضرت عبداللہؓ نے عرض کی---''یارسول اللہ! اس کی کوئی نشانی بتایئے کیونکہ میں تو اس کو پہچانتا ہی نہیں۔''

''اس کی علامت یہ ہے'' جانِ دو عالم ﷺ نے بتایا ''کہ اس کو دیکھتے ہی تم پر ہیبت اور خوف چھا جائے گا۔''

حضرت عبداللہؓ کہتے ہیں کہ مجھے آپ کی اس بات سے حیرت ہوئی۔ کیونکہ میں ڈر اور خوف سے بالکل ناآشنا تھا، اس لئے عرض کی۔

''یارسول اللہ! میں تو آج تک کبھی کسی سے نہیں ڈرا ہوں۔''

''اس کے باوجود اس کی علامت یہی ہے کہ اس کو دیکھ کر تم خوفزدہ ہو جاؤ گے۔''

جانِ دو عالم ﷺ نے پھر وہی علامت بیان فرمائی۔

بہرحال حضرت عبداللہؓ روانہ ہوگئے۔ طویل سفر کر کے اس کے مستقر وادی عرنہ پہنچے اور جب اس پر نظر پڑی تو جانِ دو عالم ﷺ کی صداقت ظاہر ہوگئی۔ فرماتے ہیں کہ اسے دیکھ کر واقعی میں ڈر گیا اور مجھ پر اس کی ہیبت چھا گئی؛ تاہم جی کڑا کر کے آگے بڑھا، اس کے ساتھ ملاقات کی اور اس کی من پسند باتیں شروع کر دیں۔

اس کو میری گفتگو بہت پسند آئی اور مجھے اپنے خیمہ میں لے گیا۔ رفتہ رفتہ اس کے پیروکار اور محافظ رخصت ہوگئے اور ہم رات گئے تک باتیں کرتے رہے۔ جب میں نے محسوس کیا کہ لوگ سو گئے ہیں اور میدان صاف ہے تو ایک ہی وار سے اس کی گردن مار دی اور اس کا سر لے کر خیمے سے نکل آیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے قتل کا پتہ چل گیا اور اس کے پیروکار میری تلاش میں چاروں طرف پھیل گئے۔

میں ایک غار میں گھس گیا اور سکڑ سمٹ کر بیٹھ گیا۔ وہ لوگ بھی غار تک آ پہنچے، مگر کسی نے اندر جھانکنے کی زحمت گوارا نہ کی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بچا لیا۔ اسی طرح چھپتے چھپاتے واپس مدینہ پہنچا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

آپ نے دیکھتے ہی فرمایا ''اَفْلَحَ الْوَجْهُ'' (کامیاب چہرہ ہے۔)

میں نے جواب دیا---''اَفْلَحَ وَجْهُكَ يَارَسُوْلَ اللهِ!'' (یارسول اللہ! درحقیقت آپ کا چہرہ کامیاب ہے۔)

یعنی ہماری کامیابیاں آپ کے روئے کامیاب کا صدقہ ہیں۔

پھر میں نے خالد بن سفیان کا سر آپ کے قدموں میں ڈال دیا اور تفصیلی رپورٹ پیش کی۔ آپ بہت خوش ہوئے، اپنا عصائے مبارک بطورِ انعام عطا کیا اور فرمایا

''لے یہ عصا، اس کے ساتھ جنت میں سیر کرنا۔ وہاں پر یہ تیرا امتیازی نشان ہوگا، کیونکہ جنت میں عصا استعمال کرنے والے کم ہی ہوں گے۔(۱)

---

(۱) سیرت حلبیہ ج ۳، ص ۱۸۷، ۱۸۸، زرقانی ج ۲، ص ۷۶.

عصا کا انعام، جنتی ہونے کی بشارت اور وہاں پر امتیازی شان کا مژدہ---کیا کیا عزتیں ملیں عبداللہؓ ابن انیس کو دربارِ مصطفےٰ علیہ السلام سے!---زہے نصیب!

حضرت عبداللہؓ ابن انیس قدیم الاسلام صحابی ہیں اور مشہور بت شکن ہیں۔ انصار کے ایک بت پرست قبیلے کے بت انہوں نے ہی توڑے تھے اور توحید کے ڈنکے بجائے تھے۔

جملہ غزوات میں جانِ دوعالم علیہ السلام کے ساتھ شامل رہے۔ آپ کے وصال کے بعد جب مصر فتح ہوا تو حضرت عبداللہؓ مصر چلے گئے۔ پھر جب افریقہ فتح ہوا تو وہاں چلے گئے۔

بہت صاحب علم انسان تھے۔ جانِ دوعالم علیہ السلام کی متعدد احادیث ان کو یاد تھیں، اس لئے طالبانِ علم حدیث دور دراز سے سفر کر کے ان سے حدیث کا علم حاصل کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت جابر قصاص کے بارے میں ایک حدیث سننے کے لئے ایک ماہ کا سفر کر کے ان کے پاس گئے تھے۔

ان کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ جانِ دوعالم علیہ السلام سے لیلۃ القدر کے بارے میں پوچھا تو آپ نے ان کو معین شب بتادی۔ انہوں نے عرض کی تھی کہ یارسول اللہ! میرا گھر بہت بلندی پر ہے۔ اترنا چڑھنا میرے لئے مشکل ہوتا ہے، اس لئے مجھے متعین طور پر بتادیجئے کہ لیلۃ القدر کب ہوگی؟ (بقیہ)

چند اہلِ وفا کی شہادت

یہ المناک واقعہ صفر ۴ھ میں پیش آیا۔ اکثر مؤرخین نے اس کو سریہ عاصم ابن ثابت کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔ مگر سریہ عموماً فوجی مہم کو کہتے ہیں؛ جبکہ یہ ایک خالص تبلیغی مہم تھی، اسلئے ہم نے لفظ سریہ کے استعمال سے گریز کیا ہے۔

بنی ہذیل، عضل اور قارہ مشرکین کے تین قبیلے تھے جن کی سازش اور غداری سے یہ سانحہ رونما ہوا۔ ان قبائل کے چند آدمی جانِ دو عالم ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ ہم لوگ اسلام لاچکے ہیں لیکن اسلامی تعلیمات سے پوری طرح آگاہ نہیں ہیں۔ براہ مہربانی ہمارے ساتھ چند افراد بھیج دیجئے تاکہ ہمیں قرآن پڑھادیں اور دین سکھادیں۔

جانِ دو عالم ﷺ نے چھ سابق الاسلام صحابہ کو جو تعلیماتِ اسلامیہ سے اچھی طرح باخبر تھے۔ اس کام کے لئے منتخب فرمایا یعنی زید، خبیب، مرثد، عبداللہ، خالد اور عاصم

رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْھُمْ اَجْمَعِیْنَ.

حضرت عاصمؓ کو جانِ دو عالم ﷺ نے اس تبلیغی مہم کا امیر مقرر فرمایا اور جو لوگ انہیں لینے آئے تھے ان کے ہمراہ بھیج دیا۔ جب یہ لوگ قبائل بنی ہذیل، عضل وقارہ میں پہنچے تو انہوں نے بدترین بدعہدی اور دھوکہ بازی کا مظاہرہ کیا اور مبلغین کو گرفتار کرنے کے لئے ان کے گرد گھیرا ڈال دیا۔

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا "رمضان کی تیئیسویں [۲۳] شب کو آجانا۔"

اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ لیلۃ القدر ہمیشہ تیئیسویں کو ہو، تاہم جس رمضان میں انہوں نے سوال کیا تھا، اس میں حسب فرمانِ مصطفیٰ ﷺ تیئیسویں رات کو بالیقین لیلۃ القدر تھی۔

زندگی کے آخری ایام انہوں نے شام میں گزارے اور یہیں ۵۴ھ میں وفات پائی۔ وفات سے پہلے وصیت فرمائی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کا عطا کردہ عصا میرے کفن میں لپیٹ دینا --- اور یوں حضرت عبداللہ ابن انیسؓ عصائے مصطفیٰ ﷺ ساتھ لئے جنت کی سیر کو روانہ ہوگئے۔ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ

(اصابہ واستیعاب، ذکر عبداللہ ابن انیس)

محاصرہ کرنے والوں کی تعداد دو سو کے لگ بھگ تھی۔ ظاہر ہے کہ اتنے افراد کا مقابلہ کرنا چھ آدمیوں کے بس کی بات نہ تھی، مگر پھر بھی ان بہادروں نے ہمت نہ ہاری اور مقابلے پر ڈٹ گئے۔ جب محاصرہ کرنے والوں نے ان کو لڑنے مرنے پر آمادہ دیکھا تو کہنے لگے کہ اگر تم ہتھیار ڈال دو تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تمہیں قتل نہیں کریں گے۔

حضرت خبیبؓ، حضرت زیدؓ اور حضرت عبداللہؓ نے ان کے وعدے پر اعتبار کر لیا اور اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دیا، مگر حضرت عاصمؓ اور دوسرے دو افراد نے شہادت کو ترجیح دی۔ حضرت عاصمؓ نے کہا کہ میں کسی مشرک کے وعدے پر اعتبار کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ یہ کہہ کر تیر چڑھایا اور چھوڑ دیا۔ ان کے پاس سات تیر تھے اور وہ ایسے زبردست نشانہ باز تھے کہ ان کا ہر تیر ٹھیک اپنے ہدف پر لگتا تھا۔ چنانچہ سات تیروں سے انہوں نے دشمن کے سات اہم آدمی مار گرائے۔ تیر ختم ہو گئے تو نیزہ سنبھال لیا۔ وہ بھی ٹوٹ گیا تو تلوار نکالی اور اس وقت تک لڑتے رہے جب تک شہید نہ ہو گئے۔ ان کے دو ساتھی بھی شہادت پا گئے۔ چونکہ حضرت عاصمؓ نے دشمن کے متعدد اہم آدمی مار ڈالے تھے اس لئے انہیں یقین تھا کہ میرے مرنے کے بعد یہ لوگ میری لاش کی بے حرمتی اور مثلہ کر کے اپنے جذبۂ انتقام کو تسکین دیں گے۔ اس لئے انہوں نے شہادت سے چند لمحے پہلے دعا کی تھی کہ الٰہی! میں نے اپنی جان پر کھیل کر تیرے دین کی حفاظت کی ہے، اس لئے میرے بدن کو ان کے ناپاک ہاتھوں سے محفوظ رکھنا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کی لاش کی حفاظت کے لئے شہد کی مکھیاں بھیج دیں۔ جو شخص بھی آگے بڑھنے کی کوشش کرتا مکھیاں اس پر حملہ آور ہو جاتیں۔ آخر تنگ آ کر انہوں نے کہا کہ رات تک انتظار کرتے ہیں۔ رات کو مکھیاں ہٹ جائیں گی تو سر کاٹ کر ساتھ لے جائیں گے اور مکہ میں فروخت کر دیں گے۔ (۱) مگر رات کو ایک بارانی

---

(۱) حضرت عاصمؓ نے احد کے دن دو بھائیوں مسافع اور جلاس کو قتل کر دیا تھا، اس لئے ان کی ماں سلافہ نے منت مانی تھی کہ میں عاصم کی کھوپڑی میں شراب پیوں گی۔ حضرت عاصمؓ کے قاتلوں کا ☜

سیلاب لاش کو بہا کر لے گیا اور مشرکین کفِ افسوس ملتے رہ گئے۔

جن تین آدمیوں نے ہتھیار ڈال دیئے تھے، یعنی حضرت خبیبؓ، حضرت زیدؓ اور حضرت عبداللہؓ ان کی روئداد پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عاصمؓ نے مشرکین کے وعدوں پر اعتبار نہ کرنے کا جو فیصلہ کیا تھا وہ بالکل درست تھا، کیونکہ حضرت عاصمؓ اور ان کے دو ساتھیوں کو شہید کرنے کے بعد انہوں نے حضرت خبیبؓ، حضرت زیدؓ اور حضرت عبداللہؓ کے ہاتھ باندھنے شروع کر دیئے۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا کہ تم لوگ ابھی سے بدعہدی کر رہے ہو، اس لئے میں تمہارے ساتھ جانے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ انہوں نے حضرت عبداللہؓ کو ساتھ لے جانے کی بہت کوشش کی، ان کو مارا پیٹا اور زمین پر گھسیٹا مگر وہ کسی طرح بھی ان کے ساتھ جانے پر تیار نہ ہوئے۔ آخر اسی جگہ شہید کر دیئے گئے۔

اب صرف دو قیدی رہ گئے تھے --- حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ۔ ان کو ظالموں نے مکہ میں لا کر پچاس پچاس اونٹوں کے عوض بیچ دیا۔

حضرت زیدؓ کا خریدار امیہ کا بیٹا صفوان تھا اور حضرت خبیبؓ کو خریدنے والے حرث کے بیٹے تھے۔ حرث اور امیہ دونوں بدر میں مارے گئے تھے اب ان کے بیٹے نہتے قیدیوں کو قتل کر کے آتشِ انتقام سرد کرنا چاہتے تھے۔

زمانۂ اسیری

حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ مختلف مقامات پر قید کر دیئے گئے۔ حضرت خبیبؓ موہب کے گھر قید کئے گئے تھے۔ موہب اور اس کی اہلیہ ماویہؓ دونوں بعد میں مسلمان ہو گئے تھے، اس لئے ان کی زبانی حضرت خبیبؓ کے چند ایمان افروز واقعات منظر عام پر آ گئے۔

ماویہؓ نے بیان کیا کہ قید کے دوران تہجد کے وقت خبیب ایسی پُرسوز لے میں قرآن کریم پڑھا کرتا تھا کہ جہاں تک اس کی آواز پہنچتی تھی، سامعین کی آنکھوں میں آنسو

خیال تھا کہ سلافہ اپنی نذر پوری کرنے کے لئے عاصم کا سر معقول قیمت پر خرید لے گی، اس لئے انہوں نے سر کاٹنے کی بار بار کوشش کی مگر شہد کی مکھیوں نے ان کی ایک نہ چلنے دی۔ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

رواں ہو جاتے تھے اور خواتین پر انتہائی رقت طاری ہو جاتی تھی۔ایک دن میں نے خبیب سے کہا کہ اگر کوئی ضرورت ہو تو بتاؤ!

اس نے کہا---''ضرورت تو کوئی نہیں؛ البتہ میری تین خواہشیں ہیں اگر پوری کر سکو تو! ایک تو یہ کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے گئے جانور کا گوشت مجھے نہ کھلانا، دوسری یہ کہ پینے کے لئے مجھے صاف اور میٹھا پانی دینا، تیسری یہ کہ جب میرے قتل کا فیصلہ ہو جائے تو مجھے بتا دینا۔''

ماویہؓ کا بیان ہے کہ اس کے بعد میں ان باتوں کا خیال رکھا کرتی تھی اور جب مجھے معلوم ہوا کہ اس کو فلاں دن قتل کرنے کا فیصلہ ہو گیا ہے تو میں نے اسے مطلع کر دیا۔ مگر اللہ کی قسم اس اطلاع سے اس کے چہرے پر ذرہ برابر پریشانی کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا۔

تاریخ قتل کا علم ہونے کے بعد حضرت خبیبؓ نے سفرِ آخرت کی تیاری شروع کر دی۔ اسی سلسلے میں انہوں نے استرا طلب کیا تاکہ زیر ناف بال صاف کر سکیں۔ موہب کے گھرانے کی ایک عورت نے اپنے چھوٹے سے بچے کے ہاتھ استرا بھیج دیا۔ حضرت خبیبؓ نے استرا لے لیا اور بچے کو پیار سے گود میں بٹھا لیا۔ اب حضرت خبیبؓ کے ایک ہاتھ میں استرا تھا اور دوسرا ہاتھ بچے کے گرد حمائل تھا۔ بچے کی ماں نے یہ منظر دیکھا تو اس نے سمجھا کہ خبیب نے میرے بیٹے کو یرغمال بنا لیا ہے۔ اب خدا جانے وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرے، ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی زندگی سے مایوس ہو کر بچے کو مار ہی ڈالے۔

یہ سوچ کر وہ بے قرار ہو گئی اور اس کے چہرے سے انتہائی پریشانی جھلکنے لگی۔ حضرت خبیبؓ نے اس کو یوں بے تاب دیکھا تو اس کی پریشانی کا سبب سمجھ گئے اور اسے تسلی دیتے ہوئے گویا ہوئے ---''کیا تو یہ سمجھتی ہے کہ میں اس معصوم کو کوئی گزند پہنچاؤں گا---؟ نہیں، واللہ نہیں۔ میں اللہ کے فضل سے مسلمان ہوں اور اس قسم کی دھوکہ بازی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔''

اپنی رہائی کا کیسا سنہری موقع گنوا دیا، حضرت خبیبؓ نے---! حالانکہ وہ بچے کو قتل کرنے کی دھمکی دے کر آسانی رہائی حاصل کر سکتے تھے، مگر انہوں نے جان دینا گوارا کر

لیا، لیکن بے قصور اور بے گناہ بچے کی خوشیاں چھیننا اور اسے پریشان وخوفزدہ کرنا گوارا نہ کیا۔ کہتے ہیں کہ محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے، مگر غلامانِ محمد ﷺ اس فلسفے سے متفق نہیں تھے۔ وہ تو اس بات کے قائل تھے کہ جنگ ہو کہ محبت، ہر حالت میں محمد ﷺ کی غلامی کا طوق گلے میں نمایاں نظر آنا چاہیے۔

اسی بے مثال کردار کے طفیل ان پر ایسے ایسے انعامات ہوتے تھے کہ دیکھنے والے دنگ رہ جاتے تھے۔ چنانچہ ماویہ ہی کا بیان ہے کہ خبیب زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا، اس کے باوجود اس کے پاس موٹے موٹے دانوں والے انگور کے خوشے پہنچ جاتے تھے جنہیں وہ مزے لے لے کر کھاتا رہتا تھا، حالانکہ اس موسم میں مکہ میں تو کجا، پوری دنیا میں کہیں انگور نہیں ہوتے تھے۔(۱)

سوئے مقتل

آخر قتل کا مقرر کردہ دن آ پہنچا۔ مکہ میں اعلان کیا گیا کہ جس کا بھی کوئی رشتہ دار مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوا ہو، وہ اپنا اسلحہ لے کر آئے اور قیدیوں کے قتل میں حصہ لے۔ مکہ میں شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جس کا قریبی یا دور کا رشتہ دار بدر میں مارا نہ گیا ہو، اس لئے اس اعلان کو سنتے ہی اہل مکہ تلواریں، نیزے بھالے اور برچھیاں لئے اکٹھے ہو گئے اور پابند سلاسل قیدیوں کو تنعیم کی طرف لے چلے، جہاں صلیب گاڑ کر مقتل سجایا جا چکا تھا۔

آخری نماز

قیدی مقتل میں پہنچا دیئے گئے اور ان کو دار پر کھینچنے کی تیاریاں ہونے لگیں۔

---

(۱) یہ اعزاز پہلی امتوں میں حضرت مریم علیہا السلام کو بھی حاصل ہوا تھا۔ ان کے پاس بھی جب حضرت زکریا علیہ السلام عبادت گاہ میں جاتے تھے تو انواع واقسام کے پھل موجود پاتے تھے اور حیران ہو کر پوچھتے تھے "اَنّٰی لَکِ ھٰذَا؟" یہ نعمتیں تمہارے پاس کہاں سے آجاتی ہیں؟ بی بی مریم جواب دیتی تھیں، ھُوَمِنْ عِنْدِاللہِ...... یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے آتا ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے، بے حساب رزق دے دیتا ہے۔

حضرت خبیبؓ نے کہا کہ اگر تم لوگ مجھے تھوڑی سی مہلت دو تو میں دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ مشرکین نے اجازت دے دی تو حضرت خبیبؓ نے دو رکعتیں ادا کیں، پھر ان سے مخاطب ہو کر کہنے لگے ---''دل تو مزید نماز پڑھنے کو چاہتا تھا مگر اس خیال سے صرف دو رکعت پر اکتفا کیا ہے کہ کہیں تم یہ نہ سمجھ لو کہ میں موت سے ڈر گیا ہوں اور وقت گزاری کے لئے طویل نمازیں شروع کر دی ہیں۔''

اللہ اکبر! میں اور آپ ان سجدوں کی لذت کو کیا جان سکتے ہیں، جو اس حال میں ادا کئے گئے کہ صلیب گڑی تھی اور بیسیوں آدمی نیزے اور برچھیاں لئے ان کے جسم کو چھیدنے کے لئے بے تاب کھڑے تھے۔(۱)

دار پر چڑھانے سے پہلے قیدیوں سے کہا گیا کہ اگر تم اسلام چھوڑ دو تو تمہیں رہا کر دیا جائے گا، مگر انہوں نے اس پیشکش کو حقارت سے ٹھکرا دیا اور کہا---''جب اسلام ہی نہ رہا تو پھر جان کو باقی رکھ کر کیا کریں گے۔''

آخر حضرت خبیبؓ کو صلیب پر چڑھا دیا گیا اور مختلف ہتھیاروں کی تیز اور نوکدار انیوں سے ان کا جسم چھیدا جانے لگا۔

کوئی اور ہوتا تو اس ہولناک ظلم و تشدد سے حواس کھو بیٹھتا، مگر سخت حیرت ہوتی ہے کہ اس پیکرِ استقامت نے اس حال میں ایک شہکار نظم کہہ ڈالی، حالانکہ شعر کہنے کے لئے انتہائی یکسوئی کی ضرورت ہوتی ہے۔

میری معلومات کے مطابق قوتِ برداشت کے اس بے مثال مظاہرے کی کوئی نظیر

---

(۱) یہ ایسا دہشت ناک منظر تھا کہ فاروق اعظمؓ کے دورِ خلافت میں ایک صحابی حضرت سعیدؓ ابن عامر اکثر اچانک بے ہوش ہو جاتے تھے اور کافی دیر تک بے سدھ پڑے رہتے تھے، ایک دفعہ فاروق اعظمؓ نے ان سے اس بیماری کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا---''امیر المؤمنین! یہ بیماری نہیں ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ جب خبیب کو صلیب پر چڑھایا گیا تھا تو اس وقت میں بھی اس مجمع میں موجود تھا۔ اب جس وقت بھی مجھے وہ منظر یاد آتا ہے تو میں بے ہوش ہو جاتا ہوں۔

تاریخِ عالم میں موجود نہیں ہے۔

چونکہ یہ نظم تاریخی حیثیت رکھتی ہے، اس لئے ہم اسے رواں ترجمے کے ساتھ نذرِ قارئین کر رہے ہیں۔

نغمۂ دار

لَقَدْ جَمَعَ الْاَحْزَابُ حَوْلِیْ وَاَلَّبُوْا

قَبَائِلَهُمْ وَاسْتَجْمَعُوْا كُلَّ مَجْمَعٍ

میرے گرد کئی گروہ جمع ہو گئے ہیں، وہ اپنے قبیلوں کو بھی ساتھ لے آئے ہیں اور بڑا مجمع اکٹھا کر لیا ہے۔

وَكُلُّهُمْ مُبْدِىْ الْعَدَاوَةِ جَاهِدٌ

عَلَیَّ لِاَنِّیْ فِیْ وَثَاقٍ بِمَضْيَعِ

یہ سب کے سب دشمنی ظاہر کر رہے ہیں اور اذیت رسانی کی کوششیں کر رہے ہیں کیونکہ میں اس ہلاکت گاہ میں بندھا ہوا ہوں۔

وَقَدْ جَمَّعُوْا اَبْنَآءَ هُمْ وَنِسَآءَ هُمْ

وَقُرِّبْتُ مِنْ جِذْعٍ طَوِيْلٍ مُّمَنَّعٍ

انہوں نے اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بھی جمع کر لیا ہے اور مجھے ایک لمبی اور اونچی لکڑی کے پاس لے آئے ہیں۔

وَقَدْ خَيَّرُوْنِىَ الْكُفْرَ وَالْمَوْتُ دُوْنَهٗ

وَقَدْ هَمَلَتْ عَيْنَاىَ مِنْ غَيْرِ مَجْزَعٍ

انہوں نے مجھے کفر اختیار کرنے کا مشورہ دیا ہے حالانکہ اس سے تو موت بہتر ہے اور میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں لیکن غم اور بے صبری کی وجہ سے نہیں (یعنی خوشی کے آنسو ہیں۔)

فَلَسْتُ بِمُبْدٍ لِلْعَدُوِّ تَخَشُّعًا

وَلَا جَزَعًا ، اِنِّیْ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعِیْ

میں دشمن کے سامنے نہ تو عاجزی کا مظاہرہ کروں گا، نہ کوئی فریاد کروں گا، کیونکہ

میں اللہ کی طرف لوٹ کر جا رہا ہوں۔

وَمَابِیْ حَذَارُالْمَوْتِ اِنِّیْ لَمَیِّتٌ
وَلٰکِنْ حَذَارِیْ جَحْمُ نَارٍ مُلَفَّعٖ

مجھے موت کا کوئی ڈر نہیں ہے کیونکہ مرنا تو بہرحال ہے ہی؛ البتہ مجھے لپٹنے والی آگ کے شعلوں سے خوف آتا ہے۔

فَذُوالْعَرْشِ صَبَّرَنِیْ عَلٰی مَایُرَادُبِیْ
فَقَدْ بَضَّعُوْا لَحْمِیْ وَقَدْ یَاسَ مَطْمَعِیْ

عرش والے نے ہی مجھے ان کے برے ارادوں کے مقابلے میں صبر کی طاقت دی ہے ورنہ انہوں نے تو میرا گوشت ٹکڑے ٹکڑے کردیا ہے اور میرے زندہ رہنے کی امید منقطع ہوگئی ہے۔

اِلَی اللّٰہِ اَشْکُوْ غُرْبَتِیْ ثُمَّ کُرْبَتِیْ
وَمَا اَرْصَدَ الْاَحْزَابُ لِیْ عِنْدَ مَصْرَعِیْ

اپنی غریب الوطنی کا، اپنی تکلیف کا اور قتل کرتے وقت اذیت رسانی کا جو انہوں نے انتظام کیا ہے، اس کا شکوہ میں اللہ ہی سے کرتا ہوں۔

فَلَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا
عَلٰی اَیِّ شِقٍّ کَانَ فِی اللّٰہِ مَضْجَعِیْ

جب میں اسلام پر ثابت قدم رہتے ہوئے قتل کیا جا رہا ہوں تو پھر مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ راہِ خدا میں مرنے کے بعد میں کس پہلو پر گروں گا۔

وَذٰلِکَ فِیْ ذَاتِ الْاِلٰہِ وَاِنْ یَّشَأْ
یُبَارِکْ عَلٰی اَوْصَالِ شِلْوٍ مُّمَزَّعٖ

اور یہ سب کچھ میں اپنے معبود کے لئے برداشت کر رہا ہوں اور اگر وہ چاہے تو کٹے ہوئے جسم کے ایک ایک عضو پر اپنی برکتیں نازل فرمادے۔

اس نظم کے ختم ہوتے ہوتے دمِ نزع قریب آ پہنچا۔ اس وقت بڑی حسرت سے بارگاہِ الٰہی میں التجا کی---''خداوندا! تو جانتا ہے کہ میرے پاس پیغام رسانی کا کوئی انتظام

نہیں۔اب تو ہی رسول اللہ ﷺ کو میرے حال سے آگاہ کرنا اور ان کو میرا اسلام پہنچا دینا۔''

اس وقت جانِ دو عالم ﷺ مدینہ منورہ میں صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھے تھے کہ اچانک آپ نے فرمایا---''وَعَلَیْکَ السَّلَامُ یَا خُبَیْبُ!'' پھر حاضرین سے مخاطب ہوکر فرمایا---''اُسْتُشْهِدَ خُبَیْبُ.'' خبیب کو شہید کر دیا گیا ہے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ

حضرت خبیبؓ کے بعد بے گناہی کے دوسرے مجرم حضرت زیدؓ کو صلیب پر چڑھا دیا گیا۔ایک منہ پھٹ نے کہا---''اب تو بہت جی چاہتا ہوگا تمہارا کہ تم بچ جاتے اور تمہاری جگہ محمد کو سولی پر لٹکا دیا جاتا!''

حضرت زیدؓ نے جواب دیا---''اپنی جان کے عوض مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاؤں میں کوئی کانٹا ہی چبھ جائے۔''

ابوسفیان نے کہا---''جس طرح محمد کے ساتھی محمد کے ساتھ محبت کرتے ہیں، واللہ! میں نے ایسی شدید محبت کہیں نہیں دیکھی۔''

آخر حضرت زیدؓ بھی اذیتیں دے دے کر شہید کر دیئے گئے۔ان کی زبان سے ادا ہونے والا آخری جملہ---اللہ اکبر---تھا۔(۱) رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمَا

سانحۂ بئر معونہ

انہی دنوں ایسا ہی ایک اور دردناک واقعہ پیش آیا، جب اہل نجد کا ایک رئیس ابو براء جانِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔جانِ دو عالم ﷺ نے اس کو قرآن سنایا اور وعظ و نصیحت کی۔وہ اسلام تو نہ لایا؛ البتہ کہنے لگا کہ آپ جو باتیں کرتے ہیں، وہ بلاشبہ

---

(۱)''چند اہل وفا کی شہادت'' سے یہاں تک کے واقعات مندرجہ ذیل کتابوں سے اخذ کیے گئے ہیں۔ابن هشام ج ۲، ص ۱۶۷، ۱۷۳، الآثار المحمدیه ج ۲، ص ۸۲، ۸۹، تاریخ الخمیس ج ۱، ص ۴۵۴، ۴۵۸، رحمة للعالمین ج ۱، ص ۱۴۵، ۱۴۷،
علاوہ ازیں اختصار کے ساتھ یہ واقعہ صحیح بخاری ج ۲، ص ۵۸۵ اور حدیث کی دیگر کتابوں میں بھی موجود ہے۔

عمدہ اور مفید ہیں۔ اگر آپ اپنے ساتھیوں میں سے چند آدمیوں کو ہمارے علاقے میں دعوت وتذکیر کے لئے بھیجیں تو مجھے یقین ہے کہ وہ سب آپ کی پکار پر لبیک کہیں گے۔

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا---''مجھے خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ وہاں کا سردار عامر میرے ساتھیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔''

ابو براء نے کہا---''آپ فکر نہ کریں، میں ان کی حفاظت کا ضامن ہوں۔''

ابو براء کی ضمانت پر جانِ دو عالم ﷺ نے اصحابِ صفہ میں سے ستر قاریوں کو نجد کی طرف بھیج دیا۔ ان میں سے چند مہاجرین تھے اور زیادہ تر انصار۔ یہ ایسے نیک لوگ تھے کہ انہوں نے اپنی زندگیاں یادِ الٰہی اور خدمتِ خلق کے لئے وقف کر رکھی تھیں۔ رات بھر تلاوت وعبادت میں مصروف رہتے اور دن بھر لکڑیاں اکٹھی کرتے رہتے۔ شام کو لکڑیاں فروخت کر دیتے اور جو رقم حاصل ہوتی، اس میں سے کچھ اپنی ضرورت کے لئے رکھ لیتے اور باقی اپنے ہم درس اصحابِ صفہ میں بانٹ دیتے۔ عباد و زہاد کی یہ جماعت جب بئر معونہ کے قریب پہنچی تو اپنے ایک ساتھی حضرت حرام ابن ملحان کو قاصد بنا کر سردار قبیلہ عامر ابن طفیل کے پاس بھیجا۔ حضرت حرامؓ نے وہاں پہنچ کر بتایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں اور تمہیں اسلام کی طرف دعوت دینے آیا ہوں۔ اگرچہ قاصدوں کا قتل انتہائی گھٹیا کام سمجھا جاتا تھا، مگر عامر نے تمام اخلاقی اصولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے ایک آدمی کو حضرت حرامؓ کے قتل کا اشارہ کر دیا۔ حضرت حرامؓ اس سازش سے بے خبر توحید و رسالت کی دعوت دینے میں مصروف تھے کہ اچانک ایک شخص نے آپ کے پہلو میں اتنے زور سے نیزہ مارا کہ آر پار ہو گیا۔ حضرت حرامؓ کو یقین ہو گیا کہ چند لمحوں بعد میں شہادت سے ہمکنار ہونے والا ہوں۔ اس سے ان کو اس قدر خوشی اور مسرت حاصل ہوئی کہ انہوں نے اپنے ہی خون سے غسل کرنا شروع کر دیا۔ وہ اپنے بدن سے ابلتے ہوئے لہو کے چلو بھرتے اور اپنے چہرے اور سر پر ڈال کر نعرہ لگاتے---''فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ، فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ. (ربِ کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا ہوں، ربِ کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا ہوں۔)

اس کے بعد عامر نے اردگرد کے قبائل---عصیہ، رعل اور ذکوان وغیرہ---کو اکٹھا

کیا اور سب نے مل کر حضرت حرامؓ کے دیگر ساتھیوں پر حملہ کر دیا۔ اہل ایمان نے مقدور بھر مقابلہ کیا۔ مگر حملہ اس قدر اچانک تھا کہ وہ سنبھل نہ سکے اور سب کے سب شہید ہو گئے۔ صرف دو آدمی زندہ بچے۔ ایک نے لاشوں کی اوٹ میں چھپ کر جان بچائی اور دوسرے کو وہ لوگ گرفتار کر کے ساتھ لے گئے مگر بعد میں عامر نے اس کو یہ کہہ کر رہا کر دیا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی، میں اس کی نذر پوری کرنے کے لئے تمہیں آزاد کر رہا ہوں۔

جانِ دو عالم ﷺ کو اس سانحے کی اطلاع ہوئی تو آپ کو اس قدر دکھ ہوا کہ بیان سے باہر ہے۔ سب جانتے ہیں کہ رحمتِ عالم ﷺ نے طائف میں سنگباری کرنے والوں اور اُحد میں روئے انور کو زخمی کرنے والوں کے لئے کوئی بددعا نہ کی، مگر ان مبلغین کو دھوکے سے قتل کرنے پر آپ اس قدر آزردہ ہوئے کہ ایک مہینے تک صبح کی نماز میں رکوع کے بعد ان قبائل کا نام لے لے کر ان کے لئے بددعائیں کرتے رہے۔ (۱)

غزوۂ بنی نضیر

بنی نضیر یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا جو مدینہ منورہ سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر آباد تھا۔ یہ لوگ سود پر روپیہ دیتے تھے اور ضرورت مندوں کو دونوں ہاتھوں سے لوٹتے تھے، اس لئے بہت آسودہ حال تھے۔ انہوں نے بڑے مضبوط اور مستحکم قلعے بنا رکھے تھے اور انہیں ناقابلِ تسخیر سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ جانِ دو عالم ﷺ چند صحابہ کرام کے ہمراہ دو مقتولوں کی دیت کے بارے میں گفتگو کرنے کے لئے بنی نضیر کی آبادی میں تشریف لے گئے۔ انہوں نے بظاہر آپ کا خیر مقدم کیا اور ایک مکان کے سائے میں آپ کے بیٹھنے کا انتظام کیا لیکن در پردہ یہ سازش کی کہ ایک شخص چپکے سے بالا خانے پر چڑھے اور آپ پر بھاری پتھر گرا دے۔ ایک یہودی عمرو بن جحاش اس ارادے سے بالا خانے پر چڑھا مگر اس سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس گھناؤنی سازش سے آگاہ کر دیا۔ چنانچہ آپ اچانک اٹھے اور کوئی بات کئے بغیر ایک طرف چل دیئے۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے ابھی واپس آ جائیں گے، اس لئے صحابہ کرام وہیں بیٹھے رہے اور انتظار کرتے رہے مگر آپ مدینہ تشریف لے آئے اور واپس نہ گئے۔

---

(۱) سیرت حلبیہ ج ۳، ص ۱۸۸، ۱۹۳، ابن ہشام ج ۲، ص ۱۷۴، ۱۷۵، زرقانی ج ۲، ص ۸۸، ۹۴۔

حکمِ خروج اور محاصرہ

جانِ دو عالم ﷺ کو بھاری پتھر سے کچلنے کی سازش بدترین بدعہدی اور انتہائی گھٹیا حرکت تھی کیونکہ آپ نے یہودیوں کے ساتھ امن کا معاہدہ کر رکھا تھا۔ معاہدہ نہ بھی کیا ہوتا تب بھی گھر میں آئے مہمان کو دھوکے سے قتل کرنا اخلاقی گراوٹ کی انتہا ہے، مگر یہودیوں کو اخلاق سے کیا سروکار!

اس واضح بدعہدی کے بعد جانِ دو عالم ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمہؓ (۱) کو یہودیوں کی طرف یہ پیغام دے کر بھیجا کہ تم نے عمرا بن جحاش کو میرے قتل پر مامور کر کے بدعہدی کا ارتکاب کیا ہے، اس لئے اب میں تمہیں یہاں رہنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ تم دس دن کے اندر اندر یہاں سے نکل جاؤ اور جدھر جی چاہے، چلے جاؤ۔ دس دن کے بعد اگر تم میں سے کوئی یہاں نظر آیا تو اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔

یہ پُر جلال حکم سن کر یہودیوں کو چپ سی لگ گئی اور کسی نے ایک لفظ بھی نہ کہا --- کہتے بھی کیا، جب کہ بدعہدی کا آغاز خود انہوں نے کیا تھا۔

اس کے بعد بنی نضیر نے کوچ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو پتہ چلا تو اس نے یہودیوں کو گھر بار چھوڑنے سے منع کرتے ہوئے مشورہ دیا کہ تم محمد کے مقابلے میں ڈٹ جاؤ۔ اگر اس نے تم کو نکالنے کی کوشش کی تو میں دو ہزار جانبازوں کے ساتھ تمہاری مدد کروں گا اور تمہارا بھرپور ساتھ دوں گا۔ محمد اور اس کے ساتھی ہماری لاشوں سے گزر کر ہی تم تک پہنچ سکیں گے۔

ابن ابی کے کہنے سننے اور امداد کی یقین دہانی کرانے پر یہودیوں نے کوچ کا ارادہ ترک کر دیا اور جانِ دو عالم ﷺ کو جواب بھیج دیا کہ آپ جو کچھ کر سکتے ہیں کر لیں۔ ہم اپنی زمینیں اور مکانات چھوڑ کر ہرگز نہیں جائیں گے۔

اس جواب کے بعد جانِ دو عالم ﷺ نے اپنے جاں نثاروں کو جمع کیا اور لشکر ترتیب

---

(۱) ان کا تعارف جلد اول، ص ۲۶۳ پر گزر چکا ہے۔

دیا۔ حضرت علیؓ کو علمبردار بنایا اور بنی نضیر کی طرف چل پڑے۔ بنی نضیر قلعہ بند ہو گئے اور محفوظ مورچوں سے تیراندازی کرنے لگے۔ ایسی صورت میں محاصرہ کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ چنانچہ جانِ دو عالم ﷺ نے محاصرہ کا حکم دے دیا۔ آپ کے لئے بھی ایک خیمہ نصب کر دیا گیا، جس میں آپ فروکش ہو گئے۔ یہودیوں میں ایک ایسا تیرانداز تھا جس کا پھینکا ہوا تیر بہت دور تک مار کرتا تھا۔ اس کا نام غزول تھا۔ وہ اپنے چند ساتھیوں کی معیت میں خفیہ راستوں سے باہر نکلا اور بہت دور سے جانِ دو عالم ﷺ کے خیمے کا نشانہ لے کر تیر چلایا۔ آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے بچا لیا، مگر تیر خیمے میں پیوست ہو گیا۔ چنانچہ اس مقام کو غیر محفوظ سمجھتے ہوئے آپ کا خیمہ دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا۔

اگلے دن حضرت علیؓ لشکر سے غائب ہو گئے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی

''یارسول اللہ! علی نظر نہیں آ رہے!''

''تمہارے ہی کسی کام سے گیا ہوگا۔'' جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ''ابھی آ جائے گا۔''

اسی وقت حضرت علیؓ آ گئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک سر تھا جسے جانِ دو عالم ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا اور عرض کی---''یارسول اللہ! یہ غزول کا سر ہے جس نے آپ کے خیمے پر تیر پھینکنے کی جسارت کی تھی۔ یارسول اللہ! یہ دس آدمی تھے جو چھپ چھپ کر مسلمانوں پر تیر چلا رہے تھے۔ ان میں سے غزول کو تو میں نے مار ڈالا ہے، مگر باقی نو بھاگ گئے ہیں۔''

جانِ دو عالم ﷺ نے اسی وقت چند صحابہ کو حضرت علیؓ کے ہمراہ کیا اور ان کے تعاقب کے لئے بھیج دیا۔ انہوں نے جلد ہی غزول کے ساتھیوں کو جا لیا اور سب کو تہہ تیغ کر دیا۔

یہ مسلمانوں کی پہلی نمایاں کامیابی تھی۔ اس کے بعد محاصرہ مزید سخت کر دیا گیا اور چند کھجوروں کو آگ لگا دی گئی۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ کل چھ یا سات کھجوریں جلائی گئی تھیں۔ ہو سکتا ہے کھجوروں کے اس جھنڈ کی آڑ میں یہودی مسلمانوں پر حملے کرتے ہوں، جس طرح غزول نے کیا تھا۔

یہ محاصرہ کئی دن تک جاری رہا، مگر عبداللہ ابن ابی، بنی نضیر کی مدد کے لئے حسب وعدہ نہ آیا۔ آخر یہودیوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور جانِ دو عالم ﷺ کو پیغام بھیجا کہ اگر ہمیں جان کی امان دی جائے اور ماسوائے اسلحے کے، جتنا مال و دولت ہم ساتھ لے جا سکیں، لے جانے کی اجازت دے دی جائے تو ہم یہاں سے جانے کے لئے تیار ہیں۔

یہ شرطیں اگرچہ سراسر لغو تھیں، کیونکہ فریق مغلوب شرطیں پیش کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوتا، مگر جانِ دو عالم ﷺ نے اس وقت بھی رحمۃ للعالمینی کا مظاہرہ فرمایا اور ان کی دونوں شرطیں بغیر کسی ترمیم کے منظور فرمالیں۔ چنانچہ یہودیوں نے ماسوائے اسلحے کے تقریباً سب کچھ ساتھ لیا۔ حتیٰ کہ مکانوں کی کھڑکیاں، دروازے اور چھت کی لکڑیاں بھی اکھاڑ لیں اور بایں ہمہ ساز و سامان روانگی کے لئے تیار ہو گئے۔

جشن جلاوطنی

اپنی بہادری کا مظاہرہ کرنے کے لئے انہوں نے روانگی کے وقت کسی قسم کا غم اور افسردگی ظاہر نہیں کی؛ بلکہ اس شان سے کوچ کیا کہ جشن کا گماں گزرتا تھا۔ یہودیوں کی عورتیں انتہائی قیمتی ریشمی لباسوں میں ملبوس، زیورات سے لدی پھندی اور بنی سنوری نمودار ہوئیں۔ مرد بھی مال و دولت کے انبار اونٹوں اور گھوڑوں پر لادے باہر نکلے اور یہ قافلہ اس ٹھاٹھ سے روانہ ہوا کہ ساتھ ساتھ ڈھول اور دف بج رہے تھے اور خوش گلو کنیزوں کے نغموں سے فضائیں گونج رہی تھیں۔

بے مثال ایثار

ان کے جانے کے بعد ان کا چھوڑا ہوا اسلحہ اور آباد زمینیں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔ جانِ دو عالم ﷺ نے انصار کو بلایا اور کہا کہ تم نے مشکل وقت میں جس طرح مہاجرین کی مدد کی تھی اور اپنی آدھی جائیدادیں مہاجر بھائیوں کے حوالے کر دی تھیں، وہ تمہارا بے مثال ایثار تھا اور اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا اجر دے گا۔ اب اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ زمینیں عطا کر دی ہیں۔ اب یا تو وہ زمینیں جو تم نے مہاجرین کو دی ہیں، تمہیں واپس کر دی جائیں اور مہاجرین کو یہاں کی اراضی دے دی جائیں، یا تمہاری عطا کردہ جائیدادیں مہاجرین کے

پاس ہی رہیں اور یہاں کی زمینوں میں تمہیں مہاجرین کے ساتھ شریک کر دیا جائے۔

یہ دونوں تجویزیں نہایت عادلانہ تھیں، مگر ایثار پیشہ اور فیاض انصار نے ایک تیسری تجویز پیش کر کے جانِ دو عالم ﷺ کا دل موہ لیا۔ انہوں نے عرض کی --- ''یا رسول اللہ! ہم نے جو زمینیں مہاجرین کو دی ہیں، وہ بھی ان کے پاس رہیں اور یہاں کی جائیداد بھی انہی میں تقسیم کر دی جائے، ہم کچھ بھی نہیں لیں گے۔''

جانِ دو عالم ﷺ ان کے اس ایثار و قربانی سے اس قدر خوش ہوئے کہ ان کو دعا دیتے ہوئے فرمایا

اَللّٰھُمَّ ارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَاَبْنَآءَ الْاَنْصَارِ وَاَبْنَآءَ اَبْنَآءِ الْاَنْصَارِ.

اے اللہ! انصار پر رحم فرمادے، انصار کے بیٹوں پر رحم فرمادے، انصار کے بیٹوں کے بیٹوں پر رحم فرمادے۔(۱)

غزوۂ بدر دوم

اس کو بدر صغریٰ بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں لڑائی وغیرہ نہیں ہوئی تھی کیونکہ مشرکین مقابلے میں آئے ہی نہیں تھے۔ صرف جانِ دو عالم ﷺ بدر تک تشریف لے گئے تھے۔

دراصل غزوۂ احد میں شکست کے بعد ابوسفیان نے جاتے ہوئے کہا تھا کہ آئندہ سال پھر تم لوگوں کے ساتھ بدر میں دو دو ہاتھ ہوں گے اور حضرت عمر نے جانِ دو عالم ﷺ کے ایماء پر جواب دیا تھا کہ ضرور، انشاء اللہ!

چنانچہ سال گزرنے کے بعد جانِ دو عالم ﷺ نے تو حسب وعدہ بدر جانے کے لئے تیاری شروع کر دی، مگر ابوسفیان کچھ ڈھیلا پڑ گیا اور جانِ دو عالم ﷺ کی تیاریوں کی اطلاع لانے والے اپنے ہمنوا نعیم اشجعی سے کہا کہ میں اس وقت جنگ نہیں کرنا چاہتا، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ میں نے ہی احد میں مسلمانوں کو آئندہ سال کے لئے دعوت مبارزت دی

---

(۱) غزوۂ بنی نضیر کی تفصیلات سیرت حلبیہ ج ۲، ص ۹۴، ۱۰۲ اور سیرت ابن ہشام ج ۲، ص ۱۷۶، ۱۷۸ سے لی گئی ہیں۔

تھی۔ اب اگر وہ آجاتے ہیں اور ہم مقابلے کے لئے نہیں نکلتے تو ہماری بزدلی اور کم ہمتی ظاہر ہوگی۔ اس لئے تم اس طرح کرو کہ مدینہ واپس جاؤ اور ہماری تیاریوں کے بارے میں اس قدر مبالغہ آرائی سے کام لو کہ مسلمان خوفزدہ ہو جائیں اور بدر تک آنے کا ارادہ ترک کر دیں۔ اگر تم نے یہ کام کر دیا تو میں تمہیں بیس اونٹ بطور انعام دوں گا۔

چنانچہ نعیم واپس آیا اور لوگوں کو بتانا شروع کیا کہ اب کی بار اہل مکہ نے اتنا بڑا لشکر تیار کیا ہے اور اس قدر اسلحہ جمع کیا ہے کہ ان کا مقابلہ ممکن ہی نہیں۔

اس خبر سے منافقین اور یہودی بے حد خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ اب یقیناً مسلمانوں کا قلع قمع ہو جائے گا۔ یہ باتیں سن کر مضبوط ایمان والے تو فی الفور کہہ دیتے، حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل. مگر کمزور ایمان والے اس پروپیگنڈے سے متاثر ہو گئے اور خوفزدہ رہنے لگے۔ یہ صورت حال دیکھ کر صدیق اکبرؓ جانِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی

''یا رسول اللہ! ہم پچھلے سال مشرکین سے وعدہ کر چکے ہیں کہ آئندہ سال پھر مقابلہ کریں گے، اب اگر ہم نہ گئے تو وہ اس کو ہماری بزدلی پر محمول کریں گے۔ اس لئے ہمیں اللہ کا نام لے کر چل پڑنا چاہئے۔ ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا اور اپنے دین کو عزت نصیب کریگا۔''

جانِ دو عالم ﷺ بہت مسرور ہوئے اور فرمایا۔۔۔ ''میں نے تو بہرحال جانا ہی تھا، اگرچہ کوئی بھی میرا ساتھ نہ دیتا اور مجھے تنہا ہی جانا پڑتا۔''

چنانچہ آپ ڈیڑھ ہزار اصحاب کی معیت میں بدر کے لئے روانہ ہوئے۔ وہاں آٹھ دن تک قیام پذیر رہے اور مشرکین کا انتظار کرتے رہے، مگر مشرکین کو سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی اور آپ اپنی شوکت وہیبت کا سکہ بٹھا کر واپس چلے آئے۔

غزوۂ دُومۃ الجندل

شام کی سرحد کے قریب ایک قصبے کا نام دومۃ الجندل تھا۔ جانِ دو عالم ﷺ کو اطلاع ملی کہ وہاں ایک بڑے گروہ نے سخت فتنہ وفساد پھیلا رکھا ہے۔ مسافروں پر ظلم وستم کرنا

اور لوٹ مار کرنا ان کا پیشہ ہے۔ اب ان کی جمعیت اس قدر بڑھ گئی ہے کہ وہ مدینہ پر حملہ آور ہونے کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔

چنانچہ جانِ دو عالم ﷺ اس فتنہ کا سر کچلنے کے لئے ۴ھ کے اواخر میں روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچے تو ڈاکوؤں کا وہ گروہ ڈر کر بھاگ گیا اور مال مویشی چھوڑ گیا جو مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔

اس غزوے میں بھی کوئی لڑائی نہیں ہوئی؛ البتہ شوکتِ مصطفیٰ ﷺ کی دھاک بیٹھ گئی۔(۱)

غزوۂ بنی المصطلق

مدینہ منورہ سے تقریباً نو میل کے فاصلے پر ایک کنواں تھا جس کا نام مریسیع تھا۔ اس کے کنارے مشرکین کا ایک قبیلہ آباد تھا جس کو بنی المصطلق کہا جاتا تھا۔ سردار قبیلہ حارث مسلمانوں کا سخت دشمن تھا اور چاہتا تھا کہ بھرپور حملہ کر کے مسلمانوں کا خاتمہ کر دے۔ اس مقصد کے لئے اس نے قبیلے کو اہل ایمان کے خلاف اکسانا اور جنگ کی ترغیب دینا شروع کر

---

(۱) غزوۂ بدر دوم اور غزوۂ دومۃ الجندل سیرت ابن ھشام ج ۲، ص ۱۸۵، ۱۸۷، اور زرقانی ج ۲ ص، ۱۱۱، ۱۱۴، سے ماخوذ ہیں۔ ان چھوٹے چھوٹے غزوات پر نگاہ دوڑانے سے پتہ چلتا ہے کہ جانِ دو عالم ﷺ کو اسلامی سلطنت کے تحفظ واستحکام کا کس قدر خیال رہتا تھا۔ قریب وبعید، جہاں سے بھی آپ کو اطلاع ملتی کہ وہاں نوزائیدہ اسلامی حکومت کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں اور مدینہ پر حملہ آور ہونے کی تدبیریں کی جا رہی ہیں، آپ فوراً وہاں پہنچ جاتے اور دشمنوں کی سرکوبی کر کے فتنے کا استیصال کر دیتے۔ اس کے لئے آپ نے مشکل حالات میں طویل سفر کئے اور انتہائی صبر آزما مراحل سے گزرے۔ آخر اسلامی سلطنت کو اپنے پاؤں پر کھڑا کر دیا اور جب دنیا سے رخصت ہوئے تو یہ سلطنت اتنی مستحکم ہو چکی تھی کہ نہ اس کو مانعینِ زکوٰۃ کی کوششیں متزلزل کر سکیں، نہ مرتدین عرب کی شورشیں اس کو منتشر کر سکیں اور نہ جھوٹے مدعیانِ نبوت کی سازشیں اس کو کوئی گزند پہنچا سکیں۔ یہ سب کچھ اس مدبرِ اعظم اور منتظمِ اعلیٰ آقا کی اسی شبانہ روز جدوجہد اور سعی وعمل کا ثمرہ تھا۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ.

دیا۔ قبیلے نے اس کی پکار پر لبیک کہا اور جنگ کی تیاریوں میں لگ گئے۔ جانِ دو عالم ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ نے حضرت بریدہؓ (۱) کو تحقیق کے لئے بھیجا۔ انہوں نے واپس آ کر بتایا کہ اطلاع درست ہے، واقعی وہ لوگ زبردست تیاریوں میں مصروف ہیں۔ چنانچہ جانِ دو عالم ﷺ بلا تاخیر ان کی گوشمالی کے لئے کمر بستہ ہو گئے۔ اس غزوے میں حضرت عائشہؓ بھی ساتھ تھیں۔ مالِ غنیمت کے لالچ میں عبداللہ ابن ابی اور چند دیگر منافقین بھی ہمراہ ہو گئے اور دو شعبان ۵ ھ کو یہ لشکر بنی المصطلق کی قیام گاہ کی طرف روانہ ہوا۔ بنی المصطلق نے مسلمانوں کو آتا دیکھا تو تیراندازی شروع کر دی۔ مسلمانوں نے بھی جواب میں تیر برسائے، مگر جانِ دو عالم ﷺ نے حکم دیا کہ یکدم بھرپور حملہ کیا جائے۔ حسب ارشاد اہل ایمان نے اتنا زوردار حملہ کیا کہ بنی المصطلق مقابلے کی تاب نہ لا سکے۔ ان کے دس آدمی مارے گئے اور باقی گرفتار کر لئے گئے۔ اس فتح مبین کے نتیجے میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں مسلمانوں کو دستیاب ہوئیں۔ اس کے علاوہ دو سو گھرانے قید ہوئے جن میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔ عورتیں لونڈیاں قرار دے کر مجاہدین میں تقسیم کر دی گئیں۔ ان میں ایک حسینہ و جمیلہ خاتون جویریہ بھی تھی جو سردار کی بیٹی تھی۔ وہ حضرت ثابتؓ (۲) کے حصے میں آئی، مگر

---

(۱) حضرت بریدہؓ کے اسلام لانے کا واقعہ جلد اول ص ۳۱۲ پر گزر چکا ہے۔

(۲) حضرت ثابتؓ ابن قیس بے مثل خطیب تھے اور جس طرح حضرت حسانؓ شاعرِ رسول اللہ کے لقب سے مشہور تھے۔ اسی طرح حضرت ثابتؓ، خطیب رسول اللہ کے لقب سے معروف تھے۔

ایک اچھے خطیب کے لئے ضروری ہے کہ اس کی آواز بلند اور پُرشکوہ ہو، تاکہ خوب مؤثر ہو اور دور تک سنی جا سکے، خصوصاً اس دور میں جب کہ لاؤڈ سپیکر وغیرہ بھی نہیں تھے۔

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے بہت اونچی اور پرتاثیر آواز عنایت کی تھی، مگر اس آواز نے ان کو ایک دفعہ پریشانی سے دوچار کر دیا۔

جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ﴾ (اے ایمان والو! اپنی آواز نبی کی آواز سے بلند مت کرو۔) تو حضرت ثابتؓ نے اپنے آپ کو گھر میں محصور کر لیا اور باہر نکلنا چھوڑ دیا۔ کئی دن تک نظر نہ آئے تو جانِ دو عالم ﷺ کو تشویش ☜

اس کی غیرت نے غلامی کی ذلت برداشت کرنا گوارا نہ کیا اور حضرت ثابتؓ سے التجا کی کہ آپ مجھ سے کچھ پیسے لے لیں اور مجھے آزاد کر دیں۔ حضرت ثابتؓ رضا مند ہو گئے، مگر جویریہ پیسے کہاں سے لاتی! وہ تو اس وقت خود گرفتارِ بلا تھی۔ چنانچہ اسی بارگاہِ بے کس پناہ میں حاضر ہوئی، جہاں سے کوئی سائل مایوس نہیں لوٹتا تھا اور عرض کی

''یا رسول اللہ! مجھ پر جو مصیبت ٹوٹی ہے، وہ آپ جانتے ہی ہیں برائے مہربانی میرے ساتھ امداد فرمائیے تاکہ میں رقم ادا کر کے آزادی حاصل کر سکوں۔''

ہوئی، اور ایک آدمی کو تحقیقِ احوال کے لئے ان کے گھر بھیجا۔ پتہ چلا کہ انہوں نے اپنے آپ کو گھر میں بند کر رکھا ہے اور رو رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی آواز سے آواز بلند ہونے پر تمام اعمال ضائع ہونے کی تنبیہ نازل ہوئی ہے اور میری آواز قدرتاً بہت اونچی ہے۔ ڈرتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے روبرو نادانستہ طور پر آواز بلند ہو جانے سے کہیں میرے اعمال بھی ضائع نہ ہو جائیں۔

جانِ دو عالم ﷺ نے جواب بھجوایا کہ تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو۔ تمہاری تو زندگی بھی عمدہ ہوگی اور موت بھی شاندار ہوگی۔

اس بشارت سے ان کی تسلی ہوگئی اور انہوں نے حسبِ معمول باہر نکلنا شروع کر دیا۔

جانِ دو عالم ﷺ کی پیشنگوئی پوری ہوئی اور ان کی ساری زندگی جہاد میں بسر ہوئی۔ جنگ یمامہ میں شہادت سے ہمکنار ہوئے۔ شہادت کے بعد ایک مجاہد کو خواب میں نظر آئے اور فرمانے لگے

''میں تمہیں دو وصیتیں کرنے لگا ہوں۔ ان کو غور سے سنو! اور یاد رکھو، کہ یہ محض خواب نہیں، بلکہ میں جو کچھ بتانے لگا ہوں وہ قطعی طور پر صحیح ہے۔

پہلی وصیت تو یہ ہے کہ کل میرے شہید ہونے کے بعد ایک شخص نے میرے بدن سے زرہ اتار لی تھی۔ اس کا خیمہ لشکر کے آخری سرے پر ہے اور خیمے کے سامنے لمبی رسی سے بندھا ہوا گھوڑا چر رہا ہے۔ اس نے میری زرہ کو چرانے کے بعد اس کو ایک ہانڈی میں ڈال دیا تھا۔ پھر ہانڈی الٹ کر اس پر کجاوہ رکھ دیا تھا۔ تم امیر لشکر خالد ابن ولید کے پاس جانا اور ان سے کہنا کہ میری زرہ اس سے واپس لے لیں۔

دوسری وصیت یہ ہے کہ میں نے اپنے غلاموں میں سے فلاں فلاں کو آزاد کر دیا تھا لیکن میرے ورثاء کو اس بات کا علم نہیں ہے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ وہ انہیں بدستور غلام بنائے رکھیں۔ جب تم ☜

ایک معزز سردار کی بیٹی کا اس طرح عاجزانہ انداز میں سائل بن کر آنا آپ کی طبیعت پر اتنا اثر انداز ہوا کہ آپ نے اس کے جملہ دکھوں کا مداوا کرنے کا تہیہ کر لیا اور فرمایا

''میں تمہارے سامنے اس سے بہتر تجویز پیش کرتا ہوں --- اگر تمہیں پسند ہو تو!''

''وہ کیا ہے یارسول اللہ!؟'' جویریہ نے پوچھا۔

''یہ کہ میں تیری طرف سے رقم ادا کر دوں اور تجھے آزاد کر کے اپنی بیوی بنا لوں۔''

حضرت جویریہؓ کے لئے اس سے بڑا اعزاز اور سعادت اور کیا ہو سکتی تھی۔ انہوں نے بخوشی اجازت دے دی اور جانِ دو عالم ﷺ نے حضرت ثابتؓ کو مقررہ رقم ادا کر کے حضرت جویریہؓ کو ام المؤمنین بنا لیا۔

جب صحابہ کرامؓ کو پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جویریہؓ سے شادی کر لی ہے تو انہوں نے بنی المصطلق کے تمام قیدیوں کو --- خواہ وہ مرد تھے یا عورتیں، یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ جس قبیلے کے ساتھ رسول اللہ کی رشتہ داری قائم ہو گئی ہے، اس کے کسی بھی فرد کو ہم اپنا غلام نہیں بنا سکتے۔

کیسے باادب لوگ تھے --- ! عظمتوں کو جاننے والے! نسبتوں کو پہچاننے والے!

مدینہ واپس پہنچو تو امیر المؤمنین صدیق اکبرؓ کو یہ بات بتا دینا، تا کہ وہ اس کے مطابق عمل کریں۔''

یہ مفصل خواب دیکھ کر وہ شخص بیدار ہوا تو اسی وقت حضرت خالدؓ بن ولید کی خدمت میں حاضر ہوا اور خواب بیان کیا۔ حضرت خالدؓ نے تحقیق کی تو حضرت ثابتؓ کی بتائی ہوئی تمام نشانیاں درست ثابت ہوئیں اور ہانڈی سے زرہ برآمد ہو گئی۔ بعد میں حضرت صدیق اکبرؓ کو ان کی دوسری وصیت کے بارے میں بتایا گیا تو انہوں نے بھی وصیت کو صحیح تسلیم کر لیا اور ان کے بتائے ہوئے غلاموں کو آزاد قرار دے دیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ تاریخ اسلام میں حضرت ثابتؓ واحد شخصیت ہیں، جن کی وصیت ان کی وفات کے بعد معتبر مانی گئی۔ حالانکہ عام طور پر خواب میں کی گئی وصیتوں کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں۔ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْم.

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ط الآیۃ

(یہ واقعات استیعاب، ذکر ثابت سے ماخوذ ہیں۔)

اس طرح دو سو گھرانوں کی گردنوں سے طوقِ غلامی اتر گیا اور وہ سب حریت کی نعمت سے مالا مال ہو گئے۔

کتنا مبارک ثابت ہوا حضرت جویریہؓ کا جانِ دو عالم ﷺ کے عقد میں آنا!

لڑائی اور صلح

اس غزوے سے فراغت کے بعد جانِ دو عالم ﷺ اپنے اصحاب سمیت آرام کی غرض سے چند دن تک مریسیع کے کنویں کے پاس قیام پذیر رہے۔ اس قیام کے دوران ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ مہاجرین اور انصار میں تصادم ہوتے ہوتے رہ گیا۔

ہوا یوں کہ حضرت عمر کے ایک غلام جہجاہ غفاریؓ کا، سنانؓ سے جھگڑا ہو گیا جو بڑھتے بڑھتے ہاتھا پائی تک پہنچ گیا۔ جہجاہؓ بہت زور آور شخص تھے۔ انہوں نے سنانؓ کو خاصا مارا پیٹا۔ بلکہ بعض روایات کے مطابق زخمی بھی کر دیا۔ جب سنانؓ نے دیکھا کہ جہجاہؓ کے سامنے میری کوئی پیش نہیں جاتی تو انہوں نے زمانۂ جاہلیت کے دستور کے مطابق اپنے حمایتی قبیلوں کو مدد کے لئے پکارنا شروع کر دیا۔ اس کے جواب میں جہجاہؓ نے بھی اپنے حامی قبائل کو آواز دی۔ سنانؓ کا تعلق انصار سے تھا، جب کہ جہجاہؓ مہاجرین میں سے تھے۔ چنانچہ سنانؓ کی مدد کے لئے انصار کے قبائل اوس وخزرج اور جہجاہؓ کی حمایت میں مہاجرین کے قبیلے قریش اور کنانہ ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ قریب تھا کہ انصار و مہاجرین میں خونریز تصادم ہو جاتا کہ اچانک جانِ دو عالم ﷺ تشریف لے آئے اور فریقین کو ڈانٹتے ہوئے غضبناک لہجے میں گویا ہوئے۔

مَابَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ!؟ دَعُوْهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ.

(یہ کیا زمانہ جاہلیت کی طرح اپنے اپنے حامی قبائل کو پکارنا شروع کر دیا ہے تم لوگوں نے!؟ یہ کام چھوڑ دو۔ یہ بدبودار عمل ہے۔)

ہادیٔ برحق ﷺ کی آواز سنتے ہی فریقین کو ہوش آ گیا اور جبینیں عرق انفعال سے تر ہو گئیں --- کہاں تو وہ حریفانہ صف آرائی اور کہاں یہ دوستانہ صلح جوئی کہ مہاجرین کی ایک جماعت سنانؓ کے پاس وفد بن کر گئی اور ان سے التجا کی کہ وہ جہجاہ کو معاف کر دیں۔

سنان نے نہایت فراخدلی سے معاف کر دیا اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

ابن ابی کی ذلالت

مندرجہ بالا واقعہ ظاہر ہے کہ ایک وقتی اشتعال کا نتیجہ تھا، بعد میں مہاجرین نے معافی مانگ کر اور انصار نے معاف کر کے اس کی تلافی کر دی تھی۔ مگر سوء اتفاق سے اس غزوے میں عبداللہ ابن اُبی اور اس کے ہم مشرب منافقین بھی شامل تھے۔ انہوں نے اس واقعہ کو مقامی اور غیر مقامی کا رنگ دے دیا اور ابن ابی نے انتہائی اشتعال انگیز لہجے میں خطاب کرتے ہوئے اپنے ہمنوا منافقین سے کہا

''خدا کی قسم! اس سے پہلے ہمیں کبھی ایسی ذلت سے دوچار نہیں ہونا پڑا۔ یہ مہاجرین باہر سے آ کر ہمارے شہر میں بس گئے ہیں اور اب ان کی تعداد اتنی بڑھ گئی ہے کہ ان کو ہمارے ساتھ لڑنے جھگڑنے کی جرأت ہونے لگی ہے۔ یہ تو وہی صورت ہوئی کہ آدمی کتا پالے اور وہ بڑا ہو کر مالک کو کاٹنے دوڑے --- اور یہ سب کچھ تم لوگوں کا اپنا ہی کیا دھرا ہے۔ تم نے ان کو اپنے پاس ٹھہرایا اور خوب کھلایا پلایا۔ ان کو مکانات، زمینیں اور باغ دیئے اور ان کی حمایت میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ جنگوں میں تم خود قتل ہوتے رہے اور ان کو تحفظ فراہم کرتے رہے۔ اگر ابتدا سے ہی تم ہاتھ کھینچ لیتے تو یہ لوگ کہیں اور جا بستے اور آج تمہیں یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ اب بھی اگر تم ان کے ساتھ مالی تعاون کرنا چھوڑ دو تو یہ رسول اللہ کو چھوڑ کر تتر بتر ہو جائیں۔ بہرحال اب ان کی حرکتیں ناقابلِ برداشت ہو گئی ہیں۔ اس لئے واپس مدینہ پہنچتے ہی ہم باعزت لوگ ان ذلیلوں کو نکال باہر کریں گے۔''

افسوس! کہ ابن ابی اپنی لیڈری چمکانے کے شوق میں تہذیب و شرافت کی تمام حدود پھلانگ گیا اور مہاجرین کو معاذ اللہ ذلیل قرار دے دیا، حالانکہ مہاجرین میں خود جانِ دو عالم ﷺ بھی شامل تھے۔ دراصل وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ اس محفل میں صرف اس کے ہمنوا اور راز دار شریک ہیں، مگر اتفاق سے ایک نوعمر انصاری صحابی حضرت زید ابن ارقمؓ بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے تمام باتیں اپنے چچا کو بتائیں اور چچا نے جانِ دو عالم ﷺ کے گوش گزار کر دیں۔ جانِ دو عالم ﷺ نے حضرت زیدؓ کو بلایا اور کہا کہ صحیح صورت حال بیان

کرو۔ حضرت زیدؓ نے بے کم و کاست سارا واقعہ بیان کر دیا۔ اس مجلس میں انصار کے متعدد سربرآوردہ لوگ موجود تھے، مگر چونکہ اس وقت تک ابن ابی کا نفاق اتنا عیاں نہیں ہوا تھا، اس لئے زیدؓ کی بات پر کسی نے یقین نہ کیا اور سب نے جانِ دو عالم ﷺ سے کہا---"یا رسول اللہ! زید بچہ ہی تو ہے، نہ جانے ابن ابی نے کیا کہا ہے اور اس نے کیا سمجھ لیا ہے!" پھر انصار نے حضرت زیدؓ کو ڈانٹتے ہوئے کہا---"تم خواہ مخواہ چغلیاں کھاتے پھرتے ہو۔ ابن ابی ایک معزز سردار ہے۔ وہ بھلا ایسی باتیں کب کر سکتا ہے!"

حضرت زیدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اکابر انصار کی باتوں کو زیادہ اہمیت دی اور مجھ سے کہا---"ہو سکتا ہے کہ تم ابن ابی کی کسی بات پر ناراض ہوئے ہو، اس لئے اس کے خلاف ایسی باتیں کر رہے ہو۔"

میں نے قسم کھا کر کہا کہ نہیں یا رسول اللہ! میری ابن ابی سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔

پھر رسول اللہ نے فرمایا---"ہو سکتا ہے کہ تم اس کی بات صحیح طور پر سن نہ سکے ہو۔"

میں نے پھر حلفاً یقین دلایا کہ میں نے سب باتیں اپنے کانوں سے سنی ہیں اور میرا بیان حرف بحرف درست ہے۔ مگر اس کے باوجود آپ نے میری نو عمری کی وجہ سے میری باتوں پر زیادہ توجہ نہ دی۔ میں نہایت افسردہ و غمگین وہاں سے چلا آیا اور ایک گوشے میں دل گرفتہ سا بیٹھ گیا۔ میرے چچا نے کہا---"کیا فائدہ ہوا تیری اس چغل خوری کا---! رسول اللہ نے تیری باتوں پر اعتبار ہی نہیں کیا۔"

میں نے کہا---"آپ اعتبار کریں یا نہ کریں، میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ میری صداقت ظاہر فرما دے گا اور یہ تو عبداللہ ابن ابی ہے، خدا کی قسم! اگر میرا باپ بھی ایسی باتیں کرتا تو میں اس کے بارے میں بھی آپ کو ضرور مطلع کرتا۔"

کتنا اخلاص تھا اس نو عمر بچے کا جانِ دو عالم ﷺ کے ساتھ!

حضرت عمرؓ کا غصہ

حضرت عمرؓ کے لئے ابن ابی کے خرافات ناقابلِ برداشت تھے۔ اگر اور کوئی موقع ہوتا تو وہ اب تک اس کا سر قلم کر چکے ہوتے، مگر اس وقت چونکہ ابن ابی نے مقامی اور مہاجر کا

مسئلہ کھڑا کر رکھا تھا اور حضرت عمرؓ مہاجرین میں سے تھے، اس لئے محتاط ہو گئے اور از خود کوئی اقدام کرنے سے پہلے جانِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں عرض کی --- "یارسول اللہ! یا تو مجھے اجازت دیجئے کہ اس منافق کا سر تن سے جدا کر دوں یا کسی انصاری کو حکم دیجئے کہ وہ اس کا قصہ تمام کر دے۔"

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا --- "نہیں عمر! میں ایسا نہیں کر سکتا۔ اس طرح تو لوگوں کو مزید باتیں بنانے کا موقع مل جائے گا اور وہ کہیں گے کہ لو، اب محمد نے اپنے ہی ساتھیوں کے گلے کاٹنے شروع کر دیئے ہیں۔"

اس کے بعد جانِ دو عالم ﷺ نے ابن ابی کو بلا کر پوچھا کہ واقعی تم نے ایسی باتیں کی ہیں؟ ابن ابی صاف مکر گیا اور قسم اٹھا کر کہا کہ میں آپ کو اللہ کا سچا رسول مانتا ہوں اور ایسی باتوں کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

واپسی کا حکم

جانِ دو عالم ﷺ شاید ابھی مزید وہاں قیام کرتے مگر حضرت زیدؓ کی اطلاع نے ایک نیا اضطراب برپا کر دیا تھا، کچھ لوگ ان کو سچا سمجھ رہے تھے اور کچھ کا خیال تھا کہ زید کو غلط فہمی ہوئی ہے، ان حالات میں جانِ دو عالم ﷺ نے مناسب سمجھا کہ فوراً واپسی کا سفر شروع کر دیا جائے تاکہ لوگوں کی توجہ بٹ جائے اور اس فضول بحث کا خاتمہ ہو جائے، چنانچہ آپ نے واپسی کا حکم دے دیا۔

تصدیق الٰہی

واپسی میں جانِ دو عالم ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار تھے۔ حضرت زیدؓ بھی اپنی سواری پر بیٹھے ساتھ ساتھ چلے جا رہے تھے کہ اچانک جانِ دو عالم ﷺ پر وحی کا نزول شروع ہو گیا اور جبریل امین منافقین کی مذمت میں تقریباً پورا ایک رکوع لے کر نازل ہوئے جس میں اللہ تعالیٰ نے ابن ابی کی اشتعال انگیز تقریر کے دو جملے بعینہٖ نقل فرمائے تھے۔

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ --- "لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا." يَقُوْلُوْنَ --- "لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ

الۡاَعَزُّ مِنۡهَا الۡاَذَلَّ۔''

یہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں ''رسول اللہ کے ساتھیوں پر خرچ کرنا بند کر دو تاکہ یہ تتر بتر ہو جائیں۔'' کہتے ہیں---''مدینہ واپس پہنچ کر ہم باعزت لوگ ان ذلیل لوگوں کو نکال باہر کریں گے۔''

وحی کا نزول ختم ہوا تو جانِ دو عالم ﷺ نے ہاتھ بڑھا کر حضرت زیدؓ(۱) کا کان پکڑ لیا اور پیار بھرے انداز میں کھینچتے ہوئے کہنے لگے

''لڑکے! تیرے ان کانوں نے تو واقعی صحیح سنا تھا---اللہ تعالیٰ نے تجھے سچا قرار دے دیا ہے۔''

ولدِ سعید

جانِ دو عالم ﷺ کے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی ابن ابی کی اشتعال انگیز تقریر کی خبریں مدینہ پہنچ چکی تھیں۔ تعجب ہے کہ ابن ابی تو منافقین کا سردار تھا مگر اس کا بیٹا انتہائی

---

(۱) حضرت زید ابن ارقمؓ اپنے والد کی وفات کی وجہ سے بچپن ہی میں یتیم ہو گئے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن رواحہؓ نے ان کی پرورش کی اور سفر و حضر میں ساتھ رکھا۔ جب حضرت عبداللہؓ سریہ موتہ کے لئے روانہ ہوئے تو حضرت زیدؓ کو بھی ساتھ لے گئے۔ کجاوے میں دو آدمیوں کی گنجائش نہیں تھی اسلئے حضرت عبداللہؓ نے حضرت زیدؓ کو کجاوے کے پچھلے حصے کے ساتھ بٹھا رکھا تھا۔ اس طرح حضرت زیدؓ اگرچہ تنگ بیٹھے تھے مگر اس کے بغیر کوئی اور صورت ممکن نہیں تھی۔ اس لئے مجبوری تھی۔ حضرت عبداللہؓ بہت اعلیٰ درجے کے شاعر تھے۔ ایک دفعہ رات کو ایک نظم کہی اور اس کو بلند آواز میں ترنم کے ساتھ پڑھنے لگے۔ اس نظم میں انہوں نے شہادت کے لئے اپنی بے تابی کا اظہار کیا تھا اور دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ مجھے زندہ واپس نہ لے جائے۔ حضرت زیدؓ کے لئے تو حضرت عبداللہؓ باپ کے قائم مقام تھے، اس لئے وہ یہ نظم سن کر رونے لگے۔ حضرت عبداللہؓ کے پاس کوڑا تھا۔ انہوں نے اس سے حضرت زیدؓ کو ہلکا سا مارا اور حضرت زیدؓ کی تسلی خاطر کے لئے کہا---''کیوں روتا ہے لڑکے---!؟ شکر نہیں کرتا ہے کہ میں شہادت سے ہمکنار ہو جاؤں اور تو واپسی میں انتہائی آرام کے ساتھ کجاوے میں تنہا سفر کرے---؟ ☜

مخلص اور وفادار تھا۔ چنانچہ جب جانِ دو عالم ﷺ مدینہ کے قریب پہنچے تو ابن اُبی کا بیٹا آیا اور اپنے باپ کے اونٹ کی مہار پکڑ کر اس کو بٹھا دیا۔ پھر نیام سے تلوار نکالی اور باپ سے کہا ''میں نے سنا ہے کہ تو نے رسول اللہ کو ذلیل کہا ہے۔ خدا کی قسم! اگر تو نے سرِ عام یہ اعلان نہ کیا کہ رسول اللہ انتہائی معزز ہستی ہیں اور تو خود نہایت ذلیل انسان ہے تو میں تیرا سر قلم کر دوں گا۔''

اسی دوران جانِ دو عالم ﷺ ان کے پاس پہنچ گئے اور ابن اُبی کے بیٹے سے کہا ''اللہ تعالیٰ تجھے اس عمل کی جزائے خیر دے۔ بہر حال جو ہوا سو ہوا، اب اپنے باپ کو

حضرت عبداللہؓ کی تمنا پوری ہوگئی اور وہ اس لڑائی میں شہید ہو گئے۔

چونکہ حضرت زیدؓ نے ایک مجاہد اور شہید کے زیرِ سایہ تربیت پائی تھی، اس لئے جہاد کا ان کو بھی بہت شوق تھا۔ غزوۂ احد میں شرکت کی بہت کوشش کی مگر کم عمری کی وجہ سے اجازت نہ ملی۔ غزوۂ مریسیع پہلا غزوہ تھا جس میں انہوں نے شمولیت کی۔ اس کے بعد کسی غزوے میں پیچھے نہیں رہے۔ خود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجموعی طور پر انیس غزوات میں حصہ لیا جن میں سے سترہ غزوات میں میں ان کے ہمرکاب رہا۔

غزوۂ مریسیع میں چونکہ ان کی سچائی وحی سے ثابت ہوئی تھی، اس لئے ان کا لقب ہی ذُوْالْاُذُنِ الْوَاعِيَةِ مشہور ہوگیا۔ یعنی یاد گیر کانوں والا۔

واقعی ان کے کانوں نے نہ صرف ابن ابی کے خرافات کو صحیح یاد رکھا؛ بلکہ جانِ دو عالم ﷺ کی بے شمار احادیث بھی ان کو از بر تھیں اور متعدد اہل علم ان سے فیض یاب ہوتے رہتے تھے۔ علامہ عسقلانی لکھتے ہیں ''وَلَہٗ حَدِيْثٌ كَثِيْرٌ (انہوں نے بہت حدیثیں روایت کی ہیں۔)

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے ساتھ بہت گہرا تعلق تھا۔ ابن عبدالبر لکھتے ہیں۔ ''وَهُوَ مَعْدُوْدٌ فِيْ خَاصَّةِ اَصْحَابِہٖ'' (زیدؓ کا شمار حضرت علیؓ کے خصوصی احباب میں ہوتا ہے۔)

جب حضرت علیؓ کوفہ منتقل ہوئے تو حضرت زیدؓ بھی وہیں آبسے۔ جنگ صفین میں حضرت علیؓ کا بھرپور ساتھ دیا اور وہیں کوفہ میں ۶۸ھ کو وفات پائی۔ رَضِيَ اللّٰہُ تَعَالٰى عَنْہُ.

(واقعات اصابہ اور استیعاب سے ماخوذ ہیں۔)

جانے دے!''

یوں رحمتِ عالم کے بے پایاں عفو و درگزر کے صدقے ابن ابی کو زندگی نصیب ہوئی ورنہ اپنے بیٹے ہی کے ہاتھوں واصل جہنم ہو جاتا۔(۱)

واقعۂ افک

اسی غزوہ سے واپسی کے دوران افک کا واقعہ پیش آیا۔ یہ واقعہ احادیث و تواریخ میں خاصی رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، مگر اس کا ماحصل اتنا ہی ہے کہ بدبخت منافقوں نے حضرت عائشہ صدیقہ عفیفہ طیبہ طاہرہؓ پر ایک بیہودہ الزام لگا دیا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کی برأت و طہارت واضح کرنے کے لئے ایک مستقل رکوع نازل فرمایا اور الزام لگانے والوں پر سخت غضب اور ناراضگی کا اظہار فرمایا، الزام کے بانی مبانی کو خصوصی طور پر عذاب عظیم کا مستحق قرار دیا اور اس کے علاوہ بھی جو لوگ ایسی باتیں کر کے فحاشی کو فروغ دینے کی کوششیں کر رہے تھے، ان کو دنیا و آخرت میں عذاب الیم چکھانے کا وعدہ فرمایا۔

میرے خیال میں سورہ نور کے رکوع کا مفہوم سمجھنے کے لئے اسی حد تک جاننا کافی ہے اور ان تفصیلات میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں جن کو امام بخاریؒ اور دیگر محدثین نے خاصی دلچسپی اور شوق سے بیان کیا ہے۔ کیونکہ ان احادیث کو اگر روایۃً درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو درایۃً ان کی کوئی چول فٹ نہیں بیٹھتی --- مثلاً بخاری ہی کی روایت کو لیجئے!

۱--- ایک طرف تو رسول اللہ قسم اٹھا کر کہتے ہیں کہ میں اپنی اہلیہ میں خیر اور بھلائی کے علاوہ کچھ نہیں جانتا اور دوسری طرف اسی پاکدامن اہلیہ کو مخاطب کر کے ایسی بات کہتے ہیں کہ جسے لکھتے ہوئے قلم لرزتا ہے۔ اِنْ كُنْتِ اَلْمَمْتِ بِذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرِیْ اللهَ وَتُوْبِیْ اِلَيْهِ. (اگر تو گناہ میں مبتلا ہو چکی ہے تو توبہ استغفار کر۔) (اَسْتَغْفِرُ اللهَ الْعَظِيْمَ)

اَلْمَمْتِ بِذَنْبٍ میں صرف گناہ کا ذکر ہے، گناہ کی نوعیت واضح نہیں ہے۔ اس

---

(۱) غزوہ بنی المصطلق کے تمام واقعات سیرت حلبیہ ج ۲، ص ۲۹۳، ۳۰۶، تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۴۷۰، ۴۷۵ اور زرقانی ج ۲، ص ۱۱۴، ۱۱۸ سے ماخوذ ہیں۔

''خامی'' کو دور کرنے کے لئے دوسری روایت میں قَارَفْتِ کا لفظ لایا گیا ہے، تا کہ..... کا مفہوم پوری طرح عریاں ہو جائے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ وَارْحَمْ!

۲---یہ احتمال رسول اللہ ﷺ کے خیال میں اس قدر جڑ پکڑ گیا تھا کہ روایت کے مطابق آپ نے حضرت اسامہؓ اور حضرت علیؓ کو بلا کر حضرت عائشہؓ کو چھوڑ دینے کے بارے میں مشورہ کرنا شروع کر دیا تھا---یَسْتَأْمِرُھُمَا فِیْ فِرَاقِ اَھْلِہٖ.

قطع نظر اس سے کہ بارہ تیرہ سال کے بچے اسامہ سے بیوی کو چھوڑنے کے مسئلے میں مشورہ کرنے کی کیا تک ہے، انتہائی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ حضرت اسامہؓ نے تو اس وقت کھل کر حضرت عائشہؓ کی برأت و طہارت بیان کی، مگر حضرت علیؓ نے یہ ''شہکار مشورہ'' پیش کیا۔

لَنْ یُّضَیِّقَ اللّٰہُ عَلَیْکَ، وَالنِّسَآءُ سِوَاھَا کَثِیْرٌ. (یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ پر کوئی تنگی نہیں فرمائی اور عورتیں اس کے علاوہ بھی بہتیری ہیں۔)

ظاہر ہے کہ اس موقع پر طہارت و براءت کی شہادت دینے کا یہی مطلب ہے کہ حضرت عائشہؓ پاک دامن ہیں، اس لئے ان کو نہ چھوڑا جائے، جب کہ عفت و نزاہت کی گواہی سے گریز کرنے اور وَالنِّسَآءُ سِوَاھَا کَثِیْرٌ کہہ کر دوسری عورتوں کی طرف ترغیب دینے سے واضح ہے کہ حضرت علیؓ طلاق دینے اور دوسری شادی کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں!

کیا بابِ مدینۃ العلم سے ایسے لغو اور لایعنی مشورے کی توقع کی جا سکتی ہے---؟ اور پھر ایسے گرے ہوئے الفاظ کے ساتھ!!؟ لَا، وَاللّٰہِ!

۳---اگر اس روایت کو درست مان لیا جائے تو پھر یہ مشورہ وغیرہ طلب کرنا بھی محض دکھاوے کے لئے ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ روایت کے مطابق نہ صرف رسول اللہ ﷺ کو؛ بلکہ والد عائشہؓ، صدیق اکبرؓ اور والدۂ عائشہ اُمِ رومانؓ کو بھی پورا پورا یقین تھا کہ حضرت عائشہؓ اس گناہ میں مبتلا ہو چکی ہیں۔ مَعَاذَ اللّٰہِ، ثُمَّ مَعَاذَ اللّٰہِ.

ظلم کی انتہا یہ ہے کہ یہ بات خود عائشہ صدیقہؓ کی زبانی حلفاً کہلوائی گئی ہے۔ حضرت عائشہؓ تینوں سے مخاطب ہو کر کہتی ہیں۔

وَاللّٰہِ! لَقَدْ عَلِمْتُ، لَقَدْ سَمِعْتُمْ ھٰذَا الْحَدِیْثَ فَاسْتَقَرَّ فِیْ اَنْفُسِکُمْ

وَصَدَّقْتُم بِهِ، فَإِنْ قُلْتُ لَكُمْ "إِنِّي بَرِيئَةٌ" --- وَاللهُ يَعْلَمُ أَنِّي بَرِيئَةٌ --- لَا تُصَدِّقُونِي بِذَٰلِكَ، وَلَئِنِ اعْتَرَفْتُ لَكُمْ بِأَمْرٍ --- وَاللهِ يَعْلَمُ أَنِّي مِنْهُ بَرِيئَةٌ --- لَتُصَدِّقُنِّي.

(اللہ کی قسم! میں جانتی ہوں کہ آپ لوگوں نے میرے بارے میں یہ بات سنی تو آپ کے دلوں میں بیٹھ گئی اور آپ نے اس کو سچ سمجھ لیا۔ اب اگر میں کہوں کہ میں اس سے پاک ہوں --- اور اللہ جانتا ہے کہ میں پاک ہوں --- تو آپ مجھے سچا نہیں سمجھیں گے اور اگر میں اس کام کا اعتراف کرلوں، جس کے بارے میں اللہ جانتا ہے کہ میں اس سے پاک ہوں تو آپ مجھے سچا جانیں گے۔)

اپنے شوہر اور والدین کے خیالات سے حضرت عائشہؓ سے زیادہ آگاہ کون ہوسکتا ہے؟ جب وہ ان تینوں کے منہ پر قسم کھا کر کہہ رہی ہیں کہ آپ لوگوں کو اس خبر پر اس حد تک یقین ہو چکا ہے کہ اگر میں اپنی پاکدامنی بیان کروں تو آپ مجھے جھوٹا سمجھیں گے اور ان تینوں میں سے کوئی بھی اس کی تردید میں ایک لفظ تک نہیں کہتا تو ظاہر ہے کہ حضرت عائشہؓ جو کچھ سمجھ رہی ہیں درست سمجھ رہی ہیں۔

جس فنکار نے بھی یہ روایت تیار کی ہے، اس نے واقعۂ افک بیان کرنے کی آڑ میں وہ سب کچھ حضرت عائشہؓ کی زبان سے کہلوا دیا ہے، جس کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ مَا يَكُونُ لَنَآ أَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا، سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ۝

۴--- ساری دنیا جانتی ہے کہ الزام لگانے والے منافقین تھے۔ مگر روایت کے مطابق حضرت عائشہؓ کی والدہ ماجدہ اس کا ذمہ دار اپنی بیٹی کی سوکنوں کو ٹھہراتی ہیں اور بیٹی کو تسلی دیتے ہوئے کہتی ہیں۔

''جب کوئی عورت خوبصورت ہو، خاوند کی نگاہوں میں پسندیدہ ہو اور اس کی سوکنیں بھی ہوں تو ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ وہ اس کے خلاف باتیں نہ بنائیں۔''

کیا اُمِ رومانؓ اپنی بیٹی کی محبت میں اتنی بڑھ گئی تھیں کہ ان کو دیگر ازواجِ رسول پر تہمت لگاتے ہوئے ذرا خوف نہ آیا، حالانکہ ان پاک بیبیوں نے اس بارے میں ایک لفظ

بھی نہیں کہا تھا!!!

۵---اور سنئے! حضرت حسان ابن ثابتؓ کو تو آپ جانتے ہی ہیں نا! وہی شہرہ آفاق عاشقِ رسول، جس کی نعتیں خود رسول اللہ ﷺ بڑے چاؤ سے سنا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے---''کہو، روح القدس تمہاری امداد کریں گے۔''

ذرا دل تھام کر سنئے کہ روایت کے مطابق یہ ثناخوانِ مصطفٰی بھی ان لوگوں میں شامل تھا، جنہوں نے صدیقہ کائنات پر الزام لگایا اور اس کی نشر و اشاعت میں حصہ لیا؛ بلکہ مؤرخین نے تو یہاں تک ذکر کیا ہے کہ ان کو اس جرم میں اسی [۸۰] کوڑے بھی لگائے گئے تھے۔(۱) اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ.

---

(۱) روایت کے مطابق حضرت حسانؓ کے علاوہ مسطحؓ ابن اثاثہ اور حمنہؓ بنت جحش بھی اُم المؤمنین کو متہم کرنے والوں میں شامل تھے۔

جہاں تک حضرت حمنہؓ کا تعلق ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی زاد بہن بھی تھیں اور خواہر نسبتی بھی، کیونکہ ان کی بہن حضرت زینبؓ بنت جحش اُم المؤمنین تھیں۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت حمنہؓ نے اس الزام تراشی میں اس لئے حصہ لیا تھا کہ ان کی بہن حضرت زینبؓ حضرت عائشہؓ کی سوکن تھیں اور حمنہؓ چاہتی تھیں کہ اس طرح حضرت عائشہؓ رسول اللہ ﷺ کی نگاہوں میں گر جائیں تاکہ میری بہن کی بن آئے۔

یہ وجہ جس حد تک لچر اور بے ہودہ ہے اس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں۔

رہے حضرت مسطحؓ تو وہ صدیق اکبرؓ جیسے عاشقِ رسول کے پروردہ ہونے کے علاوہ غزوۂ بدر میں شمولیت کے اعزاز سے بھی سرفراز ہیں۔

کیا اس مرتبے کے انسان سے اس بات کی توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے محسن و مربی کے تمام احسانات فراموش کر دے اور اس حد تک طوطا چشمی پر اتر آئے کہ اس کی پاکباز بیٹی پر بہتان باندھنے لگ جائے!!؟

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب اُم المؤمنینؓ کی برأت قرآن میں نازل ہوئی تو منافقین نے اپنی جان بچانے کے لئے یہ مشہور کر دیا کہ یہ حرکت حسانؓ، مسطحؓ اور حمنہؓ کی ہے۔ تاکہ لوگوں کی نفرت کا رخ منافقین کی بجائے ان اصحابِ رسول کی طرف پھر جائے۔ اس کوشش میں وہ اس حد تک کامیاب ☜

۲---یہ منظر بھی ملاحظہ فرمایئے کہ رسول اللہ ﷺ انصار سے مخاطب ہو کر کہتے

رہے کہ حضرت حسانؓ کو اُم المؤمنینؓ کی مدح اور اپنے دفاع میں باقاعدہ ایک قصیدہ کہنا پڑا۔ اس قصیدے کے آخر میں وہ کہتے ہیں:-

فَاِنْ کُنْتُ قَدْ قُلْتُ الَّذِیْ قَدْ زَعَمْتُمْ

فَلاَ رَفَعْتُ سَوْطِیْ اِلَی اَنَامِلِیْ

وَکَیْفَ وَوُدِّیْ مَاحَیِیْتُ وَنُصْرَتِیْ

لِاٰلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ زَیْنُ الْمَحَافِلِ

(استعاب، ذکرِ عائشہ)

(اگر میں نے وہ بات کہی ہو، جس کا تم گمان کرتے ہو تو میرے ہاتھ شل ہو جائیں اور میری انگلیاں بھی کوڑا نہ اٹھا سکیں۔

میں بھلا وہ بات کیسے کہہ سکتا ہوں، جب کہ آلِ رسول کے ساتھ میری محبت اور ان کی نصرت جب تک میں زندہ رہوں گا، محفلوں کی زینت بنی رہے گی۔)

حضرت حسانؓ کی اس قدر واضح تصریح کے باوجود پروپیگنڈے کا کمال دیکھئے کہ بخاری جیسی صحیح کتاب میں اب تک حضرت حسانؓ کا نام قاذفین عائشہؓ میں درج ہے۔ فَاِلَی اللّٰهِ الْمُشْتَکیٰ۔

منافقین نے لوگوں کی توجہ ان تین مخلصین کی طرف اتنی شدومد سے مبذول کرائی کہ ان تینوں کا نام تو حدیث وسیرت اور تاریخ کی ہر کتاب میں ملتا ہے، مگر منافقین میں سے ابن ابی کے سوا کسی کا سراغ نہیں ملتا، حالانکہ قرآن کے مطابق یہ لوگ عصبہ تھے اور عصبہ کئی آدمیوں پر مشتمل گروہ کو کہا جاتا ہے۔

اور یہ بھی اسی پروپیگنڈے کا شاخسانہ ہے کہ مؤرخین نے ان تینوں کو کوڑے مارے جانے کا ذکر تو کیا ہے لیکن اس تمام فتنے اور شرارت کے بانی مبانی اور اس کے ہمنواؤں کو کیا سزا دی گئی---؟ اس کا ذکر کسی بھی معتبر روایت میں موجود نہیں۔

آخر میں حضرت حسانؓ کا قدرے تفصیلی تعارف ملاحظہ فرمایئے!

حضرت حسانؓ کا تعلق انصار کے قبیلہ خزرج سے تھا۔ انتہائی قادر الکلام تھے اور ☜

ہیں کہ جس شخص نے میرے اہل خانہ کے بارے میں جھوٹ بول کر مجھے ایذا پہنچائی ہے، (یعنی ابن ابی رئیس المنافقین) اس کے بارے میں تم کیا کہتے ہو---؟

فی البدیہہ شعر کہنے کا ملکہ حاصل تھا۔ عرب میں ہر قبیلے کے شاعر اور خطیب ہوا کرتے تھے جو مقابلے کی محفلوں میں اپنے جوہر دکھایا کرتے تھے اور جس قبیلے کے شاعر اور خطیب زیادہ فصیح و بلیغ ثابت ہوتے تھے اس کی برتری مسلم ہو جاتی تھی۔

جانِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں مختلف قبائل کے جو وفد آیا کرتے تھے، وہ بھی حسب دستور اپنے خطیب و شاعر ساتھ لایا کرتے تھے۔ ان کے مقابلے کے لئے جانِ دو عالم ﷺ اپنے خطیب حضرت ثابتؓ (تعارف ص ۸۴ پر گزر چکا ہے۔) اور اپنے شاعر حضرت حسانؓ کو حکم دیا کرتے تھے اور مقابلے کے بعد ان لوگوں کو ماننا پڑتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے شاعر اور خطیب ہمارے شاعر و خطیب سے بدرجہا بہتر ہیں۔ اسی طرح کے ایک مقابلے کے بعد وفد بنی تمیم نے یوں اعترافِ حقیقت کیا۔

اِنَّ خَطِیْبَ الْقَوْمِ اَخْطَبُ مِنْ خَطِیْبِنَا وَ شَاعِرَھُمْ اَشْعَرُ مِنْ شَاعِرِنَا وَمَا اَنْتَصَفْنَا وَلَا قَارَبْنَا.

(مسلمانوں کا خطیب ہمارے خطیب سے اور ان کا شاعر ہمارے شاعر سے بہتر ہے، ہمیں تو ان کی فصاحت و بلاغت کا نصف حصہ بھی نہیں ملا؛ بلکہ نصف کے قریب بھی نہیں پہنچ سکے۔)

قریش کے شعراء جانِ دو عالم ﷺ کی ہجو کہا کرتے تھے، اس کا توڑ کرنے کے لئے ضروری تھا کہ ان کو انہی کی زبان میں جواب دیا جائے اور قریش کی ہجو کہی جائے، مگر حضرت حسانؓ کے لئے اس میں مشکل یہ تھی کہ اس طرح جانِ دو عالم ﷺ پر بھی حرف آ سکتا تھا کیونکہ آپ کا تعلق بھی قریش سے تھا۔ اس مشکل کا احساس بھی سب سے پہلے جانِ دو عالم ﷺ کو ہی ہوا اور آپ نے حضرت حسانؓ سے پوچھا کہ تم قریش کی ہجو کس طرح کہہ سکو گے، جب کہ میرا تعلق بھی انہی سے ہے۔

حضرت حسانؓ نے جواب دیا---"**وَاللہِ لَاَ سُلَّنَّکَ مِنْھُمْ کَمَا تُسَلُّ الشَّعْرَۃُ مِنَ الْعَجِیْنِ.**" (اللہ کی قسم! میں آپ کو ان سے اس طرح نکال لیا کروں گا، جس طرح گُندھے ہوئے آٹے سے بال نکالا جاتا ہے۔) ☜

حضرت سعد ابن معاذؓ، جن کا تعلق قبیلہ اوس سے ہے، عرض کرتے ہیں
''یارسول اللہ! اگر اس کا تعلق اوس سے ہے تو ہم اس کا سر قلم کر دیں گے اور اگر خزرج سے ہے تو آپ جس طرح کہیں گے ہم اس پر عمل کریں گے۔''

ایک دفعہ ابوسفیان نے جانِ دو عالم ﷺ کی ہجو کہی تو حضرت حسانؓ نے اس کو بھرپور جواب دیا، آخری تین شعر ملاحظہ ہوں۔

هَجَوْتَ مُحَمَّدًا فَاَجَبْتُ عَنْهُ وَعِنْدَ اللهِ فِیْ ذَاکَ الْجَزَاءُ

هَجَوْتَ مُطَهَّرًا، بَرًّا، حَنِیْفًا اَمِیْنَ اللهِ شِیْمَتُهُ الْوَفَاءُ

فَاِنَّ اَبِیْ وَ وَالِدَهٗ وَعِرْضِیْ لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِنْکُمْ وِقَاءُ

(تو نے محمد (ﷺ) کی ہجو کہی اور میں نے اس کا جواب دے دیا۔ اس کا اجر مجھے اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔

تو نے ایک ایسے انسان کی ہجو کی ہے جو پاکیزہ ہے، نیک ہے، اللہ کی طرف متوجہ رہنے والا ہے، اللہ کا امین ہے اور وفا اس کی سرشت میں شامل ہے۔

یاد رکھو کہ میں محمد (ﷺ) کی عظمت کے تحفظ کے لئے اپنے باپ دادا کو اور اپنی عزت کو قربان کر دوں گا۔)

کیا خوبصورت شعر ہیں---! آبشاروں جیسا ترنم اور روانی لئے ہوئے!!

دراصل حضرت حسانؓ کی فکر و تخیل کا محور ہی ذاتِ مصطفیٰ ﷺ تھی۔ اس لئے انہوں نے نعتِ مصطفیٰ کے گلشن میں ایسے ایسے پھول کھلائے کہ تا ابد مشامِ جاں کو مہکاتے رہیں گے۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ سے کسی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بتایئے کہ وہ کیسے تھے؟ انہوں نے کہا---'' خدا کی قسم! وہ ہو بہو اس طرح تھے، جس طرح ان کے اپنے شاعر نے بیان کیا ہے۔

مَتٰی یَبْدُ فِی الدَّاجِیْ الْبَهِیْمِ جَبِیْنُهٗ

یَلُحْ مِثْلَ مِصْبَاحِ الدُّجٰی الْمُتَوَقِّدِ ☜

چونکہ ابن ابی کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا، اس لئے خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہؓ اٹھتے ہیں اور سعد بن معاذؓ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں---''کَذِبْتَ لَعَمْرُ اللہِ......''

(سخت اندھیری رات میں ان کی پیشانی یوں دمکتی ہے جس طرح تاریکیوں میں چراغ روشن ہو۔)

جانِ دو عالم ﷺ کی ضیا پاش جبین کی کیا ہی عمدہ عکاسی ہے! سبحان اللہ!

اور حضرت حسانؓ کے ان دو شعروں نے تو عالمگیر شہرت حاصل کی ہے اور عرب و عجم کے کانوں میں رس گھولا ہے۔

وَاَحْسَنُ مِنْکَ لَمْ تَرَقَطُّ عَیْنِیْ

وَاَجْمَلُ مِنْکَ لَمْ تَلِدِا لنِّسَآءُ

خُلِقْتَ مُبَرَّاً مِّنْ کُلِّ عَیْبٍ

کَاَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَآءُ

مزید تفصیلات کے لئے دیوانِ حسانؓ کا مطالعہ کیجئے!

ابتداء اسلام میں حضرت حسانؓ نے جو نظمیں کہی تھیں، ان میں اہل مکہ اور دیگر مشرک قبائل کی مذمت بھی تھی۔ بعد میں یہ سب لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے، اس لئے حضرت عمرؓ اپنے دورِ خلافت میں ایسے ہجو یہ مضامین پر مشتمل اشعار پڑھنا سخت ناپسند کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اس طرح بھولی بسری دشمنیاں پھر سے تازہ ہو جاتی ہیں اور ملت کی وحدت پارہ پارہ ہو جاتی ہے۔ ایک بار حضرت حسانؓ مسجد نبوی میں شعر سنا رہے تھے کہ اچانک حضرت عمرؓ تشریف لے آئے اور اس خطرے کے پیش نظر کہ کہیں حسان اپنا پرانا ہجو یہ کلام نہ سنانا شروع کر دیں، قدرے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور کہا---''رسول اللہ کی مسجد میں تم نے شاعری شروع کر دی ہے!!''

حضرت حسانؓ نے بے دھڑک جواب دیا---''جی ہاں! مگر آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں اس وقت بھی اس مسجد میں شعر سنایا کرتا تھا، جب آپ سے بہتر ہستی بہ نفس نفیس میرے روبرو موجود ہوتی تھی۔'' صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ.

اس حوالے سے بڑا حوالہ کیا ہو سکتا تھا!---فاروق اعظمؓ خاموش ہو گئے۔ ☜

اللہ کی قسم! تو جھوٹ کہتا ہے۔ تو ہرگز اس کو (یعنی ابن ابی کو) نہیں قتل کرسکتا۔ تو یہ بات محض اس لئے کہہ رہا ہے کہ تجھے پتہ ہے کہ اس کا تعلق خزرج سے ہے۔ اگر اس کا تعلق اوس سے ہوتا تو تُو ہرگز ایسی بات نہ کہتا!''

یہ سن کر حضرت اسید ابن حضیرؓ کو جن کا تعلق اوس سے ہے، طیش آ گیا اور سعد ابن عبادہؓ سے گویا ہوئے --- کَذِبْتَ لَعَمْرُ اللہِ...... '' خدا کی قسم! تو جھوٹ کہتا ہے، دراصل تو خود منافق ہے، اس لئے منافقوں کی حمایت میں بول رہا ہے۔''

واضح رہے کہ سعد ابن معاذؓ، سعد ابن عبادہؓ اور اسید ابن حضیرؓ تینوں اکابر صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اگر اکابر کا یہ حال ہے کہ ایک رئیس المنافقین کی حمایت میں بول رہا ہے اور دوسرا خود اِس کو صاف لفظوں میں منافق اور جھوٹا کہہ رہا ہے تو پھر عام صحابہ کے اخلاق و شائستگی کا خدا ہی حافظ ہے!

۷--- روایت کے مطابق دونوں کے حمایتی بھی اس محفل میں موجود تھے اور وہ اپنے اپنے آدمی کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ قریب تھا کہ دونوں لڑ پڑتے، مگر

اگرچہ اسلام لانے کے بعد بھی حضرت حسانؓ کا کلام بہت فصیح اور معیاری ہوا کرتا تھا، مگر تعجب خیز بات یہ ہے کہ فنی اعتبار سے ان کے اشعار میں وہ زور باقی نہیں رہا تھا جو زمانۂ جاہلیت میں ان کا خصوصی امتیاز تھا۔ ایک شخص نے حضرت حسانؓ سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا

'' بھتیجے! بات دراصل یہ ہے کہ شعر میں زور پیدا کرنے کے لئے جھوٹ کا سہارا لینا پڑتا ہے اور اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔''

اللہ اکبر! جو شخص اتنا محتاط ہو کہ شعر میں مبالغہ اور اغراق وغیرہ کو بھی جھوٹ سمجھتا ہو اور اس سے گریز کرتا ہو، اس کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ قذف عائشہؓ میں ملوث تھا، بہتان عظیم نہیں تو اور کیا ہے!

حضرت حسانؓ کا ایک دلچسپ واقعہ حضرت صفیہؓ کے حالات میں بھی جلد اول ص ۱۹۰ پر گزر چکا ہے۔

اسلام لانے کے وقت حضرت حسانؓ کی عمر ساٹھ سال تھی۔ اسلام لانے کے بعد بھی ساٹھ سال تک زندہ رہے۔ اور حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں بعمر ایک سو بیس [۱۲۰] سال واصل بحق ہوئے۔

رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ

رسول اللہ نے انہیں سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کر دیا۔

گویا خزرج کا پورا قبیلہ ابن ابی کی حمایت کے لئے کمربستہ ہوگیا تھا، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

لطف یہ کہ یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں ہو رہا ہے---اس ذات اقدس کی موجودگی میں، جس کے سامنے آواز بلند کرنے سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں!!

خدارا، بتائیے کہ میں اس روایت کو کیسے صحیح تسلیم کرلوں!!!؟

۞ ---وہ روایت جس میں رسول اللہ ﷺ کی زبانی صدیقۂ کائنات کو اِنْ كُنْتِ اَلْمَمْتِ بِذَنْبٍ اور قَارَفْتِ سے مخاطب کیا گیا ہو۔

۞ ---وہ روایت جس کے مطابق رسول اللہ ﷺ اپنی اس انتہائی چہیتی بیوی کو طلاق دینے کے بارے میں مشورہ کرنے لگے ہوں۔

۞ ---وہ روایت جس میں حضرت علیؓ کی طرف ایسا مشورہ منسوب کیا گیا ہو، جس کا بابِ مدینۃ العلم سے تصور بھی نہ کیا جا سکتا ہو۔

۞ ---وہ روایت جس کی رو سے رسول اللہ ﷺ، صدیق اکبرؓ اور اُمّ رومانؓ کو حضرت عائشہؓ کے گناہگار ہونے کا یقین ہو۔

۞ ---وہ روایت جس میں منافقین کی الزام تراشی کو اُمّ رومانؓ نے خواہ مخواہ دیگر ازواج مطہرات کے سر منڈھ دیا ہو۔

۞ ---وہ روایت جس میں حضرت حسانؓ جیسے عندلیب باغِ رسالت کو قذفِ صدیقہ جیسے مکروہ عمل میں ملوث کیا گیا ہو۔

۞ ---وہ روایت جس میں اکابر صحابہ کو رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں ایک دوسرے کو جھوٹا اور منافق کہتے ہوئے دکھایا گیا ہو۔

۞ ---وہ روایت جس میں سعد ابن عبادہؓ جیسے جلیل القدر صحابی اور ان کے پورے قبیلے خزرج کو رئیس المنافقین کا حامی ظاہر کیا گیا ہو۔

کیا ایسی روایت بھی صحیح اور قابلِ تسلیم ہو سکتی ہے!؟

اس روایت کے کرتا دھرتا ابن شہاب زہری ہیں جنہوں نے مختلف راویوں کے بیانات کو جوڑ جاڑ کر یہ ملغوبہ تیار کیا ہے، بعد میں اور لوگ بھی اس کو بیان کرنے لگ گئے۔ زہری صاحب کی اس روایت پر ہم کم از کم الفاظ میں جو تبصرہ کر سکتے ہیں، وہ قرآنی الفاظ میں یہی ہے کہ

هٰذَا اِفْکٌ مُّبِیْنٌ (یہ ایک کھلا ہوا جھوٹ اور افتراء ہے۔)

واضح رہے کہ میں نے آپ کو بخاری کی صرف اس روایت کی جھلکیاں دکھائی ہیں، جو کتاب المغازی میں، حدیث الافک، کے عنوان سے اور کتاب التفسیر میں سورہ نور کے ذیل میں درج ہے۔(۱) اگر آپ کو بخاری کی دیگر روایات اور باقی محدثین و مورخین کی بیان کردہ تفصیلات بتاتا تو آپ بھی شرمسار ہوتے، میں بھی شرمسار ہوتا۔

اس تمام علمی بحث سے قطع نظر اتنی بات تو معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا آدمی بھی سمجھتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پاک دامن اہلیہ پر الزام لگانا، یا ایسے لوگوں کی حمایت کرنا، آپ کو شدید ذہنی اور قلبی اذیت پہنچانا ہے، خود اس روایت میں آپ نے ابن ابی کے بارے میں یہ الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ قَدْ بَلَغَنِیْ اَذَاهُ فِیْ اَهْلِیْ (میرے اہل خانہ کے بارے اس نے مجھے ایذا پہنچائی۔) اور رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانے والے، اللہ کے ہاں عذاب الیم کے مستحق ہیں۔﴿وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۝﴾

رسول اللہ ﷺ کے اشارۂ ابرو پر جانیں وار دینے کے لئے ہر دم تیار رہنے والے صحابہ کرامؓ کے بارے میں کیا یہ بات تصور بھی کی جا سکتی ہے کہ انہوں نے آپ کو ایذا پہنچائی ہوگی اور عذاب الیم کے مستحق ٹھہرے ہوں گے---؟

﴿اُولٰٓئِکَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ ۝﴾

ہاں! بعض صحابہ سے یہ کوتاہی ضرور ہوئی تھی کہ انہوں نے اس افواہ کو سنتے ہی اس کی پرزور تردید نہیں کی تھی اور خاموشی اختیار کئے رکھی تھی۔ اتنی سی کوتاہی پر بھی اللہ تعالیٰ سخت

---

(۱) مراجعت کی سہولت کے لئے اسی باب کے ص۱۰۵ پر حدیث افک کا ترجمہ شامل کر دیا گیا ہے۔

ناراض ہوا اور تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ جب تم نے یہ افواہ سنی تھی، اسی وقت کیوں نہ کہہ دیا کہ---هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ○

جن لوگوں سے یہ غلطی ہوئی تھی، ان میں شاید حضرت مسطحؓ بھی شامل تھے جو حضرت صدیق اکبرؓ کے زیر کفالت تھے۔ اس تنبیہ کے نازل ہونے کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے اظہار ناراضگی کے طور پر حضرت مسطحؓ کی امداد و تعاون سے ہاتھ کھینچ لیا۔ مگر صرف خاموش رہنا، اتنا بڑا جرم نہیں تھا کہ مسطح سزا کے مستحق قرار پاتے، اس لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلاَ يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْا أُولِي الْقُرْبٰى وَ الْمَسَاكِيْنَ وَالْمُهَاجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ. (۱) (یعنی فضل و کشائش والے لوگ رشتہ داروں، مسکینوں اور مہاجروں کا خرچہ بند کرنے کی قسم نہ کھائیں۔)

چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت مسطحؓ کا خرچہ بحال کر دیا۔

هٰذَا مَا عِنْدِيْ وَاللهُ اَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْحَالِ وَاِلَيْهِ الْمَرْجِعُ وَالْمَآلُ. اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اِتِّبَاعَهٗ. وَصَلَّى اللهُ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا ۔

---

(۱) قرآن مجید، سورہ ۲۴، آیۃ ۲۲، واضح رہے کہ اُولُوالْفَضْلِ، اُولِي الْقُرْبٰى مساکِیْنَ، مُهَاجِرِیْنَ---سب جمع کے صیغے میں ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے علاوہ بھی کچھ لوگوں نے اپنے زیر دستوں کی کفالت روک دی تھی۔ مگر مفسرینِ کرام کے ذہنوں پر چونکہ بخاری کی روایت مسلط تھی اور اس میں مذکور تین ناموں---حسانؓ، حمنہؓ اور مسطحؓ---میں سے حضرت مسطحؓ ہی ایسے تھے جو صدیق اکبرؓ کے زیر کفالت تھے، اس لئے مفسرین نے اس آیت کو صدیقؓ و مسطحؓ سے خاص کر دیا ہے۔ اب نہ یہ پتہ چلتا ہے کہ امداد روکنے والے کون کون اولو الفضل تھے اور نہ ان اولی القربی اور مساکین و مہاجرین کی کوئی تفصیل ملتی ہے جن کی امداد روکی گئی تھی۔

یہ بھی واضح رہے کہ روایت کے مطابق خرچہ بند کرنے کا سبب حضرت مسطحؓ کا قذف صدیقہؓ میں ملوث ہونا تھا، جب کہ ہماری تحقیق کے مطابق ان کا خاموش رہنا اور تردید نہ کرنا اس کا سبب تھا۔

وَاللهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

داستانِ بہتان

قارئینِ محترم! صحیح بخاری جلد دوم، صفحہ ۳۹۳ سے صفحہ ۳۹۶ تک

حَدِیثُ الْاِفْک

کے عنوان سے جو فسانۂ عجائب مذکور ہے، اس کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

ذرا دیکھئے تو ابن شہاب صاحب نے متعدد راویوں کے بیانات سے اخذ کردہ مختلف ٹکڑوں کو جوڑ جاڑ کر ایک مربوط کہانی بنانے کی کیسی سعی نامشکور فرمائی ہے! ہم نے ترجمے کو رواں رکھنے کے باوجود، پوری کوشش کی ہے کہ اصل الفاظ کے قریب تر ہو؛ البتہ اصل میں قَالَتْ (عائشہ نے کہا) کی تکرار بہت تھی، جسے ترجمانی میں حذف کر دیا گیا ہے۔

ترجمے میں کچھ وضاحتی الفاظ ہم نے بڑھائے ہیں جو بریکٹوں میں ہیں (.........) اور کچھ توضیحات حضرت عائشہؓ اور بعض راویوں نے خود ہی کر رکھی ہیں جن کو واضح کرنے کے لئے ان کا خط تبدیل کر دیا گیا ہے۔

روایت پر نقد و تبصرہ ص ۹۳ تا ص ۱۰۴ گزر چکا ہے۔

ترجمہ

حدیث بیان کی ہے ہم سے عبدالعزیز بن عبیداللہ نے، اس نے کہا حدیث بیان کی ہے ہم سے ابراہیم بن سعد نے، اس نے صالح سے، اس نے **ابن شہاب** سے، اس نے کہا حدیث بیان کی ہم سے عروہ بن زبیر نے اور سعید بن میتب نے اور علقمہ بن وقاص نے اور عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود نے عائشہ سے جو نبی ﷺ کی بیوی ہیں جب کہا ان کے بارے میں اہل افک نے جو کچھ کہا۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ ان سب نے (یعنی عروہ، سعید، علقمہ اور عبیداللہ نے) مجھے اس قصے کا کوئی نہ کوئی ٹکڑا سنایا ہے اور ان میں سے بعض زیادہ یاد رکھنے والے تھے اور بہتر انداز میں بیان کرنے والے تھے اس قصے کو بہ نسبت

بعض کے۔ اور میں نے ان میں سے ہر ایک سے حدیث کے اس حصے کو یاد کرلیا جو اس نے عائشہ کے حوالے سے مجھے سنایا اور بعض کی حدیث بعض دوسروں کی بیان کردہ حدیث کی تصدیق کرتی ہے، اگرچہ بعض کو بنسبت دوسروں کے زیادہ یاد تھی۔ ان سب نے کہا کہ

عائشہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر کا ارادہ فرماتے تھے تو اپنی بیویوں میں قرعہ ڈالتے تھے، جس کا نام نکل آتا تھا اسے اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ ایک غزوے میں رسول اللہ ﷺ نے قرعہ ڈالا تو اس میں میرا نام نکل آیا اور میں آپ کے ساتھ روانہ ہوئی۔ اس وقت حجاب کا حکم نازل ہو چکا تھا اس لئے میں کجاوے میں بٹھا کر اتاری اور چڑھائی جاتی تھی۔

جب رسول اللہ ﷺ غزوے سے فارغ ہو کر واپس آئے اور ہم مدینہ کے قریب (ٹھہرے ہوئے) تھے تو رات کو رسول اللہ ﷺ نے چلنے کا حکم دیا۔ جب چلنے کا اعلان ہوا تو میں (حوائج ضروریہ سے فراغت کے لئے) روانہ ہوئی اور لشکر کی حدود سے نکل گئی۔ جب میں فارغ ہو کر اپنی سواری کے پاس آئی اور اپنے سینے کو ٹٹولا تو پتہ چلا کہ میرا ہار، جو خزف یمنی کا تھا، ٹوٹ گیا ہے (اور کہیں گر پڑا ہے) میں واپس گئی اور اپنا ہار ڈھونڈنے لگی۔ اس کی تلاش میں مجھے دیر ہوگئی۔

جو لوگ مجھے سوار کراتے تھے انہوں نے کجاوہ اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا اور ان کا یہ خیال تھا کہ میں بیٹھ گئی ہوں کیونکہ اس وقت کی عورتیں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں۔ موٹی نہیں ہوئی تھیں، نہ ان کو گوشت نے ڈھانپا تھا کیونکہ کھانا بہت کم کھاتی تھیں۔ اسلئے کجاوہ اٹھانے والوں نے اس کو ہلکا نہ جانا اور اسے اونٹ پر رکھ دیا۔ اس وقت میں کم سن لڑکی تھی۔ وہ سب اونٹ کو لے کر چل دیئے اور میں نے اپنا ہار لشکر روانہ ہونے کے بعد پایا۔ جب میں لشکر کی جگہ آئی تو وہاں نہ کوئی پکارنے والا تھا، نہ جواب دینے والا۔ میں اپنی سابقہ قیام گاہ پر اس خیال سے بیٹھ گئی کہ جب سب کو میرا گم ہونا معلوم ہوگا تو مجھے ڈھونڈنے ضرور آئیں گے۔ اسی طرح میں اپنی جگہ بیٹھی تھی کہ مجھے نیند آنے لگی اور میں سو گئی۔

صفوان بن معطل سلمی ذکوانی لشکر کے پیچھے رہتا تھا (تاکہ گری پڑی چیز کو اٹھا لائے) وہ صبح کو میرے قریب پہنچا اور سوتے آدمی کی پرچھائیں سی دیکھی۔ اس نے مجھے

دیکھتے ہی پہچان لیا کیونکہ پردے سے پہلے مجھے دیکھا ہوا تھا۔ اس نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن پڑھا۔ میں اس کے اِنَّا لِلّٰہ پڑھنے سے بیدار ہوگئی اور اپنی چادر سے منہ چھپالیا۔ اللہ کی قسم، ہم نے کوئی بات نہ کی، نہ میں نے اس سے اِنَّا لِلّٰہ پڑھنے کے سوا کچھ سنا۔

صفوان نے اتر کر اپنی سواری کو بٹھایا اور اس کا اگلا پاؤں باندھ دیا۔ میں اٹھ کر اس پر سوار ہوگئی تو صفوان اونٹ کو کھینچتا ہوا اچل پڑا اور ہم شدت کی گرمی میں بوقت دوپہر لشکر میں جا پہنچے۔ وہ سب ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان میں سے جس نے ہلاک ہونا تھا (تہمت لگا کر) ہلاک ہوا اور جو شخص بڑا مرتکب اس بہتان کا تھا وہ عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔

عروہ نے کہا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ عبداللہ ابن ابی کے روبرو یہ تہمت پھیلائی جاتی تھی اور اس موضوع پر گفتگو ہوتی رہتی تھی جسے وہ خاموشی سے سنتا اور مزید کریدتا رہتا تھا۔

عروہ نے یہ بھی بتایا کہ اہل افک میں سے سوائے حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش کے اور کسی کا نام معلوم نہیں، حالانکہ کچھ اور لوگ بھی تھے لیکن مجھے ان کا علم نہیں؛ تاہم جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، وہ عُصۡبَہ یعنی ایک گروہ تھا اور ان کے بڑے کو عبداللہ ابن ابی بن سلول کہا جاتا تھا۔ عروہ نے کہا کہ عائشہ اس بات کو ناپسند کرتی تھیں کہ ان کے روبرو حسان کو برا کہا جائے اور کہتی تھیں کہ وہی تو ہے جس نے (رسول اللہ ﷺ کی مدح میں) کہا ہے کہ میں، میرا باپ، میرا دادا اور میری عزت ناموس محمد پر قربان ہے۔

عائشہ نے کہا کہ ہم لوگ مدینہ پہنچے تو میں ایک مہینہ تک بیمار رہی اور تہمت لگانے والوں کی باتیں لوگ پھیلاتے رہے مگر مجھے کچھ پتہ نہیں تھا؛ البتہ بیماری کی حالت میں اس وجہ سے کچھ شک ضرور ہوا کہ نبی ﷺ میرے ساتھ اس طرح پیش نہیں آتے تھے جس طرح اس سے قبل بیماری کے دوران پیش آیا کرتے تھے۔ اب تو صرف تشریف لاتے، سلام

کرتے، پھر پوچھتے ''تو کیسی ہے؟'' (اور چلے جاتے) تاہم مجھے صحیح طور پر اس شر کا قطعاً ادراک نہیں تھا۔

ایک رات میں اور مسطح کی ماں ''مناصع'' کی طرف (حوائج سے فراغت کے لئے) نکلیں۔ ہم لوگ رات کو ہی جایا کرتے تھے کیونکہ اس وقت تک گھروں میں بیت الخلاء نہیں بنے تھے اور ضروریات کے سلسلے میں ہمارا دستور وہی تھا جو عربوں کا پہلے سے چلا آتا تھا کہ فراغت کے لئے باہر جایا کرتے تھے اور گھروں میں بیت الخلاء سے تکلیف محسوس کرتے تھے۔ میں اور اُمِ مسطح چلی جارہی تھیں

اُمِ مسطح ابی رہم بن عبدالمطلب بن عبدمناف کی بیٹی ہے اور اس کی والدہ صخر بن عامر کی بیٹی ہے جو ابوبکر صدیق کی خالہ ہے۔ مسطح کا باپ اُثاثہ ہے جو عباد بن مطلب کا بیٹا ہے۔

اچانک اُمِ مسطح اپنی چادر میں پھنس کر لڑکھڑائیں اور کہا--- ''مسطح ہلاک ہو جائے۔'' میں نے اس سے کہا--- ''تو نے بہت بری بات کہی ہے۔ تو ایسے آدمی کو برا کہتی ہے جو بدر میں شریک ہوا ہے!'' اس نے کہا--- ''اے بی بی! کیا تم نے وہ نہیں سنا جو اس نے کہا ہے؟'' میں نے پوچھا--- ''اس نے کیا کہا ہے؟'' تو اس نے مجھ سے تہمت لگانے والوں کی بات بیان کی، جسے سن کر میری بیماری اور بڑھ گئی۔ جب میں اپنے گھر آئی تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور سلام کے بعد پوچھا--- ''تو کیسی ہے؟'' میں نے عرض کی--- ''اگر اجازت ہو تو اپنے والدین کے گھر چلی جاؤں۔'' میرا مقصد یہ تھا کہ اس خبر کے متعلق ان سے جا کر تحقیق کروں۔ رسول اللہ ﷺ نے اجازت دے دی۔ چنانچہ میں نے (گھر آکر) اپنی والدہ سے پوچھا--- ''امی! لوگ کیا باتیں کر رہے ہیں؟'' انہوں نے کہا--- ''بیٹی! تو ایسی باتوں کی پرواہ نہ کر۔ واللہ، جو عورت حسین ہو، اس کے شوہر کو اس سے محبت ہو اور اس کی سوکنیں بھی ہوں تو اس قسم کی باتیں ہوا ہی کرتی ہیں۔'' میں نے کہا--- ''سبحان اللہ! کیا لوگ واقعی اس قسم کی باتیں کر رہے ہیں!''

میں نے وہ رات اس حالت میں گزاری کہ نہ میرے آنسو تھمتے تھے، نہ مجھے نیند

آتی تھی۔ جب صبح ہوئی اور وحی اترنے میں دیر ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے علی بن ابی طالب اور اسامہ بن زید کو بلایا اور اپنی اہلیہ کو چھوڑنے کے سلسلے میں ان سے مشورہ طلب کیا۔ اسامہ چونکہ جانتا تھا کہ آپ اپنے گھر والوں کو پاکدامن سمجھتے ہیں اور اپنی بیویوں سے محبت کرتے ہیں اس لئے اس نے ویسا ہی مشورہ دیا اور کہا---"یارسول اللہ! وہ آپ کی گھر والی ہیں اور میں آپ کے گھر والوں میں بھلائی ہی جانتا ہوں۔" لیکن علی نے کہا---"یارسول اللہ! اللہ نے آپ پر تنگی نہیں کی اور عورتیں اس کے سوا بھی بہت ہیں۔ آپ لونڈی سے دریافت کیجئے، وہ آپ سے سچ بیان کرے گی۔"

رسول اللہ ﷺ نے بریرہ کو بلایا اور فرمایا---"اے بریرہ! کیا تو نے (عائشہ میں) کوئی ایسی بات دیکھی ہے جو تجھے شبہ میں ڈال دے؟" بریرہ نے عرض کی---"اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں نے ان میں کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جو عیب کی ہو، بجز اس کے کہ وہ کمسن ہیں، گوندھا ہوا آٹا چھوڑ کر سو جاتی ہیں اور بکری آکر کھا جاتی ہے۔"

رسول اللہ ﷺ اسی دن ممبر پر کھڑے ہوگئے اور عبداللہ بن ابی کے مقابلے میں تعاون طلب کیا۔ آپ نے فرمایا---"اے جماعت مسلمین! کون ہے جو میرا ساتھ دے اس شخص کے مقابلے میں جس نے مجھے میرے گھر والوں کے متعلق اذیت دی، حالانکہ اللہ کی قسم، میں اپنے گھر والوں میں بھلائی ہی جانتا ہوں اور جس مرد کا یہ نام لیتے ہیں، اس میں بھی بھلائی ہی دیکھتا ہوں۔ وہ ہمیشہ میرے ساتھ ہی میرے گھر والوں پر داخل ہوتا ہے۔"

یہ سن کر سعد بن معاذ، جو بنی عبدالاشہل سے تھا، کھڑا ہوا اور کہا---"یارسول اللہ! میں آپ کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہوں۔ اگر وہ شخص قبیلہ اوس کا ہوا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا اور اگر وہ ہمارے بھائی خزرج قبیلے کا ہوا تو آپ جیسا حکم دیں گے ہم اس پر عمل کریں گے۔" یہ سن کر قبیلہ خزرج کا ایک آدمی کھڑا ہوگیا جس کے چچا کی بیٹی حسان کی ماں تھی اور اس کے قبیلے کی ایک شاخ سے تھی۔ یعنی سعد بن عبادہ جو خزرج کا سردار تھا۔ وہ اس سے پہلے ایک اچھا شخص تھا مگر اس کو قومی عصبیت نے اکسایا اور اس نے کہا---"اللہ کی

قسم، نہ تو اسے مارے گا، نہ تو اس کے قتل پر قادر ہے اور اگر وہ تیرے قبیلے سے ہوتا تو تُو اس کے قتل کو ہرگز پسند نہ کرتا۔" پھر اسید بن حضیر کھڑا ہوا، جو سعد بن معاذ کے چچا کا بیٹا تھا اور سعد بن عبادہ سے کہا---"تو جھوٹ کہتا ہے۔ اللہ کی قسم، ہم اسے ضرور قتل کریں گے۔ تو منافق ہے اور منافقوں کی طرف سے جھگڑا کرتا ہے۔"

اس طرح دونوں قبیلے، اوس اور خزرج بھڑک اُٹھے اور قریب تھا کہ لڑ پڑتے؛ جبکہ رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے ان کو چپ ہو جانے کا کہہ رہے تھے یہاں تک کہ وہ خاموش ہو گئے اور آپ بھی خاموش ہو گئے۔ یہ سارا دن میں نے روتے ہوئے گزارا۔ نہ میرے آنسو تھمے، نہ مجھے نیند آئی۔ میرے والدین میرے پاس تھے اور میں دو راتیں اور ایک دن مسلسل روتی رہی، نہ میری آنکھ لگی، نہ آنسو رُکے اور مجھے یوں لگتا تھا کہ رو رو کر میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ ایک موقع پر میرے ماں باپ میرے پاس بیٹھے تھے اور میں رو رہی تھی کہ اتنے میں ایک انصاری عورت نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ میں نے اجازت دے دی تو وہ بھی آ کر میرے ساتھ رونے لگی۔ ہم اسی حال میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور سلام کر کے بیٹھ گئے، حالانکہ جب سے مجھ پر تہمت لگائی گئی تھی، میرے پاس نہیں بیٹھے تھے اور ایک مہینہ تک انتظار کرتے رہے تھے لیکن میرے بارے میں کوئی وحی نازل نہیں ہوئی۔ آپ نے تشہد پڑھا پھر فرمایا---"اے عائشہ! تیرے متعلق مجھے ایسی ایسی خبر ملی ہے۔ اگر تو اس سے پاک ہے تو اللہ تعالیٰ تیری پاکیزگی ظاہر کر دے گا اور اگر تو اس گناہ میں مبتلا ہو چکی ہے تو اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کر اور توبہ کر، اس لئے کہ جب بندہ اپنے گناہوں کا اقرار کر لیتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔"

جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی گفتگو ختم کی تو میرے آنسو تھم گئے اور آنکھوں میں قطرہ تک باقی نہ رہا۔ میں نے اپنے والد سے کہا---"میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو جواب دیجئے!" انہوں نے کہا---"واللہ میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ کو کیا کہوں۔" پھر میں نے اپنی ماں سے کہا---"میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو جواب دیجئے!" انہوں نے بھی کہا---"واللہ میں نہیں جانتی کہ رسول اللہ ﷺ کو کیا جواب دوں؟"

عائشہ نے کہا کہ میں کمسن تھی اور زیادہ قرآن پڑھی ہوئی بھی نہیں تھی؛ تاہم میں نے کہا---"بخدا میں جانتی ہوں کہ آپ نے وہ چیز سن لی ہے جو لوگوں میں مشہور ہے اور وہ آپ کے دلوں میں بیٹھ گئی ہے اور آپ نے اس کو سچ سمجھ لیا ہے۔ اب اگر میں یہ کہوں کہ میں اس سے پاک ہوں تو آپ میری بات کو سچا نہ جانیں گے اور اگر میں کسی بات کا اقرار کروں---اور اللہ جانتا ہے کہ میں اس سے پاک ہوں---تو آپ مجھے سچا سمجھیں گے۔"

پھر میں نے بستر پر کروٹ بدل لی اور چونکہ میں اس تہمت سے پاک تھی اس لئے مجھے امید تھی کہ اللہ تعالیٰ میری پاکدامنی ظاہر کر دے گا۔ لیکن یہ توقع نہیں تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں وحی نازل فرمائے گا جس کی تلاوت کی جائے گی کیونکہ میں اپنے آپ کو اس سے کمتر سمجھتی تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں کوئی کلام نازل فرمائے۔ میں زیادہ سے زیادہ یہ سوچتی تھی کہ اللہ تعالیٰ خواب میں رسول اللہ ﷺ کو کوئی ایسا منظر دکھا دے گا جس سے اللہ تعالیٰ میری پاکدامنی ظاہر فرما دے گا۔ پھر اللہ کی قسم، آپ اس جگہ سے ہٹے بھی نہ تھے اور نہ گھر والوں سے کوئی باہر گیا تھا کہ آپ پر وہی کیفیت طاری ہوگئی جو نزول وحی کے وقت ہوا کرتی تھی اور اُس کلام کے ثقل کی وجہ سے جو آپ پر نازل ہو رہا تھا، سردی کے دنوں میں بھی آپ کے چہرے سے پسینہ موتیوں کی طرح بہنے لگا۔ جب رسول اللہ ﷺ سے یہ کیفیت دور ہوئی تو ہنسنے لگے اور پہلا کلمہ جو آپ کے منہ سے نکلا وہ یہ تھا کہ عائشہ! اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہاری پاکدامنی بیان کر دی ہے۔

مجھ سے میری ماں نے کہا---"رسول اللہ ﷺ کے سامنے (بطور شکریہ) کھڑی ہو جا۔" میں نے کہا---"اللہ کی قسم میں رسول اللہ کے لئے نہ کھڑی ہوں گی اور صرف اللہ کا شکر ادا کروں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ دس آیات نازل فرمائیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْکِ............

جب اللہ تعالیٰ نے میری برأت نازل فرما دی تو ابوبکر صدیق نے---جو مسطح بن اُثاثہ پر رشتہ داری اور اس کی تنگدستی کی وجہ سے خرچ کیا کرتے تھے---کہا کہ اللہ کی قسم مسطح نے عائشہ کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اس کے بعد اب میں مسطح پر کچھ خرچ نہیں کروں گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ

نے فرمایا، وَلَا یَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ سے غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ تک(۱) ابوبکر نے کہا کہ میں تو پسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمائے، اس لئے وہ مسطح پر جو خرچہ کیا کرتے تھے دوبارہ شروع کر دیا اور کہا---''اللہ کی قسم، اَب میں کبھی اس کا خرچہ نہیں روکوں گا۔''

عائشہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے زینب بنتِ جحش سے بھی میرے بارے میں پوچھا تھا کہ تو اس کے متعلق کیا جانتی ہے یا تو نے کیا دیکھا ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں اپنے کانوں اور آنکھوں کی حفاظت کرتی ہوں اور میں نے بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانا، حالانکہ ازواجِ نبی ﷺ میں وہی تھی جو میری ہمسری کیا کرتی تھی مگر اس کو تقوے کی وجہ سے اللہ نے (تہمت لگانے سے) بچالیا؛ البتہ اس کی بہن حمنہ اس کے (فائدے) کے لئے لڑتی رہی (اور تہمت کو پھیلاتی رہی) تو ہلاک ہوئی ان کے ساتھ جو (تہمت لگانے کی وجہ سے) ہلاک ہوئے۔

ابنِ شہاب نے کہا کہ یہ ہے وہ کچھ جو مذکورہ بالا جماعتِ رواۃ کی وساطت سے مجھ تک پہنچا۔

عروہ نے بتایا کہ عائشہ نے کہا کہ جس شخص کو میرے ساتھ متہم کیا گیا تھا، وہ کہا کرتا تھا کہ اللہ کی قسم، میں نے تو کسی بھی عورت کے قابلِ پردہ حصۂ جسم سے پردہ نہیں ہٹایا۔ عائشہ نے کہا کہ بعد میں وہ اللہ کے راستے میں مارا گیا تھا۔

(حدیث الافک کا ترجمہ ختم ہوا)

✿✿✿

غزوۂ احزاب

اس کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں مدینہ منورہ کے دفاع کے لئے خندق کھودی گئی تھی۔ خندق فارسی لفظ ''کندہ'' کا معرب ہے۔ شہروں کے دفاع کا یہ طریقہ

---

(۱) پوری آیت کا ترجمہ یوں ہے (اور نہ قسم کھائیں جو برگزیدہ ہیں تم میں سے اور خوشحال ہیں اس بات پر کہ وہ نہ دیں گے رشتہ داروں کو اور مسکینوں کو اور راہِ خدا میں ہجرت کرنے والوں کو اور چاہئے کہ (یہ لوگ) معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا تم پسند نہیں کرتے کہ بخش دے اللہ تعالیٰ تمہیں، اور اللہ غفور رحیم ہے۔)

فارس (ایران) میں تو مدتوں سے رائج تھا، مگر اہل عرب اس غزوے سے پہلے اس سے آشنا نہ تھے۔

خندق کھودنے کی تجویز حضرت سلمان فارسیؓ (۱) نے پیش کی تھی اور سب کو بہت پسند آئی تھی۔ حضرت سلمان فارسیؓ چونکہ اصلاً فارس کے رہنے والے تھے، اس لئے اس طریقے سے بخوبی آگاہ تھے۔

---

(۱) حضرت سلمان فارسیؓ بہت مشہور صحابی ہیں۔ سلسلہ نقشبندیہ کے شجرۂ طریقت میں حضرت صدیقؓ کے بعد انہی کا نام آتا ہے۔ انہوں نے طویل عمر پائی تھی اور متعدد اہل کمال سے اکتساب فیض کیا تھا۔ آخر جانِ دو عالم ﷺ تک پہنچے اور قرب کے اس مرتبے پر فائز ہوئے کہ جانِ دو عالم ﷺ نے ان کو اپنے اہل بیت میں سے قرار دے دیا اور فرمایا

سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلِ الْبَيْتِ.

ان کے اسلام لانے کا واقعہ بہت دلچسپ ہے اور تمام مؤرخین نے بیان کیا ہے، ہم یہ واقعہ ابوالنصر منظور احمد شاہ صاحب کی کتاب "مدینۃ الرسول" سے قدرے تغیر و اختصار کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔

"سلمانؓ آپ کا نام ہے اور ابوعبداللہ کنیت۔ فارس کے ایک قصبہ جی کے رہنے والے تھے۔ خاندانی طور پر شاہانِ فارس سے ملتے تھے۔ آپ کی عمر کے بارے میں مختلف روایات ملتی ہیں۔ اس پر سبھی متفق ہیں کہ اڑھائی سو سال سے بہرحال زیادہ ہے۔ بعض اہل سیر نے تو ساڑھے تین سو سال عمر بتائی ہے اور کہتے ہیں کہ آپ نے عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کا زمانہ پایا ہے۔

حضرت سلمان فارسیؓ نے اپنی کہانی اپنی زبانی یوں بیان کی کہ میرا والد بستی جی کا نمبردار تھا اور میری حفاظت و نگہداشت میں خاصی احتیاط کرتا تھا۔ ہم مجوسی تھے، میرے والد نے مجھے آتشکدہ کی نگرانی سپرد کر رکھی تھی اور حکم تھا کہ یہ آگ بجھنے نہ پائے۔ ایک مرتبہ مجھے کھیتوں کی نگہداشت کے لئے بھیجا اور ساتھ ہی تاکید کی کہ بہت جلد واپس آنا ہے۔ میں ایک گرجا کے قریب سے گزرا تو ان کی دعا ہو رہی تھی۔ ان دعائیہ کلمات نے میرے دل پر اثر کیا اور میں نے یقین کر لیا کہ یہ عقیدہ ہمارے عقیدے سے بہتر ہے۔ میں نے ان لوگوں سے گفتگو میں دلچسپی لی اور متعدد سوالات کئے۔ گھر پہنچنے میں دیر ہو گئی تو میرے والد نے تلاش کے لئے آدمی دوڑا دیئے۔ گھر پہنچا تو والد نے دیر سے آنے کا سبب پوچھا۔ میں نے صاف صاف بات کہہ دی۔ والد نے مجھے ہر طریقہ سے سمجھایا کہ ہمارا دین صحیح ہے، حق ہے، باقی ادیان باطل ہیں۔ ☜

یہ غزوہ ذی قعدہ ۵ ھ کو پیش آیا تھا۔ اس کے محرک وہ یہودی تھے جو غزوۂ بنونضیر میں مدینہ سے نکال دیئے گئے تھے۔ مدینہ سے نکلنے کے بعد انہوں نے خیبر میں رہائش اختیار کر لی تھی

مگر باپ کی تقریر نے میرے دل پر کوئی اثر نہ کیا اور میں نے کہہ دیا "ابا جی! سچ تو یہ ہے کہ دینِ نصرانیت حق ہے۔"

بس پھر کیا تھا، مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور دکھوں کا آغاز ہو گیا۔ مجھے کمرے میں بند کر دیا گیا اور پاؤں میں بیڑیاں پہنا دی گئیں۔ اب میرے لئے اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا کہ کسی نہ کسی طریقہ سے یہاں سے نکل جاؤں۔ میں نے خفیہ طور پر عیسائیوں سے رابطہ قائم کیا اور انہیں کہا کہ جب کوئی قافلہ شام کو جائے تو پتہ دینا۔

آخر ایک قافلے کے ساتھ نکل بھاگنے کا موقع مل گیا۔ شام جا کر پوچھا کہ یہاں بڑا عالم کون ہے؟ لوگوں کے بتانے پر میں اس بڑے پادری عالم کے پاس پہنچا، اپنی ساری سرگزشت سنائی اور درخواست کی کہ مجھے اپنے پاس رکھ کر دین سکھائیں۔ اس نے مجھے اپنے پاس رہنے کی اجازت دے دی۔

میں کافی عرصہ اس کے پاس رہا، مگر وہ عالم اچھا ثابت نہ ہوا۔ جو کچھ وہ لوگوں کو کہتا تھا، خود نہیں کرتا تھا۔ حریص تھا، طماع تھا، خائن تھا۔ اس کے مرنے پر لوگوں کو معلوم ہوا کہ اس کے پاس سات مٹکے اشرفیوں سے بھرے ہوئے ہیں تو لوگوں نے اس کی تجہیز و تکفین سے انکار کر دیا اور اس کی میت کو سولی پر چڑھا کر سنگسار کر دیا۔ پھر اس کی جگہ پر دوسرے عالم کو بٹھایا جو نہایت عابد، زاہد، متقی اور شب زندہ دار تھا۔ مجھے اس عالم سے اس قدر محبت ہوئی کہ پہلے کسی سے نہ ہوئی تھی۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو میں نے اس سے کہا کہ مجھے بتاؤ کہ تمہارے بعد کس کی خدمت میں حاضری دوں، مذہبی معاملات و مسائل میں کس سے راہنمائی حاصل کروں اور اپنی روحانی پیاس بجھانے کے لئے کس چشمہ کی طرف رخ کروں؟ اس نے کہا، موصل کے فلاں عالم کے پاس پہنچ جانا۔ چنانچہ وہاں پہنچا، ایک عرصہ تک وہاں رہا اور ان کی خدمت کرتا رہا۔ انہوں نے اپنی موت کے وقت مجھے وصیت کی کہ میں ان کے بعد نصیبین کے فلاں عالم کی طرف جاؤں۔ چنانچہ وہاں حاضر ہوا اور کافی عرصہ ان کی خدمت میں گزارا۔ آخر ان کی وصیت کے مطابق شہر عموریہ کے ایک عالم کے خدمت میں پہنچا۔ جب ان کی موت کا وقت آیا تو میں نے ☜

اور اپنی ذلت وشکست کا انتقام لینے کے لئے مختلف تدابیر پر غور وخوض شروع کر دیا تھا۔ چونکہ ان لوگوں نے مسلمانوں کو بہت قریب سے دیکھا تھا اور ان کی شجاعت وبسالت اور جانبازی

اپنی سرگزشت سنا کر پوچھا کہ آپ فرمائیں اب مجھے کیا کرنا چاہئے اور کہاں جانا چاہئے؟ مرتے ہوئے اس عالم نے بتایا کہ میری نظر میں اس وقت کوئی ایسا راہنما نہیں جو تجھے صحیح راستے پر چلا سکے؛ البتہ میری معلومات کے پیشِ نظر آخرالزمان پیغمبر کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ صحرائے عرب میں ان کا ظہور ہوگا۔ ان کا دین دینِ ابراہیمی ہوگا۔ وہ ایک کھجوروں کے علاقہ کی طرف ہجرت کریں گے۔ اگر تم سے ہو سکے تو ان تک پہنچنے کی کوشش کرنا اور اگر ان میں یہ علامات پائی جائیں تو یقین کر لینا کہ وہی رسولِ موعود ہیں۔

۱---وہ صدقہ کا مال نہیں کھائیں گے۔

۲---وہ ہدیہ قبول کر لیں گے۔

۳---نخلستانی علاقہ کی طرف ہجرت کریں گے۔

۴---دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوت ہوگی۔

جب تم تسلی کر لو کہ یہ چاروں علامات ان کے اندر پائی جاتی ہیں تو یقین کر لینا کہ یہی وہ نبی موعود ہیں، یہی وہ رسولِ آخر ہیں۔

پادری مجھے یہ نصیحتیں کرنے کے بعد فوت ہو گیا۔ میں متلاشی رہا کہ کوئی قافلہ مل جائے جو سرزمین عرب میں لے جائے۔ اس دوران میرے پاس کافی گائیں بکریاں جمع ہو گئی تھیں۔ آخر قافلہ بھی مل گیا۔ میں نے اہل قافلہ سے کہا، کہ یہ سارا مال تمہیں دے دوں گا، مجھے اپنے ساتھ عرب لے چلو۔ بات طے ہو گئی، مگر میرے ساتھ انہوں نے دھوکا کیا اور مجھے غلام بنا کر وادی قریٰ (مکہ) کے ایک یہودی کے ہاتھ بیچ دیا۔ جب اس یہودی کے ساتھ آیا تو مجھے محسوس ہوا، شاید یہی وہ سرزمین ہے جس کے متعلق مجھے بتایا گیا ہے۔ اس تذبذب میں تھا کہ اس یہودی نے بنو قریظہ کے ایک دوسرے یہودی کے ہاتھ بیچ دیا۔ یہ یہودی مجھے سرزمینِ مدینۃ الرسول میں لے آیا۔ باغات دیکھے، کھجوریں مشاہدہ کیں تو دل نے یقین کر لیا کہ یہی وہ مطلوبہ نخلستان ہے۔

میں اپنے یہودی مالک کے باغ میں کام کرتا رہا۔ جب حضور سید عالم ﷺ کا ظہور ہوا اور آپ ہجرت فرما کر مدینۃ الرسول پہنچے تو اس وقت میں درخت پر شاخوں کی کانٹ چھانٹ کر رہا تھا ☜

و جاں نثاری سے بخوبی آگاہ تھے۔ اس لئے ان کو یقین تھا کہ مسلمانوں کو شکست دینا کوئی

اور میرا مالک نیچے بیٹھا تھا۔ اسی دوران میرے مالک کا ایک رشتہ دار آیا اور اس نے کہا ''اللہ تعالیٰ انصار کو غارت کرے، قبا کے اندر کسی شخص کو رسول و نبی مانے بیٹھے ہیں۔ وہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے یہاں آیا ہے۔''

اس یہودی کی آواز میرے کانوں میں پڑی تو مجھ پر وجد طاری ہوگیا۔ جسم میں اس قدر لرزہ ہوا کہ مجھے خطرہ ہوا کہیں نیچے نہ گر پڑوں۔ میری زبان پر بار بار وجدانی کیفیت سے یہ شعر جاری تھا۔

خَلِیْلَیَّ لَا وَاللهِ مَاَانَا مِنْکُمَا

اِذَا عَلَمٌ مِنْ اٰلِ لَیْلٰی بَدَالِیَا

(میرے دوستو! خدا کی قسم، اب میں تمہارے کام کا نہیں رہا، کہ مجھے دیارِ حبیب کا پہاڑ نظر آ گیا ہے۔)

آخر میں نے کام ختم کر لیا اور لرزتا کانپتا درخت کے نیچے اترا۔ مالک سے پوچھا کہ تم کیا بات کر رہے تھے؟ مالک نے ناراضگی کے ساتھ مجھے طمانچہ مارا اور کہا---''تمہیں ایسی باتوں سے کیا تعلق؟ جاؤ اپنا کام کرو۔ خبردار آئندہ اگر ایسی بات کی!''

حضرت سلمانؓ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا کہ پہلی علامت نخلستان والی تھی جو میں نے مدینۃ الرسول میں حاضر ہوتے ہی دیکھ لی تھی۔ دوسری علامت یہ بتائی گئی تھی کہ وہ رسول صدقہ قبول نہیں کریں گے۔ چنانچہ میں صدقہ لے کر قبا حاضر ہوا اور عرض کی---''حضور! یہ صدقہ آپ کے لئے اور آپ کے صحابہ کرام کے لئے لایا ہوں، قبول فرمائیں۔''

آپ نے فرمایا---''میرے لئے صدقہ جائز نہیں۔''

یہ فرمایا اور صدقہ صحابہ کرام کے سپرد کر دیا۔ اس طرح دوسری علامت کی بھی تصدیق ہوگئی۔ پھر جب حضور ﷺ قبا سے چل کر مدینۃ الرسول جلوہ گر ہوئے تو میں دوبارہ کچھ لے کر حاضر ہوا اور عرض کی۔

''حضور! صدقہ آپ قبول نہیں کرتے۔ اب ہدیہ لایا ہوں۔ شرف قبولیت سے نوازیں۔''

آپ نے قبول فرما لیا تو میرا یقین مزید بڑھ گیا کہ تیسری علامت بھی سچی ثابت ہوگئی۔ اب میں اس موقع کا متلاشی تھا کہ آخری علامت دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت کو کس طرح دیکھوں۔ ☜

آسان کام نہیں ہے۔ ہاں، اگر پورا عرب، مدنی ریاست کے خلاف اٹھ کھڑا ہو تو امید ہے کہ کام بن جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے چند آدمی قریش اور دیگر قبائل کے ساتھ مذاکرات کے لئے بھیجے اور پیش کش کی کہ اگر آپ نے ہمارا ساتھ دیا اور ہم مسلمانوں کا قلع قمع کرنے میں کامیاب ہو گئے تو آپ کو خیبر کی آمدنی کا نصف حصہ مستقل طور پر دیا جاتا رہے گا۔

یہ پیشکش خاصی ترغیب انگیز تھی کیونکہ خیبر کے نخلستان اپنی زرخیزی کے اعتبار سے پورے عرب میں مشہور تھے۔ علاوہ ازیں قریش اور دیگر قبائل عرب خود بھی مسلمانوں کے

ایک دن آپ جنت البقیع میں ایک جنازہ کے ساتھ تشریف لے گئے۔ میں نے جھک کر سلام عرض کیا اور آگے سے اٹھ کر پشت مبارک کے پیچھے آ کر بیٹھ گیا تاکہ مہر نبوت کی زیارت کر سکوں۔ حضور ﷺ میری اس کیفیت کو جان گئے اور خود ہی پشت مبارک سے چادر اٹھا دی۔ میں نے مہر نبوت کو دیکھا، چوما اور گوہر مقصود مل جانے کی خوشی میں رو پڑا۔

حضور ﷺ نے فرمایا---''سامنے آؤ!''

میں حضور ﷺ کے پیچھے سے اٹھ کر سامنے حاضر ہو گیا اور آپ نے اسی وقت مجھے مشرف بہ اسلام فرما دیا۔

حضرت سلمانؓ قبول اسلام کے بعد حسب معمول اپنے مالک کے باغ میں کام کرتے رہے۔ ایک دن حضور ﷺ نے فرمایا---''اے سلمان! اپنے آقا سے مکاتبت کر لو۔'' یعنی اسے کچھ معاوضہ دے دو اور وہ تمہیں آزاد کر دے۔

سیدنا سلمانؓ نے اپنے آقا سے بات کی۔ اس نے کہا---''سلمان! اگر کتابت چاہتے ہو تو چالیس اوقیہ سونا ادا کر دو اور تین سو درخت کھجوروں کے لگا دو۔ جب وہ پھل دینے لگ جائیں تو تم آزاد ہو۔''

سلمان فارسیؓ نے یہ سارا واقعہ حضور ﷺ سے عرض کیا۔

آپ نے صحابہ سے فرمایا---''سلمان کے لئے پودوں سے امداد کرو!''

کوئی دس لے آیا، کوئی بیس۔ یہاں تک کہ تعداد پوری ہو گئی۔

آپ نے سلمان فارسیؓ سے فرمایا---''جاؤ گڑھے بنا کر رکھو۔ پودے میں خود آ کر لگاؤں گا۔'' ☜

ہاتھوں متعدد شکستیں کھانے کے بعد انتقام کے لئے بے تاب تھے۔ چنانچہ انہوں نے یہ موقع غنیمت جانا اور قریش سمیت متعدد عرب قبائل نے یہودیوں کا ساتھ دینے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ اس طرح دس ہزار--- اور بقول بعض چوبیس ہزار--- جنگجوؤں پر مشتمل ایک لشکر جرار تیار ہو گیا۔

خندق کی کھدائی

ایک طرف اہل باطل اپنی تمام توانائیاں یکجا کر کے مدینہ منورہ پر یلغار کی تیاریاں کر رہے تھے تو دوسری طرف حق کے پرستار، اللہ کے بے سروسامان بندے جن کی تعداد زیادہ سے زیادہ تین ہزار تھی، مدینہ کے دفاع کے لئے خندق کھود رہے تھے۔ خندق کی جگہ کا تعین جانِ دو عالم ﷺ نے بنفسِ نفیس نشان لگا کر کیا تھا اور خود ہی کدال چلا کر کھدائی کا آغاز کیا تھا۔

اللہ اکبر!--- چشمِ فلک نے ایسا منظر کہاں دیکھا ہو گا کہ دو جہاں کے بادشاہ نے قمیص اور عمامہ وغیرہ اتار کر ایک طرف رکھے ہوئے ہیں، سر و سینہ اور داڑھی کے بال

گڑھے تیار ہو گئے تو حضور ﷺ تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے پودے گڑھوں میں رکھے اور دعائے برکت فرمائی۔ ایک سال نہ گزرنے پایا تھا کہ باغ نے پھل دے دیا۔ تین سو پودوں میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جو خشک ہوا ہو یا پھل نہ دیا ہو۔

درختوں کا قرض تو اتر گیا، ۴۰ اوقیہ سونا باقی رہ گیا تھا۔ ایک شخص نے دربار رسالت میں حاضر ہو کر سونے کی ڈلی پیش کی۔ آپ نے فرمایا--- ''سلمان کہاں ہے؟'' عرض کی ''حاضر ہوں'' فرمایا ''یہ سونا لے جاؤ اور اپنے مالک کا یہ قرض بھی چکا دو!''

بظاہر وہ سونا تھوڑا معلوم ہوتا تھا اسلئے عرض کی ''سونا تھوڑا ہے۔'' فرمایا ''اللہ تعالیٰ اس سے تمہارا قرض ادا کر دے گا۔''

چنانچہ سونا تولا گیا تو وہ ٹھیک چالیس اوقیہ تھا۔ اب آپ آزاد ہو گئے اور غزوات میں حضور ﷺ کے دوش بدوش کام کرتے رہے۔

(مدینۃ الرسول ص ۳۰۹، بحوالہ سیرت ابن ہشام ج ۱، ص ۷۴، طبقات ص ۵۵)

گردوغبار سے اَٹے ہوئے ہیں، بھوک کی شدت سے پیٹ پر دو دو پتھر بندھے ہوئے ہیں، مگر بایں ہمہ پوری تندہی اور جانفشانی سے کھدائی میں لگے ہوئے ہیں!

زبانِ مبارک سے اپنے جاں نثاروں کے لئے دعاؤں کے پھول جھڑ رہے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَہْ

فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُھَاجِرَہْ

(اے اللہ! حقیقی زندگی تو صرف آخرت کی زندگی ہے، اس لئے انصار و مہاجرین کی وہ زندگی سنوار دے اور ان کے گناہ بخش دے۔)

اور صحابہ کرامؓ اپنے غیر متزلزل عزم و ارادے کا اظہار کرتے ہوئے یوں جواب دیتے ہیں۔

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا

عَلَی الْجِھَادِ مَابَقِیْنَا اَبَدًا

(ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد (ﷺ) کی اس بات پر بیعت کر رکھی ہے کہ جب تک زندہ رہیں گے ہمیشہ جہاد کرتے رہیں گے۔)

کبھی سب جانِ دوعالم ﷺ کے ساتھ ہم آواز ہو کر یہ رجز پڑھتے

وَاللّٰہِ لَوْلَا اللّٰہُ مَا اھْتَدَیْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا

فَاَنْزِلَنْ سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَیْنَا

اِنَّ الْاُوْلٰی قَدْ رَغَبُوْا عَلَیْنَا اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَۃً اَبَیْنَا

(اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ ہمارا راہنما نہ ہوتا تو ہم نہ ہدایت پاسکتے، نہ صدقہ دے سکتے، نہ نماز پڑھ سکتے۔

الٰہی! ہمارے دلوں کو تسکین عطا فرما اور بوقتِ مقابلہ ثابت قدم رکھ۔

ہمارے دشمن، لوگوں کو طرح طرح کی ترغیبات دے کر ہم پر چڑھا لائے ہیں، مگر ہم نے بھی عزم کر رکھا ہے کہ جب بھی یہ کوئی فتنہ کھڑا کریں گے، ہم ان کی بات نہیں مانیں گے اور ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔)

اس رجز کا آخری لفظ اَبَیۡنَا ہے۔ یہاں تک پہنچتے تو آواز نہایت بلند ہو جاتی اور سب مل کر اتنے زور سے اَبَیۡنَا اَبَیۡنَا کہتے کہ دشت وجبل گونج اٹھتے۔

سَلۡمَانُ مِنَّا

حضرت سلمان فارسیؓ جنہوں نے خندق کھودنے کی تجویز پیش کی تھی، بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔ جوش وجذبے کا یہ عالم تھا کہ اکیلے دس آدمیوں جتنا کام کر ڈالتے تھے۔ انصار، مہاجرین اور خود جانِ دوعالم ﷺ ان کی کارگزاری سے بے حد متاثر ہوئے۔

مہاجرین نے کہا---''سَلۡمَانُ مِنَّا''---(سلمان ہم میں سے ہیں۔)

انصار بولے---''سَلۡمَانُ مِنَّا''---(سلمان ہم میں سے ہیں۔)

جانِ دوعالم ﷺ نے فرمایا---''سَلۡمَانُ مِنَّا اَهۡلِ الۡبَیۡتِ''---(سلمان ہم میں سے ہے۔ یعنی اہل بیت میں سے ہے۔)

مَاشَاءَاللّٰه! کیا شان ہے تیری اے سلمان! کہ ہر شخص تجھے اپنا بنانے کے لئے بے تاب وبے قرار ہے اور جانِ دوعالم ﷺ نے تو نوازش کی حد کر دی، کہ کسی قسم کا نسبی تعلق نہ ہونے کے باوجود تجھے اپنے اہل بیت میں شامل کر لیا--- یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے، یہ بڑے نصیب کی بات ہے۔

معجزہ و بشارت

ایک دن حسب معمول کھدائی ہو رہی تھی۔ اس دن دوعالم ﷺ سمیت تمام کھودنے والے تین دن کے فاقے سے تھے۔ اچانک ایک بھاری اور سخت پتھر کھدائی میں حائل ہو گیا۔ صحابہ کرام نے اس کو توڑنے کی بہت کوشش کی مگر وہ اس قدر سخت تھا کہ اس پر کدال وغیرہ کوئی اثر ہی نہیں کرتی تھی۔ آخر تھک ہار کر صحابہ کرامؓ جانِ دوعالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صورت حال عرض کی، آپ پتھر کے پاس تشریف لائے، کدال ہاتھ میں لی اور بسم اللہ کہہ کر پہلی ضرب لگائی تو اس کا ایک تہائی حصہ ٹوٹ گیا۔ ساتھ ہی ایک چمک ظاہر ہوئی۔ فرمایا

''اللہ اکبر! مجھے ملک شام کی چابیاں مل گئی ہیں اور میں اس کے سرخ محلات کو

یہاں سے دیکھ رہا ہوں۔"

پھر بسم اللہ کہہ کے دوسری ضرب لگائی تو دو تہائی حصہ علیحدہ ہو گیا۔ ساتھ ہی ایک روشنی نظر آئی۔ فرمایا

"اللہ اکبر! مجھے ایران کی چابیاں عطا کر دی گئی ہیں اور میں مدائن کا قصرِ ابیض اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔"

پھر بسم اللہ کہہ کر تیسری ضرب لگائی تو پتھر ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا اور ایک نور نمودار ہوا۔ فرمایا

"اللہ اکبر! مجھے یمن کی چابیاں دے دی گئی ہیں اور میں شہر صنعاء کے دروازے سامنے دیکھ رہا ہوں۔ انشاء اللہ ان تمام جگہوں کو میری امت فتح کرے گی اور تمہیں خوشخبری ہو کہ اللہ کی مدد ہمارے ساتھ ہے۔"

اہل ایمان کا تو تکیہ ہی اللہ کی مدد پر تھا، اس لئے یہ بشارت سن کر سب کے چہرے کھل اٹھے۔

احزاب کی آمد

اہل ایمان نے شبانہ روز محنت کر کے چند دنوں کے اندر اندر خندق مکمل کر لی۔ اسی دوران قریش، یہود اور متعدد قبائل کی متحدہ قوت پر مشتمل لشکر بھی آ پہنچا۔ قرآن کریم نے ان کی کثرتِ تعداد کی کیا خوبصورت منظر کشی کی ہے۔

﴿اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا۝﴾

(جب بالائی طرف سے بھی دشمن آ گئے اور زیریں جانب سے بھی اور جب آنکھیں بہک گئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے اور تم اللہ کے بارے میں مختلف قسم کے گمان کرنے لگے۔ اس وقت مؤمنین کی آزمائش کی گئی اور وہ سختی سے ہلا ڈالے گئے۔)

پھر کیا ہوا---؟ کیا وہ اس آزمائش میں پورے اترے یا گھبرا گئے---؟

قرآن کریم کہتا ہے کہ وہ نہ صرف امتحان میں کامیاب رہے، بلکہ اتنے بڑے لشکر کو دیکھ کران کا ایمان مزید مستحکم ہوگیا۔

﴿وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۚ وَمَازَادَهُمْ اِلَّا اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا۝﴾

(اور جب مؤمنوں نے لشکروں کو دیکھا تو کہا---''اسی بات کا تو اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے بالکل سچ کہا''---اور اس چیز نے ان کے ایمان وتسلیم کواور زیادہ کر دیا۔)

اللہ اللہ! تاریخ عالم میں شاید ہی کوئی ایسے جیالے گزرے ہوں جو اپنے سے کئی گنا زیادہ دشمن کو دیکھ کر گھبرانے کی بجائے خوش ہوئے ہوں اور ان کا ایمان و یقین مزید بڑھ گیا ہو!

بنو قریظہ کی غداری

بنوقریظہ، یہودیوں کا ایک متمول قبیلہ تھا، جو مدینہ منورہ کے نواح میں بڑی شان و شوکت سے رہتا تھا۔ انہوں نے جانِ دو عالم ﷺ سے معاہدہ کر رکھا تھا کہ بیرونی حملے کی صورت میں ہم دشمنوں کا ساتھ نہیں دیں گے۔ مگر بنونضیر کے ایک سردار حی ابن اخطب نے بنوقریظہ کے سردار کعب ابن اسد سے خفیہ ملاقات کی اور اسے تعاون پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ کعب نے جواب دیا کہ ہم نے محمد کے ساتھ معاہدہ کر رکھا ہے اور محمد وعدوں کی پاسداری کرنے والا ایک سچا انسان ہے، اس لئے میں اس کے ساتھ کئے گئے معاہدے کونہیں توڑ سکتا۔

حی نے کہا---''شاید تمہیں معلوم نہیں کہ میں اس دفعہ اتنا بڑا لشکر لے کر آیا ہوں کہ اس کا مقابلہ ممکن ہی نہیں اور ہم نے عہد کر رکھا ہے کہ جب تک محمد اور اس کے ساتھیوں کا مکمل خاتمہ نہیں ہو جاتا، ہم لڑائی سے ہاتھ نہیں اٹھائیں گے۔ یہ قومی مفاد کا معاملہ ہے، اگر ہم کامیاب رہے تو عزت اور شان و شوکت کی زندگی گزاریں گے اور اگر تمہارے گریز کی وجہ سے ناکام ہو گئے تو ہمیشہ محمد کا غلام اور دست نگر رہنا پڑے گا اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اس دفعہ مسلمانوں کا قطعی طور پر خاتمہ ہو جائے گا! تاہم اگر تمہیں پھر بھی ہماری کامیابی

میں شک ہے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ ناکامی کی صورت میں واپس نہیں جاؤں گا، بلکہ تمہارے پاس آ جاؤں گا اور معاہدہ توڑنے کی تمہیں جو بھی سزا محمد کی طرف سے ملے گی، اس میں تمہارے ساتھ برابر کا شریک رہوں گا۔''

یہ سن کر کعب کو یقین ہو گیا کہ اس دفعہ واقعی مسلمانوں کا صفایا ہو جائے گا، اس لئے وہ بے خوف و خطر ہو گیا۔ دیگر رؤساء بنی قریظہ کو بلا کر صورت حال بتائی اور کہا کہ ہمیں محمد سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دینا چاہئے۔ انہوں نے بھی تائید کی اور پھر سب کے سامنے معاہدے کی دستاویز کو پھاڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا گیا۔

یاد دھانی

جانِ دوعالم ﷺ کو یہ اطلاع ملی تو آپ نے پہلے حضرت زبیرؓ کو تصدیق کے لئے بھیجا۔ انہوں نے واپس آ کر خبر دی کہ واقعی بنو قریظہ معاہدہ توڑ چکے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے سعد ابن معاذؓ اور سعد ابن عبادہؓ کو بھیجا تا کہ وہ بنو قریظہ کو معاہدے کی یاد دہانی کرائیں اور ان کو نقضِ عہد سے باز رکھیں۔ ساتھ ہی ہدایت فرمائی کہ اگر مذاکرات ناکام ہو گئے تو واپس آ کر واضح طور پر یہ بات نہ بتانا تا کہ مسلمانوں میں بددلی نہ پھیلے، بلکہ اشارے کنائے سے کام لینا۔

حسب حکم دونوں سعدؓ بنو قریظہ کے پاس گئے اور ان سے گفتگو کی مگر بنو قریظہ تو ہواؤں میں اُڑ رہے تھے، اس لئے انہوں نے جانِ دوعالم ﷺ کے قاصدوں کو برا بھلا کہا اور انتہائی بدتمیزی سے گویا ہوئے---''ہم کسی محمد رسول اللہ کو نہیں جانتے، نہ ہم نے کبھی اس سے کوئی معاہدہ کیا ہے۔''

دونوں سعدؓ، ان کے رویئے کو دیکھ کر مایوس ہو گئے اور واپس آ کر کہا ''عَضَلُ وَالْقَارَۃُ'' یعنی عضل اور قارہ۔ (۱)

جانِ دوعالم ﷺ سمجھ گئے کہ بنو قریظہ بہرصورت غداری کرنے پر تلے ہوئے

---

(۱) عضل اور قارہ دو قبیلے تھے جنہوں نے چند مسلمانوں کو دھوکے اور فریب سے شہید کر دیا تھا۔ تفصیلات جلد دوم، ص ۶۷ پر گزر چکی ہیں۔ ''عَضَلُ وَالْقَارَۃُ'' کہنے کا مفہوم یہ تھا کہ بنو قریظہ نے وہی کچھ کیا ہے جو عضل اور قارہ نے کیا تھا، یعنی دھوکہ اور بدعہدی۔

ہیں۔ظاہر ہے کہ یہ ایک پریشان کن صورت حال تھی کیونکہ سامنے متحدہ قبائل کی فوجیں صف آرا تھیں اور بنوقریظہ کی غداری کی وجہ سے عقب بھی غیر محفوظ ہوگیا تھا۔مزید پریشانی یہ تھی کہ جدھر بنوقریظہ کی آبادی تھی اسی طرف ایک قلعے میں جانِ دوعالم ﷺ نے تمام مستورات کو اکٹھا کردیا تھا، تاکہ اگر دشمن کسی طرح خندق عبور کرنے میں کامیاب ہوجائے تو عورتیں اس کی دستبرد سے محفوظ رہیں، مگر اب یہ خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ کہیں بنوقریظہ ہی عورتوں پر حملہ کرکے انہیں بے آبرو کرنے کی کوشش نہ کریں۔مسلمانوں کی تعداد بھی اتنی نہ تھی کہ انہیں دو محاذوں پر تقسیم کردیا جاتا---غرضیکہ عجیب لاینحل سی الجھن پیش آگئی تھی۔

نوید فتح

عالم اسباب کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس الجھن کا کوئی حل نہ تھا، اس لئے جانِ دو عالم ﷺ چہرۂ انور پر کپڑا ڈال کر لیٹ گئے۔صحابہ کرامؓ نے سمجھا کہ شاید آپ ہم سے ناراض ہوگئے ہیں اس لئے روئے زیبا چھپالیا ہے اور لاتعلقی کے انداز میں لیٹ گئے ہیں۔اس خیال نے ان کو بیحد غمزدہ کردیا اور سرگوشیوں میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ یہ کیا ہوگیا ہے!!

درحقیقت جانِ دوعالم ﷺ ناراض نہیں ہوئے تھے؛ بلکہ آپ اس عالم کی طرف متوجہ ہوگئے تھے، جسے عالم غیب کہا جاتا ہے--- جہاں ماضی، حال اور مستقبل سب عیاں ہوتے ہیں۔منہ پر چادر آپ نے محض یکسوئی کی خاطر ڈال لی تھی۔چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں آپ مستقبل کے مشاہدے سے فارغ ہوگئے۔ روئے زیبا سے چادر ہٹائی اور مسرور وشادماں اٹھ بیٹھے، فرمایا

اَبْشِرُوْا بِنَصْرِ اللّٰہِ وَفَتْحِہٖ. (خوش ہوجاؤ کہ اللہ کی طرف سے ہماری امداد ہوگی اور ہمیں فتح حاصل ہوگی۔)

ناتمام معاہدہ

پہلے گزر چکا ہے کہ اس جنگ کے اصلی محرک یہودی تھے۔عرب کے دیگر قبائل محض خیبر کی کھجوروں کے لالچ میں ان کا ساتھ دے رہے تھے، اس لئے جانِ دو عالم ﷺ نے ایک تدبیر یہ فرمائی کہ بنی غطفان کے دو سرداروں عیینہ اور حارث سے ملاقات کی اور انہیں

بتایا کہ اگر تمہارا قبیلہ یہود اور قریش کی حمایت سے دستبردار ہو کر واپس چلا جائے تو ہم تمہیں مدینے کی کھجوروں کا تیسرا حصہ دینے کے لئے تیار ہیں۔

عیینہ اور حارث کو اور کیا چاہئے تھا، جو کچھ خیبر سے ملنا تھا وہ یہیں سے مل رہا تھا اور وہ بھی بغیر کسی مشقت اور لڑائی کے، اس لئے فوراً تیار ہو گئے۔ چنانچہ ایک معاہدہ تحریر کیا گیا، مگر اس پر دستخط کرنے اور گواہیاں ڈالنے سے پہلے جانِ دو عالم ﷺ نے انصار کے سرداروں سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا اور سعد ابن معاذؓ وسعد ابن عبادہؓ کو بلا بھیجا۔ وہ آئے تو جانِ دو عالم ﷺ نے انہیں بتایا کہ میں نے بنی غطفان کے سرداروں سے بات کی ہے، اگر ہم انہیں مدینے کی کھجوروں کا ثلث [۱/۳] دے دیں تو وہ لڑائی سے کنارہ کش ہونے کے لئے تیار ہیں۔

سردارانِ انصار نے عرض کی---"یارسول اللہ! یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے یا آپ کی اپنی پسند ہے یا محض، ہماری پریشانی اور تکلیف کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ یہ معاہدہ کرنا چاہتے ہیں---؟"

"نہ اللہ کا حکم ہے، نہ میری پسند ہے۔" جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا "یہ کام محض تمہاری سہولت کی خاطر کرنا چاہتا تھا، تاکہ تمہیں کم سے کم دشمنوں کے ساتھ مقابلہ کرنا پڑے۔ تم دیکھ ہی رہے ہو کہ عرب چاروں طرف سے تم پر ٹوٹ پڑے ہیں۔"

حربی لحاظ سے یہ ایک عمدہ تجویز تھی، اگر بنی غطفان اس وقت علیحدہ ہو جاتے تو باقی لشکر میں بھی بددلی پھیل جاتی اور دشمنوں کا زور ٹوٹ جاتا، مگر انصار کی قومی وایمانی غیرت نے بنی غطفان کو کچھ دینا گوارا نہ کیا اور بصد ادب عرض کی

"یارسول اللہ! اگر یہ اللہ کا حکم ہوتا، یا آپ کی اپنی پسند ہوتی تو ہمارے لئے لب کشائی کی مجال نہیں تھی، مگر چونکہ آپ محض ہم پر شفقت کی وجہ سے یہ معاہدہ کرنا چاہتے ہیں، اس لئے عرض گزار ہیں کہ ہم جب مشرک تھے اور بتوں کی پوجا پاٹ کیا کرتے تھے، اس دور میں بھی کسی کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ وہ ہماری اجازت کے بغیر مدینے کی ایک کھجور بھی کھا سکے۔ پھر اب--- جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں توحید اور اسلام کا شرف بخش دیا ہے اور آپ کے ذریعے ہمیں بہت زیادہ عزت عطا کر دی ہے--- یہ کس طرح ممکن ہے کہ کوئی قبیلہ

جنگ کی دھمکی دے کر ہم سے کھجوروں کا ثلث لے جائے---!! نہیں یارسول اللہ! ہمیں یہ معاہدہ منظور نہیں ہے، ہمارا اور ان کا فیصلہ میدانِ جنگ میں ہوگا۔ انہیں کہہ دیجئے کہ ان سے جو کچھ بن پڑتا ہے، کر دیکھیں!''

کون اندازہ کر سکتا ہے کہ اس آڑے وقت میں انصار کی طرف سے عزم و ہمت اور حمیت و شجاعت کے اس غیر معمولی مظاہرے پر جانِ دو عالم ﷺ کو کس قدر سرور و اطمینان حاصل ہوا ہوگا!

بہر حال یہ معاہدہ مکمل ہونے سے پہلے ہی ختم ہوگیا اور عیینہ و حارث کو کھجوروں کے بغیر ہی لوٹنا پڑ گیا۔

ترتیب لشکر

بنی قریظہ کی غداری کی وجہ سے خواتین کے تحفظ کا اہتمام ضروری تھا۔ اس مقصد کے لئے جانِ دو عالم ﷺ نے اس طرف تین سو مجاہدوں کا دستہ مقرر فرمایا اور خود اپنے جاں نثاروں کے ساتھ خندق کے قریب اندرونی جانب مورچہ زن ہو گئے۔ اگر دشمنوں کا کوئی دستہ خندق عبور کرنے کی کوشش کرتا تو مسلمان سنگباری اور تیر اندازی کے وہ جوہر دکھاتے کہ اس کے لئے بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہتا۔

مشرکین کے لئے خندق بالکل نئی چیز تھی اور ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کو عبور کرنے کی کیا صورت ہو۔ پہلے یہ تجویز ہوئی کہ ہر سردار کی کمان کا ایک دن مقرر کیا جائے۔ اس دن وہی ساری فوج کا قائد ہو اور اسی کے حکم پر عمل کیا جائے۔ اس طرح باری باری مختلف سردار اپنی ذہانت و قابلیت کا مظاہرہ کریں، ہوسکتا ہے کہ مسابقت کی فضا میں کسی سردار کو کوئی طریقہ سوجھ جائے۔

اس تجویز پر عمل کیا گیا اور کئی دن تک قائد بدلتے رہے، مگر کچھ فائدہ نہ ہوا اور تمام کوششیں رائگاں گئیں۔ آخر فیصلہ کیا گیا کہ سب مل کر حملہ کریں اور خندق کے اس پار مسلمانوں پر تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ کر دیں۔ اسی دوران مشہور اور نامی گرامی شہسوار، گھوڑوں کو مہمیز کر کے خندق عبور کر آئیں۔ اتفاقاً ایک جگہ سے خندق کا عرض قدرے کم تھا،

اسی جگہ کو منتخب کیا گیا اور شہسواروں کا ایک دستہ گھوڑے دوڑاتا ہوا آگے بڑھا، مگر اکثر گھوڑے خندق کو دیکھ کر بدک گئے؛ البتہ عمرو ابن عبدِ وَد، ضرار، جبیرہ اور نوفل کے گھوڑے خندق پار کر گئے۔ ان چاروں میں عمرو، عرب کا ایسا مانا ہوا شمشیر زن تھا کہ اہل عرب اس کو ایک ہزار بہادروں کا ہم پلہ سمجھتے تھے۔ خندق عبور کرنے میں کامیاب ہو جانے کی وجہ سے اس وقت کچھ زیادہ ہی گھمنڈ میں تھا، اس لئے فوراً نعرہ لگایا

''هَلْ مِنْ مُبَارِزٍ؟'' (ہے کوئی مقابلہ کرنے والا۔)

حضرت علیؓ نے جواب دیا---''ہاں! میں ہوں۔''

چونکہ عمرو ایک پختہ کار اور تجربات کی بھٹی سے گزرا ہوا جنگجو تھا، جب کہ حضرت علیؓ ابھی نوعمر تھے، اس لئے جانِ دو عالم ﷺ نے ان کو بھیجنا مناسب نہ سمجھا اور کہا

''علی! یہ عمرو ابن عبدود ہے۔''

حضرت علیؓ بپاسِ ادب خاموش ہو گئے۔

عمرو نے پھر للکارا---''هَلْ مِنْ مُبَارِزٍ؟''

حضرت علیؓ پھر بول اٹھے---''ہاں! میں ہوں۔''

جانِ دو عالم ﷺ نے پھر ان کو ہاتھ سے پکڑ کر بٹھایا اور کہا---''یہ عمرو ابن عبدود ہے۔''

عمرو نے دیکھا کہ کوئی مقابلے پر آنے کی جرأت نہیں کر رہا تو کہنے لگا

''ارے کہاں گئی تمہاری وہ جنت، جس کے بارے میں تمہارا گمان ہے کہ تم میں سے جو بھی قتل ہوگا، اس میں جائے گا؟ کیا تم میں سے کسی کو بھی اس میں داخل ہونے کی خواہش نہیں ہے---؟''

اب معاملہ حضرت علیؓ کی برداشت سے باہر ہو گیا، عرض کی

''یارسول اللہ! مجھے جانے دیجئے!''

جانِ دو عالم ﷺ نے پھر یاد دلایا---''علی! سوچ لو! یہ عمرو ہے۔''

''خواہ عمرو ہی کیوں نہ ہو یارسول اللہ! اب بہر صورت مقابلہ کروں گا۔''

جب جانِ دو عالم ﷺ نے دیکھا کہ علیؓ رکنے پر تیار نہیں ہیں تو اپنے دستِ

مبارک سے ان کے سر پر عمامہ باندھا، تلوار حمائل کی اور دعاؤں سے نواز کر معرکہ آرائی کی اجازت دے دی۔

مقابلہ

مثلِ کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی
اب بھی درختِ طور سے آتی ہے بانگِ لَاتَخَفْ

عمرو کے بارے میں مشہور تھا کہ اگر کوئی شخص اس سے تین مطالبے کرے تو وہ ان میں سے ایک نہ ایک ضرور مان لیتا ہے، اسی بناء پر حضرت علیؓ نے اس سے کہا

''سنا ہے کہ تم تین مطالبوں میں سے ایک ضرور پورا کرتے ہو!''

''ہاں! یہ درست ہے۔'' عمرو نے کہا۔

''تو میرا پہلا مطالبہ یہ ہے'' حضرت علیؓ نے کہا ''کہ تم اللہ کو وحدہٗ لاشریک اور محمد ﷺ کو اس کا رسول مان لو!''

''یہ ناممکن ہے۔'' عمرو نے کہا۔

''اگر یہ نہیں کر سکتے تو پھر واپس چلے جاؤ اور خواہ مخواہ جنگ میں نہ کودو!''

''کیا تم چاہتے ہو کہ قریش کی عورتیں مجھے بزدلی کا طعنہ دیں؟'' عمرو غصے میں بولا ''نہیں، یہ نہیں ہو سکتا، ابھی تو میں نے اپنی قسم پوری کرنی ہے۔(۱)

''تم نے میرے دونوں مطالبے مسترد کر دیئے ہیں، اب تیسرا اور آخری مطالبہ یہ ہے کہ مقابلے کے لئے تیار ہو جاؤ!''

عمرو ہنسا اور کہنے لگا

''میرے گمان میں نہیں تھا کہ دنیا میں کوئی مجھ سے یہ مطالبہ کرنے کی جرأت بھی کرے گا! بہر حال یہ تو بتاؤ کہ تم ہو کون؟''

---

(۱) عمرو غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں زخمی ہو گیا تھا اور اس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک بدلہ نہیں لے لوں گا، سر میں تیل نہیں ڈالوں گا۔

''علی ابن ابی طالب'' حضرت علیؓ نے جواب دیا۔

''اچھا! تم ابو طالب کے بیٹے ہو؟ وہ تو میرا دوست تھا اور میں اپنے دوست کے بیٹے کو قتل کرنا پسند نہیں کرتا۔''

''لیکن میں تو تمہیں قتل کرنا نہایت پسند کرتا ہوں۔''

عجیب بے باک آدمی سے پالا پڑا تھا عمرو ابن عبدود کا، جو کسی طرح مرعوب ہی نہیں ہو رہا تھا!

عمرو ابھی تک اس گھوڑے پر سوار تھا جس کے ذریعے خندق عبور کی تھی۔ حضرت علیؓ نے کہا ''عمرو! تم سوار ہو، جب کہ میں پیدل ہوں، اس طرح مقابلے کا کیا مزا آئے گا، اگر تم نے واقعی مقابلہ کرنا ہے تو نیچے اتر کر بہادری کے جوہر دکھاؤ!''

عمرو کو اپنی شمشیر زنی پر بہت ناز تھا، اس لئے فوراً اتر پڑا اور حضرت علیؓ پر دھاک بٹھانے کے لئے تلوار کے ایک ہی وار سے اپنے گھوڑے کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں۔

اب دونوں حریف آمنے سامنے تھے۔ خندق کے اِس پار اور اُس پار ہر شخص کی نگاہیں اس مقابلے پر جمی تھیں۔ اہل ایمان حضرت علیؓ کی کامیابی کے لئے دعا گو تھے، جب کہ یہود و مشرکین کو عمرو کی کامیابی کا سو فیصد یقین تھا۔

عمرو نے نیام سے اپنی صیقل شدہ تلوار نکالی تو اس کی چمک دمک سے نگاہیں خیرہ ہو گئیں۔ اس نے کسی تاخیر کے بغیر حضرت علیؓ کے سر پر وار کیا۔ حضرت علیؓ نے ڈھال پر روکنا چاہا، مگر وار اس قدر زوردار تھا کہ ڈھال کٹ گئی اور تلوار اچٹتی ہوئی حضرت علیؓ کی پیشانی پر لگی۔ ڈھال اگرچہ کٹ گئی تھی مگر وار کی شدت قدرے کم ہو گئی تھی، اس لئے حضرت علیؓ کو کوئی خاص گہرا زخم نہ آیا؛ البتہ اللہ کے شیر کو جلال ضرور آ گیا اور ابھی عمرو سنبھل بھی نہیں پایا تھا کہ ذوالفقار اٹھی، فضا میں بجلی سی لہرائی اور عمرو کے شانے پر اتنی قوت سے گری کہ عمرو کے جسم کو زرہ سمیت دو حصوں میں تقسیم کرتی ہوئی گزر گئی، اس کے ساتھ ہی فضا اہل ایمان کے پرجوش نعرہ ہائے تکبیر سے گونج اٹھی

اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔

عمرو کا یہ حشر دیکھ کر اس کے باقی تین ساتھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ ضرار اور جبیرہ

تو بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے، البتہ نوفل خندق میں گر گیا اور مسلمانوں کی سنگباری کی زد میں آ گیا۔ آخر چیخا---''مسلمانو! میں عزت کی موت مرنا چاہتا ہوں۔''

یہ سن کر حضرت علیؓ خندق میں اترے اور اس کا سر قلم کر کے اس کو ''باعزت موت'' سے ہمکنار کر دیا۔

لاش کا مطالبہ

چار بہادروں میں سے دو، عبرتناک طریقے سے واصل جہنم ہو گئے اور دو بزدلانہ انداز میں فرار ہو گئے تو متحدہ لشکر کے چہرے تاریک ہو گئے، خصوصاً عمرو کی ہلاکت نے تو انہیں ہلا کر رکھ دیا۔ انہوں نے پیغام بھیجا کہ عمرو کی لاش ہمارے حوالے کر دو، ہم اس کے عوض دس ہزار روپے دینے کے لئے تیار ہیں، مگر جانِ دو عالم ﷺ نے کیا ہی خوبصورت جواب دیا---! آپ نے فرمایا

''اس مردار کا بدبودار لاشہ تم ویسے ہی اٹھا لے جاؤ، ہم لاشوں کی تجارت نہیں کرتے۔''

نمازیں قضا ہوگئیں

غزوۂ خندق کا یہ دن تمام دنوں سے سخت ترین تھا۔ دشمنوں نے تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ کر رکھی تھی اور ان کی کوشش تھی کہ کہیں سے مسلمان پیچھے ہٹیں تو ہم خندق عبور کر جائیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں محاذ سے ایک لمحے کے لئے بھی توجہ ہٹانا ممکن نہ تھا۔ اسی وجہ سے اس دن جانِ دو عالم ﷺ سمیت سب کی تین نمازیں قضا ہو گئیں، یعنی ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں، جانِ دو عالم ﷺ کو اس کا بہت افسوس ہوا اور فرمایا---''اللہ دشمنوں پر لعنت کرے، ان کی وجہ سے نماز عصر سمیت ہماری تین نمازیں قضا ہو گئی ہیں۔''

پھر آپ نے عشاء کی نماز کے ساتھ تینوں قضا نمازیں باجماعت پڑھائیں۔

تائید ایزدی

مشرکین کا یہ محاصرہ کئی دن تک جاری رہا۔ ابھی اور نہ جانے کب تک جاری رہتا، کہ غیر متوقع طور پر بنی غطفان کا ایک سردار نعیم ابن مسعود ثقفی مسلمان ہو گیا۔ چونکہ دشمنوں کو حضرت نعیم کے اسلام کا علم نہیں تھا، اس لئے وہ ان کو اپنا آدمی سمجھتے رہے اور حضرت نعیمؓ

نے ہمدرد بن کران کے ساتھ ایسی گفتگو کی کہ قریش اور یہود میں پھوٹ پڑ گئی۔(۱)

وعظ و مناجات

حضرت نعیمؓ کی کوششوں سے بنو قریظہ تو لڑائی سے الگ ہو گئے، البتہ خیبر سے آئے ہوئے یہودیوں نے مشرکین کا ساتھ چھوڑنا گوارا نہ کیا اور مقابلے پر ڈٹے رہے۔ اس طرح مدینہ منورہ کا محاصرہ طویل ہو گیا اور اہل ایمان کی مشکلات مزید بڑھ گئیں۔

---

(۱) مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت نعیمؓ نے رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے جھوٹ بولا تھا اور ایسی باتیں کی تھیں کہ یہود اور قریش میں تفرقہ پڑ گیا تھا۔ مؤرخین نے اس جھوٹ کی تفصیلات بھی بیان کی ہیں جو بقول ان کے حضرت نعیمؓ نے فریقین سے بولا تھا، مگر اللہ جزائے خیر دے علامہ شبلیؒ کو کہ انہوں نے اس روایت کو ردّ کر دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں

''ابن اسحاق کی روایت ہے کہ نعیم نے اس تفرقہ اندازی میں دونوں سے جھوٹ باتیں کہیں، اور اس بناء پر کہیں کہ خود آنحضرت ﷺ نے اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ کی تعلیم کی تھی، لیکن ابن اسحاق نے روایت کی سند نہیں نقل کی اور اگر کرتے بھی تو ابن اسحاق کا یہ پایہ نہیں کہ ایسا واقعہ محض ان کی سند سے قبول کر لیا جائے۔ اس کے علاوہ واقعات اس قسم کے جمع تھے کہ دونوں فریقوں کا اتحاد، بغیر اس کے توڑا جا سکتا تھا کہ کوئی غلط بات بیان کی جائے۔ ابن اسحاق کی روایت میں بھی اس قدر مذکور ہے کہ نعیم نے یہود سے کہا کہ قریش تو چار دن کے بعد یہاں سے چلے جائیں گے۔ تمہارا اور مسلمانوں کا ہموطنی کا ساتھ ہے، اس لئے تم کیوں بیچ میں پڑ کر ہمیشہ کے لئے لڑائی مول لیتے ہو اور اگر اس پر آمادہ ہی ہو تو قریش سے کہو کہ وہ کچھ معزز آدمی تمہارے ہاں ضمانت کے طور پر بھجوا دیں، کہ اگر قریش لڑائی کا فیصلہ کئے بغیر جانا چاہیں تو تم ان لوگوں کو روک لینا۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ یہود بنو قریظہ اول اول نقضِ عہد پر راضی نہ تھے اور کہتے تھے کہ ہم محمد سے معاہدہ کیوں توڑیں۔ لیکن حیی بن اخطب نے اس شرط پر ان کو راضی کیا تھا کہ ''قریش چلے گئے تو میں خیبر چھوڑ کر تمہارے پاس آ جاؤں گا'' قریش اس قسم کی ضمانت نہیں منظور کر سکتے تھے۔ اس لئے جب انہوں نے انکار کیا ہو گا تو دونوں میں خود پھوٹ پڑ گئی ہو گی، اس کے لئے ایک صحابی کو دروغ بیانی کے داغ اٹھانے کی کیا ضرورت تھی۔'' (سیرت النبی ج ۱، ص ۳۹۵، ۳۹۶)

ان مشکل ایام میں جانِ دو عالم علیہ السلام کبھی صبر وثبات کی تلقین کرتے اور فرماتے

''اے ایمان والو! دشمن سے مقابلے کی خود خواہش نہ کیا کرو؛ بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کیا کرو، لیکن اگر مقابلہ کرنا پڑ جائے تو پھر ثابت قدم رہا کرو اور جان رکھو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ اِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ.

کبھی رب کریم کے سامنے دستِ دعا دراز کرتے اور فتح ونصرت کے طلبگار ہوتے

اَللّٰهُمَّ مُنَزِّلَ الْكِتَابِ، سَرِيْعَ الْحِسَابِ، اهْزِمِ الْاَحْزَابَ.

(اے اللہ! کتاب نازل کرنے والے! جلدی حساب لینے والے! احزاب کو ہزیمت سے دوچار کر۔)

يَاصَرِيْخَ الْمَكْرُوْبِيْنَ، يَامُجِيْبَ الْمُضْطَرِّيْنَ، اِكْشِفْ هَمِّيْ وَكَرْبِيْ فَقَدْ تَرٰى مَاحَلَّ بِيْ وَبِاَصْحَابِيْ.

(اے دکھیاروں کے فریادرس! اے مجبوروں کی دعائیں سننے والے! میری پریشانی غم اور کرب دور فرما! تو دیکھ ہی رہا ہے کہ مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر کیسی مصیبت آپڑی ہے۔)

صحابہ کرامؓ نے عرض کی

''یارسول اللہ! ہمیں بھی کوئی دعا سکھایئے کہ اب تو کلیجے منہ کو آنے لگے ہیں۔''

فرمایا---''یہ دعا کرو اَللّٰهُمَّ اسْتُرْعَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا.''

(اے اللہ! ہماری پردہ پوشی فرما اور ہمیں خوف سے امن عطا فرما۔)

اجابتِ دُعا

جانِ دو عالم علیہ السلام اور صحابہ کرام کی شبانہ روز مناجاتیں اور دعائیں آخر رنگ لائیں اور جبریل امین نے آکر بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ عنقریب آندھی بھیجنے والا ہے اور غیر مرئی لشکروں کے ساتھ آپ کی امداد کرنے والا ہے۔

جانِ دو عالم علیہ السلام یہ مژدہ سن کر بے حد مسرور ہوئے اور ''شُكْرًا، شُكْرًا'' کہہ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

آندھی

حسب وعدہ رات کو آندھی آئی اور اس شدت سے آئی کہ کفار کا لشکر درہم برہم

ہو گیا۔ خیمے اکھڑ گئے، ہانڈیاں اور دیگیں الٹ پلٹ گئیں، اونٹ اور گھوڑے بدک بدک کر بھاگنے لگے، لشکر گاہ کو روشن رکھنے کے لئے جلائی گئی مشعلیں تمام کی تمام بجھ گئیں اور ایسا اندھیرا چھا گیا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ اس رات یوں بھی کافی ٹھنڈ تھی، اوپر سے یخ بستہ ہواؤں نے اس کی شدت میں مزید اضافہ کر دیا اور سردی ہڈیوں میں اترنے لگی۔

مسلمان، آبادی کے قریب ہونے کی وجہ سے ہواؤں کے زور سے کسی حد تک محفوظ تھے، مگر سردی ان کے لئے بھی ناقابلِ برداشت تھی۔ موسم کی سختی سے گھبرا کر منافقوں نے مختلف حیلوں بہانوں سے کھسکنا شروع کر دیا۔

وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ؕ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ○ (۱)

(منافقین کا ایک گروہ نبی سے اجازت مانگتا ہے اور کہتا ہے کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں۔ (ان کے تحفظ کے لئے ہمیں جانے کی اجازت دیجئے۔) حالانکہ ان کے گھر بالکل محفوظ ہیں۔ (کیونکہ رسول اللہ نے خواتین کو ایک قلعے میں جمع کر کے ان کی حفاظت کا معقول بندوبست کر رکھا ہے۔) یہ لوگ صرف فرار چاہتے ہیں۔)

فرار چاہنے والے فرار ہو گئے، صرف مخلص مؤمنین آپ کے ساتھ ثابت قدم رہے مگر سخت سردی اور ناکافی لباس کی وجہ سے ان کی حالت بھی دگرگوں تھی۔

خصوصی تحفظ

جانِ دو عالم ﷺ چاہتے تھے کہ اس وقت کوئی شخص جائے اور دشمنوں کے حالات معلوم کر کے آئے، مگر یخ بستہ ہواؤں کے تھپیڑے کھاتے ہوئے دشمن تک پہنچنے کی جرأت کوئی نہ کر سکا۔

حضرت حذیفہؓ (۲) فرماتے ہیں کہ میرے بدن پر صرف ایک چادر تھی جو بمشکل

---

(۱) سورت ۳۳، آیت ۱۳۔

(۲) ان کا تعارف جلد اول ص ۳۹۹ پر گزر چکا ہے۔

گھٹنوں تک پہنچتی تھی اور میں سردی کی شدت، بھوک کی نقاہت اور آندھی کے خوف سے گھٹنوں کے بل جھکا ہوا تھا کہ اچانک رسول اللہ ﷺ میرے پاس سے گزرے اور پوچھا

''حذیفہ؟''

''جی ہاں، یارسول اللہ! حذیفہ۔'' میں نے جواب دیا۔

''اٹھو، اور جا کر دشمن کے حالات معلوم کر کے آؤ!'' آپ نے حکم دیا۔

''یارسول اللہ! میں تو وہاں گرفتار کرلیا جاؤں گا۔''

''نہیں، تم نہیں پکڑے جاؤ گے۔'' آپ نے تسلی دی۔

''یارسول اللہ! مجھے شدید سردی سے ڈر لگ رہا ہے۔''

''اٹھو، اللہ تعالیٰ تمہاری ہر سمت سے حفاظت فرمائے گا۔''

پھر آپ نے یہ دعا کی

''اَللّٰھُمَّ احْفِظْهُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ وَعَنْ یَمِیْنِهٖ وَعَنْ شَمَالِهٖ وَمِنْ فَوْقِهٖ وَمِنْ تَحْتِهٖ.''

(اے اللہ! حذیفہ کی آگے پیچھے، دائیں بائیں اور اوپر نیچے سے حفاظت فرما۔)

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ اس دعا کے ساتھ ہی سردی اور خوف کا احساس یکسر ختم ہوگیا اور مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے میں کسی حمام میں چل رہا ہوں۔

چنانچہ حضرت حذیفہؓ نہایت اطمینان سے لشکر کفار میں جا پہنچے۔ سردی انہیں لگ نہیں رہی تھی اور اندھیرے میں پہچان لئے جانے کا کوئی خطرہ تھا نہیں، اس لئے مزے سے گھومتے رہے اور ان کی حواس باختگیوں سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ ابوسفیان جو اس پورے لشکر کا قائد تھا، سب سے زیادہ بھاگنے کے لئے بے تاب تھا اور کہہ رہا تھا

''اے جماعت قریش! یہاں ٹھہرنے کی اب کوئی صورت نہیں، جانور ہلاک ہو رہے ہیں اور طوفانی ہوا نے ہماری جو حالت کر رکھی ہے، وہ تم سب کے سامنے ہے۔ اس لئے جتنی جلدی ہوسکے واپس چلو، میں تو یہ جا رہا ہوں۔''

یہ کہتے ہوئے چھلانگ لگائی اور اپنے اونٹ پر چڑھ بیٹھا۔ اس کی یہ کیفیت دیکھ کر

اس کے ساتھی حیران رہ گئے۔ عکرمہ نے کہا

''یہ کیا کر رہے ہو ابوسفیان؟ تم تو اس لشکر کے قائد ہو، اگر تم یوں بدحواس ہو کر بھاگ اٹھے تو باقی لشکر کا کیا حال ہوگا!''

یہ سن کر ابوسفیان رک گیا اور اپنی نگرانی میں سب کی روانگی کے انتظامات کرنے لگا۔

حضرت حذیفہؓ نے واپس آ کر تمام واقعات جانِ دو عالم علیہ ﷺ کے گوش گزار کئے تو آپ ہنس پڑے --- حَتّٰى بَدَتْ ثَنَايَاهُ فِيْ سَوَادِ اللَّيْلِ. (یہاں تک کہ آپ کے نورانی دانت رات کی تاریکی میں بھی دمک اٹھے۔)

اور یوں قریش، بنی غطفان اور یہود نے مل کر جو طوفان برپا کیا تھا وہ بیس دن تک مدینہ کے افق پر چھائے رہنے کے بعد بالآخر اللہ تعالیٰ کے ارسال کردہ طوفانِ بردوباد سے شکست کھا گیا اور مدینہ کا مطلع صاف ہوگیا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

کلمات تشکر

اللہ تعالیٰ کی اس انوکھی امداد پر جانِ دو عالم علیہ ﷺ کا دل احساسِ تشکر سے لبریز تھا۔ چنانچہ صبح کو جب سب لوگ میدان سے اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ رہے تھے تو جانِ دو عالم علیہ ﷺ کی زبانِ مبارک یوں حمد وثنا کے پھول برسا رہی تھی --- پڑھیئے اور لطف اٹھایئے!

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

اٰئِبُوْنَ، تَآئِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ، سَاجِدُوْنَ، لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ.

صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ، وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ.

(نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے، وہ وحدہٗ لاشریک ہے، اسی کی بادشاہی ہے، وہی حمد کا مستحق ہے اور وہ ہر شئے پر قادر ہے۔

ہم گھروں کو لوٹ رہے ہیں، توبہ کرتے ہوئے، عبادت کرتے ہوئے، سجدے کرتے ہوئے اور اپنے رب کی تعریفیں کرتے ہوئے۔

اللہ نے اپنا وعدہ سچ کردکھایا، اپنے بندے کی امداد فرمائی اور تنہا تمام لشکروں کو بھگادیا۔)(۱)

تکثیرِ طعام

جانِ دو عالم ﷺ کے معجزے سینکڑوں ہیں اور معجزات کے باب میں انشاء اللہ تعالیٰ ذکر کیے جائیں گے مگر تین واقعات، جن کا تعلق اس غزوے سے ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بیان کر دیئے جائیں۔ یہ تینوں واقعات اگر چہ علیحدہ علیحدہ ہیں، لیکن ان میں جانِ دو عالم ﷺ کے جس حیرت انگیز معجزے کا ظہور ہوا، وہ ایک ہی نوعیت کا ہے، جسے محدثین نے ''تکثیر طعام'' کا نام دیا ہے، یعنی جانِ دو عالم ﷺ کی دعا کی برکت سے تھوڑے سے کھانے کا بہت زیادہ آدمیوں کے لئے کافی ہو جانا۔

﴿ ۱ ﴾

ایک دن حضرت ابوطلحہؓ نے جانِ دو عالم ﷺ کی آواز میں نقاہت کا کچھ اثر محسوس کیا تو بے تاب ہو گئے۔ اسی وقت گھر گئے اور اپنی بیوی ام سلیم سے کہا

''آج رسول اللہ ﷺ کی آواز کچھ دھیمی سی ہے اور میرا خیال ہے کہ یہ ضعف بھوک کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، کیا گھر میں کھانے کے لئے کچھ ہے؟''

ام سلیمؓ نے چند روٹیاں نکالیں اور حضرت انسؓ کو دیں کہ جا کر رسول اللہ ﷺ کو دے آؤ۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا، اس وقت آپ کے پاس ستر، اسی آدمی بیٹھے ہوئے تھے میرے کچھ بتانے سے پہلے ہی آپ نے پوچھا۔

''اَرْسَلَکَ اَبُوْ طَلْحَۃَ؟''---(تجھے ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟)

میں نے کہا---''جی ہاں یارسول اللہ!''

فرمایا---''بِطَعَامٍ؟'' (کھانا دے کر؟)

---

(۱) غزوۂ خندق کی ترتیب کے لئے مندرجہ ذیل کتابوں سے مدد لی گئی---قرآن کریم، تفسیر ابن کثیر، روح المعانی، درمنثور، خازن (تفسیر سورہ احزاب) بخاری، مسلم، ابو داؤد، البدایہ والنہایہ، ابن ہشام، سیرت حلبیہ، زرقانی۔

میں نے پھر اثبات میں جواب دیا تو آپ نے مجھ سے کھانا لینے کی بجائے وہاں پر موجود صحابہ سے کہا کہ اٹھو اور خود بھی اٹھ کر ابوطلحہ کے گھر کی طرف چل پڑے۔ میں دوڑ کر گیا اور ابوطلحہ کو صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ وہ سخت پریشان ہو گئے اور اپنی بیوی سے کہنے لگے

''ام سلیم! رسول اللہ بہت سے آدمیوں کو ساتھ لے کر ہمارے گھر آ رہے ہیں اور ہمارے پاس انہیں کھلانے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔''

ام سلیمؓ بہت حوصلہ مند اور کامل الایمان خاتون تھیں وہ ذرا نہ گھبرائیں اور کہا

''اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمْ'' (اللہ اور اس کا رسول ہم سے بہتر جانتے ہیں۔)

ابوطلحہؓ، جانِ دو عالم ﷺ کے استقبال کے لئے باہر نکلے اور آپ کو ساتھ لے کر گھر میں داخل ہوئے۔ آپ نے فرمایا --- ''لے آؤ ام سلیم! جو کچھ تمہارے پاس ہے۔''

ام سلیمؓ نے وہی چند روٹیاں پیش کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر دو۔ ٹکڑے ہو گئے تو ام سلیمؓ گھی کا عُکّہ (۱) لائیں اور اسے ٹکڑوں پر نچوڑ دیا۔ آپ نے کچھ پڑھ کر کھانے پر دم کیا اور فرمایا --- ''اب دس دس آدمیوں کو بلاؤ اور کھلاؤ۔''

دس دس آدمی آتے گئے اور کھاتے گئے یہاں تک کہ ستر، اسی افراد سیر ہو گئے اور کھانا اتنا ہی باقی تھا، جتنا پہلے تھا۔

﴿ ۲ ﴾

اسی طرح کا واقعہ حضرت جابرؓ کے ساتھ بھی پیش آیا۔ وہ بھی جانِ دو عالم ﷺ کو بھوک سے متاثر دیکھ کر بے قرار ہو گئے اور بیوی سے کہا --- ''کیا گھر میں کچھ ہے؟''

بیوی نے کہا کہ ایک صاع جو موجود ہیں۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس بکری کا ایک چھوٹا سا بچہ بھی تھا۔ میں نے اسے ذبح کیا اور صاف کر کے ہانڈی میں ڈال کر پکنے کے لئے رکھ دیا، جو بھی پیس لئے اور آٹا تیار کر لیا۔ ہانڈی پکنے کے قریب ہو گئی تو میں

---

(۱) عُکّہ چمڑے کے اس تھیلے کو کہا جاتا ہے، جس میں گھی وغیرہ رکھا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سرگوشی میں عرض کی ---''یا رسول اللہ! میں نے بکری کا بچہ ذبح کیا ہے اور ایک صاع آٹا بھی تیار کیا ہے۔ برائے مہربانی آپ چند آدمیوں کی معیت میں تشریف لائیے اور کھانا تناول فرمائیے!''

حضرت جابرؓ کا خیال تھا کہ رسول اللہ زیادہ سے زیادہ دس بارہ آدمی ساتھ لے لیں گے، مگر رسول اللہ اٹھے اور بآواز بلند تمام اہل خندق کو دعوت عام دے دی۔

''یَااَھْلَ الْخَنْدَقِ اِنَّ جَابِرًا صَنَعَ سُوْرًا فَحَیَّ ھَلاَ بِکُمْ.'' (اے خندق والو! جابر نے کھانا تیار کیا ہے، جلدی سے چلے آؤ!)

بھوک تو سبھی کو لگی ہوئی تھی۔ یہ سنتے ہی آپ کے ساتھ ہو لئے۔ حضرت جابرؓ کے گھر پہنچے تو جانِ دو عالم ﷺ نے کچھ پڑھ کر آٹے اور ہانڈی پر تھتکارا پھر حضرت جابرؓ کی اہلیہ سے کہا ---''پکانے والی کو ساتھ بٹھالو اور اس آٹے سے روٹیاں پکاتی جاؤ۔ ساتھ ساتھ ہانڈی سے سالن بھی نکال کر لوگوں کو دیتی جاؤ!''

چنانچہ آپ کے ارشاد کے مطابق کھانا تقسیم کیا گیا اور جب سب لوگ سیر ہو کر اٹھ گئے تو ہانڈی اسی طرح ابل رہی تھی اور آٹا بھی اتنا ہی باقی تھا۔

قارئین کرام! کیا آپ جانتے ہیں کہ اس دن کتنے آدمیوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا تھا؟ متفق علیہ حدیث کے مطابق پورے ایک ہزار افراد سیر ہو کر اٹھے تھے---''فَصَلَّی اللّٰہُ اَلْفَ اَلْفَ مَرَّۃٍ عَلٰی مَنْ فَوَّضَ اللّٰہُ اِلَیْہِ خَزَائِنَ مُلْکِہٖ.''

تھوڑے سے کھانے کا ستر، اسی اور ایک ہزار افراد کے لئے کافی ہو جانا بلاشبہ انتہائی محیر العقول ہے، مگر ان ہر دو واقعات میں یہ بات مشترک ہے کہ سب کے کھالینے کے بعد کھانے میں کوئی کمی نہیں ہوئی، آئیے! آپ کو وہ واقعہ بھی بتادوں جس میں سب کے سیر ہونے کے بعد کھانے میں اضافہ ہو گیا۔

﴿ ۳ ﴾

حضرت بشیرؓ کی بیٹی اپنے باپ اور ماموں کے لئے مٹھی بھر کھجوریں لائی، جانِ دو عالم ﷺ نے اس کی مٹھی میں کھجوریں دیکھیں تو فرمایا ''اِدھر لے آؤ!'' اس نے کھجوریں

آپ کی ہتھیلی پر ڈال دیں تو آپ نے حکم دیا کہ چادر بچھائی جائے۔ چادر بچھ گئی تو آپ نے وہی مٹھی بھر کھجوریں اس پر ڈال دیں اور فرمایا

''سب خندق والوں کو بلاؤ کہ دوپہر کا کھانا کھالیں۔''

خندق والے آنے لگے اور کھانے لگے۔ تعجب خیز امر یہ ہے کہ جوں جوں کھانے والوں کی تعداد بڑھتی گئی، کھجوروں کی مقدار بھی بڑھتی گئی، حتی کہ جب سب کھا کر فارغ ہوگئے تو کھجوریں اتنی بڑھ چکی تھیں کہ چادر ان کے لئے ناکافی ہوگئی اور باہر گرنے لگیں۔(۱) سُبْحَانَ اللهِ! سچ ہے

مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

غزوۂ بنی قُریظہ

بنی قریظہ بھی بنی نضیر اور بنی قینقاع کی طرح یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا، جو ابھی تک مدینہ کے قریب آباد تھا۔ بنی نضیر اور بنی قینقاع کو تو جانِ دو عالم ﷺ نے ان کی تمام تر خباثتوں اور شرارتوں کے باوجود جان کی امان دے دی تھی اور صرف مدینہ بدر کرنے پر اکتفا کیا تھا۔(۲) مگر یہ لوگ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے اور خیبر کو اپنی سازشوں کا گڑھ بنالیا۔ آخر اپنی کوششوں میں کامیاب ہوئے اور عرب قبائل کی متحدہ قوت کو مدینہ پر چڑھا لائے۔ اگر مدینہ بدر کرنے کی بجائے اسی وقت ان کا خاتمہ کر دیا جاتا تو مسلمانوں کو احزاب کی آزمائش سے دوچار نہ ہونا پڑتا، مگر رحمۃ للعالمین نے اس وقت عفوو درگزر سے کام لیا اور ان کو مدینہ سے جانے دیا۔ حدیث میں آتا ہے کہ مومن کو ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاسکتا۔ بنی قریظہ کے معاملے میں اسی اصول پر عمل کیا گیا۔

پہلے گزر چکا ہے کہ بنی قریظہ نے جانِ دو عالم ﷺ کے ساتھ امن و آشتی کا

---

(۱) پہلے دو واقعات متفق علیہ ہیں، تیسرا واقعہ سیرتِ حلبیہ میں مذکور ہے، ج ۲، ص ۳۵۱۔
(۲) تفصیلات جلد دوم، ص ۷۷ پر گزر چکی ہیں۔

معاہدہ کر رکھا تھا، مگر جب بنی نضیر کے سردار حیی ابن اخطب نے بنی قریظہ کو یقین دلایا کہ اس دفعہ ہم محمد اور اس کے ساتھیوں کا قلع قمع کئے بغیر واپس نہیں جائیں گے تو بنی قریظہ نے اس معاہدے کو ریزہ ریزہ کر دیا اور جب جانِ دو عالم ﷺ کے دو نمائندے حضرت سعد ابن عبادہؓ اور حضرت سعد ابن معاذؓ ان کو اس معاہدے کی یاددہانی کرانے گئے جو بنی قریظہ نے محمد رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا، تو بنی قریظہ نے انتہائی بے ہودہ زبان استعمال کی اور کہا کہ ہم کسی محمد رسول اللہ کو نہیں جانتے، نہ ہمارا اس کے ساتھ کبھی کوئی معاہدہ ہوا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے مکمل طور پر احزاب کا ساتھ دیا اور اس حد تک رذالت پر اتر آئے کہ مسلمانوں کی عفت مآب خواتین کو جو ایک قلعے میں ٹھہرائی گئی تھیں، نقصان پہنچانے کی کوشش کی اور اس مقصد کے لئے ایک جاسوس بھیجا، کہ جا کر حالات کا جائزہ لو اور اگر خواتین کے تحفظ کا کوئی معقول انتظام نہ ہو تو ہمیں آ کر مطلع کرو! درحقیقت اس وقت تک عورتوں کی حفاظت کا کوئی بندوبست نہیں ہوا تھا۔ مگر جاسوس کی بدقسمتی کہ اس پر جانِ دو عالم ﷺ کی شیر دل پھوپھی حضرت صفیہؓ کی نظر پڑ گئی اور انہوں نے خیمے کی ایک چوب اس زور سے اس کے سر پر ماری کہ وہ مردود اسی وقت مر گیا۔ حضرت صفیہؓ نے اس کا سر کاٹ کر اس طرف پھینک دیا جدھر یہودیوں کی آبادی تھی۔ اس طرح یہودی یہ سمجھے کہ خواتین کی حفاظت کا کوئی زبردست انتظام موجود ہے۔ اس لئے انہیں کوئی غلط قدم اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ (۱)

علاوہ ازیں بنی قریظہ نے ایک اور اشتعال انگیز حرکت کی کہ حیی ابن اخطب کو اپنے پاس رکھ لیا۔ حالانکہ حیی کو جانِ دو عالم ﷺ نے مدینہ بدر کر رکھا تھا اور یہی شخص غزوۂ احزاب کا محرک اور روح رواں تھا۔

بنی قریظہ کی یہ تمام حرکتیں اللہ تعالیٰ کو اس قدر ناگوار گزریں کہ اس نے ان کو فوری سزا دینا ضروری سمجھا اور جانِ دو عالم ﷺ غزوۂ احزاب کے بعد ابھی غسل کر کے فارغ ہی ہوئے تھے کہ جبریل امین انسانی شکل میں ایک خوبصورت گھوڑے پر سوار تشریف لے آئے۔

---

(۱) یہ واقعہ جلد اول، ص ۱۹۰ پر مزید دلچسپ تفصیلات کے ساتھ گزر چکا ہے۔

اس وقت ان کا سر گرد وغبار سے اٹا ہؤا تھا اور وہ اسے جھاڑ رہے تھے۔ جانِ دو عالم ﷺ آگے بڑھے اور اپنے دستِ مبارک سے ان کا غبار آلود چہرہ صاف کیا۔ جبریل نے کہا

''یارسول اللہ! آپ نے اپنے بدن سے ہتھیار اتار دیئے ہیں مگر ہم ملائکہ نے ابھی تک نہیں اتارے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ فوراً بنی قریظہ کی طرف چلئے!''

''اگر کچھ مہلت مل جاتی تو میرے ساتھی ذرا آرام کر لیتے، کیونکہ وہ سب بہت تھکے ہوئے ہیں۔''--- جانِ دو عالم ﷺ نے کہا۔

''پرواہ نہ کیجئے یارسول اللہ!'' جبریل نے کہا ''میں بنی قریظہ کو ہلا ڈالوں گا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا۔''

یہ کہہ کر جبریل بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو گئے اور جانِ دو عالم ﷺ نے حضرت بلال کو کہا کہ اعلان کر دو

مَنْ كَانَ سَامِعًا مُطِيعًا فَلَا يُصَلِّيَنَّ الْعَصْرَ اِلَّا فِيْ بَنِيْ قُرَيْظَةَ.

(جو سن رہا ہو اور اطاعت کیش ہو، اسے چاہئے کہ عصر کی نماز بنی قریظہ کی آبادی میں پہنچنے سے پہلے نہ پڑھے۔)

جانِ دو عالم ﷺ کی روانگی

جبریل کی روانگی کے بعد جانِ دو عالم ﷺ نے بھی تیاری شروع کر دی۔ زرہ پہنی، سر پر خود رکھا، تلوار حمائل کی، ہاتھ میں نیزہ لیا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر بنی قریظہ کی طرف چل دیئے۔ تین ہزار کے لگ بھگ مجاہدین بھی آپ کے ہمرکاب ہو گئے اور وہاں پہنچتے ہی بنی قریظہ کے بلند و بالا قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔

اجتہاد

اگرچہ نماز عصر بنی قریظہ میں پڑھنے کا حکم ہؤا تھا۔ مگر کچھ صحابہ کرامؓ اپنی ناگزیر مصروفیات کی وجہ سے آپ کے ساتھ نہ جا سکے اور اس وقت تیار ہوئے جب عصر کا آخری وقت قریب ہو چکا تھا۔ چنانچہ بعض نے تو مدینہ ہی میں عصر کی نماز پڑھ لی اور بعض بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو گئے، مگر وہاں مغرب کے بعد پہنچ سکے۔ اس لئے انہوں نے عصر کی نماز غروب

کے بعد پڑھی۔ جانِ دوعالم ﷺ کو اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے دونوں میں سے کسی کو بھی خطا کار نہیں کہا اور خاموش رہ کر گویا دونوں کے عمل کو درست قرار دے دیا۔(۱)

محاصرہ

یہ محاصرہ تقریباً ایک ماہ تک جاری رہا، آخر بنی قریظہ بے بس ہو گئے اور سوچنے لگے کہ کیا کیا جائے۔ ان کے ایک سردار کعب نے کہا کہ تین صورتیں ہیں، ان میں سے جو بھی تم کو پسند ہو اختیار کرلو۔

''پہلی یہ کہ ہم محمد پر صدقِ دل سے ایمان لے آئیں۔ کیونکہ ہم سب جانتے ہیں محمد اللہ کا وہی سچا رسول ہے جس کی آمد کی بشارتیں تورات میں موجود ہیں۔'' صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم.

''نہیں، یہ نہیں ہوسکتا'' سب نے یک زبان ہو کر کہا ''ہم اپنے دین کو کسی حال میں نہیں چھوڑیں گے۔''

''دوسری صورت یہ ہے'' کعب نے کہا ''کہ ہم اپنی عورتوں اور بچوں کو قتل کر دیں اور اس کے بعد محمد کے مقابلے پر نکلیں۔ اگر ہم کامیاب ہو گئے تو عورتیں پھر مل جائیں گی، بچے بھی اور پیدا ہو جائیں گے اور ناکام ہو گئے تو کم از کم عورتوں اور بچوں کی طرف سے تو بے فکر ہوں گے۔''

---

(۱) اس کی وجہ یہ تھی کہ دونوں فریق مجتہد تھے۔ ایک کا خیال یہ تھا کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ نے بنی قریظہ کی آبادی میں پہنچنے سے پہلے عصر پڑھنے سے منع کیا ہے۔ اس لئے وہیں جا کر پڑھنی چاہیے، خواہ سورج غروب ہی کیوں نہ ہو جائے۔ دوسرے فریق کی رائے یہ تھی کہ اس ارشاد سے رسول اللہ کی مراد یہ تھی کہ جلدی سے جلدی بنی قریظہ تک پہنچا جائے۔ یہاں تک کہ نماز بھی وہیں جا کر ادا کی جائے۔ اب اگر ہم وقت عصر کے اندر اندر وہاں نہیں پہنچ سکے تو یہ ہماری کوتاہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ نماز ہی قضا کر دی جائے۔

غرضیکہ ایک فریق نے الفاظِ رسول پر عمل کیا اور دوسرے نے مرادِ رسول پر۔ چونکہ دونوں مجتہد تھے اور دونوں کا مقصد نیک تھا، اس لئے جانِ دوعالم ﷺ نے کسی کو بھی غلطی پر قرار نہیں دیا۔

یہ سنگ دلانہ تجویز کون مان سکتا تھا! سب نے کہا کہ اپنے ہاتھوں سے اپنے جگر گوشوں کو قتل کرنے کے بعد زندگی میں کیا مزہ باقی رہے گا!؟

''تیسری اور آخری صورت یہ ہے'' کعب نے کہا'' کہ آج ہفتے کی رات ہے اور محمد کا یہی خیال ہوگا کہ ہم ہفتے کے احترام میں لڑائی نہیں کریں گے اس لئے وہ بے فکر ہوں گے۔ اس حالت میں اگر ہم اچانک ان پر ٹوٹ پڑیں اور ان کی غفلت سے فائدہ اٹھالیں تو شاید کامیاب ہو جائیں۔''

بنی قریظہ نے اس تجویز کو بھی مسترد کر دیا اور کہا کہ ہم سے پہلے جن لوگوں نے ہفتے کی بے حرمتی کی تھی، ان کی شکلیں مسخ کر دی گئی تھیں۔ ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ہمارا بھی وہی حشر نہ ہو۔

کعب کی طرح اور لوگوں نے بھی مختلف تجاویز پیش کیں مگر بنی قریظہ متفق نہ ہوئے۔ آخر جانِ دو عالم ﷺ کو پیغام بھیجا کہ آپ ہماری زمینوں اور مکانات پر بے شک قبضہ کرلیں مگر ہمیں ساز و سامان سمیت نکل جانے دیں۔ جانِ دو عالم ﷺ نے یہ پیشکش مسترد کر دی تو انہوں نے کہا کہ اچھا، آپ ہمارا جملہ سامان بھی ضبط کرلیں، صرف ہمیں نکل جانے دیں۔ جانِ دو عالم ﷺ نے یہ بات بھی نہ مانی تو قبیلہ اوس سے تعلق رکھنے والے صحابہ نے عرض کی کہ یارسول اللہ! بنی قینقاع خزرج کے حلیف تھے اور آپ نے خزرج کے بعض افراد کی سفارش پر نہ صرف ان کی جان بخشی فرمائی تھی؛ بلکہ انہیں ہر طرح کا سامان ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی تھی۔ یارسول اللہ! بنی قریظہ ہمارے حلیف ہیں اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ ان کے ساتھ بھی وہی رعایت کی جائے جو بنی قینقاع کے ساتھ کی گئی تھی۔

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا---''اگر میں تم ہی میں سے کسی کو فیصلے کا اختیار دے دوں تو......؟

اوس خوش ہو گئے۔ عرض کی---''یارسول اللہ! یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے آپ کس کو اختیار دینا چاہتے ہیں؟''

''یہ بھی تم ہی طے کرو!'' جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا'' تم جس کا کہو گے میں اسی کو نامزد کر دوں گا۔''

اوس کی مسرتوں کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ سب نے کہا---''اس کام کے لئے ہم اپنے سردار سعد ابن معاذ کا نام پیش کرتے ہیں۔''

بنی قریظہ کی بھی یہی خواہش تھی کہ ہمارا فیصلہ سعد بن معاذ کریں۔ چنانچہ جانِ دو عالم ﷺ نے بخوشی اجازت دے دی اور اوس سے کہا کہ جا کر سعد کو لے آؤ۔

حضرت سعدؓ غزوۂ احزاب میں زخمی ہو گئے تھے اور مسجد نبوی میں بستر پر پڑے تھے۔ جب اوس نے انہیں بتایا کہ آپ کو رسول اللہ ﷺ نے بنی قریظہ کا حَکَم مقرر کیا ہے تو وہ گہرے زخم کے باوجود جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ اوس کے چند افراد نے انہیں سوار کیا اور جانِ دو عالم ﷺ کے پاس لے آئے۔ جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا---''سعد! تمہاری قوم اور بنی قریظہ دونوں کی خواہش ہے کہ بنی قریظہ کا فیصلہ تم کرو۔''

حضرت سعدؓ نے پہلے اوس سے پوچھا---''کیا میرا فیصلہ تمہیں منظور ہوگا؟''

''جی ہاں، منظور ہوگا۔'' سب نے یقین دلایا۔

''تمہیں بھی؟'' حضرت سعدؓ نے بنی قریظہ کے نمائندوں سے پوچھا۔

''ہاں، ہمیں بھی!'' انہوں نے جواب دیا۔

''آپ کو بھی؟'' حضرت سعدؓ نے جانِ دو عالم ﷺ سے پوچھا۔

''ہاں، مجھے بھی!'' آپ نے جواب دیا۔

اب حضرت سعدؓ مکمل طور پر مختار تھے، چاہتے تو بغیر کسی قسم کے سامان کے انہیں مدینہ بدر کر دیتے، چاہتے تو سامان ساتھ لے جانے کی اجازت دے دیتے اور چاہتے تو ان کی مکمل معافی کا اعلان کر دیتے۔ حضرت سعدؓ کے بنی قریظہ کے ساتھ کافی گہرے تعلقات تھے۔ پھر اوس کے جملہ افراد نے بھی سفارش کی تھی کہ بنو قریظہ کے حق میں کوئی اچھا سا فیصلہ کیجئے۔ بنی قریظہ خود بھی پُر امید تھے، مگر یہ تصویر کا ایک رخ تھا۔ جب کہ دوسرا رخ یہ تھا کہ بنی قریظہ نے عہد کو توڑا، معاہدے کی دستاویز کو ٹکڑے ٹکڑے کیا، رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخیاں کیں، مسلم خواتین کو بے آبرو کرنے کی کوشش کی اور حی ابن اخطب جیسے دشمنِ رسول کو اپنے پاس لا کر رکھا۔ تصویر کا یہ رخ انتہائی گھناؤنا اور شرمناک تھا۔ چنانچہ حضرت سعدؓ نے بنو قریظہ کی امیدوں، اوس کی تمناؤں

اور اپنے ذاتی تعلقات کے تقاضوں کے برعکس یہ فیصلہ دیا

''بنی قریظہ کے تمام مرد قتل کر دیئے جائیں، ان کی عورتیں اور بچے لونڈیاں اور غلام بنا لئے جائیں اور ان کی زمینیں اور جملہ املاک مال غنیمت کے طور پر تقسیم کر دی جائیں۔''

اس فیصلے سے بنی قریظہ میں ایک کہرام بپا ہو گیا اور ہر طرف سے آہ و بکا کی آوازیں آنے لگیں۔ حضرت سعدؓ کا اپنا قبیلہ اوس بھی اس فیصلے پر ناخوش تھا، مگر جانِ دو عالم ﷺ کو حضرت سعدؓ کا یہ فیصلہ بہت پسند آیا اور آپ نے کہا

''سعد! تم نے ٹھیک وہی فیصلہ کیا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر کیا ہے۔'' (۱)

سزائے موت

حضرت سعدؓ کے فیصلے کے مطابق، تمام بنی قریظہ گرفتار کر لئے گئے۔ عورتیں اور بچے علیحدہ کرنے کے بعد چار سو افراد باقی رہ گئے جن کو دوسرے دن سزائے موت دے دی گئی۔ اس کے لئے طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ پہلے ایک طویل گڑھا کھود لیا گیا۔ اس کے بعد ایک ایک مجرم کو اس کے کنارے پر لا کر سر قلم کیا جاتا رہا، آخر میں گڑھے کو پاٹ دیا گیا۔

---

(۱) مستشرقین نے حضرت سعدؓ کے اس فیصلے پر بہت لے دے کی ہے اور اسے بے رحمانہ اور وحشیانہ فیصلہ قرار دیا ہے لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ فیصلہ نہ تو جانِ دو عالم ﷺ نے کیا تھا، نہ حضرت سعدؓ نے اپنے طور پر کیا تھا؛ بلکہ خود خداوندِ ذوالجلال نے سات آسمانوں کے اوپر کیا تھا اور وہ بھی صدیوں پہلے --- اس وقت جب وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کر رہا تھا، چنانچہ تورات میں یہ حکم ان واشگاف الفاظ میں موجود ہے

''جب تُو کسی شہر سے جنگ کرنے اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا ٥...... ٥ اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے؛ بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو تُو اس کا محاصرہ کرنا اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا۔ لیکن عورتوں اور بال بچوں اور چوپایوں اور اس شہر کے سب مال لوٹ کو اپنے لئے رکھ لینا۔'' تورات، استثناء، باب ۲۰، آیات ۱۰ تا ۱۵

جو فیصلہ بنی قریظہ کی مذہبی کتاب کے عین مطابق تھا، وہ بے رحمانہ اور وحشیانہ کیسے ☜

ان مجرموں کو اگرچہ متعدد آدمیوں نے قتل کیا، مگر زیادہ تر افراد حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کے ہاتھوں مقتول ہوئے۔

مشہور فتنہ پرداز اور غزوۂ احزاب کا بڑا محرک حی ابن اخطب بھی بنی قریظہ کے ساتھ گرفتار ہوا۔ اس کو جب قتل کرنے لایا گیا تو جانِ دو عالم ﷺ نے اس کو مخاطب کر کے کہا ''اے اللہ کے دشمن! آخر اللہ تعالیٰ نے تجھے ہمارے قبضے میں دے ہی دیا!''

ہو گیا ---؟

حضرت سعدؓ نے تو عورتوں اور بچوں کو لونڈیاں اور غلام بنانے پر اکتفا کیا تھا، مگر تورات کے بیان کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام بچوں اور شادی شدہ عورتوں کو قتل کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ صرف کنواری اور اچھوتی لڑکیوں کو زندہ رکھنا پسند کرتے تھے۔ چنانچہ جب آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق بنی اسرائیل کو مدیانیوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا تو

''جیسا کہ خداوند نے موسیٰ کو حکم دیا، اس کے مطابق انہوں نے (بنی اسرائیل نے) مدیانیوں سے جنگ کی اور سب مردوں کو قتل کر دیا اور بنی اسرائیل نے مدیان کی عورتوں اور ان کے بچوں کو اسیر کیا اور ان کے چوپائے اور بھیڑ بکریاں اور مال و اسباب سب کچھ لوٹ لیا اور ان کی سکونت گاہوں کے سب شہروں کو جن میں وہ رہتے تھے اور ان کی ان سب چھاؤنیوں کو آگ سے پھونک دیا اور انہوں نے سارا مال غنیمت اور سب اسیر، کیا انسان اور کیا حیوان، ساتھ لئے اور ان اسیروں اور مال غنیمت کو موسیٰ اور الیعزر کاہن اور بنی اسرائیل کی ساری جماعت کے پاس اس لشکر گاہ میں لے آئے، جو یریحو کے مقابل یردن کے کنارے موآب کے میدانوں میں تھی۔ تب موسیٰ اور الیعزر کاہن اور جماعت کے سب سرداران کے استقبال کے لئے لشکر گاہ سے باہر گئے اور موسیٰ ان فوجی سرداروں پر جو ہزاروں اور سینکڑوں کے سردار تھے، جھلایا اور ان سے کہنے لگا ''کیا تم نے سب عورتیں جیتی بچا رکھی ہیں؟ ان بچوں میں جتنے لڑکے ہیں، سب کو مار ڈالو اور جتنی عورتیں مرد کا منہ دیکھ چکی ہیں، ان کو قتل کر ڈالو۔ لیکن ان لڑکیوں کو جو مرد سے واقف نہیں اور اچھوتی ہیں، اپنے لئے زندہ رکھو۔'' (تورات، گنتی، باب ۳۱، آیات ۸ تا ۱۹) ان حوالہ جات کے بعد ہم مستشرقین کی خدمت میں یہی عرض کر سکتے ہیں کہ

اتنا نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت دامن کو ذرا دیکھ، ذرا بند قبا دیکھ!

حی نے کہا --- ''ہاں ایسا ہی ہوا ہے۔ مگر مجھے اپنے کیے پر کوئی ندامت نہیں ہے۔ میں نے تمہیں نیچا دکھانے کی ہر ممکن کوشش کی، لیکن ثابت ہوا کہ جو شخص بھی تمہیں رسوا کرنے کی کوشش کرے گا، آخر خود ذلیل وخوار ہوگا۔''

پھر بنی قریظہ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا --- ''اے بنی اسرائیل! اب کوئی چارہ نہیں۔ ہماری تقدیر میں یہی لکھا تھا۔''

اس کے بعد گڑھے کے کنارے بیٹھ گیا اور اس کا سر تن سے جدا کر دیا گیا۔

ایک عورت

یہ تمام مقتولین مرد تھے کیونکہ حضرت سعدؓ نے صرف مردوں کے قتل کا فیصلہ دیا تھا۔ صرف ایک عورت جس کا نام نباتہ تھا، قتل کی گئی تھی، مگر اس کا قتل بسلسلۂ قصاص ہوا تھا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جس طرح اس عورت نے ہنستے مسکراتے موت کو گلے لگایا تھا، مجھے اس پر سخت تعجب ہوا تھا۔ وہ اپنے قتل سے چند لمحے پہلے میرے پاس بیٹھی تھی اور خوب چہک رہی تھی۔ اسی دوران اس کا نام پکارا گیا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ میں نے پوچھا --- ''کدھر چلی ہو؟''

کہنے لگی --- ''قتل ہونے کے لئے۔''

میں نے پوچھا --- ''کس جرم میں؟''

بولی --- ''میں نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا تھا۔''

میں نے کہا --- ''کیوں؟''

اس نے ایک عجیب قصہ سنایا، کہنے لگی

''میں اور میرا شوہر ایک دوسرے سے شدید محبت کرتے تھے۔ جب مسلمانوں نے ہمارا مکمل محاصرہ کر لیا اور بچاؤ کی کوئی صورت باقی نہ رہی تو ایک دن میں نے حسرت بھرے لہجے میں اپنے خاوند سے کہا کہ افسوس! وصال کی گھڑیاں ختم ہونے کو ہیں اور فراق کے لمحات قریب آپہنچے ہیں۔ اگر تم اس جنگ میں مارے گئے تو میں تمہارے بعد زندہ رہ کر کیا کروں گی! میرے خاوند نے کہا کہ اگر تم میرے بعد زندہ نہیں رہنا چاہتی ہو تو اس طرح کرو

کہ فصیل کے سائے میں چند مسلمان بیٹھے ہیں۔ تم ان پر چکی کا پاٹ پھینک دو۔ کوئی نہ کوئی تو ان میں سے مر ہی جائے گا اور تم اس کے قصاص میں قتل کر دی جاؤ گی۔

میں نے اس کے کہنے پر عمل کیا اور میرے پھینکے ہوئے پتھر سے ایک مسلمان مارا گیا۔ چنانچہ میں اس کے بدلے میں قتل کی جا رہی ہوں۔''

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ سارا واقعہ اس نے ہنستے ہوئے بیان کیا۔ اس کے چہرے پر ذرا بھی خوف اور گھبراہٹ نہیں تھی۔ اس کے بعد خوشی خوشی گئی اور تلوار کے نیچے سر رکھ دیا۔

حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا

بعض مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ بنی قریظہ کی ایک خاتون ریحانہ مشرف باسلام ہو گئی تھیں اور جانِ دو عالم ﷺ نے ان کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا تھا۔

اگرچہ یہ واقعہ کسی صحیح حدیث میں مذکور نہیں ہے، نہ ہی حضرت ریحانہ ام المؤمنین کے طور پر معروف ہیں، تاہم اگر یہ واقعہ ہوا ہے، تو حضرت ریحانہ کی خوش بختی میں کوئی کلام نہیں۔ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْھَا

کاش! کہ تمام بنی قریظہ اسلام لے آتے اور دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی سے بچ جاتے۔

قرآن کریم نے غزوۂ بنی قریظہ کا ذکر ان پرشکوہ الفاظ میں کیا ہے

وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاھَرُوْھُمْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ مِنْ صَیَاصِیْھِمْ وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الرُّعْبَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِیْقًاo وَ اَوْرَثَکُمْ اَرْضَھُمْ وَدِیَارَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَؤُوْھَا ط وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًاo(۱)

---

(۱) قرآن حکیم سورہ ۳۳، آیات ۲۶، ۲۷۔ غزوۂ احزاب اور غزوۂ بنی قریظہ کے لئے مندرجہ ذیل کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔

۱۔ قرآن کریم سورہ احزاب۔ ۲۔ تفسیر ابن کثیر۔ ۳۔ تفسیر ابن جریر۔ ۴۔ تفسیر درمنثور۔ ۵۔ تفسیر روح المعانی۔ ۶۔ بخاری۔ ۷۔ مسلم۔ ۸۔ ابوداؤد۔ ۹۔ ترمذی۔ ۱۰۔ البدایہ والنہایہ۔ ۱۱۔ ابن ہشام۔ ۱۲۔ زرقانی۔ ۱۳۔ عینی۔ ۱۴۔ فتح الباری۔ ۱۵۔ بائبل۔

(اور جن لوگوں نے (غزوۂ احزاب میں) کفار کی مدد کی تھی، اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے قلعوں سے نیچے اُتار دیا، ان کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دیا اور تم نے ان میں سے ایک فریق کو قتل کر دیا اور ایک فریق کو گرفتار کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کی زمین، ان کے گھروں، ان کے اموال اور اس زمین کا جس پر تم نے (اس سے پہلے) قدم بھی نہیں رکھا تھا، وارث بنا دیا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔)

ثمامہ کا اسلام

انہی دنوں ثمامہ ابن اثال نامی ایک شخص جو یمامہ کے علاقے کا سردار تھا، جانِ دو عالم ﷺ کو دھوکے سے قتل کرنے کی نیت سے مدینہ میں داخل ہوا اور ناواقفیت کی وجہ سے مدینہ کی گلیوں میں بھٹکنے لگا۔ صحابہ کرام کو اس پر شبہ ہوا اور اسے پکڑ کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دو۔(۱)

---

(۱) واضح رہے کہ بخاری و مسلم میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے کہ جانِ دو عالم ﷺ کا ارسال کردہ ایک رسالہ (فوجی دستہ) ثمامہ کو کہیں سے پکڑ لایا تھا۔

مؤرخین کا خیال ہے کہ اس کو گرفتار کرنے والا رسالہ وہی تھا جو محمدؓ کی کمان میں قرطاء پر حملے کے لئے گیا تھا۔ واپسی میں ثمامہ ان کے ہاتھ لگ گیا جو درحقیقت عمرہ کرنے جا رہا تھا۔ ان لوگوں نے اسے گرفتار کر لیا اور ساتھ لے آئے۔

ہمارے خیال میں یہ روایات ابہام سے خالی نہیں ہیں کیونکہ ایسے بے ضرر شخص کو جو مسلمانوں سے کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ کئے بغیر عمرے کے لئے جا رہا ہو، بلاوجہ گرفتار کر لینا اور مسجد کے ستون سے باندھ دینا ناقابل فہم ہے۔

صحیح روایت وہی ہے جو ہم نے بیان کی ہے کہ یہ شخص جانِ دو عالم ﷺ کو قتل کرنے کی نیت سے آیا تھا اور پکڑا گیا تھا۔

یہ روایت بیہقی کی ہے اور بیہقی کا رتبہ اگرچہ بخاری و مسلم سے کم ہے، تاہم اس کی بیان کردہ روایت قرین قیاس ہونے کی وجہ سے قابل ترجیح ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

یہ شخص تین دن تک مسجد نبوی میں قید رہا۔ اس دوران جانِ دو عالم ﷺ نے اس کی بہت خاطر مدارات کی اور صبح و شام اپنی خاص اونٹنی کا دودھ اس کے لئے بھیجتے رہے۔ روزانہ اس سے یہ بھی پوچھتے کہ تمہاری کیا رائے ہے؟

ثمامہ کہتا---''اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو ایک معزز انسان کو قتل کریں گے اور اگر احسان کریں گے تو ایک سپاس گزار شخص پر احسان کریں گے اور اگر میری رہائی کے عوض رقم طلب کریں گے تو مہیا کر دی جائے گی۔''

تیسرے دن جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ ثمامہ کو آزاد کر دو۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ نے اسی وقت اس کو رہا کر دیا۔ اب ثمامہ کا جسم مکمل طور پر آزاد تھا، مگر اس کا دل جانِ دو عالم ﷺ کے حسنِ سلوک کا یوں اسیر ہو چکا تھا کہ رہائی کے بعد اس نے مسجد سے باہر جا کر غسل کیا اور واپس آ کر بغیر کسی تمہید کے گویا ہوا

''اَشْھَدُاَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ''

واللہ! اے محمد! (ﷺ) پہلے میرے نزدیک آپ کا چہرہ تمام چہروں سے زیادہ قابل نفرت تھا، آپ کا دین جملہ ادیان سے زیادہ ناپسند تھا اور آپ کا شہر سب شہروں سے زیادہ ناگوار تھا، مگر اب آپ کا چہرہ مجھے تمام چہروں سے زیادہ محبوب ہے، آپ کا دین جملہ ادیان سے زیادہ پسند ہے اور آپ کا شہر تمام شہروں سے زیادہ مرغوب ہے۔''

جانِ دو عالم ﷺ، حضرت ثمامہؓ کی صداقت اور کایا پلٹ سے بہت مسرور ہوئے اور ان کو دنیا و آخرت کی بھلائی کا مژدہ سنایا۔

اس کے بعد حضرت ثمامہؓ نے عمرہ کے لئے جانے کی اجازت چاہی۔ جانِ دو عالم ﷺ نے بخوشی اجازت دے دی اور وہ عمرہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ جب وہ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ پڑھتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے تو اہلِ مکہ نے پوچھا

''کیا تم بے دین ہو گئے ہو؟'' (کہ اللہ کو لاشریک کہہ رہے ہو۔)

انہوں نے کہا---''نہیں، بے دین نہیں ہوا! بلکہ دیندار ہو گیا ہوں کیونکہ محمد (ﷺ) کے دین کا پیروکار بن گیا ہوں اور یاد رکھو کہ آئندہ تمہیں گندم کا ایک دانہ بھی نہیں

ملے گا جب تک رسول اللہ حکم نہیں دیں گے۔''

اہل مکہ کے لئے جو غلہ آتا تھا، وہ یمامہ سے گزر کر آتا تھا۔ حضرت ثمامہؓ نے واپس جاکر حسب وعدہ غلہ بند کر دیا اور اہل مکہ بھوک سے بلبلا اٹھے۔

چنانچہ ابوسفیان مدینہ آیا اور جانِ دو عالم ﷺ سے کہا

''کیا تم اپنے آپ کو رحمۃ للعالمین نہیں کہتے ہو؟''

''کہتا ہوں۔'' جانِ دو عالم ﷺ نے جواب دیا۔

''مگر ہمارے ساتھ تمہارا سلوک مختلف ہے۔'' ابوسفیان بولا ''تم نے ہمارے بڑوں کو تلوار سے مار ڈالا اور بچوں کو بھوک سے مار رہے ہو۔ میں تمہیں اللہ کا اور رشتہ داری کا واسطہ دیتا ہوں کہ ہمارے حال پر رحم کرو۔''

اللہ اکبر! یہ وہی ابوسفیان ہے، جو چند دن پہلے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے احزاب کی قیادت کرتا ہوا مدینہ پر حملہ آور ہوا تھا، آج وہی ابوسفیان بھوک کے ہاتھوں مجبور ہو کر گڑگڑا رہا ہے اور نظرِ عنایت کا مطالبہ کر رہا ہے۔

جانِ دو عالم ﷺ کو اس کی حالتِ زار پر رحم آ گیا اور آپ نے حضرت ثمامہؓ کو لکھ بھیجا کہ اہل مکہ کا غلہ واگزار کر دیا جائے۔ اس طرح جانِ دو عالم ﷺ کے بدترین دشمن بھی آپ کی رحمۃ للعالمینی سے فیضیاب ہو گئے۔(۱) صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمْ.

غزوۂ بنی لحیان

یہ ایک مختصر سا غزوہ تھا، جس میں جانِ دو عالم ﷺ ان قبائل کو سزا دینے کے ارادے سے نکلے تھے، جنہوں نے حضرت خبیبؓ اور ان کے ساتھیوں کو دھوکے سے شہید کر دیا تھا۔(۲) مگر یہ قبائل جانِ دو عالم ﷺ کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی ڈر کے مارے بھاگ گئے اور آپ کوئی لڑائی لڑے بغیر ہی واپس آ گئے۔

---

(۱) زرقانی ج ۲، ص ۱۷۳، ۱۷۶ . ابن ھشام ج ۲، ص ۳۶۴

(۲) تفصیلات جلد دوم ص ۶۹ پر گزر چکی ہیں۔

غزوۂ غابہ

اس کو غزوۂ ذی قرد بھی کہتے ہیں۔(۱) اس کا سبب یہ بنا کہ جانِ دو عالم ﷺ کی بیس اونٹنیاں تھیں جو غابہ نامی چراگاہ میں رہتی تھیں۔ حضرت ابوذرؓ بھی اپنے بیٹے ذر اور بیوی لیلیٰ کے ساتھ وہیں رہائش پذیر تھے اور اونٹنیوں کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے۔

ایک دن عیینہ ابنِ حصن فرازی جو غطفان کا سردار تھا، چالیس ساتھیوں کی معیت میں حملہ آور ہوا اور ابوذرؓ کے بیٹے ذرؓ کو مار ڈالا، ابوذرؓ کی بیوی حضرت لیلیٰؓ کو گرفتار کر لیا اور اونٹنیوں کو لوٹ کر لے گیا۔ خود ابوذرؓ موقع پر موجود نہیں تھے اس لئے بچ گئے۔

لیلیٰؓ بہت بہادر خاتون تھیں، چنانچہ جب عیینہ اور اس کے ساتھیوں نے ایک جگہ پڑاؤ کیا اور کھا پی کر سو گئے، تو لیلیٰؓ نے جہدوجہد کر کے کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو رسیوں سے آزاد کر لیا۔ جانِ دو عالم ﷺ کی تیز رفتار اونٹنی عضباء قریب ہی بیٹھی تھی۔ لیلیٰؓ اس پر سوار ہوئیں، اس کو اٹھایا اور مدینہ کی طرف دوڑا دیا۔

اسی دوران عیینہ اور اس کے ساتھیوں کی آنکھ کھل گئی اور انہوں نے دیکھا کہ لیلیٰؓ اونٹنی کو بھگائے لئے جا رہی ہے۔ وہ فوراً اٹھے اور لیلیٰؓ کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔

اس وقت لیلیٰؓ نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے کفار کے ہاتھ لگنے سے بچا لیا تو میں اس اونٹنی کو راہِ خدا میں قربان کر دوں گی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت لیلیٰؓ کی تمنا پوری فرمائی۔ عیینہ وغیرہ انہیں پکڑنے میں ناکام رہے اور وہ بخیریت مدینہ پہنچ گئیں۔ پھر جانِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور سارا واقعہ بیان کیا۔ یہ بھی بتایا کہ میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے بچا لیا تو میں اونٹنی کو اللہ کی راہ میں قربان کر دوں گی۔

یہ سن کر جانِ دو عالم ﷺ مسکرائے اور شگفتہ لہجے میں گویا ہوئے

''لیلیٰ! تم نے تو اونٹنی کو بہت برا بدلہ دینے کی ٹھان رکھی ہے--- عجیب بات ہے

---

(۱) غابہ اور ذی قرد جگہوں کے نام ہیں۔

کہ وہ تو تمہیں دشمن کے ہاتھوں سے بچا کر لائی ہے اور تم اس کے عوض اس کو ذبح کرنے کے درپے ہو!۔۔۔ ویسے تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ آدمی جس چیز کا مالک نہ ہو، اس کی اگر نذر مان بھی لے تو نذر باطل ہوتی ہے۔ چونکہ اونٹنی تمہاری نہیں؛ بلکہ میری ہے، اس لئے تمہاری نذر رائگاں ہے۔ تم بے فکر ہو کر گھر جاؤ۔''

واضح رہے کہ حضرت ابوذرؓ کی اہلیہ جب دشمنوں کے ہاتھ سے فرار ہوئی تھیں اس وقت غزوہ ختم ہو چکا تھا اور جانِ دو عالم ﷺ مدینہ واپس تشریف لا چکے تھے۔ ہم نے تسلسل قائم رکھنے کے لئے یہ واقعہ یہاں ذکر کر دیا ہے۔ اب آیئے واپس چلتے ہیں اور اس غزوے کے دیگر دل کشا واقعات سے ایمان تازہ کرتے ہیں۔

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کا اعلان

مدینہ طیبہ میں عیینہ کے اس حملے کی اطلاع سب سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے ایک غلام نے حضرت سلمہؓ ابن اکوع کو پہنچائی تھی۔ اس وقت حضرت سلمہؓ صبح کی اذان سن کر گھر سے نکلے تھے اور مسجد کی طرف جا رہے تھے۔ یہ خبر سنتے ہی حضرت سلمہؓ ایک اونچے ٹیلے پر چڑھے اور عرب دستور کے مطابق (۱) ''وَاصَبَاحَاہ وَاصَبَاحَاہ'' پکارنے لگے۔ ان کی آواز بہت بلند تھی۔ اس لئے پورے مدینے میں سنی گئی اور لوگ ہر طرف سے امنڈنے لگے۔ حضرت سلمہؓ نے ان کو مختصراً صورت حال بتائی اور خود اکیلے ہی دشمنوں کے تعاقب میں دوڑ پڑے۔

محیر العقول کارنامے

مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت سلمہؓ اس قدر تیز رفتار انسان تھے کہ انتہائی تیز دوڑتے ہوئے گھوڑے سے آگے نکل جایا کرتے تھے اور نشانہ باز ایسے تھے کہ ان کا چلایا ہوا تیر ہمیشہ بدن کے وسط میں لگتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے جلد ہی دشمنوں کو جالیا اور تیر اندازی کے جوہر دکھانے شروع کر دیئے۔

---

(۱) عربوں کا طریقہ تھا کہ اگر صبحدم کسی شخص پر ناگہانی مصیبت نازل ہو جائے تو وہ وَاصَبَاحَاہ وَاصَبَاحَاہ کہے۔ یہ آواز سن کر لوگ اس کی مدد کے لئے دوڑ پڑتے تھے۔

حضرت سلمہؓ اکیلے تھے، جب کہ دشمنوں کی تعداد چالیس کے لگ بھگ تھی۔ اس لئے انہوں نے گوریلا جنگ شروع کر دی۔ موقع دیکھ کر دور سے تیر چلاتے اور خود چھپ جاتے۔ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے ان کے تیر سے کوئی آدمی مرتا تو نہیں تھا؛ البتہ زخمی ضرور ہو جاتا تھا۔ کبھی کبھی دشمنوں کی ان پر نظر پڑ جاتی اور وہ ان کو پکڑنے کی کوشش کرتے، مگر جو شخص گھوڑے سے زیادہ تیز رفتار ہو، اسے کون پکڑ سکتا ہے۔ چنانچہ مشرکین کو ناکام لوٹنا پڑتا اور حضرت سلمہؓ تھوڑی دیر بعد ان کے پیچھے آموجود ہوتے اور یہ رجزیہ شعر پڑھتے ہوئے تیر چلانا شروع کر دیتے۔

اَنَا ابنُ الاَکوَعْ وَالیَومَ یَومُ الرُّضَّعُ

(میں اکوع کا بیٹا ہوں۔ اور آج دودھ پینے والوں کی آزمائش کا دن ہے)

یعنی کس نے بہادر ماں کا دودھ پیا ہے اور کس نے بزدل ماں کا۔

اس آنکھ مچولی سے مشرکین سخت زِچ ہوئے۔ ان کے بیشتر آدمی زخمی ہو گئے اور ان کے لئے فرار کے سوا کوئی راستہ باقی نہ رہا۔ مگر حضرت سلمہؓ سے فرار بھی ان کے بس میں نہیں تھا۔ غرضیکہ نہ جائے رفتن، نہ پائے ماندن والا معاملہ تھا۔

آخر انہوں نے ایک درے میں پناہ لی کہ اس طرح کچھ تحفظ حاصل ہو جائے گا، مگر یہاں حضرت سلمہؓ نے ایک اور طریقہ اختیار کیا۔ وہ تیزی سے دوڑتے ہوئے درے والی پہاڑی پر چڑھ گئے اور اوپر سے پتھر لڑھکانے شروع کر دیئے۔ اس بلائے ناگہانی سے مشرکین بدحواس ہو گئے اور اپنی چادریں، نیزے اور جانِ دو عالم ﷺ کی بیشتر اونٹنیاں چھوڑ کر بھاگ اُٹھے اور درے سے باہر نکل گئے۔ یہاں پہنچ کر انہیں قدرے سکون ملا اور بیٹھ کر ستانے لگے۔ حضرت سلمہؓ بھی پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھے ان کا نظارہ کر رہے تھے اور ان کی بدحواسیوں سے محظوظ ہو رہے تھے۔

اسی دوران ایک اور شخص مشرکین کے پاس آیا اور حضرت سلمہؓ کی طرف اشارہ کر کے پوچھنے لگا کہ یہ کون ہے؟

مشرکین نے فریاد کناں لہجے میں جواب دیا۔۔۔ ''ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ یہ کون

ہے، لیکن اس کے ہاتھوں ہمیں بدترین ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ اس نے ہمارے متعدد آدمی زخمی کر دیئے ہیں اور ہمارا زیادہ تر سامان چھین لیا ہے۔"

اس شخص نے مشورہ دیا کہ تم چار بہادر قسم کے شخص تیار کرو، جو اس کو چاروں طرف سے گھیر کر پکڑ لیں۔

مشرکین کو یہ مشورہ مناسب معلوم ہوا۔ انہوں نے چار بہترین جنگ آزما تیار کئے اور انہیں حضرت سلمہؓ کو پکڑنے بھیجا۔ حضرت سلمہؓ کی ان پر نظر پڑی تو بآوازِ بلند ان سے پوچھا---"کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟"

"نہیں۔" سب نے جواب دیا۔

"تو سن لو کہ میں اکوع کا بیٹا ہوں۔ اور اس ذات کی قسم جس نے روئے مصطفٰے کو مکرم بنایا ہے---وَالَّذِیْ کَرَّمَ وَجْهَ مُحَمَّدٍ---کہ تم میرے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکو گے، کیونکہ تم میں سے کوئی بھی مجھ تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب کہ میں تم میں سے جس کو چاہوں، چند لمحوں میں گرفتار کر سکتا ہوں۔"

یہ کوئی بے دلیل دعویٰ نہیں تھا۔ حضرت سلمہؓ کی گزشتہ کارگزاری ان کی صداقت پر شاہد تھی۔ پھر حضرت سلمہؓ کے پر اعتماد انداز اور خوفناک لہجے نے ان کو مزید دہشت زدہ کر دیا اور وہ یہ کہتے ہوئے بھاگ گئے کہ تم صحیح کہتے ہو، واقعی تم ہمارے بس سے باہر ہو۔

حضرت اخرم رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت سلمہؓ تو وَاصَبَاحَاہ کا اعلان کر کے دشمن کے تعاقب میں چلے گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد جانِ دو عالم ﷺ نے جمع ہو جانے والے جانبازوں کا ایک دستہ تیار کیا اور انہیں کہا کہ تم دشمن تک پہنچنے کی کوشش کرو، ہم بھی پیچھے آ رہے ہیں۔

اس دستے میں ایک صحابی حضرت اخرم اسدیؓ بھی شامل تھے۔ انہوں نے چند دن پہلے خواب دیکھا تھا کہ وہ پرواز کرتے ہوئے ساتوں آسمانوں کو عبور کر کے سدرۃ المنتہیٰ تک جا پہنچے ہیں اور وہاں انہیں کہا جا رہا ہے کہ---هٰذَا مَنْزِلُکَ (یہ تیری منزل ہے۔)

یہ خواب انہوں نے صدیق اکبرؓ سے بیان کیا تو انہوں نے تعبیر بتاتے ہوئے کہا

''اَبْشِرْ بِالشَّھَادَۃِ'' (مبارک ہو کہ تجھے شہادت ملنے والی ہے۔)

اس خواب کے بعد وہ شہادت کے لئے بے تاب رہنے لگے۔ اسی بے قراری کی وجہ سے وہ دستے کا ساتھ نہ دے سکے اور آگے بڑھ گئے۔ راستہ معلوم کرنا کچھ مشکل نہ تھا کیونکہ حضرت سلمہؓ کی تیراندازی سے گھبرا کر مشرکین جابجا اپنا کچھ نہ کچھ سامان گراتے رہے تھے۔ چنانچہ حضرت اخرمؓ جلد ہی دشمن تک جا پہنچے۔ اس وقت حضرت سلمہؓ پہاڑی پر بیٹھے تھے اور مشرکین پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ انہوں نے جب حضرت اخرمؓ کو تن تنہا دشمن کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تو پہاڑی سے نیچے اتر آئے اور حضرت اخرمؓ سے کہنے لگے

''تم اکیلے کیوں مشرکین کی طرف جا رہے ہو؟ اس طرح تو وہ تمہاری تکہ بوٹی کر ڈالیں گے، ذرا صبر کرو اور باقی ساتھیوں کو پہنچ لینے دو۔''

مگر حضرت اخرمؓ تو ''شہادت ہے مطلوب و مقصود مؤمن'' کے جذبے سے سرشار تھے، بولے ---''سلمہ! اگر تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو تو میرے اور شہادت کے درمیان حائل ہونے کی کوشش نہ کرو!''

یہ کہتے ہوئے حضرت اخرمؓ آگے بڑھ گئے اور ایک زوردار مقابلے کے بعد عروسہ شہادت سے ہم آغوش ہو گئے۔ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

جانِ دو عالم ﷺ کی روانگی

کچھ افراد تو پہلے جانے والے دستے میں شامل ہو گئے تھے، باقی ماندہ جاں نثار جانِ دو عالم ﷺ کی معیت میں روانہ ہوئے۔ حضرت ابوقتادہؓ کے پاس بہت عمدہ اور تیز رفتار گھوڑا تھا اور وہ آگے نکلنا چاہتے تھے، مگر آپ کی اجازت کے بغیر ایسا کرنے سے ہچکچا رہے تھے۔ آپ ان کی کیفیت سمجھ گئے اور فرمایا

''اِمْضِ اَبَاقَتَادَۃَ! صَحِبَکَ اللّٰہُ''--- (جاؤ ابوقتادہ، اللہ تمہارے ساتھ ہو۔)

نہ صرف اجازت مل گئی؛ بلکہ صَحِبَکَ اللّٰہُ کی دعا بھی مل گئی۔ چنانچہ ابوقتادہؓ نے گھوڑے کو مہمیز کیا اور آگے نکل گئے۔

ایک مشرک مسعدہ فرازی کسی وجہ سے اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ گیا تھا، حضرت

ابوقتادہؓ نے اس کو جالیا۔ اس کے ساتھ حضرت ابوقتادہؓ کی نوک جھونک پہلے بھی ہوتی رہتی تھی۔ ایک بار حضرت ابوقتادہؓ نے گھوڑا خریدا۔ مسعدہ بھی اس گھوڑے کو خریدنا چاہتا تھا، مگر حضرت ابوقتادہؓ پہلے سودا کر چکے تھے اس لئے مسعدہ ناکام رہ گیا اور جھنجلا کر حضرت ابوقتادہؓ سے جھگڑنے لگا۔

حضرت ابوقتادہؓ نے کہا---''میری خواہش ہے کہ میرا تیرا سامنا کبھی میدانِ جنگ میں ہو اور میں اس وقت اسی گھوڑے پر سوار ہوں۔''

حسنِ اتفاق سے آج حضرت ابوقتادہؓ اسی گھوڑے پر سوار تھے اور دونوں ایک دوسرے کے مدمقابل تھے۔

مسعدہ نے کہا---''ابوقتادہ! آخر تیرا میرا مقابلہ آ ہی گیا۔''

ابوقتادہ نے جواب دیا---''ہاں! واقعی آج مقابلے کا دن ہے۔ اب تو بتا کہ کس طرح کا مقابلہ کرنا پسند کرے گا---؟ شمشیرزنی، نیزہ بازی یا کشتی، جو طریقہ بھی تمہیں پسند ہو میں اس کے لئے تیار ہوں۔''

''کشتی ٹھیک رہے گی۔'' مسعدہ نے کہا اور گھوڑے سے اتر آیا۔ ابوقتادہؓ نے بھی یہی کیا۔ دونوں نے اپنی تلواریں درخت کے ساتھ لٹکا دیں اور پنجہ آزمائی شروع کر دی۔

مسعدہ اگرچہ بہت طاقتور اور زورآور انسان تھا، مگر ابوقتادہؓ بھی کسی سے کم نہ تھے، انہوں نے جلد ہی مسعدہ کو زمین پر دے پٹخا اور اس کے سینے پر چڑھ بیٹھے۔ درخت کے ساتھ مسعدہ کی تلوار لٹک رہی تھی۔ ابوقتادہؓ نے ہاتھ بڑھا کر اسے اتار لیا اور مسعدہ کا کام تمام کرنا چاہا۔ مسعدہ نے موت کو سامنے دیکھا تو فریاد کرنے لگا

''مجھے مت مارو، مجھے زندہ رہنے دو!''

''اللہ کی قسم، میں تجھے کسی صورت میں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' ابوقتادہؓ نے جواب دیا۔

''میرے بعد میرے بچوں کا کیا ہوگا؟'' مسعدہ نے بچوں کے نام پر حضرت ابوقتادہؓ کا جذبۂ ترحم ابھارنے کی کوشش کی، مگر یہ چیزیں جنگ سے پہلے سوچنے کی ہوتی ہیں۔ اگر کسی کو بچوں کا اتنا ہی خیال ہے تو وہ جنگ میں شامل ہی نہ ہو۔

ابوقتادہؓ اس کی بزدلانہ باتوں سے جھنجھلا گئے اور کہا

''تیرے بچے جائیں جہنم میں۔''--- اور اس کے ساتھ ہی اس کے سینے میں تلوار گھونپ دی۔

مسعدہ کو واصل جہنم کرنے کے بعد حضرت ابوقتادہؓ پھر مشرکین کے تعاقب میں چل پڑے اور ایک مناسب مقام پر ان پر اچانک حملہ کر دیا، مسعدہ کے بھتیجے نے مقابلے کی کوشش کی، مگر ابوقتادہؓ کے ایک ہی بھرپور وار سے اس کی کمر ٹوٹ گئی اور وہ گر کر تڑپنے لگا۔

اس کا یہ حشر دیکھ کر اس کے ساتھی گھبرا گئے اور جانِ دو عالم ﷺ کی چند اونٹنیاں جو ابھی تک ان کے پاس تھیں، چھوڑ کر بھاگ گئے۔ حضرت ابوقتادہؓ نے ان اونٹنیوں کو یکجا کیا اور ہانکتے ہوئے جانِ دو عالم ﷺ کے پاس لے آئے۔

اس وقت جانِ دو عالم ﷺ ایک پہاڑی کے دامن میں رونق افروز تھے۔ حضرت سلمہؓ بھی اوپر سے اتر آئے۔ جانِ دو عالم ﷺ ان دونوں کی غیر معمولی جرأت وشجاعت سے بے حد مسرور تھے اور فرمار ہے تھے---''پیدل فوج کا سردار سلمہ ابن اکوع ہے اور سواروں کا سردار ابوقتادہ ہے۔''

حضرت ابوقتادہؓ کے چہرے میں لوہے کا ٹکڑا دھنسا ہوا دیکھ کر جانِ دو عالم ﷺ نے پوچھا---''یہ کیا ہے؟''

حضرت ابوقتادہؓ نے کہا---''یارسول اللہ! دشمن کا ایک تیر لگ گیا تھا۔ میں نے کھینچ کر اس کو نکالنے کی کوشش کی، تو اوپر والا حصہ جدا ہو کر میرے ہاتھ میں آ گیا اور پھل کا یہ حصہ رخسار ہی میں اٹکا رہ گیا ہے۔''

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا---''قریب آؤ!''

حضرت ابوقتادہؓ نزدیک ہوئے تو جانِ دو عالم ﷺ نے نہایت احتیاط اور نرمی سے خود وہ ٹکڑا نکالا۔ ٹکڑا نکلتے ہی خون ابلنے لگا۔ جانِ دو عالم ﷺ نے اس پر تھوکا اور اس کے اوپر اپنی ہتھیلی جما دی۔ اسی وقت نہ صرف یہ کہ خون نکلنا بند ہو گیا؛ بلکہ حیرت انگیز طور پر زخم یکسر مندمل ہو گیا۔

حضرت ابوقتادہؓ خود فرماتے ہیں

''اس ذات کی قسم، جس نے رسول اللہ کو نبوت سے سرفراز کیا ہے، میرا زخم اسی وقت یوں ٹھیک ہوگیا، جیسے کبھی لگا ہی نہیں تھا۔''

حضرت سلمہؓ نے عرض کی

یارسول اللہ! مشرکین پیاس سے بے حال ہو رہے ہیں کیونکہ میں نے انہیں پانی پینے کے لئے کہیں دم ہی نہیں لینے دیا۔ اگر آپ مجھے سو آدمی دے دیں تو میں ان کو تہس نہس کردوں اور ان کا تمام سامان اور مویشی چھین لاؤں۔''

جانِ دوعالم ﷺ حضرت سلمہؓ کی یہ بے تابی دیکھ کر ہنس پڑے اور فرمایا

''جانے دو سلمہ! اب انہیں معاف کردو۔''

حضرت سلمہؓ کی تجویز حربی نکتہ نظر سے واقعی لاجواب تھی۔ جس شخص نے تن تنہا دشمنوں کو ناکوں چنے چبوا دیئے تھے، اس کو اگر سو مددگار مل جاتے تو مشرکین میں سے ایک شخص بھی زندہ نہ بچ سکتا۔ مگر جانِ دوعالم ﷺ نے شاید اس خیال سے کہ ہمیں ہماری اونٹنیاں واپس مل چکی ہیں۔ دشمن کے دو آدمی مارے گئے ہیں، کئی زخمی ہوگئے ہیں اور وہ سب پیاس سے نڈھال ہو رہے ہیں، مزید تعاقب مناسب نہ سمجھا اور اپنی فطری رحمت و رأفت کے پیشِ نظر ان سے درگزر کردیا۔(۱) صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمْ.

---

(۱) غزوۂ ذی قرد کے واقعات ترتیب دینے کے لئے صحاح ستہ اور سیرت حلبیہ سے مدد لی گئی ہے۔

قارئین کرام! آپ نے متن میں حضرت سلمہؓ اور حضرت ابوقتادہؓ کی حیران کن شجاعت و بسالت کے واقعات پڑھے۔ آیئے ان دونوں جیالوں کی زندگی کے مزید ایمان افروز حالات کا مطالعہ کریں۔

۱---حضرت سلمہ کے والد ماجد کا نام اکوع تھا۔ وہ بھی قدیم الاسلام صحابی تھے۔ ان کے دو بیٹے تھے، عامرؓ اور سلمہؓ دونوں ہی نہایت بہادر اور مرد میدان تھے۔ حضرت عامرؓ غزوۂ خیبر میں جانِ دوعالم ﷺ کی معیت میں لڑتے ہوئے شہید ہوگئے تھے۔ اگرچہ شدید ترین مقابلے کے بعد انہوں نے اپنے زور آور حریف کو قتل کردیا تھا، مگر اس معرکے کے دوران اپنے ہی ہاتھوں خود بھی سخت زخمی ہوگئے ☜

تین سرایا

غزوۂ ذی قرد کے بعد اسی سال یعنی ۶ ھ میں ربیع الاول اور ربیع الآخر کے دو مہینوں میں جانِ دو عالم ﷺ نے تین حربی مہمات روانہ فرمائیں۔ پہلی حضرت عکاشہؓ کی قیادت میں غمر اور مرزوق نامی مقامات کی طرف۔ اس مہم میں دشمن مقابلے کے بغیر ہی فرار ہو گئے اور مالِ غنیمت کے طور پر دو سو اونٹ مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔

دوسری مہم حضرت محمد ابن مسلمہؓ کی سرکردگی میں مدینہ منورہ سے چوبیس میل کے

تھے اور جان، جانِ آفریں کے سپرد کر دی تھی۔ چونکہ ان کی موت کا سبب وہ زخم تھا جو ان کو اپنے ہی ہاتھ سے لگا تھا۔ اس لئے بعض لوگوں نے کہا کہ عامر نے خودکشی کی ہے اور حرام موت مرا ہے' اس لئے اس کے سارے اعمال ضائع ہو گئے ہیں۔

حضرت سلمہؓ کو یہ باتیں سن کر بہت دکھ ہوا۔ اور جانِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی---''یارسول اللہ! کچھ لوگ میرے بھائی کے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ اس نے اپنے آپ کو قتل کیا ہے، اس لئے اس کے تمام اعمال ضائع ہو گئے ہیں۔ کیا واقعی ایسا ہی ہے یارسول اللہ!؟''

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا---''جو شخص یہ بات کہتا ہے وہ جھوٹ کہتا ہے۔ تیرے بھائی کو تو دگنا اجر ملے گا کیونکہ وہ ایک جانباز مجاہد تھا۔ عربوں میں اس جیسا بہادر شاید ہی کوئی اور ہو۔''

جانِ دو عالم ﷺ کی زبان سے اپنے بھائی کے بارے میں یہ مسرور کن کلمات سن کر حضرت سلمہؓ خوش ہو گئے اور ان کی پریشانی دور ہو گئی۔

حضرت سلمہؓ کی زندگی کا بیشتر حصہ حرب و ضرب میں ہی گزرا۔ خود فرماتے ہیں کہ سات غزوات میں تو میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حصہ لیا اور نو جنگی مہمات میں زید ابن حارثہ کی قیادت میں شریک ہوا۔ گویا سولہ جنگوں میں انہوں نے حصہ لیا اور مردانگی کے جوہر دکھائے۔

کسی آدمی کو موت کے گھاٹ اتار دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک اجنبی شخص مدینہ میں گھومتا نظر آیا۔ کسی نے رسول اللہ ﷺ کو مطلع کیا کہ یہ مشرکین کا جاسوس ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس کو قتل کرے گا، وہی اس کی زرہ اور تلوار وغیرہ کا حقدار ہو گا۔ یہ سن کر میں اُٹھا اور اسی وقت جا کر اس کو مار ڈالا اور اس کی زرہ وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔

فاصلے پر واقع ایک بستی ذی القصہ کی جانب روانہ کی گئی۔ محمد ابن مسلمہؓ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ایک مقام پر پڑاؤ ڈالے آرام کر رہے تھے کہ اچانک دشمن نے ان کو چاروں طرف سے گھیر کر بھرپور حملہ کر دیا۔

محمد ابن مسلمہؓ کا دستہ صرف دس آدمیوں پر مشتمل تھا، جب کہ دشمن بہت زیادہ تعداد

حدیبیہ کے موقع پر انہوں نے اس بیعت میں بھی حصہ لیا جو بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے اور جس کے بارے میں ارشاد ربانی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام مؤمنین سے راضی ہے جو اس بیعت میں شامل ہوئے۔

(لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ۔)

حضرت سلمہؓ فرماتے ہیں کہ اس دن میں ابتداء ہی میں بیعت ہو گیا تھا۔ بعد میں بیعت ہونے والوں کا ہجوم ہو گیا تو میں ایک طرف ہو گیا۔ جب نصف کے قریب لوگ بیعت سے فارغ ہو گئے تو رسول اللہ نے مجھ سے پوچھا

''سلمہ! تم بیعت نہیں ہوتے؟''

''یارسول اللہ! میں تو ہو چکا ہوں۔'' میں نے عرض کی

''تو آؤ! دوبارہ ہو جاؤ'' رسول اللہ نے فرمایا

چنانچہ میں نے ایک بار پھر بیعت کی سعادت حاصل کر لی۔

جب اکثر لوگ بیعت ہو چکے اور صرف چند آدمی باقی رہ گئے تو رسول اللہ نے دوبارہ مجھ سے پوچھا---''سلمہ! تم بیعت نہیں ہوتے؟''

''میں تو دو مرتبہ بیعت ہو چکا ہوں یارسول اللہ!'' میں نے عرض کی

''تو آؤ! ایک بار پھر ہو جاؤ!'' رسول اللہ نے فرمایا۔

چنانچہ میں نے تیسری بار آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کا شرف پایا۔

اس طرح حضرت سلمہؓ کو اس دن تین دفعہ بیعت ہونے کا اعزاز حاصل ہوا اور بلاشبہ یہ ایک بے مثال اعزاز ہے۔

غالباً اسی بناء پر جانِ دو عالم ﷺ کے وصال کے بعد لوگ حضرت سلمہؓ کی زیارت اور ☜

میں تھے، پھر حملہ بھی بے خبری میں کیا گیا تھا اس لئے مسلمانوں کو بہت نقصان اُٹھانا پڑا۔
محمد ابن مسلمہؓ کے بیشتر ساتھی شہید ہو گئے، خود محمد ابن مسلمہؓ بھی اتنی بری طرح زخمی ہوئے کہ دشمن ان کو مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے۔ بعد میں ایک مسلمان کا اتفاقاً اس طرف سے گزر ہوا تو اس نے بہت سے شہداء کی لاشیں دیکھ کر اِنَّا لِلّٰہِ پڑھا۔ اس کی آواز سن کر محمد ابن مسلمہؓ

ملاقات کے لئے جایا کرتے تھے۔
حضرت عبدالرحمٰن ابن زید بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم حضرت سلمہؓ کی .یارت کے لئے گئے۔ ان دنوں وہ ''ربذہ'' نامی جگہ میں مقیم تھے۔ انہوں نے اپنا ہاتھ ہمارے سامنے کیا جو اونٹ کے پاؤں کی طرح موٹا تازہ اور مضبوط تھا اور فرمایا
''میں نے اپنے اس ہاتھ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی تھی۔''
حضرت عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ یہ سن کر ہم سب نے احتراماً ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔
۷۴ھ میں آپ واصل بحق ہو گئے۔ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ
۲---حضرت ابوقتادہؓ کا تعلق بھی انصار کے ساتھ تھا۔ ان کو جانِ دو عالم ﷺ نے بہترین شہسوار قرار دیا تھا۔ اس لئے ان کا لقب ہی ''فَارِسُ رَسُوْلِ اللّٰہِ'' پڑ گیا۔ یعنی رسول اللہ کا شہسوار۔
غزوۂ بدر کے علاوہ باقی تمام غزوات کی شمولیت پر مؤرخین کا اتفاق ہے؛ البتہ بدر میں اختلاف ہے۔ بعض مؤرخین ان کو غزوۂ بدر میں شامل نہیں مانتے۔ لیکن ہمارے خیال میں یہ بات درست نہیں ہے۔ کیونکہ اصابہ میں خود ابوقتادہؓ کی زبانی یہ روایت مذکور ہے کہ میں نے بدر کی رات رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی اور آپ نے مجھے دعا دی، کہ جس طرح تو نے میری حفاظت کی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ تیری بھی حفاظت فرمائے۔
ایک سفر میں ابوقتادہؓ جانِ دو عالم ﷺ کے ہمسفر تھے کہ اچانک جانِ دو عالم ﷺ پر نیند کا غلبہ ہو گیا اور آپ اپنی سواری پر ایک طرف کو جھک گئے۔ ابوقتادہؓ جلدی سے آگے بڑھے اور آپ کو تھام لیا۔ اس وقت بھی آپ نے یہی دعا دی کہ جس طرح تو نے اس وقت مجھے بچایا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ تجھے بھی بچائے۔
ابوقتادہؓ لگی لپٹی رکھنے کے قائل نہیں تھے اور جو کچھ دل میں ہوتا تھا دوسرے کے منہ پر کہہ دیتے تھے۔
حضرت معاویہؓ اپنے دورِ خلافت میں ایک بار مدینہ منورہ تشریف لائے تو ابوقتادہؓ ☜

کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور زندگی کے آثار نمودار ہوئے تو اس نے ان کو اٹھا کر زخمی حالت میں مدینہ پہنچایا۔

جانِ دو عالم ﷺ کو اس واقعے کا بہت افسوس ہوا اور آپ نے اسی وقت دشمنوں کی سرکوبی کے لئے ایک اور مہم روانہ فرمائی، مگر دشمن پہاڑوں میں چھپ گئے اور مسلمانوں کے

سے آمنا سامنا ہو گیا۔ ابو قتادہؓ کو حضرت معاویہؓ سے نظریاتی اختلاف تھا، اس لئے وہ حضرت معاویہؓ کو پسند نہیں کرتے تھے۔ حضرت معاویہؓ کو شاید اس بات کا علم نہیں تھا، اس لئے انہوں نے ابو قتادہؓ سے محبت بھرا گلہ کیا کہ مجھے سب لوگ ملنے کے لئے آتے ہیں۔ مگر جماعتِ انصار کا کوئی فرد کبھی نہیں آیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

حضرت ابو قتادہؓ نے کہا---''ہمارے پاس سواریاں ہی نہیں ہیں۔''

''کیوں---؟ آپ لوگوں کی اونٹنیاں کیا ہوئیں؟'' حضرت معاویہؓ نے حیرت سے پوچھا

''وہ تو ہم نے غزوۂ بدر کے دن تمہاری اور تمہارے باپ کی تلاش میں ذبح کر ڈالی تھیں۔''

یہ حضرت معاویہؓ پر طنز تھی کیونکہ وہ اور ان کے والد ابو سفیانؓ اس وقت غیر مسلم تھے۔ مگر حضرت معاویہؓ نے ان کی اس بات کا ذرا بھی برا نہ منایا؛ بلکہ نہایت تحمل مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا

''ہاں! ٹھیک ہے، ایسا ہی ہوا تھا۔''

اس واقعہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابو قتادہؓ بدر میں شریک ہوئے تھے، ورنہ بدر کے دن اونٹنیاں ذبح کرنے کی بات نہ کرتے۔

واضح رہے کہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ آپ کے اختلاف کا سبب دراصل حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کا اختلاف تھا۔ حضرت ابو قتادہؓ چونکہ حضرت علیؓ کے پر جوش حامی تھے اور ان کے دورِ خلافت میں جتنی بھی جنگیں ہوئی تھیں، ان میں بڑھ چڑھ کر، حصہ لیتے رہے تھے، اس لئے حضرت معاویہؓ کے ساتھ ان کا اختلاف فطری تھا۔ تاہم یہ اختلاف آج کل کے اختلافات کی طرح شخصی دشمنی اور ذاتی عناد پر مبنی نہ تھا۔ اسی لئے حضرت معاویہؓ کے مقرر کردہ عاملِ مدینہ مروان نے جب ان سے علمی استفادہ کرنا چاہا تو انہوں نے بخوشی یہ ذمہ داری نباہی۔

چنانچہ امام بخاری نے اوسط میں لکھا ہے کہ جب مروان حضرت معاویہؓ کی طرف سے ☜

ہاتھ نہ آسکے؛ البتہ ان کے مویشی اور دیگر گھریلو سامان بطور غنیمت حاصل ہوا۔

تیسری مہم حضرت زید ابن حارثہؓ کی کمان میں بنی سلیم کی جانب بھیجی گئی۔ اس مہم میں دشمن کے چند آدمی گرفتار ہوئے اور کچھ مویشی وغیرہ ہاتھ آئے

سریہ زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ

قارئین کرام! ہم غزوۂ بدر کے آغاز میں ذکر کر چکے ہیں کہ اہل مکہ کا زور توڑنے کے لئے ضروری تھا کہ شام کے ساتھ ان کے تجارتی روابط منقطع کیے جائیں۔ اسی بناء پر شام سے آنے والے ابوسفیان کے قافلے کو روکنے کی کوشش کی گئی، جو ابوسفیان کے راستہ بدل لینے کی وجہ سے کامیاب تو نہ ہوسکی، مگر یہ کوشش غزوۂ بدر پر منتج ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح مبین عطا فرمائی اور ان کی شوکت وہیبت کی دھاک پورے عرب پر بیٹھ گئی۔ اب مشرکین نے شام کے ساتھ تجارت شروع کر دی تھی اور جانِ دو عالم ﷺ کو اطلاع ملی کہ ابوالعاص کی قیادت میں ایک قافلہ شام سے بہت سا سامان اور سونا چاندی لے کر آرہا ہے۔ جانِ دو عالم ﷺ نے اس کو روکنے کے لئے حضرت زید بن حارثہ کی کمان میں ایک

امیر مدینہ تھا تو اس نے ابوقتادہؓ کی طرف آدمی بھیجا کہ جہاں جہاں نبی ﷺ اور ان کے اصحاب مختلف مواقع پر قیام کرتے رہے ہیں، ان جگہوں کی نشان دہی کر دیں تا کہ ان مقدس مقامات کے تحفظ اور دیکھ بھال کا اہتمام کیا جاسکے۔ ابوقتادہؓ نے بخوشی یہ کام کرنا منظور کر لیا اور تمام مطلوبہ جگہوں کی پوری پوری نشاندہی کر دی۔

حضرت ابوقتادہؓ کے مقامِ وفات اور سنِ وفات دونوں میں شدید اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مدینہ میں فوت ہوئے اور بعض کہتے ہیں کہ کوفہ میں۔ اسی طرح بعض کہتے ہیں کہ ۴۰ ھ میں وفات پائی اور بعض ۶۰ ھ کہتے ہیں۔ امام بخاری نے کہا ہے کہ پچاس اور ساٹھ ہجری کے درمیانے عشرے میں کسی وقت ان کا وصال ہوا۔ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

واقعات کی ترتیب کے لئے صحیح مسلم ج ۲، باب غزوۂ ذی قرد، طبقات ابن سعد ج ۴، ذکر سلمہ ابن اکوع، اصابہ ج ۴، ذکر ابوقتادہ، مستدرک حاکم ج ۳، باب مناقب ابی قتادہ، استیعاب، ج ۳، ذکر معاویہ سے مدد لی گئی ہے۔

دستہ تیار کیا اور انہیں قافلے کی تسخیر کے لئے بھیج دیا۔

ابوالعاص نے کسی قسم کی مزاحمت نہ کی اور ان کے ساتھ مدینہ چلا آیا۔ جب رات گزری اور جانِ دو عالم ﷺ صبح کی نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو اچانک جانِ دو عالم ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر اعلان کر دیا

''مسلمانو! مطلع ہو کہ میں نے ابوالعاص کو امان دے دی ہے۔'' (۱)

نماز سے فراغت کے بعد جانِ دو عالم ﷺ نے نمازیوں سے پوچھا کہ تم نے بھی زینب کا اعلان سنا ہے؟

سب نے کہا---''جی ہاں! یارسول اللہ!''

آپ نے فرمایا---''مسلمانوں کا کوئی ادنیٰ شخص بھی اگر کسی کو امان اور پناہ دے دے تو سب پر اس کی پاسداری لازم ہو جاتی ہے۔ اس لئے میں بھی ابوالعاص کو امان دیتا ہوں۔''

اس کے بعد آپ گھر تشریف لے گئے تو حضرت زینبؓ نے کہا---''یارسول اللہ! میں چاہتی ہوں کہ ابوالعاص کو اس کا سارا سامان بھی واپس کر دیا جائے۔''

سامان اگرچہ تقسیم ہو چکا تھا، مگر جانِ دو عالم ﷺ نے ان لوگوں کو بلایا جو اس مہم میں شامل تھے اور کہا کہ ابوالعاص کے ساتھ میری رشتہ داری کا تمہیں علم ہی ہے۔ اگر تم لوگ اس کا سامان واپس کر دو تو مجھے خوشی ہوگی۔ ویسے یہ کوئی حکم نہیں ہے۔ اگر تم چاہو تو وہ سامان رکھ بھی سکتے ہو، کیونکہ اس پر تمہارا حق ہے۔

صحابہ کرام کو جانِ دو عالم ﷺ کی رضا اور خوشنودی کے سوا اور کیا چاہئے تھا۔ انہوں نے بخوشی تمام سامان واپس کر دیا اور ابوالعاص سب کچھ لے کر مکہ روانہ ہو گیا۔

---

(۱) واضح رہے کہ حضرت زینب، ابوالعاص کی بیوی تھیں، یہ نکاح جانِ دو عالم ﷺ کے اعلانِ نبوت سے پہلے ہوا تھا۔ بعد میں حضرت زینبؓ تو ہجرت کر کے جانِ دو عالم ﷺ کے پاس آ گئی تھیں مگر ابوالعاص ابھی تک اپنے آبائی مذہب پر تھا۔ ابوالعاص غزوۂ بدر میں بھی گرفتار ہو گیا تھا اور حضرت زینبؓ نے فدیہ کے طور پر اپنا ہار بھیج کر اسے چھڑایا تھا۔ تفصیل جلد اول ص ۴۳۶ پر گزر چکی ہے۔

مدینہ منورہ میں جانِ دو عالم ﷺ اور مسلمانوں کے حسنِ سلوک سے ابوالعاص اس قدر متاثر ہوا کہ جب وہ مکہ پہنچا اور اہل مکہ کو ان کا سامان بمعہ تجارتی منافع کے پہنچا دیا تو ان سے پوچھا کہ میرے پاس تمہاری کوئی چیز رہ تو نہیں گئی؟

سب نے کہا۔۔۔ ''نہیں۔''

ابوالعاص نے پھر پوچھا۔۔۔ ''کیا میں نے تمہارا حق پورا پورا ادا کر دیا ہے؟''

سب نے کہا۔۔۔ ''ہاں! اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے۔ واقعی تم حق ادا کرنے والے کریم النفس انسان ہو۔''

ابوالعاص نے کہا۔۔۔ ''تو پھر تم سب گواہ رہو کہ اَشْهَدُاَنْ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَ اَشْهَدُاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. اللہ کی قسم! میں تو وہیں مدینہ میں اسلام لانا چاہتا تھا مگر پھر اس خیال سے رک گیا کہ شاید تم کہو کہ ہمارا مال ہڑپ کرنے کے لئے مسلمان ہو گیا ہے۔ اب چونکہ میں اس ذمہ داری سے فارغ ہو چکا ہوں، اس لئے اپنے اسلام کا اعلان کر رہا ہوں۔''

اس کے بعد حضرت ابوالعاصؓ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے اور جانِ دو عالم ﷺ نے حضرت زینبؓ کو پھر ان کے عقد میں دے دیا۔

چند سرایا اور ابو رافع کا قتل

اس کے بعد یکے بعد دیگرے چند سرایا مختلف مقامات کی طرف روانہ کئے گئے مگر اکثر جگہوں پر دشمن سامنے آنے کی جرأت نہ کر سکے اور بھاگ گئے۔ چنانچہ یہ مہمات بغیر کسی نمایاں مقابلے کے مالِ غنیمت لے کر واپس آتی رہیں۔ ان مہمات کے نام یہ ہیں۔

۱- سریہ جسمیٰ ۲- سریہ وادی القریٰ ۳- سریہ دومۃ الجندل ۴- سریہ بنی سعد ۵- سریہ ام قرفہ۔

چونکہ ان سرایا میں کوئی خاص قابلِ ذکر واقعہ پیش نہیں آیا، اس لئے ان کے اسی قدر ذکر پر اکتفا کرتے ہوئے آپ کو قتلِ ابو رافع کا دلچسپ قصہ سناتے ہیں۔

دشمنِ رسول کعب ابن اشرف یہودی کے قتل کا واقعہ پہلے گزر چکا ہے۔ اس کو قبیلۂ اوس کے جوانوں نے قتل کیا تھا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ انصار کے دونوں قبیلے اوس اور خزرج،

جانِ دو عالم ﷺ کو خوش کرنے کے لئے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کیا کرتے تھے اور اگر ایک قبیلہ کوئی کارنامہ انجام دے کر جانِ دو عالم ﷺ کی خوشنودی حاصل کر لیتا تھا تو دوسرا بھی کوئی ایسا ہی کام کر دکھانے کے لئے بے تاب ہو جاتا تھا۔ چنانچہ جب اوس نے کعب ابن اشرف کو قتل کر کے جانِ دو عالم ﷺ کو خوش کر دیا تو خزرج نے سوچا کہ ہمیں بھی کسی ایسے ہی موذی اور دشمنِ خدا و رسول یہودی کا کام تمام کر کے جانِ دو عالم ﷺ کو مسرور کرنا چاہئے۔

مشورے کے بعد آخر ان کی نگاہِ انتخاب ابو رافع پر پڑی اور بالکل صحیح پڑی، کیونکہ اس بدبخت نے جانِ دو عالم ﷺ اور اہل ایمان کو بہت ستایا تھا۔ غزوۂ احزاب میں قبائل کو جمع کرنے اور پھر ان کو مدینہ پر چڑھا لانے میں اس شخص کا بڑا ہاتھ تھا۔ اس سلسلے میں تمام اخراجات اسی نے برداشت کئے تھے۔ اس وقت حی ابن اخطب بھی اس کے ساتھ تھا۔ غزوۂ بنی قریظہ میں حی ابن اخطب مارا گیا تو ابو رافع اس کا جانشین بن گیا اور اپنی تمام صلاحیتیں مسلمانوں کو زک پہنچانے میں صرف کرنے لگا۔ کہا کرتا تھا کہ میرے پیش رو، محمد اور مسلمانوں کا خاتمہ اس لئے نہیں کر سکے کہ انہوں نے صحیح منصوبہ بندی نہیں کی تھی۔ میں گرد و نواح کے تمام قبائل کو اکٹھا کر کے مدینہ پر ایسا بھرپور حملہ کروں گا کہ گزشتہ تمام کوتاہیوں کی تلافی ہو جائے گی۔

مختصر یہ کہ یہ شخص کعب ابن اشرف سے کسی طرح کم نہیں تھا۔ چنانچہ خزرج نے جانِ دو عالم ﷺ سے درخواست کی کہ ہمیں اس کو قتل کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ جانِ دو عالم ﷺ نے اجازت دے دی اور حضرت عبداللہ ابن عتیکؓ کی قیادت میں چار افراد پر مشتمل ایک مہم اس کو جہنم واصل کرنے کے لئے روانہ فرمائی۔

ابو رافع خیبر کے قریب اپنے ذاتی قلعے میں رہتا تھا۔ قلعہ خاصا بڑا تھا اور ابو رافع نے اپنی حفاظت کے خیال سے اپنے چند دوستوں کو بھی اسی قلعے میں بسا رکھا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عتیکؓ اور ان کے ساتھی جب قلعے کے پاس پہنچے، اس وقت سورج غروب ہونے والا تھا اور مویشی چراگاہوں سے واپس آ رہے تھے۔ جب سورج ڈوب گیا اور قدرے

تاریکی چھا گئی تو حضرت عبداللہؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو۔ میں قلعے کے دروازے پر ایستادہ دربان کو بہلا پھسلا کر اندر داخل ہونے کی کوشش کرتا ہوں۔

یہ ایک مشکل مرحلہ تھا۔ ہوسکتا تھا کہ دربان کو شک ہو جائے اور وہ شور مچا کر ہنگامہ کھڑا کر دے، مگر اللہ کی امداد شامل حال تھی اس لئے دربان سے بات کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑی۔ اچانک بہت سے لوگ ہاتھوں میں مشعلیں لئے قلعے سے باہر نکل آئے۔ ان کی باتیں سن کر حضرت عبداللہؓ نے اندازہ لگایا کہ کوئی گدھا گم ہو گیا ہے، جس کی تلاش میں یہ لوگ نکلے ہیں۔ چونکہ ان کے پاس روشنی کا خاطر خواہ انتظام تھا، اس لئے ان کی نگاہوں سے بچنے کے لئے حضرت عبداللہؓ ایک قریبی کھیت میں یوں چادر اوڑھ کر بیٹھ گئے جس طرح قضائے حاجت کے لئے بیٹھا جاتا ہے۔ گدھے کی تلاش میں جانے والوں کو گدھا ملا یا نہیں، بہرحال تھوڑی دیر بعد وہ واپس آ گئے اور قلعے میں چلے گئے۔ ان کے داخل ہو جانے کے بعد دربان نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی کہ کوئی شخص باہر تو نہیں رہ گیا۔ اچانک اس کی نگاہ حضرت عبداللہؓ پر پڑی جو کھیت میں بیٹھے تھے۔ وہ یہی سمجھا کہ یہ آدمی انہی میں سے ہے جو گدھا ڈھونڈنے گئے تھے، اس لئے بآواز بلند گویا ہوا۔

''او اللہ کے بندے! جلدی سے فارغ ہو لے، کیونکہ میں دروازہ بند کرنے لگا ہوں۔''

حضرت عبداللہؓ کو اور کیا چاہئے تھا فوراً اٹھے اور تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پورے اعتماد کے ساتھ قلعے میں داخل ہو گئے۔

دربان دروازہ بند کرنے کی طرف متوجہ ہوا تو آپ ایک ایسی جگہ چھپ کر بیٹھ گئے جہاں سے دربان پر نظر رکھی جا سکے۔ دربان نے دروازہ بند کیا، چابیاں دیوار میں گڑی کیل کے ساتھ لٹکائیں اور چلا گیا۔

حضرت عبداللہؓ جہاں مورچہ بند تھے وہاں سے ابو رافع کا مکان بھی دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی دو منزلیں تھیں۔ اوپر والی منزل پر ابو رافع بمعہ اہل خانہ رہائش پذیر تھا۔ اس وقت اس کے ہاں احباب کی محفل جمی ہوئی تھی اور خوب روشنی ہو رہی تھی۔ رات گئے تک وہ لوگ گپ شپ لگاتے رہے اور نا و نوش میں مصروف رہے۔

آخر محفل برخاست ہوئی اور ابورافع کے دوست رخصت ہو کر قلعے ہی میں واقع اپنے اپنے گھروں کو جانے لگے۔ حضرت عبداللہؓ نے شروع سے آخر تک ان پر نگاہ رکھی اور جب انہیں یقین ہو گیا کہ سب اپنے اپنے گھروں میں داخل ہو گئے ہیں تو وہ اپنی کمین گاہ سے نکل آئے۔

دربان نے چابیاں جہاں لٹکائی تھیں وہ جگہ ان کو معلوم تھی، اس لئے سب سے پہلے انہوں نے چابیاں اتاریں اور بیرونی بڑے دروازے کے تمام تالے کھول دیئے۔ تاکہ اگر بھاگنا پڑ جائے تو تالے رکاوٹ نہ بن جائیں۔ اس کے بعد دبے پاؤں ابورافع کے دوستوں کے گھروں کی طرف گئے اور نہایت احتیاط سے ہر مکان کے بیرونی دروازے کو باہر سے کنڈی لگا دی، تاکہ ابورافع یا اس کے گھر والے اگر شور مچائیں تو ان کی مدد کے لئے یہ لوگ فوراً نہ پہنچ سکیں۔

سبحان اللہ! کس قدر جامع اور مکمل منصوبہ بندی کی تھی حضرت عبداللہؓ نے!

ان انتظامات سے فارغ ہو کر انہوں نے تلوار نیام سے نکالی اور سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ابورافع کے مکان کی بالائی منزل پر جا پہنچے۔ اس وقت چراغ بجھایا جا چکا تھا اور ابورافع سمیت تمام اہل خانہ سونے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

تاریکی کا یہ فائدہ تو ضرور ہوا کہ اب تک حضرت عبداللہؓ پر کسی کی نگاہ نہیں پڑی تھی۔ لیکن الجھن یہ پیدا ہو گئی کہ اندھیرے کی وجہ سے بہت سے اہل خانہ میں ابورافع کو پہچاننا ممکن نہ رہا اور حضرت عبداللہؓ کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ ابورافع کو آواز دیں اور اس کے جواب سے اس کی سمت معلوم کریں۔ یہ بہت دل گردے کا کام تھا، مگر ایسی مہمات ہمیشہ دل گردے والے ہی انجام دیتے ہیں۔

انہوں نے پکارا---"ابورافع!"

ابورافع نے پوچھا---مَنْ ھٰذَا؟ (کون ہے؟)

اس کی آواز سنتے ہی حضرت عبداللہؓ نے اس کی طرف تلوار چلائی، مگر اندھیرے کی وجہ سے اس کو لگ نہ سکی اور اس کے پہلو سے گزر گئی۔ ابورافع نے ایک چیخ ماری اور حضرت

عبداللہؓ جلدی سے مکان سے باہر نکل آئے۔

چند لمحے توقف کے بعد آپ دوبارہ داخل ہوئے اور آواز بدل کر انتہائی ہمدردانہ لہجے میں بولے

''ابورافع! میں نے ایک چیخ سنی تھی، یہ کیسی آواز تھی؟''

ابورافع نے سمجھا کہ میرا کوئی دوست میری آواز سن کر صورت حال معلوم کرنے آیا ہے، کہنے لگا

''تیری ماں ہلاک ہو جائے، مجھ پر ابھی کسی نے قاتلانہ حملہ کیا ہے۔''

اب حضرت عبداللہؓ کو اس کی سمت کا صحیح اندازہ ہو گیا، اس لئے بھرپور وار کیا جس سے ابورافع گر پڑا اور حضرت عبداللہؓ نے اس کے سینے پر تلوار کی نوک رکھ کر اس کو اتنے زور سے دبایا کہ تلوار ریڑھ کی ہڈی توڑ کر دوسری طرف نکل گئی۔

اسی دوران گھر میں ہلچل مچ گئی اور چیخ و پکار شروع ہو گئی۔ حضرت عبداللہؓ چونکہ اپنا مشن مکمل کر چکے تھے اس لئے تیزی سے بھاگے اور سیڑھیاں اترنے لگے۔ آخری سیڑھی پر ان کا پاؤں رپٹ گیا اور گر پڑے جس سے ان کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ انہوں نے جلدی جلدی اس کے گرد اپنا عمامہ لپیٹا اور شدید تکلیف کے باوجود دوڑتے ہوئے قلعے سے باہر نکل گئے۔

اگرچہ یہ مہم چار افراد پر مشتمل تھی، مگر سارا کام حضرت عبداللہؓ نے تنِ تنہا انجام دے دیا اور ان کے ساتھی وہیں بیٹھے رہے جہاں ان کو وہ بٹھا کر گئے تھے۔ قلعے سے نکل کر حضرت عبداللہؓ ان کے پاس پہنچے اور کہنے لگے

''اٹھو اٹھو! فوراً یہاں سے نکلنے کی کوشش کرو اور رسول اللہ ﷺ کو جا کر خوشخبری سناؤ کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم نے ابورافع کو مار ڈالا ہے۔ میں اس وقت تک یہیں رکوں گا، جب تک اپنے کانوں سے ابورافع کے مرنے کا اعلان نہ سن لوں۔''

چنانچہ ان کے ساتھی روانہ ہو گئے، اس کے بعد جلد ہی صبح ہو گئی اور قلعے کی برجی سے ابورافع کے قتل کیے جانے کا اعلان ہونے لگا۔ حضرت عبداللہؓ کو یقین ہو گیا کہ ابورافع مر چکا ہے۔ اس لئے وہ بھی اپنے ساتھیوں کے پیچھے چل پڑے اور جلد ہی ان سے جا ملے۔

قارئین کرام!---انداز ہ کیجئے ان کی قوتِ برداشت کا کہ ابورافع کا قتل خیبر میں ہوا تھا اور خیبر سے مدینہ تک کا سارا راستہ حضرت عبداللہؓ نے پاپیادہ طے کیا۔ حالانکہ ان کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹی ہوئی تھی اور محض عمامے کے سہارے بندھی ہوئی تھی۔ آخر مدینے کے قریب پہنچ کر ان کی ہمت جواب دے گئی اور درد ناقابلِ برداشت ہوگیا۔ چنانچہ ساتھیوں نے آپ کو اٹھایا اور جانِ دوعالم ﷺ کے پاس پہنچادیا۔

حضرت عبداللہؓ نے ساری روئیداد بیان کی تو جانِ دوعالم ﷺ ازحد خوش ہوئے اور بعینہٖ وہی جانفزا جملہ ارشاد فرمایا جو کعب ابن اشرف کو قتل کرنے والوں کے لئے فرمایا تھا۔

اَفْلَحَتِ الْوُجُوْهُ. (یہ چہرے ہمیشہ کامیاب رہیں۔)

محبوب آقا کے روئے زیبا پر ایک مسکراہٹ دیکھنے کے لئے اور اس کے مبارک لبوں سے ایسی محبت بھری دعائیں سننے کے لئے ہی تو یہ عاشقان زار اپنی جانیں ہتھیلیوں پر لئے پھرتے تھے۔

اس کے بعد حضرت عبداللہؓ نے اپنی پنڈلی ٹوٹنے کا واقعہ بیان کیا۔

جانِ دوعالم ﷺ نے فرمایا---"ٹانگ سیدھی کرو!"

حضرت عبداللہؓ نے اس پر لپٹا عمامہ کھولا اور ٹانگ لمبی کی۔ جانِ دوعالم ﷺ نے اس پر ایسا دستِ مسیحائی پھیرا کہ اسی وقت ہڈی جڑ گئی اور تکلیف کافور ہوگئی---بقول حضرت عبداللہؓ "فَکَاَنَّمَا لَمْ اَشْتَکِهَا قَطُّ" (گویا مجھے ٹانگ میں کبھی کوئی شکایت ہوئی ہی نہیں تھی۔)(١)

عُکل اور عُرَینہ کا واقعہ

عکل اور عرینہ دو قبیلے تھے جن کے آٹھ آدمی مدینہ منورہ آئے اور مسلمان ہوگئے، مگر ان کو مدینہ کی آب وہوا راس نہ آئی اور بیمار ہوگئے۔ جانِ دوعالم ﷺ نے ان کو وہاں بھیج دیا جہاں صدقہ کے اونٹ رکھے جاتے تھے تاکہ اونٹنیوں کا دودھ وغیرہ پی کر صحت یاب ہوجائیں۔ مگر ان بدبختوں نے جانِ دوعالم ﷺ کے اس حسنِ سلوک کا یہ صلہ دیا کہ جب صحتمند

(١) صحیح بخاری ج٢، ص ٥٧٧.

ہو گئے تو مرتد ہو گئے اور اونٹوں کی دیکھ بھال پر مامور جانِ دو عالم ﷺ کے غلام حضرت یسارؓ کو انتہائی سفاکانہ طریقے سے قتل کر دیا۔ ظالموں نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے۔ آنکھوں میں کانٹے گھسیڑ دیئے اور ان کو صحرا میں تڑپتا ہوا چھوڑ کر اونٹوں کو بھگا لے گئے۔

حضرت یسار بھوکے پیاسے تڑپ تڑپ کر شہید ہو گئے۔ جانِ دو عالم ﷺ کو ان کی اس حرکت کا پتہ چلا تو آپ کو بے حد غصہ آیا اور فوراً ان کے تعاقب میں چند افراد بھیجے جنہوں نے جلد ہی ان کو جا پکڑا اور باندھ کر لے آئے۔

جانِ دو عالم ﷺ نے حکم دیا کہ ان سے پورا پورا قصاص لیا جائے اور ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو انہوں نے حضرت یسارؓ کے ساتھ کیا تھا۔ چنانچہ ان کو بھی ہاتھ پاؤں کاٹ کر اور اندھا کر کے مار ڈالا گیا۔ (۱)

سریہ عمر ابن امیہ

یہ سریہ ابوسفیان کی ایک دھوکہ بازی کا جواب تھا۔ ایک دن ابوسفیان نے مجمعِ عام میں کہا کہ محمد مدینہ کے بازاروں میں مزے سے چلتا پھرتا ہے۔ نہ اس کے ساتھ کوئی محافظ ہوتا ہے، نہ اور کسی طرح کی احتیاطی تدبیر کی جاتی ہے۔ کیا کوئی ایسا باہمت شخص نہیں ہے جو اچانک حملہ کر کے اس کو مار ڈالے؟

اس وقت تو کوئی نہ بولا مگر بعد میں جب ابوسفیان اپنے گھر گیا تو ایک دیہاتی اس کے پاس آیا اور کہا کہ میں بہت مضبوط دل والا، شدید گرفت والا اور نہایت تیز دوڑنے والا انسان ہوں۔ اگر تم میری امداد کرو تو میں اپنے خنجر سے محمد کا خاتمہ کر سکتا ہوں اور چونکہ میں بہت تیز دوڑتا ہوں، اس لئے میرے پکڑے جانے کا بھی کوئی خطرہ نہیں ہے۔

ابوسفیان یہ سن کر بہت خوش ہوا، اسی وقت ایک اونٹ اور سفر کا خرچ اس کے حوالے کیا اور اس کو تاکید کی کہ اپنی اس مہم کو انتہائی خفیہ رکھنا۔

---

(۱) سیرت ابن ھشام ج ۲، ص ۱۴۷ یہ واقعہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے مگر ان کی بیان کردہ تفصیلات سے ہمیں اتفاق نہیں ہے۔

حسبِ ہدایت وہ شخص چپکے سے مکہ مکرمہ سے نکلا اور نہایت تیز رفتاری سے سفر کرتے ہوئے جلد ہی مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ لوگوں سے جانِ دو عالم ﷺ کے بارے میں پوچھا تو اسے بتایا گیا کہ آپ اس وقت بنی عبدالاشہل کی مسجد میں رونق افروز ہیں۔ یہ وہاں گیا اور جونہی دور سے اس پر جانِ دو عالم ﷺ کی نظر پڑی، آپ نے فرمایا

''یہ شخص مجھے قتل کرنے آیا ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کو ناکام کرے گا۔''

جب آپ کے قریب پہنچا تو اچانک حضرت اسیدؓ نے اس کو زور سے اپنی طرف کھینچا۔ اس جھٹکے سے وہ خنجر جو اس نے چھپا رکھا تھا، نیچے گر پڑا اور یوں وہ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔ حضرت اسیدؓ غصے میں اٹھے اور اس کا گلا گھونٹنا شروع کر دیا۔ وہ چلایا

''مجھے مت مارو، مجھے مت مارو۔''

جانِ دو عالم ﷺ نے پوچھا---''سچ سچ بتا کہ تو کون ہے اور کیوں آیا ہے؟''

اس نے کہا---''اگر میں سچی بات بتا دوں تو کیا مجھے جان کی امان مل جائے گی؟''

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا---''ہاں!''

اس نے سب کچھ پوری تفصیل سے بتا دیا اور جانِ دو عالم ﷺ نے حسبِ وعدہ اس کو رہا کر دیا۔ وہ خوش نصیب انسان اسی وقت کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے اور آپ سے مخاطب ہو کر گویا ہوئے

''یا رسول اللہ! اللہ کی قسم، میں آج تک کسی انسان سے خوفزدہ نہیں ہوا، مگر آپ کو دیکھتے ہی مجھ پر ہیبت طاری ہو گئی اور آپ کا رعب چھا گیا۔ پھر آپ از خود میرے ارادے سے مطلع ہو گئے، حالانکہ میں نے کسی سے ذکر تک نہیں کیا تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ حق پر ہیں اور اللہ آپ کا نگہبان ہے۔ ابوسفیان اور اس کے ساتھی بلاشبہ شیطانی ٹولہ ہیں۔''

جانِ دو عالم ﷺ ان کی باتیں سنتے ہوئے مسکراتے رہے۔ بات ختم ہوئی تو انہوں نے اجازت طلب کی۔ آپ نے اجازت دے دی اور وہ رخصت ہو گئے۔

ابوسفیان کی اس حرکت کے جواب میں جانِ دو عالم ﷺ نے حضرت عمرو ابن امیہ ضمریؓ کو بھیجا، کہ وہ ابوسفیان کو قتل کر دیں۔ یہی مہم سریہ عمرو ابن امیہ ضمری کے ساتھ موسوم ہے۔

حضرت عمرؓ نے صرف ایک آدمی ساتھ لیا اور اس مہم پر روانہ ہو گئے۔

چند دن سفر کرنے کے بعد مکہ مکرمہ پہنچے اور احتیاط کے پیش نظر دن کے بجائے عشاء کے وقت مکہ میں داخل ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے ساتھی نے کہا کہ پہلے حسب دستور ہمیں طواف کر لینا چاہئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اس وقت لوگ گھروں سے باہر بیٹھے ہوتے ہیں۔ اگر کسی نے پہچان لیا تو ہمارے لئے دشواریاں پیدا ہو جائیں گی، مگر ساتھی نہ مانا اور طواف کرنے پر اصرار کرتا رہا۔ آخر حضرت عمرؓ مجبور ہو گئے اور دونوں طواف کرنے حرم شریف میں چلے گئے۔ طواف کا مرحلہ تو بخیریت گزر گیا لیکن جونہی طواف کر کے باہر نکلے، ایک آدمی نے حضرت عمرؓ کو پہچان لیا اور چلانے لگا۔

"لوگو! یہ رہا عمر ابن امیہ ضمری، یہ ضرور کسی برے ارادے سے مکہ میں داخل ہوا ہے۔"

اس کی آواز سن کر چاروں طرف سے مشرکین دوڑ پڑے اور ان کو گھیرنے کی کوشش کرنے لگے۔ یہ دونوں بھاگ کر تیزی سے ایک پہاڑ پر چڑھے اور ایک غار میں روپوش ہو گئے۔ مشرکین کافی دیر تک ان کو ڈھونڈتے رہے، مگر اندھیرے کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکے اور واپس چلے گئے۔ اس طرح رات تو بخیریت گزر گئی؛ البتہ صبح صبح ایک آدمی آ دھمکا۔ وہ آیا تو کسی اور غرض سے تھا، مگر بدقسمتی سے وہ ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں سے اس کی نگاہ حضرت عمرؓ پر پڑ سکتی تھی۔

حضرت عمرؓ نے یہ سوچ کر کہ اگر اس نے ہمیں دیکھ لیا تو چیخ کر اہل مکہ کو خبردار کر دے گا، اس پر حملہ کر دیا۔ لیکن جس خطرے کے انسداد کے لئے یہ حملہ کیا گیا تھا وہ مقصد پورا نہ ہو سکا کیونکہ اس نے زخمی ہو کر اتنے زور سے چیخ ماری کہ پورے مکہ میں سنی گئی۔ حضرت عمرؓ جلدی سے پھر غار میں گھس گئے اور غار کا دہانہ پتھروں سے بند کر دیا۔ اہل مکہ چیخ سن کر دوڑے دوڑے آئے اور جب وہاں پہنچے تو مجروح پر عالم نزع طاری تھا۔ انہوں نے زخمی سے پوچھا۔

"تمہیں کس نے مارا ہے؟"

اس نے کہا کہ عمر ابن امیہ نے۔

حضرت عمرؓ سوچ رہے تھے کہ اب اگر انہوں نے اس سے پوچھا کہ عمر کہاں ہے؟ تو

وہ یقیناً ان کو میرا ٹھکانہ بتادے گا۔ مگر خیر گزری کہ وہ مزید کسی سوال کا جواب دینے سے پہلے ہی راہی ملکِ عدم ہوگیا اور مشرکین اس کی لاش اٹھا کر واپس چلے گئے۔

اس ہنگامے کے بعد فی الحال مکہ میں داخل ہونا ممکن نہیں تھا، اس لئے ابوسفیان کو قتل کئے بغیر ہی ان کو واپس جانا پڑا؛ البتہ واپسی کے دوران راستے میں ایک مشرک جو اپنے اشعار میں اہلِ اسلام کی ہجو کررہا تھا، ان کے ہاتھوں مارا گیا۔

اسی طرح مشرکین کے بھیجے ہوئے دو جاسوس جو مدینہ جارہے تھے، حضرت عمرؓ کے قابو آگئے۔ ایک مارا گیا، دوسرے کو حضرت عمرؓ گرفتار کرکے مدینہ لے آئے۔

جب جانِ دو عالم ﷺ کے روبرو پیش ہوئے تو حضرت عمرؓ نے حالات سفر بیان کئے اور بتایا کہ کس طرح ہم مکہ میں پہچانے گئے، کیسے بھاگ کر ہم نے جان بچائی اور کس حال میں غار کے اندر روپوش رہ کر وقت گزارا۔ جانِ دو عالم ﷺ یہ دلچسپ روئیداد سننے کے دوران مسلسل ہنستے رہے اور آخر میں حضرت عمرؓ بن امیہ کے لئے دعا فرمائی۔

"عشق احمد"

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡکَ وَسَلَّمُ

صاحبزادہ قاضی عابد الدائم عابد

طفیلِ نعتِ رسول اکرم ، ملی یہ عزت یہ آبُرو ہے
کہ مجھ سا عاصی بھی آج پہنچا سنہری جالی کے رُوبرُو ہے

خدا کے محبوب گر نہ ہوتے ، تو پھر نہ کچھ بھی جہاں میں ہوتا
ہے اُن کے دم سے یہ فیض سارا کہ بزمِ ہستی میں رنگ وبُو ہے

نہ اس کو دنیا میں کوئی خطرہ ، نہ روزِ محشر وہ ہوگا غمگین
بسا لے دل میں جو عشقِ احمدؐ، وہ دونوں عالم میں سرخرو ہے

زبان ایسی ہے نور افشاں کہ ترجمانِ کلامِ یزداں
جو علم وحکمت سے ہے مزیّن ، وہ میرے آقا کی گفتگو ہے

وہ اپنے اخلاق میں ہیں یکتا، تو دلکشی میں بھی سب سے اعلیٰ
ہے خوب سیرت حضور جیسا ، نہ آپ سا کوئی خوبرُو ہے

نہیں ہے دل میں کوئی تمنا ، جو عرض ہے تو یہی ہے مولیٰ
رہے ہمیشہ نبیؐ سے نسبت ، بس اتنی سی میری آرزُو ہے

کروں میں کیسے بیان عابدؔ ، درِ محمد کی جاذبیّت
کہ کتنے جلوے ہیں ہر قدم پر، مہک ہے کتنی جو چارسُو ہے

۞۞۞

باب ۷

صُلح --- تا --- فتح

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًاO

(ہم نے آپ کو فتح عطا کی --- واضح فتح)

صُلح حُدیبیہ سے ----- فتح مکّہ تک

التماسِ کرم

قاری جاوید اقبال

فیضِ نظر ہے نور پاش ، فکر ہے مہر و ماہ فاش ، بندۂ خاص کردگار
حدِ سفر کی انتہا ، فہمِ بشر سے ماورا ، شانِ ازل ، ابد وقار
احمدِ مجتبیٰ، خوشا، ہادیٔ دین، مرحبا

منبعِ دانشِ مبیں ، مصدرِ ہستیٔ یقیں ، حق و حقیقت آشکار
آیۂ مقصدِ حیات ، وجہِ بنائے کائنات ، مایۂ عز و افتخار
احمدِ مجتبیٰ، خوشا، ہادیٔ دین، مرحبا

بحرِ سخائے بیکراں ، عظمتِ خیر کا نشاں ، خلقِ حسیں کا شاہکار
جلوۂ حسنِ زندگی ، لذتِ ذوقِ بندگی ، خالق و خلق کے نگار
احمدِ مجتبیٰ، خوشا، ہادیٔ دین، مرحبا

ایک بشر مگر بشیر ، ایک نظر پہ بے نظیر ، ایک گل اور گل بہار
فرد مگر بڑا فرید ، جس سے ملی ہمیں نوید ، فیضِ کرم سے بیڑا پار
احمدِ مجتبیٰ، خوشا، ہادیٔ دین، مرحبا

ہم کہ گناہ گار ہیں ، ہم کہ ذلیل و خوار ہیں ، ہم میں کہ عیب ہیں ہزار
تیرے سوا نہیں کچھ آس ، تجھ سے کرم کی التماس ، در پہ تیرے ہے بار بار
احمدِ مجتبیٰ، خوشا، ہادیٔ دین، مرحبا

❁❁❁

صُلح حُدیبیّہ

صلح حدیبیہ تاریخ اسلام کا ایک حیرت انگیز باب ہے۔ صلح کا یہ معاہدہ جانِ دو عالم ﷺ اور مشرکین مکہ کے درمیان ہوا تھا اور جن شرائط پر ہوا تھا، ان میں سے اکثر ایسی تھیں جو واضح طور پر مشرکین کے حق میں اور مسلمانوں کے خلاف نظر آتی تھیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے معاہدے کو تسلیم کرنا مسلمانوں کے لئے از بس مشکل تھا --- اتنا مشکل کہ بعض قدیم الاسلام اور اکابر صحابہ بھی اس پر سخت چیں بجبیں ہوئے اور جانِ دو عالم ﷺ کو اس سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کی، مگر جانِ دو عالم ﷺ نے کسی کی نہ سنی اور معاہدہ کر لیا۔ صحابہ کرام کی اکثریت اس پر رنجیدہ دل اور آزردہ خاطر تھی کیونکہ ان کے خیال میں یہ ایک قسم کا اعتراف شکست تھا، مگر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اللہ تعالیٰ نے اس معاہدے کو **فتح مبین** سے تعبیر فرمایا اور یہ آیت نازل فرمائی۔ ﴿اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا ۙ﴾ سب حیران تھے کہ یہ کیسی **فتح مبین** ہے، مگر بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ واقعی **فتح مبین** تھی۔

آیئے! شروع سے اس واقعے کے پس منظر اور پیش منظر پر نگاہ ڈالتے ہیں۔

جانِ دو عالم ﷺ کو کعبہ مکرمہ سے جس قدر محبت تھی، اس کو سمجھنے کے لئے ان لمحات کو سامنے لایئے جب جانِ دو عالم ﷺ ہجرت کی رات مکہ سے باہر نکلتے ہیں، پھر ایک جگہ ٹھہر جاتے ہیں اور مڑ کر کعبہ شریف کی طرف دیکھتے ہیں۔ اس وقت آنکھیں ڈبڈبا جاتی ہیں اور حسرت بھرے لہجے میں فرماتے ہیں

"اے اللہ کے گھر! تو مجھے سارے جہان سے زیادہ محبوب ہے۔ اگر میری قوم نے مجھے مجبور نہ کر دیا ہوتا تو میں کبھی تجھے چھوڑ کر نہ جاتا۔"

تیرہ سالہ مکی زندگی میں ہزارہا مشکلات اور پریشانیوں کے باوجود آپ کو یہ سہولت حاصل تھی کہ جب جی چاہتا تھا حرم شریف چلے آتے تھے اور بیت اللہ کے گرد طواف کر کے

اور اس کے سائے میں نماز پڑھ کے دل ٹھنڈا کر لیتے تھے۔ہجرت کے بعد آپ مکہ سے دور ہو گئے اور مدینہ جا کر اس قدر مصروف ہو گئے کہ آپ کو طویل عرصے تک دوبارہ مکہ آنے کی فرصت ہی نہ ملی۔ مدینہ میں آپ کا بیشتر وقت دشمنانِ اسلام کے ساتھ معرکہ آرائیوں میں گزر جاتا تھا اور آرام واطمینان کے جو چند لمحات میسر آتے تھے ان میں بھی مدینہ سے نکلنا اس لئے ممکن نہیں ہوتا تھا کہ مدینہ میں رہنے والے فتنہ پرور یہودیوں اور گرد ونواح میں آباد سرکش قبائل کی طرف سے ہر وقت دھڑ کا لگا رہتا تھا کہ آپ کی غیر موجودگی میں کہیں کوئی گڑ بڑ نہ کر دیں، کوئی فتنہ وفساد نہ کھڑا کر دیں۔ آخر پانچ سال کی مسلسل جدوجہد اور شبانہ روز کاوشوں کے نتیجے میں مدینہ کافی حد تک محفوظ ہو گیا۔ یہودیوں کو اس سے نکال دیا گیا اور متعدد حربی مہمات کے ذریعہ سرکش قبائل کا زور بھی توڑ دیا گیا۔اب چونکہ سلطنت اسلامیہ کے دارالخلافہ کے لئے کوئی خاص خطرہ باقی نہیں رہا تھا۔اس لئے جانِ دو عالم ﷺ نے ذی قعدہ ۶ ھ کو عمرہ کرنے کا ارادہ فرمایا اور چودہ سو صحابہ کرامؓ کی معیت میں عازمِ کعبہ ہوئے۔ غسل آپ نے گھر پر ہی کر لیا تھا، مسجد ذوالحلیفہ (بیر علی) پہنچ کر آپ نے احرام باندھا اور دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر مسجد سے باہر تشریف لائے اور ھَدْیٗ (۱) کے ستر [۷۰] اونٹ

---

(۱) ہر وہ جانور جو اس غرض سے مکہ مکرمہ بھیجا جائے یا لے جایا جائے کہ وہاں ذبح کر کے اس کا گوشت فقراء، مساکین اور زائرین میں تقسیم کر دیا جائے، ھَدْیٗ کہلاتا ہے۔اردو میں--- بلکہ کسی زبان میں بھی---اس کا متبادل لفظ موجود نہیں ہے۔اردو کے بعض سیرت نگاروں نے اس کا ترجمہ ''قربانی کے جانور'' کیا ہے، مگر یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ قربانی صرف ذی الحجہ کے تین دنوں میں ہو سکتی ہے؛ جبکہ ھَدْیٗ کا جانور سال بھر میں کسی وقت بھی بھیجا اور لے جایا جا سکتا ہے۔خواہ اس کا مقصد قربانی ہو، یا کسی نے مکہ میں جانور ذبح کرنے کی منت مانی ہو، یا صدقہ وتبرع کرنا چاہتا ہو، یا حالتِ احرام میں شکار کرنے کا کفارہ ادا کرنا مقصود ہو ھَدْیًا بَالِغَ الْکَعْبَۃِ--- یہ سب صورتیں ھَدْیٗ کی ہیں۔ جانِ دو عالم ﷺ چونکہ حج کے لئے نہیں، بلکہ عمرے کے لئے تشریف لے گئے تھے،اس لئے آپ جو جانور ساتھ لے گئے تھے، وہ ھَدْیٗ تھے، نہ کہ ''قربانی کے جانور'' کیونکہ عرفاً قربانی کے جانور ان کو کہا جاتا ہے جو ایامِ نحر میں ذبح کئے جاتے ہیں۔

نشان زد کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد آپ اونٹنی پر سوار ہوئے، صحابہ کرامؓ نے بھی پیروی کی اور پھر سب مل کر لَبَّیۡکَ، اَللّٰھُمَّ لَبَّیۡکَ کا وجد آفریں ترانہ پڑھتے ہوئے مکہ کی طرف چل پڑے۔

یہ سفر چونکہ امن و آشتی کا سفر تھا، اس لئے جانِ دو عالم ﷺ نے روانگی سے پہلے ہی صحابہ کرام سے کہہ دیا تھا کہ سوائے ایک تلوار کے جو بیابان میں سفر کرنے والے ہر مسافر کے لئے لازمی ہے، اور کسی قسم کا اسلحہ ساتھ نہ لیا جائے۔ صحابہ کرام نے اس فرمان پر پورا پورا عمل کیا اور صرف ایک ایک تلوار نیام میں ڈال کر کندھوں سے لٹکالی۔ اسی طرح سفر جاری رہا۔

طویل راستہ تھا، بہت سے آدمی تھے۔ ھَدۡیٰ کے ستر اونٹوں کے علاوہ سواری کے لئے بھی کئی جانور تھے۔ ظاہر ہے کہ اتنے بڑے کارواں کے لئے بہت زیادہ پانی چاہئے تھا؛ جبکہ اہل قافلہ کے پاس پانی کا محدود ذخیرہ تھا جو جلد ہی ختم ہوگیا اور لق و دق صحرا میں انسانوں اور جانوروں کی ہلاکت کا خطرہ پیدا ہوگیا۔

پنجاب رحمت

جانِ دو عالم ﷺ ایک کھلے منہ والے برتن میں پانی ڈالے بیٹھے تھے اور وضو کرنے کا ارادہ فرما رہے تھے کہ اچانک بہت سے صحابہ کرام گھبرائے ہوئے حاضر خدمت ہوئے۔

جانِ دو عالم ﷺ نے پوچھا---"کیا بات ہے؟"

عرض کی---"یا رسول اللہ! پانی مکمل طور پر ختم ہو چکا ہے اور سوائے اس پانی کے جو آپ کے پاس برتن میں پڑا ہے، کہیں بھی پانی موجود نہیں ہے---نہ پینے کے لئے، نہ وضو کے لئے۔"

یہ سن کر جانِ دو عالم ﷺ نے اپنا دست مبارک اس برتن میں رکھ دیا جس میں پانی پڑا تھا اور صحابہ کرامؓ کی نگاہوں نے یہ حیرت انگیز منظر دیکھا کہ آپ کی انگشتہائے مبارکہ سے پانی کے فوارے پھوٹ پڑے۔ فَرَاَیۡنَا الۡمَآءَ یَفُوۡرُ مِنۡ بَیۡنِ اَصَابِعِہٖ (ہم نے دیکھا کہ پانی آپ کی انگلیوں سے ابل رہا ہے)---اور یہ پانی اس وقت تک ابلتا رہا، جب تک کارواں کی تمام ضرورتیں پوری نہ ہو گئیں۔ بعد میں حضرت جابرؓ سے کسی نے پوچھا

کہ اس وقت آپ کی تعداد کیا تھی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو ڈیڑھ ہزار کے لگ بھگ تھے، لیکن اگر ہم لاکھ بھی ہوتے تو پانی ہمارے لئے کافی ہو جاتا۔(۱)

عمرے سے روکنے کی تیاریاں

جانِ دو عالم ﷺ نے مدینہ سے روانگی کے وقت ایک شخص کو باقی کارواں سے پہلے مکّہ بھیج دیا تھا؛ تاکہ وہ معلوم کر کے آئے کہ ہمارے اس عمرے کے بارے میں مشرکین کا ردعمل کیا ہے؟ وہ شخص مکّہ کے حالات کا جائزہ لے کر واپس آیا اور عسفان نامی جگہ میں آپ سے ملاقات کی۔ اس نے بتایا کہ حالات انتہائی ناسازگار ہیں۔ اہل مکّہ نے اردگرد کے قبائل کو بھی ساتھ ملا لیا ہے اور سب نے عہد کر رکھا ہے کہ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو ہرگز مکّہ میں نہیں داخل ہونے دیں گے۔ وہ سب اس وقت ذی طوٰی میں جمع ہیں۔ علاوہ ازیں خالد ابن ولید کی قیادت میں دو سو افراد پر مشتمل ایک دستہ آپ کا راستہ روکنے کے لئے غمیم کے مقام پر بھی کھڑا ہے۔

اہل مکّہ کی ان حرکتوں سے جانِ دو عالم ﷺ کا دل آزردہ ہو گیا --- خصوصاً اس لئے کہ یہ سب کچھ قریش کی طرف سے ہو رہا تھا اور قریش آپ کی اپنی قوم تھی۔ اس وقت آپ نے انتہائی جذباتی لہجے میں فرمایا

''جنگوں کی وجہ سے قریش کی طاقت تقریباً ختم ہو چکی ہے، مگر وہ اپنی حماقتوں سے

---

(۱) جانِ دو عالم ﷺ کے اس معجزے کو جس خوبصورتی سے مولانا احمد رضا خان بریلویؒ نے نظم کیا ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ انہوں نے جانِ دو عالم ﷺ کی پانچ انگلیوں سے نکلنے والے پانی کو رحمت کے پانچ پانی قرار دیا ہے اور اس کے لئے ''پنجاب رحمت'' کی انوکھی اور البیلی اصطلاح استعمال کی ہے۔ علاوہ ازیں منظر کشی اور محاکات بھی کمال درجے کی ہے۔ فرماتے ہیں

انگلیاں ہیں فیض پر، ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ، واہ!

(حدائق بخشش)

باز نہیں آتے۔ کاش! وہ اپنی قوت مجتمع رکھتے اور میرے معاملے میں دخل نہ دیتے۔ اگر میں باقی عرب پر غالب آ جاتا تو پھر قریش کو اختیار ہوتا، چاہتے تو اسلام میں داخل ہو جاتے اور چاہتے تو دو دو ہاتھ کر لیتے --- کیا قریش یہ سمجھتے ہیں کہ میں ان کی طرف سے کھڑی کی گئی نت نئی رکاوٹوں سے تنگ آ کر توحید و رسالت کی دعوت دینا چھوڑ دوں گا ---؟ نہیں، ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ واللہ! میں ہر حال میں اپنے نظریئے کی تبلیغ جاری رکھوں گا، یہاں تک کہ یا تو میں کامیاب ہو جاؤں گا، یا اسی راہ میں میری گردن کٹ جائے گی۔''

مشورہ

اس کے بعد آپ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے، مقابلہ کریں یا پہلو بچا کر آگے بڑھتے رہیں؟ صدیق اکبرؓ نے عرض کی کہ یارسول اللہ! چونکہ آپ لڑائی کے ارادے سے نہیں آئے ہیں، اس لئے حتی الوسع بچ بچا کر چلتے رہیں۔ ہاں! اگر کسی نے ہم کو روکنے کی کوشش کی تو ہم ڈٹ کر اس کا مقابلہ کریں گے۔

جانِ دو عالم ﷺ کو یہ رائے پسند آئی اور آپ نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ ہمارے ساتھ کوئی ایسا آدمی ہے جو خالد ابن ولید والے راستے کے علاوہ کسی راستے سے ہمیں لے چلے؟

ایک شخص نے عرض کی --- ''یارسول اللہ! مجھے ایک ایسا راستہ معلوم ہے۔''

چنانچہ اس کی رہنمائی میں یہ کارواں ایک غیر معروف راستے سے آگے بڑھنے لگا۔ جب خالد ابن ولید نے دیکھا کہ مسلمانوں نے راستہ بدل لیا ہے اور مجھ سے کترا کر آگے نکل گئے ہیں تو اس نے جلدی سے جا کر اہل مکہ کو اس خطرناک صورتحال سے آگاہ کر دیا۔

حدیبیہ میں

جانِ دو عالم ﷺ نے حکم دیا کہ وہ راستہ اختیار کیا جائے جس پر چل کر ہم حدیبیہ پہنچ سکیں۔ چنانچہ سب نے اپنا رُخ ادھر کر لیا اور جلد ہی حدیبیہ کے قریب پہنچ گئے۔ اس وقت تک جانِ دو عالم ﷺ کی رائے یہی تھی کہ ہم از خود کسی سے نہیں لڑیں گے، مگر حدیبیہ کے قریب پہنچ کر آپ کی اونٹنی قصواء اچانک بیٹھ گئی۔ اس کو اٹھانے کی بہت کوشش کی گئی، مگر وہ ٹس سے مس

نہ ہوئی۔ آپ اس غیبی اشارے سے سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارا بزور شمشیر مکہ میں داخل ہونا پسند نہیں ہے۔ چنانچہ جب لوگوں نے کہا کہ قصواء تھک کر بیٹھ گئی ہے تو آپ نے فرمایا

''قصواء تھکی نہیں ہے، نہ ہی تھک کر بیٹھ جانا اس کی عادت ہے، اصل بات یہ ہے کہ اس کو اسی ذات نے روک دیا ہے جس نے اصحابِ فیل کے ہاتھیوں کو روک دیا تھا۔ اب اگر اہل مکہ نے میرے ساتھ کوئی معاملہ طے کرنا چاہا تو میں صلح کی خاطر ان کی ہر وہ شرط مان لوں گا جو صلہ رحمی اور شعائر اللہ کی تعظیم پر مبنی ہوگی۔'' اس کے بعد آپ نے وہیں پڑاؤ ڈال دیا۔

ایک اور معجزہ

حدیبیہ میں ایک کنواں تھا جس کی تہہ میں تھوڑا سا پانی موجود تھا۔ جب جانِ دو عالم ﷺ وہاں پہنچے تو سخت گرمی تھی اور سب کو پیاس لگی ہوئی تھی، چنانچہ صحابہ کرامؓ کنویں پر ٹوٹ پڑے اور ابھی چند ہی آدمی پیاس بجھا پائے تھے کہ پانی ختم ہوگیا۔ صحابہ کرامؓ نے جانِ دو عالم ﷺ کے روبرو اس پریشانی کا ذکر کیا، تو آپ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر انہیں دیا اور فرمایا کہ اسے کنویں میں گاڑ دو۔

ایک صحابی کنویں میں اترے اور حسبِ فرمان اس کے وسط میں تیر گاڑ دیا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ تیر گاڑنے کے ساتھ ہی پانی ابلنے لگا اور اتنی تیزی سے بڑھنے لگا کہ میں بمشکل جان بچا کر باہر نکلا۔ چند ہی لمحوں میں کنواں لبالب بھر گیا اور کیا انسان، کیا جانور، سب جی بھر کر سیراب ہونے لگے۔

بدیل کی آمد

خزاعہ قبیلہ کا رئیس بدیل ابن ورقاء اگرچہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوا تھا، مگر مسلمانوں کا ہمدرد تھا۔ وہ اپنے چند ساتھیوں سمیت جانِ دو عالم ﷺ کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا آپ جنگ کرنے کے لئے آئے ہیں؟

''نہیں، ہمارا جنگ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔'' جانِ دو عالم ﷺ نے جواب دیا ''ہم تو صرف عمرہ کرنے اور اللہ کے گھر کی زیارت کرنے آئے ہیں۔''

بدیل نے واپس جا کر اہل مکہ سے کہا کہ محمد اور اس کے ساتھی لڑائی کے لئے نہیں

بلکہ عمرہ وزیارت کے لئے آئے ہیں، اس لئے میرے خیال میں انہیں عمرہ کرنے دیا جائے۔

اہل مکہ نے بدیل کو برا بھلا کہا اور بولے---"اگر ان کا ارادہ جنگ کرنے کا نہ ہو تب بھی ہم ان کو مکہ میں نہیں داخل ہونے دیں گے، کیونکہ جو بھی سنے گا، وہ یہی سمجھے گا کہ محمد بزور مکہ میں داخل ہو گیا تھا اور ہم اسے روکنے سے قاصر رہے تھے۔"

بدیل کے بعد اہل مکہ نے مکرز کو بھیجا۔ اسے بھی جانِ دو عالم ﷺ نے وہی جواب دیا۔ پھر حلیس کو بھیجا گیا، حلیس مکہ کے گردونواح میں آباد قبائل کا سردار تھا۔ اسے بھی جانِ دو عالم ﷺ نے یقین دلایا کہ ہم صرف عمرہ کرنے آئے ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ ہم ذبح کرنے کے لئے جانور بھی ساتھ لائے ہیں۔

حلیس نے ھَدْیٌ کے لئے نشان لگائے گئے جانور دیکھے، پھر صحابہ کرامؓ کا حال دیکھا کہ ان کے بال بکھرے ہوئے ہیں، حجامتیں بڑھی ہوئی ہیں اور سب کے سب احرام باندھے ہوئے لَبَّیْکَ، اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کہہ رہے ہیں تو بیساختہ بول اٹھا

"سبحان اللہ! ایسے بے ضرر لوگوں کو عمرے سے روکنے کا کیا جواز ہے! واللہ یہ کبھی نہیں ہوگا کہ اور تو ہر کسی کو طواف کی اجازت ہو، مگر عبدالمطلب کے بیٹے کو اس سے منع کر دیا جائے۔ رب کعبہ کی قسم! اس طرح تو قریش ہلاک ہو جائیں گے۔"

حلیس نے واپس جا کر اہل مکہ کو یہی مشورہ دیا کہ محمد اور اس کے ساتھیوں کو عمرے سے روکنا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے، کیونکہ وہ صرف عمرہ کرنے آئے ہیں اور ھَدْیٌ کے جانور بھی ساتھ لائے ہیں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے ان سب کو احرام پوش دیکھا ہے۔

اہل مکہ نے کہا---"حلیس! تو ایک دیہاتی آدمی ہے اور ان باتوں کو نہیں سمجھتا، محمد نے جو کچھ تمہیں دکھایا ہے، وہ اس کی ایک چال ہے۔"

یہ سن کر حلیس کو غصہ آ گیا اور کہنے لگا---"ہمارا تم سے یہ معاہدہ ہرگز نہیں ہوا تھا کہ جو لوگ بیت اللہ کی تمام تر تعظیم ملحوظ رکھتے ہوئے عمرے کے لئے آئیں، ان کو اللہ کے گھر میں حاضری سے روکا جائے۔ خدا کی قسم! تمہیں محمد کا راستہ چھوڑنا پڑے گا اور اسے عمرہ وزیارت کی اجازت دینی ہوگی، ورنہ اپنے تمام ساتھیوں کو لے کر اسی وقت واپس چلا جاؤں گا۔"

اہل مکہ نے حلیس کو یوں بگڑتے دیکھا تو کہنے لگے---"حلیس! اتنی جلدی نہ کرو، ذرا ٹھہر جاؤ۔ ابھی محمد سے مزید بات چیت ہوگی، اس کے بعد کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔"

اہل مکہ کے لئے مصیبت یہ بنی ہوئی تھی کہ جو بھی حدیبیہ جاتا تھا، وہاں جاکر اپنا موقف بھول جاتا تھا اور جانِ دو عالم ﷺ کا ہمنوا بن کر لوٹتا تھا۔ اس کی باتیں سن کر اہل مکہ کو آگ لگ جاتی تھی اور اس کو ڈانٹنے ڈپٹنے لگتے تھے۔ یہ دیکھ کر طائف کے بڑے سردار عروہ ابن مسعود ثقفی نے اہل مکہ سے کہا---"میں دیر سے دیکھ رہا ہوں کہ جو بھی جاتا ہے وہ واپس آ کر محمد کا ترجمان بن جاتا ہے اور تم اسے سخت سست کہنے لگتے ہو۔ مجھے یہ بتاؤ کہ میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے---؟ کیا میں تمہارے ساتھ اتنا ہی مخلص نہیں جتنا بیٹا باپ کے ساتھ ہوتا ہے---؟

سب نے کہا---"کیوں نہیں، بلاشبہ تم بہت پُرخلوص انسان ہو۔"

"مجھ پر تمہیں کسی قسم کا شک تو نہیں ہے نا؟!"

"نہیں، ہرگز نہیں۔" سب نے کہا۔

"تو پھر میں خود جاتا ہوں اور محمد سے بات کرتا ہوں۔"

عروہ ایک وجیہہ سردار تھا اور فن گفتگو سے بھی بخوبی آشنا تھا۔ اہل مکہ کو اور کیا چاہئے تھا، انہوں نے بخوشی اجازت دے دی۔ چنانچہ عروہ جانِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نہایت فنکارانہ انداز میں بات چیت کا آغاز کیا۔ مذاکرات میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ پورے اعتماد سے فریق مخالف پر اپنی برتری اور اس کی کمزوری ظاہر کی جائے۔ اس طرح حریف مرعوب ہو جاتا ہے اور اس سے من مانے مطالبات منوانا آسان ہو جاتا ہے۔ اسی اصول کے پیش نظر عروہ نے کہا

"محمد! تم نے مختلف قبائل اور نسلوں کے آدمی اپنے اردگرد اکٹھے کر لئے ہیں اور ان کو ساتھ لے کر اس شہر پر چڑھائی کر دی ہے جو تمہاری آبائی جگہ ہے اور اس میں تمہارا پورا خاندان آباد ہے۔ تم اپنے مختلف النوع ہمراہیوں کے بل بوتے پر اپنے ہی شہر اور اپنے ہی خاندان کو تباہ و برباد کرنا چاہتے ہو۔ کیا ایسا کام پہلے بھی کسی نے کیا ہے---؟ کیا تم نہیں

جانتے کہ یہاں قریش رہتے ہیں جو اپنی آن پر کٹنا اور مرنا جانتے ہیں۔ قریش کے علاوہ اردگرد کے قبائل بھی اہل مکہ کی حمایت کے لئے اکٹھے ہو چکے ہیں اور ان سب نے عہد کر رکھا ہے کہ ہم محمد کو کسی صورت میں بھی مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے۔ ان کی قوت اور جمعیت اتنی زیادہ ہے کہ تمہارے ساتھ آئے ہوئے یہ لوگ ان کے سامنے چند لمحے بھی نہیں ٹھہر سکتے۔ یقین کرو کہ اگر اہل مکہ نے حملہ کر دیا تو تمہارے ساتھی پہلے ہی حملے میں بھاگ اٹھیں گے اور تمہیں تنہا چھوڑ دیں گے۔"

چونکہ اس لمبی چوڑی تقریر کا مقصد جانِ دو عالم ﷺ اور اہل اسلام کو مرعوب کرنا تھا۔ اس لئے ضروری ہو گیا تھا کہ عروہ کو اسی زبان میں جواب دیا جائے جسے وہ بخوبی سمجھتا ہو، تاکہ اس کے ہوش ٹھکانے آ جائیں۔ چنانچہ صدیق اکبرؓ نے گرج کر کہا

"بند کر یہ بکواس اور جا کر اپنی دیوی لات کا قابلِ ستر حصہ چوس! کیا تو سمجھتا ہے کہ ہم مشکل وقت میں رسول اللہ کا ساتھ چھوڑ دیں گے!؟ ---نہیں، ایسا کبھی نہیں ہوگا۔"

عروہ کو توقع نہیں تھی کہ اس کی بات کا اتنا سخت ردعمل ہوگا۔ اس لئے حیران رہ گیا اور جانِ دو عالم ﷺ سے پوچھنے لگا کہ یہ شخص کون ہے۔؟

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ---"ابوقحافہ کا بیٹا ہے۔" (ابوقحافہ، صدیق اکبر کے والد ماجد کا نام ہے۔)

"اگر اِس کا مجھ پر ایک بڑا احسان نہ ہوتا" عروہ نے کہا "تو میں اِس کو ایسا ہی تلخ جواب دیتا۔"(۱)

صدیق اکبرؓ کی طرف سے غیر معمولی تلخی کا اظہار اتنا فی البدیہہ اور برموقع تھا کہ

(۱) کافی عرصہ پہلے ایک دفعہ عروہ کو دیت دینی پڑ گئی تھی مگر اس کے پاس اتنے اونٹ نہیں تھے کہ وہ دیت ادا کر سکتا۔ مجبوراً اس نے اپنے واقف کاروں سے امداد طلب کی، کسی نے ایک اونٹ دیا، کسی نے دو، مگر صدیق اکبرؓ نے دس توانا اونٹ عطا کر کے اس کی ضرورت پوری کر دی تھی۔ عروہ کا اشارہ اسی احسان کی طرف تھا۔

عروہ کی ساری اکڑفوں ختم ہوگئی اور وہ مرعوب کرنے اور دھونس جمانے کے بجائے نرمی و ملاطفت پر اتر آیا اور بے تکلفی کے انداز میں باتیں کرنے لگا۔

عربوں کا رواج تھا کہ آپس میں بے تکلفانہ گفتگو کے دوران وقفے وقفے سے ایک دوسرے کی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے رہتے تھے۔ اسی عادت کے مطابق عروہ نے بھی جانِ دو عالم ﷺ کی ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھایا تو حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ نے --- جو ہتھیار لگائے جانِ دو عالم ﷺ کی پشت پر کھڑے تھے --- تلوار کے دستے سے عروہ کے ہاتھ پر ضرب لگائی اور کہا

''پیچھے ہٹا اپنا ہاتھ، ورنہ میں اسے قلم کردوں گا۔ ہم یہ نہیں برداشت کرسکتے کہ کوئی مشرک رسول اللہ کی پاکیزہ داڑھی پر اپنا نجس ہاتھ پھیرے۔''

''کتنا سخت اور درشت لہجہ ہے تیرا۔'' عروہ نے کہا۔ پھر جانِ دو عالم ﷺ سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ (۱)

''جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا --- ''تیرا بھتیجا ہے، مغیرہ''

عروہ حضرت مغیرہؓ سے مخاطب ہوکر بولا

''اچھا تو یہ تُو ہے، مشہور دھوکے باز، کیا تو بھول گیا ہے کہ میں نے ہی تیری دھوکہ بازی کی پردہ پوشی کی تھی ---؟ (۲)

---

(۱) حیرت ہوتی ہے کہ صدیق اکبرؓ عروہ کے پرانے واقف کاروں میں سے تھے اور حضرت مغیرہؓ اس کے بھتیجے تھے، مگر عروہ دونوں کو نہ پہچان سکا اور جانِ دو عالم ﷺ سے پوچھتا رہا کہ یہ کون ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ احرام کی حالت میں طویل سفر کرنے سے ان کے کپڑے میلے اور بال پراگندہ ہوچکے تھے، اس لئے ان کو فوراً نہ پہچان سکا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عروہ کی نظر کچھ کمزور ہو۔ اس بات کا امکان بھی ہے کہ اس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا ہو۔ صحیح وجہ اللہ ہی کو معلوم ہے۔

(۲) اسلام لانے سے پہلے حضرت مغیرہؓ نے دھوکے سے تیرہ آدمی قتل کردیئے تھے جن کی دیت عروہ نے ادا کی تھی اور قصاص کا مطالبہ کرنے والوں سے حضرت مغیرہ کی جان بچائی تھی۔ ''دھوکہ بازی کی پردہ پوشی کرنے'' سے عروہ کی یہی مراد تھی۔

بہرحال اس کے بعد عروہ نے جانِ دو عالم ﷺ کی ریش مبارک کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا اور عام طریقے سے گفتگو کرنے لگا۔ جانِ دو عالم ﷺ نے اس کو بھی وہی جواب دیا جو اس سے پہلے آنے والے قاصدوں کو دے چکے تھے کہ ہم لڑائی وغیرہ کے لئے نہیں آئے ہیں؛ بلکہ عمرہ کرنے آئے ہیں۔

حضرت مغیرہؓ عرب کے ذہین ترین افراد میں سے ایک تھے۔ انہوں نے بہت بھرپور زندگی گزاری ہے۔ جنگوں میں شریک ہوئے تو صف اول کے شہسواروں میں شمار ہوئے۔ غزوۂ یرموک میں تیر لگنے سے ان کی آنکھ اللہ کی راہ میں قربان ہوگئی تھی۔

فاروقِ اعظم کے دور میں ایران کے خلاف لڑی جانے والی جنگوں میں پیش پیش رہے۔ ایرانی سپہ سالار رستم سے بات چیت کرنے کے لئے حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص نے انہی کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تھا اور انہوں نے رستم کے دربار میں اہل اسلام کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا تھا۔ ایران کے علاوہ شام اور عراق کی فتوحات میں بھی حضرت مغیرہؓ نمایاں نظر آتے ہیں۔ تفصیلات بہت طویل ہیں جن کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ نے ان کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا تو انہوں نے مختصر عرصے میں گردونواح کا سارا علاقہ فتح کر کے اسلامی سلطنت میں شامل کر دیا۔ بصرہ کی گورنری کے دوران ان پر کچھ لوگوں نے زنا کا الزام لگایا۔ معاملہ فاروقِ اعظمؓ تک پہنچا تو انہوں نے اس سلسلے میں پوری طرح چھان بین کی۔ تحقیق کے دوران الزام لگانے والے مکمل شہادت نہ پیش کر سکے اس لئے حضرت عمرؓ نے ان کو قذف کا مجرم قرار دے کر کوڑے لگوائے اور حضرت مغیرہؓ کو بصرہ سے ہٹا کر کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا۔

حضرت عمرؓ کی وفات تک وہ کوفہ کے گورنر رہے۔ پھر حضرت عثمانؓ نے بھی ان کو اپنے پورے بارہ سالہ دورِ خلافت میں اس عہدے پر برقرار رکھا۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے مابین اختلافات کے زمانے میں حضرت مغیرہؓ کنارہ کش ہوگئے۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد ایک بار پھر حضرت معاویہؓ نے ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ بقیہ زندگی کوفہ ہی میں گزار دی اور وہیں ۵۰ھ میں وفات پائی۔

رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ

عروہ جتنی دیر جانِ دوعالم ﷺ کے پاس رہا، صحابہ کرامؓ کے انداز واطوار کا بغور معائنہ کرتا رہا۔ واپس جا کر اس نے جو رپورٹ پیش کی اسے پڑھ کر صحابہ کرامؓ کے والہانہ عشقِ مصطفیٰ کا اندازہ ہوتا ہے اور آدمی کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے، عروہ نے کہا

''اے اہل مکہ! میں روم، ایران اور حبشہ کے بادشاہوں کے درباروں میں جاتا رہا ہوں مگر جس طرح اصحابِ محمد، محمد کی تعظیم کرتے ہیں اس طرح کا نظارا میں نے کسی دربار میں نہیں دیکھا۔ اصحابِ محمد کی عقیدت کا یہ عالم ہے کہ وہ اس کا تھوک بھی زمین پر نہیں گرنے دیتے؛ بلکہ تبرک کے طور پر اپنے چہروں پر مَل لیتے ہیں اور جب وہ وضو کرنے بیٹھتا ہے تو اس کے بدن سے مَس ہو کر گرنے والے پانی کو حاصل کرنے کے لئے یوں بے تابانہ لپکتے ہیں کہ لگتا ہے لڑ پڑیں گے۔ جب وہ انہیں کوئی حکم دیتا ہے تو اس کی تعمیل میں سب ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں اور جب وہ بولتا ہے تو سب خاموش ہو جاتے ہیں۔ فرطِ ادب سے سب اپنی نگاہیں جھکائے رکھتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی اس کے چہرے کو نظر بھر کر نہیں دیکھتا۔ ایسی بے پناہ عقیدت رکھنے والے لوگ تو کٹ مریں گے مگر محمد کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے، اس لئے میں تو کہتا ہوں کہ وہ جو کچھ کہتا ہے اس کی بات مان لو اور اسے مکہ میں داخل ہونے سے نہ روکو، تم جو کچھ کر رہے ہو مجھے ڈر ہے کہ اس کی پاداش میں کہیں تم پر عذابِ الٰہی نہ نازل ہو جائے۔''

افسوس! کہ اہل مکہ نے عروہ کا معقول مشورہ نہ مانا اور جانِ دوعالم ﷺ کو عمرے کی اجازت دینے پر آمادہ نہ ہوئے۔ عروہ ان کی ہٹ دھرمی دیکھ کر ناراض ہو گیا اور ان کا ساتھ چھوڑ کر طائف چلا گیا۔

جانِ دوعالم ﷺ کے قاصد

اہل مکہ کی طرف سے آنے والے قاصدوں سے بات چیت کا کوئی نتیجہ نہ نکلا تو جانِ دوعالم ﷺ نے سوچا کہ اب ہمیں اپنے آدمی اہل مکہ کے پاس بھیجنے چاہئیں ہو سکتا ہے کہ اس طرح بات بن جائے؛ چنانچہ آپ نے حضرت خِراشؓ بن امیہ کو بھیجا، مگر اہل مکہ نے کوئی بات سننے سے پہلے ہی ان پر حملہ کر دیا اور وہ بمشکل جان بچا کر واپس پہنچے۔ اس کے

بعد آپ نے حضرت عمرؓ کو بھیجنا چاہا مگر انہوں نے عرض کی

''یارسول اللہ! میں نے جب سے اسلام قبول کیا ہے میری مشرکین کے ساتھ سخت عداوت چلی آتی ہے، اس لئے مجھے تو دیکھتے ہی وہ غضبناک ہو جائیں گے اور مجھے تنہا دیکھ کر قتل کر دیں گے کیونکہ مکہ میں میرے خاندان بنی عدی کا کوئی بااثر آدمی نہیں ہے جو میری حفاظت کر سکے۔ میرے خیال میں اس کام کے لئے موزوں ترین آدمی عثمان ہیں کیونکہ ان کا خاندان مکہ میں بہت بااثر ہے اس لئے کوئی شخص ان کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔''

جانِ دوعالم ﷺ کو یہ بات پسند آئی اور آپ نے حضرت عثمانؓ کو مکہ بھیج دیا۔ رخصت کرتے وقت جانِ دوعالم ﷺ نے ان سے کہا کہ مکہ میں قیام کے دوران صلح کی بات چیت کرنے کے علاوہ ان لوگوں سے بھی ملنا جو ایمان لا چکے ہیں اور ان کو تسلی دینا کہ ان کی سختیوں اور آزمائشوں کے دن تھوڑے رہ گئے ہیں، عنقریب اللہ تعالیٰ اسلام کو اتنا غلبہ عطا کرے گا کہ سارا مکہ اس کا حلقہ بگوش ہو جائے گا، پھر کسی کو اپنا ایمان چھپانے کی ضرورت نہ رہے گی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روانگی

جانِ دوعالم ﷺ نے حضرت عثمانؓ کی معاونت کے لئے دس اور آدمی بھی ساتھ کر دیئے۔ چنانچہ گیارہ افراد پر مشتمل یہ وفد مکہ پہنچا اور اہل مکہ کو جانِ دوعالم ﷺ کے موقف سے آگاہ کیا مگر اہل مکہ اپنی ہٹ پر اَڑے رہے اور حضرت عثمانؓ سے کہنے لگے۔

''محمد کو تو ہم زندگی بھر یہاں نہیں آنے دیں گے، اس لئے اس کی بات چھوڑو! ہاں! اگر تم طواف کرنا چاہو تو کر سکتے ہو۔''

اللہ اکبر! اللہ کا گھر حضرت عثمانؓ کے سامنے ہے، جسے دیکھ کر ہی دل طواف کے لئے مچلنے لگتا ہے۔ جانِ دوعالم ﷺ کی طرف سے طواف کی کوئی ممانعت بھی نہیں ہے اور اہل مکہ خود اجازت دے رہے ہیں---غرضیکہ طواف جیسی عظیم سعادت سے بہرہ ور ہونے کے جملہ اسباب مہیا ہو چکے ہیں، ایسے میں عقل کا فیصلہ تو یہی ہے کہ ایسے مواقع بار بار نہیں آتے، اس لئے فوراً طواف شروع کر دینا چاہئے مگر عشق نے اس تجویز کو یکسر مسترد کر دیا اور

جب حضرت عثمان بولے تو ان کی زبان سے عشق بول رہا تھا۔ انہوں نے کہا

''یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے بغیر طواف کرلوں! واللہ! جب تک رسول اللہ طواف نہیں کریں گے، میں بھی نہیں کروں گا۔''

اِدھر حدیبیہ میں صحابہ کرامؓ، حضرت عثمانؓ کی قسمت پر رشک کر رہے تھے کہ انہیں مکّہ کے اندر جانے کا موقع مل گیا ہے۔ اب وہ جی بھر کے طواف کریں گے اور بیت اللہ کا دیدار کریں گے۔ جانِ دوعالم ﷺ نے فرمایا --- ''وہ ہمارے بغیر طواف نہیں کرے گا۔''

''کیسے نہیں کریں گے یارسول اللہ!؟'' صحابہ کرامؓ نے حیرت سے کہا ''جب کہ وہ بیت اللہ کے پاس جاچکے ہیں!''

''بس میرا اس کے بارے میں یہی گمان ہے کہ وہ ہمارے بغیر طواف نہیں کرے گا، خواہ اسے پورا سال مکّہ میں گزارنا پڑ جائے۔''

سُبحان اللہ! اگر ایک طرف حضرت عثمانؓ کا عشق مثالی تھا تو دوسری طرف ان کے آقا کا ان پر اعتماد بھی اپنی مثال آپ تھا۔

بہر حال مشرکین کو حضرت عثمانؓ کا یہ رویّہ ناگوار گزرا اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کو ان کے ساتھیوں سمیت گرفتار کرلیا۔

قتل کی افواہ

نہ جانے ماہرینِ نفسیات کے نزدیک اس کی وجوہات کیا ہیں مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ بے اعتمادی کی فضا میں افواہیں بہت پھیلتی ہیں۔ حدیبیہ میں بھی یہی ہوا۔ حضرت عثمانؓ کی گرفتاری سے حدیبیہ میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے ہیں۔ جانِ دوعالم ﷺ اور تمام صحابہ کرامؓ کو بہت صدمہ پہنچا۔ جانِ دوعالم ﷺ نے فرمایا

''ہم لڑائی کے بغیر ایک قدم پیچھے نہیں ہٹیں گے۔''

بیعت رضوان

اس موقع پر جانِ دوعالم ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے وہ مشہور بیعت لی، جو بیعتِ

رضوان (۱) کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بیعت موت پر تھی۔ یعنی جب تک دم میں دم ہے، لڑتے رہیں گے اور کسی صورت میں بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔

صحابہ کرامؓ جوق در جوق بیعت ہونے لگے۔ ایک جماعت فارغ نہیں ہوتی تھی کہ دوسری تیار کھڑی ہوتی تھی۔ رفتہ رفتہ سب اس سعادت سے بہرہ ور ہو گئے۔ مگر ایک جاں نثار محروم رہ گیا اور اس کی یہ محرومی ہی اس کے لئے ایک انوکھی خوش نصیبی کی نوید بن گئی۔ اس خوش نصیب ''محروم'' کا نام عثمان بن عفان ہے۔ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ۔

بیعت عثمان رضی اللہ عنہ

یہ بیعت چونکہ بہت بڑا اعزاز تھا، اس لئے جانِ دو عالم ﷺ نے گوارا نہ کیا کہ جان ہتھیلی پر رکھ کر مکہ میں جانے والا اور اب تک کی اطلاعات کے مطابق شہید ہو جانے والا عثمان اس سعادت سے محروم رہ جائے، چنانچہ آپ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی

''الٰہی! چونکہ عثمان اللہ اور اس کے رسول کی خدمت گزاری کے سلسلے میں مکّہ گیا ہؤا ہے اور اس وجہ سے آج کی بیعت میں شامل نہیں ہو سکا ہے، اس لئے میں خود ہی اس کی طرف سے بیعت لے رہا ہوں۔''

اس کے بعد آپ نے اپنا بایاں ہاتھ عثمان کا ہاتھ قرار دیا اور اس کو اپنے ہی دائیں

---

(۱) اس کو بیعتِ رضوان اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے جملہ شرکاء کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی و رضا کا مژدۂ جانفزا سنایا اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

﴿ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ ط ﴾

(اے نبی! اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہو گیا، جب وہ درخت کے نیچے تمہارے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔)

جانِ دو عالم ﷺ نے ان کی شان یوں بیان فرمائی

''لَا یَدْخُلُ النَّارَ اَحَدٌ بَایَعَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ۔''

(جس نے بھی درخت کے نیچے بیعت کی، اس پر آتش دوزخ حرام ہے۔)

ہاتھ میں لے کر، خود ہی عثمان سے بیعت لے لی۔

اللہ اللہ!!

من تو شدم تو من شدی، من جاں شدم تو تن شدی
تا کس نگوید بعد ازیں ، من دیگرم تو دیگری

مشرکین سے جھڑپ

رات کے وقت مشرکین کا ایک چھوٹا سا دستہ اہل ایمان کی قیام گاہ کے گرد چپکے چپکے چکر لگانے لگا تا کہ اگر موقع ملے تو شب خون مارا جائے اور لوٹ مار کی جائے۔ مگر مسلمانوں کی حفاظت پر حضرت محمد ابن مسلمہ جیسا جہاندیدہ شجاع متعین تھا۔ چنانچہ بجائے اس کے کہ مشرکین حملہ کرتے، الٹا حضرت محمدؓ ابن مسلمہ (۱) نے ان کو چاروں طرف سے گھیر کر پکڑ لیا اور سوائے ایک آدمی کے کوئی بھی بھاگنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

مشرکین کو اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے اپنے آدمیوں کو چھڑانے کے لئے مزید جمعیت روانہ کر دی۔ ان لوگوں نے آتے ہی مسلمانوں پر حملہ کر دیا، مگر مسلمان ایسی چھوٹی چھوٹی جمعیتوں کو کہاں خاطر میں لانے والے تھے۔ انہوں نے ایسا بھرپور جوابی حملہ کیا کہ بارہ آدمی مزید گرفتار کر لئے اور باقی بھاگ گئے۔

ایک بار پھر صلح کی کوشش

جب مشرکین نے دیکھا کہ ہماری کوئی پیش نہیں جاتی تو صلح پر آمادہ ہو گئے۔ اب کی بار اس مقصد کے لئے سہیل ابن عمر کو بھیجا گیا۔ سہیل نے نسبتاً اچھے انداز میں گفتگو کا آغاز کیا اور کہا کہ ہماری طرف سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جو غلطی سرزد ہوئی ہے وہ چند جلد باز اور سرپھرے نوجوانوں کی کارستانی ہے، ورنہ سمجھدار لوگ ان کی اس حرکت سے ناخوش ہیں --- بہرحال جو ہوا سو ہوا۔ اب آپ کے ساتھیوں نے ہمارے جو آدمی پکڑ رکھے ہیں، ان کو رہا کر دیجئے!

---

(۱) تعارف جلد اول، ص ۴۶۳ پر گزر چکا ہے۔

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا---"تم نے بھی ہمارے ساتھی گرفتار کر رکھے ہیں، اگر تم ان کو چھوڑ دو تو ہم بھی رہا کر دیں گے۔"

سہیل نے تبادلے کی یہ تجویز منظور کر لی اور اس طرح دونوں طرف کے گرفتار شدگان کو رہائی مل گئی۔

جب حضرت عثمانؓ رہا ہو کر حدیبیہ پہنچے تو صحابہ کرامؓ نے ان سے کہا

"آپ نے تو خوب مزے لوٹے ہوں گے اور جی بھر کے طواف کئے ہوں گے۔"

حضرت عثمانؓ نے ہو بہو ویسا ہی جواب دیا جیسا جانِ دو عالم ﷺ نے ان کے بارے میں گمان کیا تھا، انہوں نے کہا---"رسول اللہ ﷺ کو یہاں چھوڑ کے میں طواف کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ واللہ! اگر میں ایک سال بھی وہاں رہتا تو رسول اللہ کے بغیر ہرگز طواف نہ کرتا۔"

سہیل کی دوبارہ آمد

سہیل چونکہ دونوں طرف سے گرفتار شدگان کو رہائی دلوانے میں کامیاب رہا تھا اور فریقین کے دلوں میں اس کے لئے نرم گوشہ موجود تھا، اس لئے اہل مکہ نے صلح کے بارے میں مذاکرات کرنے کے لئے بھی اسی کا انتخاب کیا اور صلح کے لئے جانے والے دو رکنی وفد کی قیادت اس کو سونپ دی۔

سہیل ایک بار پھر جانِ دو عالم ﷺ کے پاس آیا اور بسلسلۂ صلح بات چیت شروع کی۔ دورانِ تکلم اس کی آواز بلند ہونے لگی تو ایک صحابی نے کہا---"اِخْفِضْ صَوْتَکَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ" (رسول اللہ کے روبرو اپنی آواز کو نیچا رکھ!)

بہر حال گفتگو جاری رہی۔ سہیل نے کہا---"محمد! ہمیں تمہارے عمرہ و حج پر کوئی اعتراض نہیں ہے، تم آئندہ سال بے شک عمرہ کر لینا، مگر اس دفعہ ہم اس کی اجازت نہیں دے سکتے، کیونکہ پورے عرب میں یہ بات مشہور ہو جائے گی کہ اہل مکّہ نے محمد کو روکنے کی بہت کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے اور محمد جبراً مکّہ میں داخل ہو گیا۔"

جانِ دو عالم ﷺ تو تھے ہی صلح جو اور نرم خو، آپ نے نہ صرف یہ شرط منظور کر لی

بلکہ بعض ایسی شرائط بھی مان لیں جو چند پُر جوش صحابہ کرامؓ کے لئے وقتی طور پر سخت صدمے کا سبب بنیں، مگر جانِ دو عالم ﷺ نے ان کے اعتراضات مسترد کر دیئے اور معاہدے کو ضبطِ تحریر میں لانے کا حکم دے دیا۔

اس معاہدے کے کاتب حضرت علیؓ تھے۔ انہوں نے حسب معمول تحریر کا آغاز

''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' سے کیا تو سہیل نے کہا

''اَللّٰہ تو ٹھیک ہے، لیکن رَحْمَان کے بارے ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ یہ کون ہے، اس لئے پرانے عرب دستور کے مطابق بِاسْمِکَ اللّٰھُمَّ لکھو۔''

''نہیں، ہم بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہی لکھیں گے۔'' صحابہ کرامؓ نے اصرار کیا۔

لیکن یہ کوئی ایسی اہم بات نہیں تھی، کیونکہ مقصود تو اللہ کے نام سے آغاز کرنا ہے اور یہ مقصد بِاسْمِکَ اللّٰھُمَّ سے بھی حاصل ہو جاتا ہے، اس لئے جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا

''جس طرح سہیل کہتا ہے اسی طرح لکھ دو۔''

چنانچہ حضرت علیؓ نے بِاسْمِکَ اللّٰھُمَّ لکھ دیا۔

اس کے بعد حضرت علیؓ نے معاہدے کا عنوان لکھنا شروع کیا

''یہ وہ فیصلہ ہے جو مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ............''

ابھی اتنا ہی لکھا تھا کہ سہیل نے پھر اعتراض کیا اور جانِ دو عالم ﷺ سے کہا

''اگر ہم تمہیں اللہ کا رسول تسلیم کرتے تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا، اس صورت میں تو ہم نہ صرف یہ کہ تمہیں مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دے دیتے؛ بلکہ تم پر ایمان لاتے اور تمہاری پیروی کرتے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے بجائے مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِاللّٰہ لکھو۔''

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا---''اگرچہ تم میری تکذیب کرتے ہو، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میں اللہ کا سچا رسول ہوں۔''

پھر حضرت علیؓ سے فرمایا---''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ مٹا دو اور مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِاللّٰہ لکھو۔''

حضرت علیؓ نے عرض کی---''یا رسول اللہ! میں کسی صورت میں ''رسول اللہ'' مٹانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔''

چنانچہ جانِ دو عالم ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ مٹا کر مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِاللہ لکھ دیا۔

اس کے بعد معاہدۂ صلح کی چھ شرائط لکھی گئیں۔

۱---اس سال مسلمان واپس چلے جائیں۔

۲---آئندہ سال آئیں اور صرف تین دن رہ کر واپس لوٹ جائیں۔

۳---ہتھیار لگا کر نہ آئیں؛ البتہ ہر آدمی ایک تلوار ساتھ لا سکتا ہے، وہ بھی اس طرح کہ نیام میں بند ہو اور نیام تھیلے میں پڑی ہو۔

۴---مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص مکہ میں رہنا چاہے تو رہ سکتا ہے۔ لیکن جو مسلمان مکہ میں پہلے سے موجود ہیں وہ اگر مسلمانوں کے ساتھ مدینہ جانا چاہیں تو نہیں جا سکتے۔

۵---اگر کوئی مسلمان مکہ سے بھاگ کر مسلمانوں کے پاس چلا جائے تو اس کو واپس کرنا ہوگا لیکن اگر کوئی مسلمان مدینہ سے بھاگ کر مکہ چلا آئے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

۶---عرب کے دیگر قبائل کو اختیار ہوگا کہ اس معاہدہ کے جس فریق کے ساتھ چاہیں شامل ہو جائیں۔

ان میں سے بیشتر شرائط بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں۔ خصوصاً یہ شرط ''جو مسلمان مکہ سے بھاگ کر مسلمانوں کے پاس چلا جائے، اس کو واپس کرنا پڑے گا۔'' کیونکہ مکہ سے جو بھی بھاگتا تھا، وہ مشرکین کے ظلم وستم سے تنگ آ کر بھاگتا تھا۔ ایسے مظلوم کو واپس لوٹانا تو اس کو اپنے ہاتھوں اذیتوں کی بھٹی میں جھونکنے کے مترادف تھا۔

ابو جندل رضی اللہ عنہ کی آمد

ابھی معاہدے پر دستخط نہیں ہوئے تھے کہ ایسا واقعہ پیش آیا جس سے مسلمان تڑپ

اُٹھے۔ ہوا یوں کہ سہیل ہی کے ایک صاحبزادے حضرت ابو جندلؓ جو اسلام لا چکے تھے اور مشرکین نے ان کو مکہ میں قید کر رکھا تھا اور انہیں طرح طرح کی اذیتیں دیتے رہتے تھے، کسی طرح سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور بیڑیوں سمیت گھسٹتے گھسٹتے آ کر مسلمانوں کے سامنے بے دم ہو کر گر پڑے۔

سہیل نے کہا---''محمد! معاہدہ صلح پر عمل کرنے کا یہ پہلا موقع ہے، شرائط صلح کے مطابق اس کو میرے حوالے کر دو!''

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا---''ابھی صلح کا معاہدہ مکمل نہیں ہوا اور دستخط ہونا باقی ہیں۔''

سہیل نے کہا---''پھر ہمیں بھی صلح منظور نہیں۔''

جانِ دو عالم ﷺ نے سہیل کو قائل کرنے کی بہت کوشش کی، مگر وہ کوئی بات سننے کے لئے آمادہ نہ ہوا اور اپنی ضد پر اڑا رہا۔ آخر بادلِ ناخواستہ جانِ دو عالم ﷺ نے سہیل کا مطالبہ مان لیا۔ حضرت ابو جندلؓ نہ جانے کن مشکلوں سے یہاں تک پہنچے تھے۔ ان کو جب پتہ چلا کہ مجھے واپس بھیجا جا رہا ہے۔ تو وہ چیخ اٹھے اور اپنے جسم سے کپڑا ہٹا کر مسلمانوں کو دکھاتے ہوئے فریاد کرنے لگے کہ یہ دیکھو! کافروں نے مار مار کر میرا کیا حال کر رکھا ہے۔ کیا تم مجھے اسی حال میں چھوڑ کر جانا چاہتے ہو؟ کیا تم لوگ مجھے ایک بار پھر ان ظالموں کے حوالہ کر دو گے؟

یہ ایسا دلدوز منظر تھا کہ بہت سے اکابر صحابہ کے لئے بھی ضبط مشکل ہو گیا۔ حضرت عمرؓ کا پیمانہ صبر تو بالکل ہی لبریز ہو گیا۔ عرض کی

''یارسول اللہ! کیا آپ اللہ کے سچے رسول نہیں ہیں؟''

''بے شک میں اللہ کا رسول ہوں۔''

''کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟''

''یقیناً حق پر ہیں۔''

''پھر ہم ایسی ذلت والی شرطیں کیوں مانیں یارسول اللہ!؟''

''میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔''

''کیا آپ نے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم بیت اللہ کا طواف کریں گے؟''

''ضرور کہا تھا، مگر یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسی سال کریں گے۔''

حضرت عمرؓ غصے میں بھرے ہوئے حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس آئے اور ان سے بھی ایسی ہی گفتگو کی، حضرت صدیق اکبرؓ نے کہا

''عمر! یاد رکھو کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور کوئی کام بھی اللہ کے حکم کے بغیر نہیں کرتے۔ انہوں نے جو کچھ بھی کیا ہے ٹھیک کیا ہے۔ تم ہمیشہ ان کی رکاب تھامے رہو۔ (یعنی بلاچون وچرا مکمل اطاعت کرو۔)

ندامت

اگرچہ حضرت عمرؓ نے یہ باتیں معاذ اللہ کسی بدنیتی کی بنا پر نہیں کہی تھیں؛ بلکہ جو کچھ کہا تھا، اسلام کی عظمت و سربلندی کے پیش نظر کہا تھا، کیونکہ ان کے خیال میں اسلام جیسے ولولہ انگیز ضابطۂ حیات کے علمبرداروں کو ایسی کمزور شرائط پر صلح نہیں کرنی چاہئے تھی؛ تاہم بعد میں ان کو اپنے اس مکالمے پر جو انہوں نے جانِ دو عالم ﷺ سے کیا تھا، سخت ندامت ہوئی۔ خود فرماتے ہیں کہ میں اپنی اس کوتاہی اور غلطی کے کفارے کے لئے ایک زمانے تک نوافل پڑھتا رہا، روزے رکھتا رہا، صدقے دیتا رہا اور غلام آزاد کرتا رہا۔ تا آنکہ مجھے تقریباً یقین ہوگیا کہ اب اللہ تعالیٰ نے میرا گناہ معاف کر دیا ہوگا۔

نوید نجات

جانِ دو عالم ﷺ اگرچہ ابو جندلؓ کو واپس بھیجنے پر رضامند نہ تھے، مگر معاہدہ صلح کی حرمت کا تحفظ کرتے ہوئے بادلِ ناخواستہ ان کو سہیل کے حوالے کر دیا؛ تاہم انہیں رخصت کرتے وقت ارشاد فرمایا---''ابو جندل! صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھو۔ اب ہم معاہدہ کر چکے ہیں اور اس کی مخالفت نہیں کر سکتے۔ ویسے عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانیاں فراہم کرے گا اور تمہارے نکلنے کا کوئی نہ کوئی ذریعہ بنا دے گا۔ (۱)

(۱) جانِ دو عالم ﷺ کا یہ فرمان بالکل درست ثابت ہوا اور حضرت ابو جندلؓ کو جلد ہی ☜

واپسی

معاہدۂ صلح کرنے کے بعد جانِ دوعالم ﷺ واپس ہو گئے۔ واپسی میں جب آپ غُمیم نامی جگہ پر پہنچے تو وحی کا نزول شروع ہو گیا اور سورہ فتح کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔

اہل مکہ کی وحشت و بربریت سے نجات مل گئی۔ اس کا سبب یہ بنا کہ جانِ دوعالم ﷺ کو صلح کا معاہدہ کر کے واپس مدینہ آئے ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ ایک اور وفاکیش حضرت ابو بصیرؓ ظلم وستم سے تنگ آ کر مکہ سے فرار ہو گئے اور جانِ دوعالم ﷺ کے پاس مدینہ آ پہنچے۔ مگر ابھی دو ہی دن گزرے تھے کہ مکہ سے ان کے تعاقب میں دو آدمی آ گئے۔ انہوں نے جانِ دوعالم ﷺ کو معاہدے کی یہ شق یاد دلائی کہ ''اگر مکہ سے کوئی مسلمان بھاگ کر مدینہ چلا جائے تو اس کو واپس کرنا پڑے گا۔'' اور کہا کہ ابو بصیر کو ان کے حوالے کیا جائے۔

جانِ دوعالم ﷺ نے فرمایا---''ٹھیک ہے، تم ابو بصیر کو لے جا سکتے ہو۔''

ابو بصیرؓ نے بھی ابو جندلؓ کی طرح فریاد کی اور کہا---''یا رسول اللہ! آپ مجھے دوبارہ ان ظالموں کے پاس بھیجنا چاہتے ہیں، جن سے میں بمشکل جان بچا کر آیا ہوں!''

جانِ دوعالم ﷺ نے ان کو بھی یہی مژدہ سنایا کہ صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھو۔ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانیاں فراہم کر دے گا اور وہاں سے تمہارے نکلنے کا کوئی نہ کوئی ذریعہ بنا دے گا۔

الغرض ابو بصیرؓ ان دونوں کے حوالے کر دیئے گئے اور وہ ابو بصیر کو لے کر مکہ کی طرف چل پڑے، مگر ابھی تین چار میل دور ذوالحلیفہ ہی پہنچے تھے کہ ابو بصیرؓ نے ان میں سے ایک شخص کی چمکتی ہوئی تلوار کی طرف دیکھ کر کہا

''تمہاری یہ تلوار بڑی عمدہ اور نفیس معلوم ہوتی ہے۔''

''ہاں، ہاں، اس میں کیا شک ہے۔ میں بارہا اس کو آزما چکا ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

''اچھا---! ذرا دکھانا تو۔'' ابو بصیرؓ نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ وہ شخص اپنی تلوار کی تعریف سن کر اتنا مسرور ہوا کہ احتیاط کو بالائے طاق رکھتے ہوئے تلوار ابو بصیرؓ کے ہاتھ میں دے دی۔

ابو بصیر کو اور کیا چاہئے تھا، تلوار ہاتھ میں آتے ہی انہوں نے ایسا نپا تلا وار کیا کہ اس شخص کا سر قلم ☜

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِيْنًا........(ہم نے آپ کو فتح عطا کی ہے، واضح فتح۔)
نزولِ وحی کے بعد جبریلؑ نے آپ کو اس فتح مبین کی مبارک باد دی؛ البتہ ایک شخص نے کہا---یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اَفَتْحٌ هُوَ؟ (یارسول اللہ! کیا یہ فتح ہے؟)

کر دیا۔ یہ منظر دیکھ کر اس کا دوسرا ساتھی ڈر کے مارے مدینہ کی طرف بھاگ اٹھا---آگے آگے وہ اور پیچھے پیچھے ابوبصیرؓ۔

جانِ دو عالم ﷺ صحابہ کرام کے جھرمٹ میں رشد و ہدایت کی محفل سجائے بیٹھے تھے کہ اچانک وہ شخص خوفزدہ اور حواس باختہ حالت میں دوڑتا ہوا آپ کے پاس آیا اور پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان گویا ہوا---''مار ڈالا، واللہ! تمہارے آدمی نے میرے ساتھی کو مار ڈالا اور اب مجھے قتل کرنے کے درپے ہے۔''

اسی دوران ابوبصیرؓ بھی شمشیر بکف آ پہنچے اور عرض کی---''یارسول اللہ! آپ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور مجھے ان کے حوالے کر دیا، اس طرح آپ کی ذمہ داری ختم ہوگئی۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا، اس کا میں خود ذمہ دار ہوں اور یارسول اللہ! اگر آپ میرا یہاں رہنا پسند نہیں کرتے تو میں کہیں اور چلا جاؤں گا، لیکن مکہ واپس نہیں جاؤں گا۔''

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا---''ٹھیک ہے، جہاں تمہارا جی چاہے چلے جاؤ۔''

ابوبصیرؓ وہاں سے رخصت ہو کر سمندر کے ساحل پر چلے گئے اور وہیں جھاڑیوں کے ایک جھنڈ میں اپنی کمین گاہ بنالی۔ رفتہ رفتہ یہ خبر مکہ بھی پہنچ گئی کہ ابوبصیرؓ نے سمندر کے کنارے ڈیرہ لگا لیا ہے۔ ابوجندلؓ کو پتہ چلا تو وہ بھی کسی نہ کسی طرح مکہ سے نکل کر ابوبصیرؓ کے پاس پہنچ گئے۔ آہستہ آہستہ وہاں مظلوموں اور ستم زدوں کی خاصی جمعیت اکٹھی ہوگئی اور ان کی تعداد بڑھتے بڑھتے تین سو تک پہنچ گئی۔ اب انہوں نے شام کی طرف سے آنے جانے والے مشرکین کے قافلوں پر حملے شروع کر دیئے اور مالِ غنیمت سے اپنی معاشی ضروریات پوری کرنے لگے۔ ان حملوں سے مشرکین اس قدر تنگ آئے کہ ابوسفیان کو جانِ دو عالم ﷺ کے پاس بھیجا اور اس نے نہایت عاجزی سے درخواست کی کہ خدا کے لئے آپ ابوبصیر اور اس کے ساتھیوں کو مدینہ بلا لیجئے کیونکہ انہوں نے ہمارا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ اس کے عوض ہم اس شرط سے دستبردار ہوتے ہیں کہ جو مسلمان مکہ سے مدینہ آئے تو اس کو واپس کرنا پڑے گا۔ ☜

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا---اِیْ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنَّہٗ لَفَتْحٌ.

(ہاں، اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یہ بلاشبہ فتح ہے۔)

اور بعد کے نتائج نے ثابت کر دیا کہ درحقیقت یہ فتح مبین تھی کیونکہ اس سے پہلے مسلمان اور کافر آپس میں ملتے جلتے نہیں تھے۔ اب صلح ہوگئی تو دونوں طرف سے آمد و رفت شروع ہوگئی۔ اس طرح مکہ والوں کو مسلمانوں کے اخلاق اور کردار کو جانچنے پرکھنے کا موقع مل گیا۔ وہ مدینہ آتے تو جانِ دو عالم ﷺ کی پُر نور محفلوں کو دیکھتے، آپ کے ولولہ انگیز خطاب سُنتے پھر صحابہ کرامؓ کی پاکبازی اور آپس میں ان کی محبت و اُلفت دیکھتے تو مسحور ہو جاتے۔ اسی طرح مسلمان مکہ جاتے تو اپنے عمدہ اطوار اور پاکیزہ عادات سے لوگوں کے دل موہ لیتے۔ اس طرح بے شمار لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے اور ہر طرف اللہ کے دین کا ڈنکا بجنے لگا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے بعد صرف دو سال میں اسلام لانے والوں کی تعداد اب تک مسلمان ہونے والوں کی مجموعی تعداد سے دوگنا ہوگئی۔

جانِ دو عالم ﷺ کی تیرہ سالہ مکی زندگی اور صلح حدیبیہ تک تقریباً چھ سالہ مدنی زندگی کا کل عرصہ ۱۹ سال بنتا ہے، گویا انیس سالوں میں اتنے مسلمان نہیں ہوئے، جتنے صلح کے بعد صرف دو سالوں میں ہو گئے۔!!!

اب جس کا جی چاہے مکہ سے آ کر یہاں بس جائے، ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔

جانِ دو عالم ﷺ تو خود ان بے گھر اور بے خانماں مظلوموں کے لئے پریشان تھے۔ چنانچہ اسی وقت ایک آدمی کو ابوبصیرؓ کے نام خط دے کر بھیجا، مگر آہ! کہ جس وقت مکتوبِ مصطفیٰ وہاں پہنچا، اس گھڑی ابوبصیرؓ کی زندگی کی شام ہو رہی تھی۔ انہوں نے مکتوب مبارک ہاتھ میں لیا اور اسی عالم میں جان دار دی۔ ابوجندلؓ نے ان کو وہیں دفن کرایا اور باقی ساتھیوں کو لے کر مدینہ آگئے اور پھر ہمیشہ کے لئے یہیں کے ہو کر رہ گئے۔

رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ اَجْمَعِیْن.

مختلف فرماں رواؤں کی جانب جانِ دو عالم ﷺ

کے ارسال کردہ مکاتیب گرامی کے آخر میں ثبت

کی جانے والی مُہرِ نبوی کا عکس

اللہ اکبر ---! کیا یہ فتح مبین نہ تھی---؟ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْم. اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ه (۱)

مکاتیبِ مقدسہ

صلح حدیبیہ کی وجہ سے حرب وضرب کی گرم بازاری کم ہوگئی تو جانِ دو عالم ﷺ نے فراغت کے ان لمحات کا یہ خوبصورت مصرف نکالا کہ بادشاہوں اور رؤسا کو خطوط کے ذریعے دعوتِ اسلام دی جائے۔ اس سلسلے میں آپ نے صحابہ کرامؓ سے بات کی تو انہوں نے عرض کی کہ اس کے لئے پہلے مُہر کا انتظام کرنا چاہئے کیونکہ امراء اور بادشاہ اس تحریر کو دیکھنے کی زحمت بھی نہیں کرتے جس پر مُہر نہ لگی ہو۔

اس زمانے میں مُہر، انگشتری کے نگینے میں کھدوائی جاتی تھی، اس لئے جانِ دو عالم ﷺ نے چاندی کی ایسی انگشتری بنوانے کا حکم دیا جس کے نگینے میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کھدا ہوا ہو۔ آپ کے ارشاد کے مطابق نگینہ تیار کرایا گیا اور غالباً اللہ، کا نامِ نامی سب سے اوپر رکھنے کے لئے نیچے سے اوپر کتابت کرائی گئی۔ اس طرح تین سطروں پر مشتمل مُہر تیار ہوئی، جس کی ترتیب یوں تھی۔

اللّٰہ
رَسُوْلُ
مُحَمَّدٌ (عکس ملاحظہ فرمائیں)

قیصر کے نام

سب سے پہلا خط آپ نے قیصرِ روم کی طرف لکھا۔ روم کے ہر بادشاہ کو قیصر کہا جاتا تھا، یہ ان کا شاہی لقب تھا۔ اس وقت کے قیصر کا نام ہرقل تھا۔ یہ خط دحیہ کلبیؓ لے کر گئے تھے۔ پہلے وہ شام کے ایک شہر بصریٰ گئے، جہاں قیصر کی طرف سے مقرر کردہ عامل حارث غسانی رہتا تھا اور اس کو یہ مکتوب پہنچایا۔ اس نے ایک آدمی دحیہ کلبیؓ کے ساتھ کر دیا اور کہا کہ دحیہ کے ساتھ جاؤ اور یہ خط دمشق میں شہنشاہِ روم کے حضور پیش کرو۔

---

(۱) صلح حدیبیہ کا واقعہ پوری تفصیل سے صحیح بخاری کے متعدد مقامات پر موجود ہے۔ خصوصاً کتاب المغازی اور کتاب الشروط میں۔ اس لئے ہم نے بخاری پر ہی انحصار کیا ہے؛ البتہ بعض تفصیلات کے لئے فتح الباری اور زرقانی سے بھی مدد لی ہے۔

قیصر کو خط ملا تو اس نے پوچھا کہ یہ کہاں سے آیا ہے؟ بتایا گیا کہ عرب سے آیا ہے محمد رسول اللہ کی طرف سے۔

قیصر نے کہا---'' مکہ سے متعدد لوگ تجارت کے لئے شام آتے رہتے ہیں۔ پتہ کرو، اگر محمد کے خاندان کا کوئی فرد آیا ہوا ہو تو اس کو بلا لاؤ، تا کہ اس سے بالمشافہ محمد کے حالات معلوم کئے جائیں۔''

اتفاقاً ان دنوں ابوسفیان ایک تجارتی قافلہ لے کر شام کے ایک شہر غزہ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ حکومت کے کارندوں نے اس کے ساتھ رابطہ کیا اور کہا کہ شہنشاہ تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہے، اس لئے اپنے ساتھیوں سمیت دمشق آ جاؤ۔ چنانچہ ابوسفیان اپنے کارواں کو لے کر دمشق آ گیا۔

سوال جواب

بادشاہ نے ابوسفیان سے ملاقات کے لئے خاصا اہتمام کیا۔ باقاعدہ دربار منعقد کیا۔ خود مرصع تاج پہن کر تخت نشین ہوا۔ سامنے ایک طرف اراکین سلطنت اور مذہبی رہنما بٹھائے، دوسری طرف ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو بٹھایا اور ترجمان کے ذریعے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا

''میرے پاس عرب سے ایک خط آیا ہے، جو محمد کی طرف سے ہے اور وہ نبوت کا دعویدار ہے۔ میں چونکہ اس کو پہچانتا نہیں۔ اس لئے تم لوگوں کو بلایا ہے تا کہ تمہاری زبانی اس کے حالات معلوم کئے جا سکیں---تم میں سے اس کا رشتہ دار کون ہے؟''

''میں ہوں۔'' ابوسفیان نے کہا۔

''اچھا تو یہ بتاؤ کہ اس مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے؟''

''نہایت معزز اور شریف ہے۔''

''کیا خاندان میں اس سے پہلے بھی کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟''

''نہیں، یہ پہلا شخص ہے۔''

''اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟''

''نہیں۔''

''جن لوگوں نے اس کا مذہب قبول کیا ہے، وہ ضعیف و کمزور ہیں، یا با اثر اور مالدار ہیں؟''

''اکثر ضعیف اور نادار ہیں۔''

''اس کے پیروکاروں کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی ہے یا کم ہو رہی ہے؟''

''بڑھ رہی ہے۔''

''کبھی اس نے جھوٹ بولا ہے؟''

''نہیں۔''

''وعدے کی خلاف ورزی کی ہے؟''

ابھی تک تو نہیں کی؛ البتہ اب ہمارے ساتھ اس نے صلح کا معاہدہ کیا ہے، پتہ نہیں اس کی پاسداری کرتا ہے یا نہیں!''

''تم لوگوں نے کبھی اس کے ساتھ جنگ بھی کی ہے؟''

''ہاں، کئی دفعہ۔''

''نتیجہ کیا رہا؟''

''کبھی وہ فاتح ہوا، کبھی ہم۔''

''وہ کس چیز کی تعلیم دیتا ہے؟''

''کہتا ہے ایک رب کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو، پاکباز بنو، ہمیشہ سچ بولو اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔''

قیصر نے کہا---''تمہاری گفتگو سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ محمد، اللہ کے سچے رسول ہیں۔ کیونکہ:

تم کہتے ہو، وہ شریف النسب ہے---انبیاء ہمیشہ شریف النسب ہوتے ہیں۔

تم کہتے ہو، اس کے خاندان میں اس سے پہلے نبوت کا دعویٰ کسی نے نہیں کیا---اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ خاندانی اثر ہے۔

تم کہتے ہو، اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ نہیں گزرا---اگر ایسا ہوتا تو میں

سمجھتا کہ یہ تاج وتخت کے حصول کی جدّ وجہد ہے۔

تم کہتے ہو، اس کے پیروکاروں میں اکثریت کمزور اور نادار لوگوں کی ہے---
انبیاء جب بھی آئے ان کا اتباع کمزور اور نادار لوگوں نے ہی کیا۔

تم کہتے ہو، اس کے پیروکاروں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے--- سچے مذہب کے پیروکاروں کی تعداد بھی دن بدن زیادہ ہوتی رہتی ہے۔

تم کہتے ہو، اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا---تو جو شخص انسانوں سے جھوٹ نہ بولے، وہ خدا پر جھوٹ اور افترا کب کرسکتا ہے!

تم کہتے ہو، اس نے کبھی بدعہدی نہیں کی---سچا نبی وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

تم کہتے ہو، وہ توحید، نماز، روزے، پاکدامنی، سچائی اور صلہ رحمی کا درس دیتا ہے---یہی تعلیم دینے کے لئے تو انبیاء آتے ہیں۔

اگر جو کچھ تم نے بیان کیا ہے وہ درست ہے تو پھر وہ یقیناً سچا نبی ہے اور ایک دن آئے گا کہ میرا ملک بھی اس کے قبضے میں چلا جائے گا۔ مجھے یہ تو پتہ تھا کہ ایک رسول آنے والا ہے، مگر یہ معلوم نہ تھا کہ وہ عرب میں مبعوث ہوگا۔ اگر میں وہاں جاسکتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا۔''

اس کے بعد حکم دیا کہ رسول اللہ کا خط دربار میں پڑھا جائے۔
نامہ مبارک مندرجہ ذیل مختصر عبارت پر مشتمل تھا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔

مِنْ مُّحَمَّدٍ عَبْدِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ اِلٰی ھِرَقْلَ عَظِیْمِ الرُّوْمِ ۔

سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی ۔

اَمَّابَعْدُ --- فَاِنِّیْ اَدْعُوْکَ بِدِعَایَۃِ الْاِسْلَامِ، اَسْلِمْ تَسْلِمْ، یُؤْتِکَ اللّٰہُ اَجْرَکَ مَرَّتَیْنِ، فَاِنْ تَوَلَّیْتَ فَعَلَیْکَ اِثْمُ الْاَرِیْسِیِّیْنَ. وَیٰاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَانُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوْا اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ٥

(محمد کی طرف سے جو خدا کا بندہ اور رسول ہے، ہرقل کی طرف جو روم کا سردار ہے۔
سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

اس کے بعد میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام لے آؤ، سلامتی پاؤ گے اور اللہ تعالیٰ تم کو دگنا اجر دے گا۔ اگر تم نے نہ مانا تو پورے ملک کا گناہ تمہارے سر ہوگا۔ اے اہل کتاب! آؤ اس بات کی طرف جو ہمارے تمہارے درمیان برابر ہے۔ وہ یہ کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں، نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں، نہ ہم میں سے کوئی کسی کی پرستش کرے۔ اگر تم نہیں مانتے تو گواہ رہو کہ ہم ان تمام باتوں کو تسلیم کرتے ہیں۔)

قیصر کے درباری اور مذہبی رہنما اس خط کو سن کر سیخ پا ہو گئے اور دربار میں ایک شور مچ گیا۔ یہ دیکھ کر قیصر نے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو رخصت کر دیا اور خود اہل دربار کا غصہ فرو کرنے میں مصروف ہو گیا۔

ذاتی طور پر قیصر جانِ دو عالم علیہ السلام کی نبوت کا قائل ہو چکا تھا، مگر دوسروں پر اس کا کوئی بس نہیں چل سکتا تھا، اس لئے فی الحال اس نے خاموشی اختیار کر لی۔ بعد میں جب وہ حمص میں قیام پذیر تھا تو اس نے ایک اور کوشش کی اور انتہائی معتمد ارکین سلطنت کے ساتھ بند کمرے میں ایک خصوصی محفل منعقد کرنے کا اہتمام کیا۔ جب تمام لوگ جمع ہو گئے اور دروازے بند کر دیئے گئے تو قیصر نے ان سے پوچھا کہ تم لوگ اس بات سے کوئی دلچسپی رکھتے ہو کہ تم کو مزید کامیابیاں حاصل ہوں، تم راہِ ہدایت پالو اور تمہاری یہ سلطنت ہمیشہ برقرار رہے---؟

''یہ تو ہم سب کی دلی تمنا ہے۔'' حاضرین نے جواب دیا۔

''تو پھر اس طرح کرو'' قیصر نے کہا'' کہ عربی نبی پر ایمان لے آؤ!''

قیصر کی اس بات سے وہ سب آگ بگولہ ہو گئے اور انتہائی غصے کے عالم میں یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم اپنا آبائی دین ترک کر دیں اور ایک عرابی کے غلام بن جائیں!! (معاذ اللہ)

ان کا رویہ دیکھ کر قیصر سمجھ گیا کہ یہ لوگ کسی طرح بھی اس مسئلے میں میرے ساتھ متفق نہیں ہوں گے اور اگر میں نے اپنی بات پر اصرار کیا تو ہو سکتا ہے کہ بادشاہی سے ہی

ہاتھ دھونے پڑ جائیں۔ چنانچہ اس نے پینترا بدلا اور ان سے کہا ---''میں تو صرف تمہارا امتحان لینا چاہتا تھا اور دیکھنا چاہتا تھا کہ تم نصرانیت میں کس قدر پختہ ہو۔''

یہ سن کران کا غصہ جاتا رہا اور قیصر کی طرف سے دل میں جو بدگمانی پیدا ہوگئی تھی وہ رفع ہوگئی۔ چنانچہ سب نے قیصر کے روبرو سجدہ کیا اور مسرور و مطمئن رخصت ہوگئے۔

آہ! تاج و تخت کی مجبوریاں، کہ قیصر دل میں جانِ دو عالم ﷺ کی صداقت و حقانیت کا یقین رکھنے کے باوجود اظہار کی جرأت نہ کرسکا اور بقول علامہ شبلی ---

''گو اس کے دل میں نور اسلام آچکا تھا، لیکن تاج و تخت کی تاریکی میں وہ روشنی بجھ کر رہ گئی۔''(۱)

کسریٰ کے نام

ایران کا ہر بادشاہ کسریٰ کہلاتا تھا، ان دنوں خسرو پرویز حکمران تھا۔ اس کی طرف

---

(۱) اگرچہ علامہ شبلی نے اسے روشنی بجھ جانے سے تعبیر کیا ہے اور فتویٰ بھی اسی پر ہوگا، کیونکہ شریعت کا تعلق ظاہر سے ہے۔ لیکن علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں جو واقعہ ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روشنی بالکل ہی نہیں بجھی تھی؛ بلکہ دب گئی تھی اور قیصر کے دل میں جانِ دو عالم ﷺ کے ساتھ ایک گونہ عقیدت آخر تک برقرار رہی۔

علامہ عسقلانی نے یہ ایمان افروز واقعہ سیف الدین قلج سے روایت کیا ہے جو ایک صالح مسلمان بادشاہ قلاون کی سلطنت کا اہم رکن تھا۔ سیف الدین بیان کرتا ہے کہ ایک دفعہ میں کسی کی سفارش کرنے فرنگیوں کے بادشاہ کے پاس گیا۔ اس نے میرا بہت اعزاز و اکرام کیا اور میں جس کام کے لئے سفارشی بن کر گیا تھا، اس کا فیصلہ میری مرضی کے مطابق کردیا۔ ایک دن کہنے لگا کہ آج میں تمہیں ایک نہایت ہی قیمتی چیز کا دیدار کرانا چاہتا ہوں۔ چنانچہ اس نے ایک طلائی صندوقچی منگوائی اور اس میں سے سونے کا ایک نہایت خوبصورت قلمدان نکالا۔ پھر اسے کھول کر ریشمی کپڑے میں لپٹا ہوا ایک خط نکال کر مجھے دکھایا اور کہا کہ یہ وہ خط ہے جو تمہارے نبی نے ہمارے جد امجد کو لکھا تھا۔ یہ اس زمانے سے ہمارے پاس محفوظ چلا آرہا ہے، کیونکہ ہمارے آباء و اجداد کا عقیدہ تھا کہ جب تک یہ خط ہمارے پاس موجود رہے گا، ہماری حکومت برقرار رہے گی۔ اسی بناء پر ہم اس کی انتہائی حفاظت و تعظیم کرتے ہیں اور لوگوں سے چھپا کر رکھتے ہیں، تاکہ ہماری بادشاہی ہمیشہ قائم رہے۔ فتح الباری ج ۱، ص ۴۲.

جانِ دو عالم ﷺ نے جو مکتوب مبارک بھیجا، وہ اس طرح تھا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔

مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰہِ اِلٰی کِسْرٰی عَظِیْمِ فَارِسْ ۔

سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَاٰمَنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَشَھِدَاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ۔

اَدْعُوْکَ بِدِعَایَۃِ اللّٰہِ فَاِنِّیْ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَی النَّاسِ کَافَّۃً لِاُنْذِرَ مَنْ کَانَ حَیًّا وَّیَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ. اَسْلِمْ تَسْلَمْ، فَاِنْ اَبَیْتَ فَعَلَیْکَ اِثْمُ الْمَجُوْسِ.

(محمد رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ کی طرف جو فارس کا بڑا ہے۔

سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ وحدہ لاشریک ہے اور محمد اس کا بندہ اور رسول ہے۔ (ﷺ)

میں تجھے اللہ کی طرف بلاتا ہوں، کیونکہ میں تمام لوگوں کے لئے اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں تاکہ ان میں سے جو زندہ ہیں انہیں برے اعمال کے نتائج سے ڈراؤں اور کافروں پر اتمام حجت ہو جائے۔ اسلام لے آؤ، سلامتی پا جاؤ گے۔ اگر تم نے میری بات نہ مانی تو (نہ صرف یہ کہ تم خود گنہ گار ہو گے؛ بلکہ) تمام مجوسیوں کا گناہ بھی تمہارے سر ہوگا۔)

عمروؓ ابن امیہ ضمری نے جب یہ خط کسریٰ کو پہنچایا اور ترجمان نے پڑھ کر سنانا شروع کیا تو سرنامہ سنتے ہی خسرو پرویز غصے سے پاگل ہو گیا، کیونکہ کسریٰ کو جو خط لکھے جاتے تھے ان میں احترام کے طور پر سب سے اوپر کسریٰ کا نام لکھا جاتا تھا؛ جبکہ نامۂ نبوی میں سب سے اوپر اللہ کا نام تھا۔ پھر جانِ دو عالم ﷺ کا اپنا اسم گرامی تھا اور تیسرے مرتبے پر کسریٰ کا نام تھا۔ کسریٰ نے اس اندازِ تخاطب کو اپنی توہین سمجھا اور سخت طیش کے عالم میں ترجمان سے خط چھین کر پھاڑ ڈالا اور قاصدِ نبوی کو دربار سے باہر نکلوا دیا۔

قاصد نے واپس پہنچ کر جب سارے حالات بیان کئے اور بتایا کہ کسریٰ نے آپ کا خط چاک کر دیا تھا تو جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا

''درحقیقت اس نے اپنی حکومت کو چاک کرلیا ہے۔''

نامہ مبارک کو پھاڑنے اور قاصد کو دربار بدر کرنے کے باوجود کسریٰ کا غیض و غضب ٹھنڈا نہ ہؤا اور اس نے یمن میں اپنے عامل باذان کو لکھا کہ مکہ میں کوئی شخص پیدا ہؤا ہے جو اپنے آپ کو نبی سمجھتا ہے۔ اس نے مجھے خط لکھا ہے جس میں اپنا نام میرے نام سے پہلے لکھا ہے۔ میرا غلام ہو کر اس کی یہ جرأت!(۱) تم فوراً دو آدمی بھیجو جو اسے گرفتار کر کے میرے روبرو پیش کریں۔ اگر تم نے میرے اس حکم کی تعمیل میں کسی قسم کی کوتاہی کی تو عبرتناک سزا تمہارا مقدر ہوگی۔

باذان نے یہ خط ملتے ہی دو آدمی جانِ دو عالم ﷺ کو گرفتار کرنے کے لئے مکہ بھیج دیئے۔ وہاں جا کر انہیں معلوم ہؤا کہ آپ آج کل مدینہ میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ مدینہ آئے اور آپ سے کہا

''شہنشاہِ ایران نے اپنے عامل باذان کو حکم دیا ہے کہ تمہیں گرفتار کر کے دربار میں پیش کرے۔ چنانچہ باذان نے ہمیں تمہاری گرفتاری کے لئے بھیجا ہے۔ اب بہتری اسی میں ہے کہ ہمارے ساتھ چلے چلو، ورنہ شہنشاہ کا غضب اور عتاب نازل ہوگا، پھر نہ تم بچ سکو گے، نہ تمہاری قوم۔''

جانِ دو عالم ﷺ نے ایسی دھمکیوں سے کیا مرعوب ہونا تھا؛ البتہ ان کی صورتیں آپ کو عجیب سی لگیں، کیونکہ انہوں نے داڑھیاں منڈا رکھی تھیں اور مونچھیں بڑھا رکھی تھیں۔ چنانچہ آپ نے ان کے چہروں کو دیکھتے ہوئے تعجب سے پوچھا کہ تم لوگوں نے یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے!؟

انہوں نے کہا---''یہ ہمارے رب کا حکم ہے۔'' (یعنی خسرو پرویز کا)

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا---''لیکن میرے رب نے داڑھیاں بڑھانے

(۱) عرب کسی کے غلام نہیں تھے مگر کسریٰ اپنی وسیع و عریض سلطنت کے گھمنڈ میں ان کو اپنا غلام تصور کرتا تھا۔

اور مونچھیں کتروانے کا حکم دیا ہے۔"(۱)

اس کے بعد آپ نے ان سے کہا کہ گرفتاری پیش کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں مَیں اپنا فیصلہ تمہیں کل سناؤں گا۔

دوسرے دن جانِ دو عالم ﷺ نے ان سے کہا کہ تم میری گرفتاری کا خیال چھوڑ دو اور جا کر باذان کو بتاؤ کہ آج رات میرے رب نے اس کے رب (خسرو پرویز) کا کام تمام کر دیا ہے۔

یہ سن کر وہ دونوں واپس چلے گئے اور باذان کو جانِ دو عالم ﷺ کے فرمان سے آگاہ کر دیا --- اور یہ کبھی ہو سکتا ہے کہ فرمانِ رسالت غلط ہو جائے ---؟! نہیں، کبھی نہیں، چنانچہ جلد ہی اطلاع آ گئی کہ واقعی اس رات خسرو پرویز کو اس کے اپنے بیٹے شیرویہ نے قتل کر دیا تھا اور یوں جانِ دو عالم ﷺ کی پیشنگوئی کی بھی تصدیق ہو گئی کہ ---

"درحقیقت اس نے اپنی حکومت کو چاک کر لیا ہے۔"

شاہِ حبش کے نام

حبشہ کا بادشاہ بہت اچھا انسان تھا۔ اس نے مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ جانے والے مسلمانوں کی جس طرح دیکھ بھال کی تھی اور ان کو ہر آسائش اور سہولت مہیا کی تھی، اس کی تفصیل ہجرتِ حبشہ کے حالات میں گزر چکی ہے۔(۲) جانِ دو عالم ﷺ نے اس کے نام بھی ایک مکتوب عمرو ابن امیہ ضمری ہی کے ہاتھ ارسال کیا۔ یہ مکتوب قدرے طویل ہے اس لئے اس کے ترجمہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔

---

(۱) افسوس! کہ آج کل بہت سے مسلمانوں نے بھی جانِ دو عالم ﷺ کے رب کا حکم ماننا چھوڑ دیا ہے اور خسرو پرویز جیسے بدبخت اور گستاخ کا پسندیدہ حلیہ اپنا لیا ہے۔ قارئینِ سیدالورٰی! خدانخواستہ آپ میں سے تو کوئی اس جرمِ عظیم میں مبتلا نہیں ہے ناں!؟

(۲) ملاحظہ ہو سیدالورٰی ج ۱، ص ۲۱۲۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔

محمد رسول اللہ کی طرف سے، حبشہ کے بادشاہ نجاشی (۱) کی طرف۔

میں تعریف کرتا ہوں اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بادشاہ ہے، پاک ہے، سلامتی دینے والا، امن دینے والا اور نگہبان ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ ابن مریم روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مریم پر القا کیا۔ وہ مریم جو خلق سے منقطع ہو کر ہمہ تن خالق کی طرف متوجہ رہیں اور نہایت ہی پاک طینت اور پاک دامن خاتون تھیں۔ محض اللہ کی قدرت سے وہ حاملہ ہو گئیں تو عیسیٰ، اللہ کی روح اور جبریل امین کی پھونک سے پیدا ہوئے، اسی طرح جس طرح حضرت آدم اللہ کی قدرت سے پیدا ہوئے تھے۔

میں تمہیں اللہ کی طرف پکارتا ہوں جو وحدہٗ لاشریک ہے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں تمہیں اپنا ہمنوا بنانا چاہتا ہوں۔ تمہیں چاہئے کہ میری اتباع کرو اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو مجھ پر نازل ہوئی ہے، کیونکہ میں تمام انسانوں کے لئے رسول بن کر آیا ہوں۔ میری یہ دعوت صرف تمہارے لئے نہیں؛ بلکہ تمہارے اعوان و انصار کو بھی یہی دعوت ہے۔ میں نے تبلیغ و نصیحت کر دی ہے۔ تمہیں چاہئے کہ میری نصیحت قبول کر لو۔ اس سے پہلے میں نے اپنا ایک چچا زاد بھی تمہارے پاس بھیج رکھا ہے۔ (۲) سلامتی ہو اس کے لئے جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ والسلام

یہ بادشاہ شروع دن سے ہی اسلام کے ساتھ محبت رکھتا تھا۔ چنانچہ جب مکتوب گرامی پڑھا گیا تو وہ احتراماً تخت سے نیچے اتر آیا اور مکتوب مبارک کو آنکھوں سے لگایا۔ پھر توحید و رسالت کا اقرار کر کے مسلمان ہو گیا اور نامہ نبوی کا مندرجہ ذیل جواب لکھوایا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔

محمد رسول اللہ کی طرف، اصحمہ نجاشی کی طرف سے۔

---

(۱) حبشہ کے ہر بادشاہ کو نجاشی کہا جاتا تھا۔ اس نجاشی کا نام اصحمہ تھا۔

(۲) یعنی حضرت جعفر طیارؓ جو ہجرت کے بعد وہیں مقیم تھے۔

آپ پر اللہ کا سلام و رحمت اور برکتیں ہوں، وہ اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس نے مجھے اسلام کی ہدایت دی۔

یارسول اللہ! مجھے آپ کا خط موصول ہوا۔ اس میں آپ نے جو کچھ حضرت عیسیٰ کے بارے میں فرمایا ہے، وہی ان کا صحیح مقام و مرتبہ ہے، اس سے زیادہ ہرگز نہیں۔

آپ نے مجھے جس کارِ خیر کی تلقین کی ہے، میں نے اسے اچھی طرح سمجھ لیا ہے، اس لئے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔

میں نے آپ کے چچا زاد کے ہاتھ پر آپ کی بیعت کر لی ہے اور اللہ رب العالمین کی اطاعت اختیار کر لی ہے۔

فی الحال میں اپنا بیٹا آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔ (۱) اگر آپ نے حکم دیا تو میں خود بھی حاضر ہو جاؤں گا۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ جو کچھ بھی کہتے ہیں، سب حق ہے۔

آپ پر اللہ کا سلام و رحمت اور برکتیں ہوں۔ والسلام

حضرت اصحمہ نجاشی کے حسنِ عقیدت کا کیسا دل آویز مرقع ہے یہ!

عزیز مصر کے نام

مصر کے بادشاہ کا نام مقوقس تھا۔ مذہباً عیسائی تھا۔ جانِ دو عالم ﷺ نے اس کے نام جو مکتوب مبارک بھیجا تھا، اس کا مضمون تقریباً وہی تھا جو ہرقل کے نام لکھے گئے خط کا تھا۔ نامہ بری کا اعزاز حضرت حاطبؓ کو حاصل ہوا۔ جب وہ اسکندریہ پہنچے تو پتہ چلا کہ بادشاہ اس وقت شاہی بجرے میں بیٹھا سمندر کی سیر کا لطف اُٹھا رہا ہے۔ حضرت حاطبؓ نے اسی وقت ایک کشتی کرائے پر لی اور جہاں شاہی بجرا لنگر انداز تھا اُدھر روانہ ہو گئے۔ اس وقت بادشاہ عرشے پر محفل سجائے بیٹھا تھا۔ حضرت حاطبؓ قریب پہنچے تو نامہ مبارک ہاتھ میں پکڑ کر لہرایا

---

(۱) شاہ حبشہ کا یہ بیٹا ساٹھ آدمیوں کی معیت میں روانہ ہوا تھا، مگر افسوس کہ ان کو جانِ دو عالم ﷺ کی بارگاہ تک رسائی نصیب نہ ہو سکی اور ان کی کشتی خوفناک طوفان میں پھنس کر غرق ہو گئی۔

تا کہ بادشاہ سمجھ جائے کہ کوئی قاصد آیا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ اس پیام بر کو میرے روبرو پیش کیا جائے۔ چنانچہ حضرت حاطبؓ کو اس تک پہنچا دیا گیا اور انہوں نے مکتوبِ نبوی اس کے حوالے کر دیا۔ اس سے پہلے بادشاہ کو لوگوں کی زبانی جانِ دو عالم ﷺ کے کافی حالات معلوم ہو چکے تھے۔ اس لئے خط پڑھنے کے بعد اس نے حضرت حاطبؓ سے پوچھا

''جس شخص نے میرے نام یہ خط بھیجا ہے اگر وہ اللہ کا رسول ہے تو جب لوگ اس کی مخالفت کر رہے تھے، اس کو ایذائیں دے رہے تھے اور اس کو اپنا گھر اور شہر چھوڑنے پر مجبور کر رہے تھے اس وقت اس نے بددعا کیوں نہ کی تا کہ وہ سب تباہ و برباد ہو جاتے اور اس کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچا سکتے؟''

بادشاہ کا خیال تھا کہ قاصد اس مشکل سوال کا کوئی جواب نہیں دے سکے گا مگر حضرت حاطبؓ نے اُلٹا اس کو لاجواب کر دیا۔ انہوں نے پوچھا

''کیا تم حضرت عیسیٰ کو مانتے ہو؟''

''ہاں، بے شک، ہم انہیں اللہ کا بیٹا مانتے ہیں۔''

''تو پھر بتاؤ'' حضرت حاطب نے کہا---''کہ جب ان کے دشمن ان کو ایذائیں دے رہے تھے اور ان کو صلیب پر لٹکانے کے لئے گرفتار کر رہے تھے، اس وقت انہوں نے اپنے دشمنوں کے لئے بددعا کیوں نہ کی، تا کہ وہ تباہ و برباد ہو جاتے اور ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچا سکتے؟''

بادشاہ سے اس الزامی سوال کا کوئی جواب نہ بن سکا اور اسے اعتراف کرنا پڑا کہ

''اَحْسَنْتَ، اَنْتَ حَکِیْمٌ جَآءَ مِنْ حَکِیْمٍ''

(تم نے اچھی بات کہی ہے۔ واقعی تم دانا ہو اور دانا شخص کے نمائندے ہو۔)

بہر حال یہ بادشاہ اسلام تو نہ لایا (۱) البتہ حضرت حاطبؓ کو اس نے نہایت اعزاز

---

(۱) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بادشاہ بھی ہرقل کی طرح جانِ دو عالم ﷺ کی صداقت اور اسلام کی حقانیت کا قائل ہو چکا تھا، مگر تاج و تخت میں پھنس کر اظہارِ اسلام سے محروم رہ گیا۔
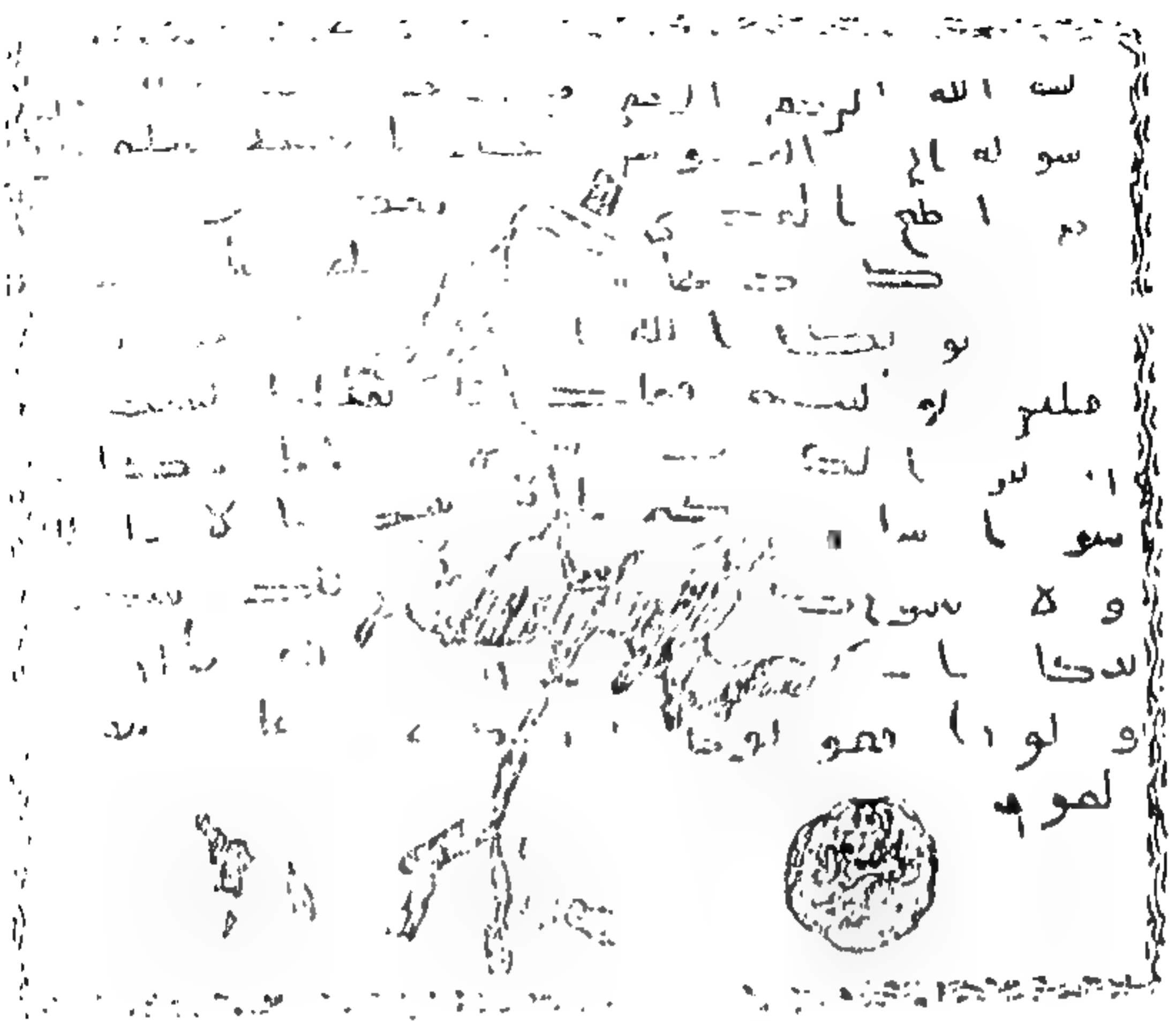
مصر کے بادشاہ "مقوقس" کے نام جانِ دو عالم ﷺ کے مکتوبِ گرامی کا عکس

یہ مکتوب مبارک قدیم کوفی خط میں ہے۔

موجودہ عربی رسم الخط میں اس کی تحریر درج ذیل ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ اِلَی الْمُقَوْقِسِ عَظِیْمِ الْقِبْطِ. سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی. اَمَّا بَعْدُ، فَاِنِّیْ اَدْعُوْکَ بِدِعَایَۃِ الْاِسْلَامِ، اَسْلِمْ تَسْلَمْ، یُؤْتِکَ اللّٰہُ اَجْرَکَ مَرَّتَیْنِ، فَاِنْ تَوَلَّیْتَ فَعَلَیْکَ مَا یُفْجِعُ الْقِبْطَ. (.....یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ م بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَ لَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ ط فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ٥)

و اکرام کے ساتھ رکھا اور رخصت کرتے وقت جانِ دو عالم ﷺ کے لئے متعدد تحائف عطا کئے جن میں دو بیش بہا کنیزیں اور ایک عمدہ قسم کا خچر بھی شامل تھا۔ خچر کا نام دلدل تھا جس پر جانِ دو عالم ﷺ اکثر سواری کیا کرتے تھے۔ غزوہ حنین میں آپ اسی دلدل پر سوار تھے۔ دو کنیزوں میں سے ایک کا نام سیرین تھا، جو جانِ دو عالم ﷺ نے شاعرِ دربارِ رسالت حضرت حسان کو عنایت فرما دی۔ دوسری نصیبہ ور اور خوش بخت کا اسم گرامی ماریہ تھا، جو حرم نبوی میں داخل ہوئیں اور رفاقتِ جانِ دو عالم ﷺ سے سرفراز ہوئیں۔

مزید خطوط

مندرجہ بالا چار مکاتیب کے علاوہ بھی آپ نے متعدد رؤسائے عرب کی طرف خطوط لکھے۔ کسی نے لبیک کہا اور کسی نے انکار کیا مگر جب اسلام کا سیلِ رواں پورے عرب کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تو جنہوں نے پہلے انکار کیا تھا، انہوں نے بھی سرِ تسلیم خم کر دیا اور وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللهِ اَفْوَاجًا کا منظر عیاں ہو گیا۔

غزوۂ خیبر

یہ غزوہ ۷ھ کے آغاز میں پیش آیا اور اس کے نتیجے میں یہودیوں کی کمر ہمیشہ کے لئے ٹوٹ گئی۔ اس کے بعد یہ بد باطن لوگ مسلمانوں کے خلاف کوئی بڑا فتنہ نہ کھڑا کر سکے۔ ورنہ اس سے پہلے بیشتر غزوات انہی کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے پیش آتے رہے۔ آخری غزوہ جس میں انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور مدینہ منورہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے پر کمربستہ ہوئے، وہ غزوۂ احزاب تھا۔ غزواتِ بنی نضیر اور بنی قریظہ کے بعد انہوں نے خیبر کے علاقے کو اپنا مرکز بنا لیا تھا۔ خیبر کی سونا اگلتی زمینوں اور سرسبز و شاداب نخلستانوں کی وجہ سے ان کی معاشی حالت بہت اچھی تھی، آمدن وافر تھی اور اس آمدن کا اکثر حصہ اہل اسلام کو نقصان پہنچانے اور ان کو تباہ و برباد کرنے کی سازشوں میں صرف ہوتا تھا۔ فتنہ و فساد کے اس مرکز کو ختم کئے بغیر امن و امان تقریباً ناممکن تھا، اس لئے جانِ دو عالم ﷺ نے ضروری سمجھا کہ ان کی اس مرکزیت کو توڑا جائے اور انہیں اس قابل ہی نہ چھوڑا جائے کہ آئندہ کوئی مصیبت کھڑی کر سکیں۔ اس مقصد کے لئے جانِ دو عالم ﷺ ۶ھ کے آخر

میں خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ چودہ سو جاں نثار آپ کے ہمرکاب تھے، جن میں دو سو سوار تھے اور باقی پیادہ۔

خواتین کی شرکت

شوقِ جہاد میں بعض خواتین بھی شریکِ سفر ہو گئیں۔ چونکہ یہ کام انہوں نے پوچھے بغیر کیا تھا اس لئے جانِ دو عالم ﷺ کو پتہ چلا تو آپ نے ان کو بلایا اور سخت لہجے میں فرمایا

''تم کس کے ساتھ آئی ہو اور کس کی اجازت سے آئی ہو؟''

انہوں نے کہا---''یا رسول اللہ! ہم چرخہ کات کر مزدوری کریں گی اور جہاد میں مدد دیں گی۔ ہمارے پاس دوائیں بھی ہیں جن سے ہم زخمیوں کی مرہم پٹی کریں گی۔ نیز لڑائی کے دوران تیر اٹھا اٹھا کر لائیں گی اور مجاہدین کو دیں گی۔''

جانِ دو عالم ﷺ نے ان کا یہ جذبہ اور ولولہ دیکھتے ہوئے اجازت دے دی۔

حُدی خوانی

عربوں کا معمول تھا کہ وہ سفر کے دوران اونٹوں کو تیز چلانے کے لئے حدی خوانی کیا کرتے تھے، یعنی ترنم کے ساتھ اشعار پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عامرؓ بہت اچھے حدی خوان تھے۔ ایک ساتھی نے ان سے کہا

''عامر! کیا تم ہمیں اپنے نغمات سے محظوظ نہیں کرو گے؟''

حضرت عامرؓ نے احباب کی خواہش پر مندرجہ ذیل نظم پڑھنی شروع کی۔ اس نظم کے کچھ اشعار حضرت عبداللہ ابن رواحہؓ کے ہیں اور کچھ حضرت عامرؓ کے اپنے ہیں۔

وَاللهِ لَوْلَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

فَاغْفِرْ فِدَاءً لَكَ مَا اقْتَفَيْنَا وَالْقِيَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا

وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَيْنَا اِنَّا اِذَا صِيْحَ بِنَا اَتَيْنَا

وَ بِالصِّيَاحِ عَوَّلُوْا عَلَيْنَا اِنَّ الَّذِيْنَ قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا

اِذَآ اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا وَنَحْنُ عَنْ فَضْلِكَ مَا اسْتَغْنَيْنَا

(اللہ کی قسم! اگر اللہ کی رہنمائی نہ ہوتی تو ہمیں نہ راہ ہدایت ملتی، نہ ہم صدقے

کر سکتے، نہ نماز پڑھ سکتے۔ الٰہی --- ہم تیری راہ میں قربان ہو جائیں --- ہماری کوتاہیوں کو بخش دے، ہم پر سکون نازل فرما اور معرکہ آزمائی کے وقت ہمیں ثابت قدم رکھ۔ ہمیں تو جب بھی جہاد کے لئے بلایا جاتا ہے، ہم چلے آتے ہیں اور ان لوگوں نے (یہودیوں نے) تو چیخ چیخ کر دشمنوں کو ہمارے خلاف اکٹھا کیا ہے۔ یہ باغی اور سرکش جب فتنہ اٹھانے کی کوشش کریں گے، ہم ڈٹ کر ان کا مقابلہ کریں گے۔ ہم (ہر گھڑی تیرے محتاج ہیں اور) کسی وقت بھی تیرے فضل وکرم سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔)

خوبصورت آواز میں پڑھا گیا یہ دلنواز رجز جانِ دو عالم ﷺ کے دل کو بہت بھایا اور آپ نے پوچھا "مَنْ هٰذَا السَّائِقُ؟" (یہ حدی خوان کون ہے؟)

صحابہ نے عرض کی --- "عامر ہے یا رسول اللہ!"

آپ نے بے ساختہ دعا فرمائی "يَرْحَمُهُ الله" (اللہ اس پر رحمت نازل فرمائے)

غزوات کے موقع پر جب جانِ دو عالم ﷺ کسی کے لئے رحمت کی دعا کیا کرتے تھے تو اس کا مفہوم یہ ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کو شہادت نصیب فرمائے۔ اسی بناء پر حضرت عمر نے عرض کی

"یا رسول اللہ! آپ کی اس دعا سے تو عامر کے لئے شہادت واجب ہو گئی ہے، کاش کہ ہم ابھی اس کے ساتھ مزید کچھ دن گزار سکتے!"

مگر زبانِ نبوت سے فیصلہ صادر ہو چکا تھا، چنانچہ حضرت عامرؓ اسی غزوہ میں جامِ شہادت سے سیراب ہو گئے۔

دورانِ سفر ایک دن صحابہ کرامؓ نے جوش میں آکر نہایت بلند آواز سے نعرہ ہائے تکبیر بلند کرنے شروع کر دیئے۔ جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا --- "تم نہ کسی بہرے کو پکار رہے ہو، نہ غائب کو۔ تم جسے پکار رہے ہو وہ تمہارے پاس ہی ہے۔" --- یعنی تم تو اللہ کو پکار رہے ہو اور اس شہید وسمیع رب کو پکارنے کے لئے اتنا چلاّنے کی کیا ضرورت ہے؟

دُعا

اسی طرح جانِ دو عالم ﷺ کی معیت میں سفر کرتے ہوئے اور آپ کی دعاؤں

سے فیضیاب ہوتے ہوئے مسلمانوں کا یہ لشکر ایک رات خیبر کے پاس پہنچ گیا۔ آبادی کے آثار نمودار ہونے لگے تو جانِ دو عالم ﷺ نے یہ دعا فرمائی

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَمَآ اَظْلَلْنَ، وَرَبَّ الْاَرَضِيْنَ وَمَا اَقْلَلْنَ، وَرَبَّ الشَّيَاطِيْنِ وَمَا اَضْلَلْنَ، وَرَبَّ الرِّيَاحِ وَمَا اَذْرَيْنَ، فَاِنَّا نَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرَ اَهْلِهَا وَخَيْرَ مَا فِيْهَا، وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ اَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا.

(اے اللہ! آسمانوں کے رب اور ان تمام چیزوں کے جن پر آسمان سایہ کناں ہیں، اے زمینوں کے رب اور ان اشیاء کے بھی جن کو زمینوں نے اٹھا رکھا ہے، اے شیاطین کے رب اور ان کے بھی جن کو شیطانوں نے گمراہ کر رکھا ہے، اے ہواؤں کے رب اور ان چیزوں کے بھی جنہیں ہوائیں اڑائے پھرتی ہیں۔ ہم تجھ سے اس بستی کی، بستی والوں کی اور بستی میں جو کچھ ہے، اس کی خیر چاہتے ہیں اور ان تمام چیزوں کے شر سے پناہ مانگتے ہیں۔)

جائے قیام کا انتخاب

خیبر سے تھوڑے فاصلے پر غطفانی قبائل آباد تھے۔ یہ قبائل یہودیوں کے مددگار اور معاون تھے۔ غزوۂ احزاب میں بھی انہوں نے یہودیوں کا بھرپور ساتھ دیا تھا اور مدینہ پر چڑھ دوڑے تھے۔ جانِ دو عالم ﷺ نے اعلیٰ حربی بصیرت سے کام لیتے ہوئے لشکر گاہ کے لئے ایسی جگہ منتخب فرمائی کہ خیبر اور غطفان کا درمیانی راستہ کاٹ ڈالا۔ اس طرح یہودی اس جنگ میں تنہا رہ گئے اور غطفانی قبائل کوشش اور خواہش کے باوجود ان کی کوئی مدد نہ کر سکے۔

خیبر کے باسی ابھی تک جانِ دو عالم ﷺ کی آمد سے بے خبر تھے۔ صبح ہوئی تو حسب معمول کسان کدالیں اور بیلچے ہاتھوں میں اٹھائے کھیتوں کی طرف جانے لگے۔ جب ان کی نظر لشکر اسلام پر پڑی تو دہشت سے چیخ اٹھے۔

"مُحَمَّدٌ، وَاللّٰهِ مُحَمَّدٌ، وَالْخَمِيْسُ" (محمد، اللہ کی قسم محمد اور لشکر بھی) (ﷺ)

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا --- "خَرِبَتْ خَيْبَرُ، اِنَّا اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ۔" (خیبر برباد ہو گیا، ہم جب کسی قوم کے صحن میں اترتے ہیں تو ان لوگوں کی صبح نہایت المناک ہوتی ہے، جنہیں برے اعمال کے نتائج سے ڈرایا

جا چکا ہوتا ہے۔)

لڑائی کا آغاز

عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خیبر کسی قلعے کا نام تھا، لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ خیبر کا لفظی معنیٰ قلعہ ضرور ہے، لیکن اس نام کا کوئی قلعہ وہاں موجود نہیں تھا؛ بلکہ پورے علاقے کو خیبر کہا جاتا تھا جس میں یہودیوں نے متعدد قلعے بنا رکھے تھے۔ یہ قلعے مجموعی طور پر آٹھ تھے جو تین گروپوں میں منقسم تھے۔ پہلے گروپ کو حُصُوْنُ النَّطَاۃ کہا جاتا تھا۔ اس میں تین قلعے شامل تھے۔ حصن ناعم، حصنِ صعب اور حصن قلہ۔

دوسرے گروپ کو حصون الشق سے پکارا جاتا تھا۔ اس میں دو قلعے تھے---حصن ابی اور حصن البری۔

تیسرے گروپ کو حصون الکتیبہ سے یاد کیا جاتا تھا۔ اس میں تین قلعے تھے۔ حصن سلالم، حصن وطیح اور حصن قموص۔

سب سے پہلے حضرت محمودؓ ابن مسلمہ نے حصنِ ناعم پر حملہ کیا اور دیر تک دادِ شجاعت دیتے رہے۔ اس دن گرمی بہت شدید تھی، اس لئے دم لینے کے لئے قلعے کی دیوار کے سائے میں آ بیٹھے۔ یہودیوں کے ایک سردار کنانہ نے یہ موقع غنیمت جانا اور اوپر سے چکی کا پاٹ ان پر پھینک دیا۔ شدید زخمی حالت میں ان کو جانِ دو عالم ﷺ کے پاس لایا گیا، مگر جانبر نہ ہو سکے اور شہید ہو گئے۔ یہ اس غزوہ کے پہلے شہید تھے۔

ان کی شہادت کے بعد اہل اسلام نے زوردار حملہ کیا اور جلد ہی ناعم پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ ناعم کے بعد دوسرے قلعے بھی جلد ہی فتح ہو گئے؛ البتہ قموص نہایت مستحکم اور مضبوط قلعہ تھا، اس کو فتح کرنا ایک مسئلہ بن گیا۔ کئی دن تک اس کا محاصرہ جاری رہا۔ اکابر کی قیادت میں مجاہدین کی کئی ٹولیاں یکے بعد دیگرے حملہ آور ہوتی رہیں، مگر کامیاب نہ ہو سکیں۔ حتیٰ کہ صدیق اکبرؓ اور فاروقِ اعظمؓ کی کمان میں جو دستے بھیجے گئے تھے، وہ بھی ناکام واپس چلے آئے۔ لگتا تھا کہ یہ قلعہ شاید کبھی فتح نہ ہو سکے گا۔

فاتح خیبر

ایک رات جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا---''کل میں اس شخص کو علم دوں گا جو اللہ و رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ و رسول اس سے محبت رکھتے ہیں۔ اس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ یقیناً فتح عطا فرمائے گا۔''

وہ رات صحابہ کرامؓ نے سخت تجسس اور تحیر(۱) کے عالم میں گزاری کہ نہ جانے یہ عظیم اعزاز کس خوش نصیب کو حاصل ہوگا۔

صبح ہوئی تو جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا---''علی کہاں ہے؟''

صحابہ کرامؓ نے عرض کی---''یارسول اللہ! وہ تو بیمار ہیں۔ انہیں سخت قسم کا آشوبِ چشم ہے۔''

فرمایا---''اس کو بلاؤ!''

حضرت علیؓ کو بلایا گیا۔ اس وقت ان کی آنکھوں میں شدید تکلیف تھی۔ جانِ دو عالم ﷺ نے اپنا لعاب دہن ان کی پپوٹوں پر لگایا اور شفایابی کی دعا فرمائی۔ لعاب اور دعا کا ایسا اثر ہوا کہ فی الفور حضرت علیؓ کی آنکھیں ٹھیک ہوگئیں اور درد وغیرہ جاتا رہا۔ اس کے بعد جانِ دو عالم ﷺ نے ان کو علم عطا کیا اور جنگ کے لئے روانہ کرتے وقت نصیحت فرمائی کہ پہلے دشمنوں کو اسلام کی دعوت دینا اور انہیں اللہ کے حقوق سے آگاہ کرنا۔ اگر تمہاری تبلیغ سے کوئی ایک آدمی بھی راہِ راست پر آ گیا تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ مگر یہودیوں نے ان کو دعوت و تبلیغ کا موقع ہی نہ دیا؛ بلکہ ان کو آتا دیکھ کر یہودیوں کا مشہور جنگجو اور شمشیر زن حرث قلعے سے نکلا اور حضرت علیؓ پر حملہ آور ہوگیا۔ تھوڑی دیر تک لڑائی ہوئی، مگر حضرت علیؓ نے اس کو جلد ہی واصل جہنم کر دیا۔ یہ حرث قلعے کے سردار مرحب کا بھائی تھا۔ اپنے بھائی کو خاک و خون میں لوٹتا دیکھ کر مرحب کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس نے اوپر تلے دو زرہیں پہنیں، سر پر انتہائی مضبوط خود رکھا اور تلوار لہراتا، رجز پڑھتا، حضرت علی کے

---

(۱) انگریزی میں اس کیفیت کو ''سسپنس'' (SUSPENSE) کہا جاتا ہے۔ اردو میں اس کا صحیح متبادل ذہن میں نہیں آ رہا۔

سامنے آکھڑا ہوا۔

قَدْ عَلِمَتْ خَیْبَرُ اَنِّیْ مَرْحَب'
شَاکِی السَّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّب'
اِذِ الْحُرُوْبُ اَقْبَلَتْ تَلَھَّب'

(سارا خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، مکمل طور پر مسلح اور آزمودہ کار پہلوان، جبکہ لڑائیاں شعلے مار رہی ہوں۔)

بلاشبہ مرحب مانا ہوا جنگ آزما تھا اور بڑے بڑے بہادر اور شہسوار اس کا لوہا مانتے تھے، مگر اس اسداللہ الغالب کے سامنے اس کی کیا حیثیت تھی، جس نے غزوۂ احزاب میں عمرو ابن عبدود جیسے زور آور کو تہ تیغ کر دیا تھا، حالانکہ وہ عرب میں ایک ہزار بہادروں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔

شیرِ خدا نے بھی رجز پڑھا

اَنَا الَّذِیْ سَمَّتْنِیْ اُمِّیْ حَیْدَرَہْ
کَلَیْثِ غَابَاتٍ کَرِیْہُ الْمَنْظَرَہْ

(میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے اور میں جنگلوں کے شیر ہی کی طرح ہیبتناک ہوں۔)

اس کے ساتھ ہی شیرِ خدا نے اس کے سر پر وار کیا اور یہ ایک وار ہی کافی شافی ثابت ہوا۔ ذوالفقار حیدری آہنی خود کو کاٹتی ہوئی اتری اور مرحب کے سر کو دو حصوں میں تقسیم کرتی ہوئی گزر گئی۔

چونکہ مرحب قلعہ قموص کا سردار تھا۔ اس لئے اس کے مارے جانے سے سب کی ہمتیں جواب دے گئیں اور کوئی بھی مقابلے پر نہ آیا۔ البتہ قلعہ قموص کا دروازہ اب بھی بند تھا اور اہل اسلام اس میں داخل ہونے سے ابھی تک محروم تھے۔ یہاں بھی قوت حیدری کام آئی اور آپؓ نے بلند و بالا اور مضبوط دروازے (۱) کو پکڑ کر اس زور سے کھینچا کہ اکھاڑ کر پھینک

---

(۱) یہ دروازہ اتنا بڑا اور بھاری تھا کہ مؤرخین کے بقول بعد میں اس کو چالیس آدمیوں ☜

دیا اور یوں یہ ناقابل تسخیر قلعہ بھی سر ہو گیا اور فاتح خیبر کا لقب حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے لئے امر ہو گیا۔

خوش نصیب

اس غزوہ میں ایک چرواہا بہت خوش نصیب ثابت ہوا۔ معلوم نہیں کہ اس کا نام ہی اسود تھا، یا رنگ کالا ہونے کی وجہ سے اسود راعی کہلاتا تھا۔ بہر حال اسود راعی ان دنوں جانِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جب آپ نے خیبر کے بعض قلعوں کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ بکریوں کا ریوڑ بھی اس کے ہمراہ تھا۔ کہنے لگا

''یارسول اللہ! میں اسلام لانا چاہتا ہوں مجھے اس کا طریقہ بتایئے!''

جانِ دو عالم ﷺ نے اس کو توحید و رسالت کے بارے میں بتایا اور وہ اسی وقت کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ پھر عرض کی

''یارسول اللہ! میں چرواہا ہوں۔ میرے پاس یہ بکریاں مالک کی امانت ہیں۔ ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟''

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا---''ان کے منہ پر کچھ مار دو۔ یہ خود بخود مالک کے پاس واپس چلی جائیں گی۔''

اسود راعی نے مٹھی بھر کنکریاں لے کر بکریوں کے مونہوں پر ماریں اور کہا

''اپنے مالک کے پاس واپس چلی جاؤ، میں اب کبھی بھی لوٹ کر نہیں آؤں گا۔''

یہ سنتے ہی بکریاں یوں واپس ہو گئیں جیسے کوئی انہیں ہنکائے لئے جا رہا ہو اور قلعے میں داخل ہو گئیں۔ اس ذمہ داری سے سبکدوش ہوتے ہی اسود راعی جہاد میں شامل ہو گئے اور تھوڑی ہی دیر بعد شہید ہو گئے۔ مجاہدین ان کا جسم اٹھا لائے اور جانِ دو عالم ﷺ کے پاس رکھ کر اوپر

نے مل کر اٹھانے کی کوشش کی، مگر اسے اپنی جگہ سے ہلا بھی نہ سکے۔ انہوں نے حیرت سے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپ نے اتنے وزنی دروازے کو کیسے اکھاڑ لیا تھا؟ تو آپ نے جواب دیا قَلَعْتُهٗ بِقُوَّةٍ رَحْمَانِيَةٍ لَا بِقُوَّةٍ جِسْمَانِيَةٍ. (میں نے اسے رحمانی قوت سے اکھیڑا تھا، نہ کہ جسمانی قوت سے۔)

قلعہ قموص (خیبر)

چادر ڈال دی۔ جانِ دو عالم ﷺ نے ان کی طرف ایک نظر دیکھا اور یکدم نگاہیں ہٹالیں۔

صحابہ کرام کو حیرت ہوئی، پوچھا---''یارسول اللہ! اس طرح دفعۃً نظریں پھیر لینے کی کیا کوئی خاص وجہ ہے؟''

فرمایا---''ہاں! اس کے پاس دو حوریں آئی ہوئی ہیں، جو جنت میں اس کی بیویاں ہیں۔'' (اس لئے میں نے ادھر دیکھنا مناسب نہیں سمجھا۔)

سبحان اللہ! کیا خوش قسمت انسان تھے حضرت اسود راعیؓ---! نہ کوئی نماز پڑھی نہ روزہ رکھا۔ بس ایمان لائے اور چند ہی لمحوں بعد جان کا نذرانہ پیش کر دیا، مگر اس شان سے کہ ان کے استقبال کے لئے فردوسِ بریں کی حوریں اتر پڑیں! رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ.

ایک معجزہ

فتح کے بعد چند دن جانِ دو عالم ﷺ خیبر ہی میں مقیم رہے۔ اس دوران مالِ غنیمت جمع کرنے اور تقسیم کرنے کے علاوہ وہاں کی مفتوحہ زمینوں کے معاملات طے کئے، مگر ان تفصیلات سے عام قاری کو کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، اس لئے ہم بھی ان سے صرف نظر کرتے ہوئے جانِ دو عالم ﷺ کا ایک ایمان افروز معجزہ بیان کرتے ہیں۔

حضرت علیؓ کے ہاتھوں جب مرحب عبرتناک طریقے سے قتل ہوگیا تو اس کی بہن---بعض روایات کے مطابق بھتیجی---زینب نے جانِ دو عالم ﷺ سے انتقام لینے کی ٹھانی۔ اس مقصد کے لئے اس نے ایک بکری بھونی اور اس میں زہر ملا دیا، پھر اس کو تحفے کے طور پر جانِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جانِ دو عالم ﷺ چند صحابہ کے ساتھ اسے کھانے بیٹھے، مگر ابھی لقمہ منہ میں رکھا ہی تھا کہ اچانک تھوک دیا اور فرمایا

''مت کھاؤ اسے، یہ زہریلی ہے۔''

صحابہ کرامؓ نے فوراً اپنے ہاتھ کھینچ لئے، مگر ایک صحابی حضرت بشرؓ کے حلق سے کچھ حصہ اتر گیا تھا۔ چنانچہ چند دن بعد اسی کے اثر سے شہید ہوگئے۔ جانِ دو عالم ﷺ نے زینب کو بلایا اور پوچھا کہ تو نے اس بکری کو زہر آلود کیا تھا؟

''ہاں!'' وہ بے خوفی سے بولی ''لیکن آپ کو کس نے بتایا؟''

''اس دستی نے۔'' جانِ دو عالم ﷺ نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی دستی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''دستی نے صحیح بتایا ہے۔'' اس نے کہا۔

''مگر تو نے ایسی حرکت کی ہی کیوں ہے؟''

''میرا خیال تھا کہ اگر آپ سچے نبی ہوئے تو آپ کو اس سے کوئی گزند نہیں پہنچے گا اور اگر جھوٹے نبی ہوئے تو خلقِ خدا کی آپ سے جان چھوٹ جائے گی۔''

یوں علانیہ اور برملا اعتراف جرم کے بعد وہ بڑی سے بڑی سزا کی مستحق تھی مگر --- فَعَفَا عَنْهَا وَلَمْ يُعَاقِبْهَا --- جانِ دو عالم ﷺ نے اس کو معاف کر دیا اور کوئی سزا نہ دی۔

آپ کا معجزہ اور حسنِ سلوک دیکھ کر زینب نے اسی وقت کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئی۔ (۱)

فتح کے بعد

فتح خیبر کے بعد ملحقہ آبادیاں اور زمینیں بھی مفتوح ہو گئیں۔ انہی زمینوں میں وہ باغ بھی تھا جو باغ فدک کے نام سے مشہور ہے۔ جانِ دو عالم ﷺ نے اس کو اپنی ضروریات اور گھریلو مصارف کے لئے مختص کیا تھا؛ تاہم اس کی آمدنی کا بڑا حصہ غریبوں، مسکینوں، بیواؤں اور یتیموں کی امداد و تعاون پر صرف ہوتا تھا۔ جانِ دو عالم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت فاطمہؓ نے اسی باغ سے از روئے قانونِ وراثت اپنا حصہ مانگا تھا مگر صدیق اکبرؓ نے کہا کہ انبیاء کی وراثت عام لوگوں کی طرح وارثوں میں تقسیم نہیں ہوتی اور یہ حدیث پیش کی کہ سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا

''ہم گروہِ انبیاء کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے۔ ہم جو کچھ چھوڑ کر جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔''

چنانچہ صدیق اکبرؓ نے اس کو بیت المال کی ملکیت کر دیا اور جس طرح جانِ دو عالم ﷺ

---

(۱) ایک روایت کے مطابق وہ مسلمان نہیں ہوئی تھی اور جانِ دو عالم ﷺ نے اس کو حضرت بشرؓ کے قصاص میں قتل کرا دیا تھا۔

گھر کے اخراجات نکال کر باقی سب کچھ غرباء وفقراء میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اسی طرح صدیق اکبرؓ بھی ازواجِ مطہرات کا حصہ انہیں دے دیتے تھے اور جو بچ جاتا تھا، اسے ضرورتمندوں میں بانٹ دیتے تھے۔

اسی غزوہ کے بعد حضرت صفیہ جانِ دو عالم ﷺ کے عقد میں آئیں اور ام المؤمنین بنیں۔ مگر اس کی تفصیل انشاء اللہ ازواجِ رسول میں آئے گی۔

عمرة القضا

صلح حدیبیہ میں اہل مکہ کے ساتھ معاہدہ ہوا تھا کہ جانِ دو عالم ﷺ اور اہل ایمان آئندہ سال عمرہ کے لئے آئیں گے، مگر سوائے انتہائی ضروری اسلحہ کے کسی قسم کا ہتھیار لے کر مکہ میں داخل نہیں ہوں گے۔ عمرے کے لئے صرف تین دن مکہ میں قیام کریں گے اور واپس چلے جائیں گے۔

فتح خیبر کے بعد یہودیوں کی طرف سے اطمینان ہو گیا تھا کہ اب وہ کوئی شرارت نہیں کر پائیں گے۔ دیگر قبائل بھی فتح خیبر سے مرعوب ہو گئے تھے، اس لئے ان کی جانب سے بھی کوئی خطرہ باقی نہیں رہا تھا۔ چنانچہ جانِ دو عالم ﷺ نے سال پورا ہونے پر ذی القعدہ ۷ ھ میں عمرے کا ارادہ ظاہر فرمایا اور کہا کہ جو لوگ صلح حدیبیہ میں شامل ہوئے تھے، وہ ضرور ساتھ جائیں۔ یہ بھی حکم دیا کہ ہر فرد کو پوری طرح مسلح ہونا چاہئے۔ اس حکم سے صحابہ کرامؓ کو حیرت ہوئی اور عرض کی

''یارسول اللہ! معاہدے میں تو یہ طے ہوا تھا کہ کوئی شخص بھی مکہ میں ہتھیار بند ہو کر داخل نہیں ہوگا۔''

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا---''ہم حسب معاہدہ اپنے ہتھیار مکہ سے باہر ہی چھوڑ دیں گے، لیکن اسلحہ ہماری دسترس میں تو ہونا چاہئے، تاکہ اگر دشمن بدعہدی کرے اور ہمیں غیر مسلح دیکھ کر حملہ کر دے تو ہم اپنا دفاع تو کر سکیں۔''

سبحان اللہ! کیا بصیرت، کیا فراست ہے اور معاملے کے ہر پہلو پر نگاہ رکھنے کی کیسی حیرت انگیز استعداد و صلاحیت ہے!!

روانگی

روانگی سے پہلے آپ نے مسجد نبوی سے احرام باندھا۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر آپ نے حضرت محمدؓ ابن مسلمہ (۱) کی قیادت میں گھڑسواروں کا ایک دستہ آگے روانہ فرمادیا اور خود دیگر صحابہ کرام کے ساتھ بعد میں عازمِ سفر ہوئے۔

حضرت محمدؓ ابن مسلمہ تیز رفتاری سے سفر کرتے ہوئے مکہ کے قریب مرالظہر ان نامی جگہ پر پہنچے تو وہاں قریش کے چند افراد پہلے سے موجود تھے۔ انہوں نے حضرت محمدؓ ابن مسلمہ کو پوری طرح مسلح دیکھا تو ان کا ماتھا ٹھنکا کہ کہیں مسلمان مکہ پر حملہ آور تو نہیں ہورہے! چنانچہ انہوں نے محمدؓ ابن مسلمہ سے جانِ دو عالم ﷺ کے بارے میں پوچھا۔ محمدؓ ابن مسلمہ نے کہا کہ وہ بھی بہت سے ساتھیوں کے ہمراہ چلے آرہے ہیں۔ انشاءاللہ کل تک پہنچ جائیں گے۔

یہ سن کر انہیں یقین ہوگیا کہ اتنی بھاری جمعیت سے اتنا اسلحہ لے کر آنے کا مقصد اہل مکہ پر حملہ کرنا ہی ہے۔ چنانچہ وہ لوگ جلدی سے گئے اور اہل مکہ کو مطلع کیا کہ محمد اور اس کے ساتھی پوری طرح مسلح ہوکر مکہ کی طرف بڑھے چلے آرہے ہیں اور عنقریب یہاں پہنچنے ہی والے ہیں۔ اہل مکہ جانِ دو عالم ﷺ کے لاکھ دشمن سہی، مگر اس بات کے دل سے معترف تھے کہ جانِ دو عالم ﷺ نے کبھی وعدے کی خلاف ورزی نہیں کی، اس لئے انہیں اس اطلاع سے حیرت ہوئی اور کہنے لگے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ محمد ہم پر حملہ کردے، حالانکہ ہم پوری طرح معاہدے پر قائم ہیں!

صحیح صورت حال معلوم کرنے کے لئے انہوں نے مکرز کو بھیجا۔ مکرز نے جانِ دو عالم ﷺ سے ملاقات کی اور کہا۔۔۔ ''یا محمد! اللہ کی قسم، تم نے نہ بچپن میں کبھی وعدے کی خلاف ورزی کی، نہ جوانی میں، مگر آج میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اپنے ساتھیوں سمیت پوری طرح مسلح ہوکر آگئے ہو، حالانکہ گزشتہ سال تم نے معاہدہ کیا تھا کہ ہتھیار لے کر مکہ میں داخل نہیں ہوگے۔''

---

(۱) تعارف جلد اول ص ۳۶۳ پر گزر چکا ہے۔

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا---''میں اپنے عہد پر قائم ہوں۔ہم اسلحہ لے کر مکہ میں داخل نہیں ہوں گے۔''

مکرز نے بغیر کسی حیل وحجت کے آپ کی بات مان لی اور کہا

''بے شک نیکی اور عہد کی پاسداری ہمیشہ سے تمہاری پہچان رہی ہے۔''

(هُوَالَّذِیْ تُعْرَفُ بِهٖ، اَلْبِرُّ وَالْوَفَاءُ)

مکرز نے واپس جا کر اہل مکہ کو تسلی دی کہ کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔محمد صرف عمرے کے لئے آیا ہے اور اسلحہ سمیت مکہ میں داخل ہونے کا قطعاً کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔اس طرح اہل مکہ مطمئن ہو گئے اور ان کی پریشانی دور ہو گئی۔

جانِ دو عالم ﷺ نے حسب وعدہ تمام ہتھیار مکہ سے باہر ہی چھوڑ دیئے اور ان کی حفاظت کے لئے دو سو آدمیوں کو مقرر فرما کر باقی صحابہ کے ہمراہ مکہ کی جانب چل پڑے۔

سوئے حرم

مکہ مکرمہ جانِ دو عالم ﷺ کا آبائی شہر تھا۔آپ کی اپنی عمر کا بیشتر حصہ بھی یہیں بسر ہوا تھا، پھر ایک ایسا وقت آیا کہ آپ کو یہ شہر دلآویز چھوڑنا پڑا۔اس وقت آپ اس قدر دل گرفتہ تھے کہ کعبہ شریف پر الوداعی نظر ڈالتے ہوئے اشکبار ہو گئے تھے۔اب سات سال بعد اللہ کے اسی گھر کے گرد طواف کرنے کے لئے جا رہے تھے۔اپنی مشہور اونٹنی قصواء پر سوار تھے اور صحابہ کرامؓ نے آپ کو یوں گھیر رکھا تھا جیسے شمع کے گرد پروانوں نے ہجوم کر رکھا ہو۔سب کی زبانوں پر لَبَّیْکَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیْکَ کا وجد آفریں ترانہ تھا اور دل رقت سے معمور تھے۔(۱)

---

(۱) علامہ شبلیؒ نے لکھا ہے کہ مکہ میں داخل ہوتے وقت

''عبداللہؓ ابن رواحہ اونٹ کی مہار تھامے ہوئے آگے آگے یہ رجز پڑھتے جا رہے تھے

خَلُّوْا بَنِی الْکُفَّارِ عَنْ سَبِیْلِهٖ　　اَلْیَوْمَ نَضْرِبُکُمْ عَلٰی تَنْزِیْلِهٖ

ضَرْبًا یُّزِیْلُ الْهَامَ عَنْ مَقِیْلِهٖ　　وَیُذْهِلُ الْخَلِیْلَ عَنْ خَلِیْلِهٖ

(کافرو! سامنے سے ہٹ جاؤ، آج جو تم نے اترنے سے روکا تو تلوار کا وار کریں گے۔وہ وار جو سر کو خوابگاہ سر سے الگ کر دے اور دوست کے دل سے دوست کی یاد بھلا دے۔) (سیرت النبی ج ۱، ص ۴۶۱)

مشرکین آپ کو منع تو کر نہیں سکتے تھے کیونکہ گزشتہ سال خود ہی لکھ کر دے چکے تھے کہ آئندہ برس اہل ایمان کو عمرے کی اجازت ہوگی؛ تاہم حسد کی وجہ سے جانِ دو عالم ﷺ کو اس شان و شوکت سے مکہ میں داخل ہوتے بھی نہیں دیکھ سکتے تھے، اس لئے بہت سے لوگ شہر چھوڑ کر چلے گئے تا کہ یہ "پریشان کن منظر" دیکھنے کی نوبت ہی نہ آئے۔

یہ روایت دراصل شمائل ترمذی کی ہے اور اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ حضرت عمر نے حضرت عبداللہ ابن رواحہ کو اشعار پڑھنے سے منع کیا اور کہا کہ یہ کیا کر رہے ہو! رسول اللہ کے سامنے حدودِ حرم کے اندر اشعار کہہ رہے ہو۔

مگر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو پڑھنے دو کیونکہ یہ اشعار مشرکین کے دلوں کو تیروں سے زیادہ زخمی کرتے ہیں۔

اس روایت پر خود علامہ ترمذی نے اعتراض کیا ہے کہ عبداللہؓ ابن رواحہ یہ اشعار کیسے کہہ سکتے تھے؛ جبکہ وہ اس سے پہلے غزوہ موتہ میں شہید ہو چکے تھے۔

حیرت ہوتی ہے کہ ترمذی جیسے حافظ الحدیث کو اتنی بڑی غلطی کیسے لگ گئی کہ انہوں نے غزوہ موتہ کو عمرۃ القضاء سے پہلے قرار دے دیا حالانکہ غزوہ موتہ بالاتفاق ۸ھ میں ہوا تھا؛ جبکہ عمرۃ القضاء ۷ھ کا واقعہ ہے!!

اس لئے ترمذی کا مندرجہ بالا اعتراض تو درست نہیں ہے؛ البتہ یہ روایت اس لحاظ سے محلِ نظر ہے کہ جانِ دو عالم ﷺ یہ عمرہ صلح حدیبیہ میں طے شدہ معاہدے کے مطابق انتہائی امن اور صلح کی فضا میں کر رہے تھے۔ نہ اہل مکہ نے آپ کو روکنے کی کوشش کی تھی، نہ اب تک کوئی اور تلخی رونما ہوئی تھی۔ پھر ایسے موقع پر اس طرح کے رجزیہ اشعار پڑھ کر دوسرے فریق کے جذبات کو بھڑکانا اور "آ بیل مجھے مار" جیسا طرزِ عمل اختیار کرنا، نہ عبداللہؓ ابن رواحہ کی فراست و بصیرت سے کوئی مناسبت رکھتا ہے، نہ جانِ دو عالم ﷺ کی امن پسند اور صلح جو طبیعت کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔

ہمارے خیال میں کسی راوی نے غلطی سے اس واقعہ کو عمرۃ القضاء کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

غالباً یہ واقعہ فتح مکہ میں پیش آیا ہوگا، کیونکہ اس وقت جانِ دو عالم ﷺ بزورِ شمشیر مکہ میں داخل ہوئے تھے اور جنگ کے دوران اس طرح کے رجزیہ شعر پڑھنا ہمیشہ اہل عرب کا معمول رہا تھا۔ ☜

رَمَل

تلبیہ پڑھتے ہوئے جب یہ کاروانِ شوق حرم شریف میں پہنچا تو مشرکین نے انہیں دیکھ کر آپس میں کہا ---" دیکھو تو ---! یثرب کی آب و ہوا نے ان لوگوں کو کیسا لاغر اور کمزور کر دیا ہے۔"

جانِ دو عالم ﷺ نے ان کی غلط فہمی رفع کرنے کے لئے صحابہ کرامؓ سے کہا

"بیت اللہ کے گرد پہلے تین چکر دوڑ کر لگاؤ تا کہ تمہاری قوت اور چستی کا مظاہرہ ہو۔"

آپ کے ارشاد کے مطابق صحابہ کرام نے جب رَمَل کے انداز میں دوڑنا شروع کیا تو مشرکین کی آنکھیں کھل گئیں اور انہوں نے اعتراف کیا کہ ہمارا یہ خیال غلط تھا کہ مسلمان کمزور ہو گئے ہیں یہ تو ہرن کی طرح چوکڑیاں بھر رہے ہیں۔

خود جانِ دو عالم ﷺ نے یہ طواف ناقہ پر سوار ہو کر کیا تھا، تا کہ سب لوگ آپ کو دیکھ سکیں اور طواف کا مسنون طریقہ سیکھ سکیں۔ اس کے بعد آپ نے صفا مروہ میں سعی کی اور سعی کے اختتام پر مروہ کے پاس سر کے بال اتروائے اور وہیں قربانی کی۔ دیگر صحابہ کرام نے بھی آپ کے اتباع میں اسی طرح کیا۔ فراغت کے بعد جانِ دو عالم ﷺ نے چند آدمیوں کو ادھر بھیج دیا جہاں مکہ سے باہر اسلحہ چھوڑا تھا اور فرمایا کہ تم ہتھیاروں کی حفاظت کرو اور جو لوگ وہاں ہیں ان کو بھیج دو تا کہ وہ بھی عمرہ کر لیں۔ اس طرح تمام ہمرکاب اصحاب نے آپ کی معیت میں عمرہ ادا کرنے کا شرف حاصل کر لیا۔ ہجرت کے بعد جانِ دو عالم ﷺ کا یہ پہلا مکمل عمرہ تھا۔

قیام اور شادی

معاہدہ حدیبیہ کے مطابق جانِ دو عالم ﷺ صرف تین دن تک مکہ میں قیام کر سکتے تھے۔ ان تین دنوں میں آپ کی حضرت میمونہؓ سے شادی ہوئی تھی، جس کی تفصیل تو

تاہم اس صورت میں بھی یہ اشعار عبداللہؓ ابن رواحہ کے نہیں ہو سکتے کیونکہ عبداللہؓ ابن رواحہ غزوہ موتہ میں شہید ہو چکے تھے اور مکہ اس کے بعد فتح ہوا تھا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

''ازواجِ رسول'' میں آئے گی؛ البتہ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ جانِ دو عالم ﷺ چاہتے تھے کہ اگر اہل مکہ تین دن سے زیادہ ٹھہرنے پر معترض نہ ہوں تو میں ولیمے کا یہیں انتظام کردوں، مگر اہل مکہ اس پر تیار نہ ہوئے اور تیسرے دن ان کے نمائندوں نے آکر کہا کہ اب تم لوگ مکہ سے جانے کی تیاری کرو۔

جانِ دو عالم ﷺ نے کہا---''اگر ہم ایک دن اور ٹھہر جائیں اور میں یہیں پر دعوتِ ولیمہ کا اہتمام کردوں، جسے ہم بھی کھائیں اور تم بھی کھاؤ تو کیا حرج ہے؟''

''معاہدے میں طے شدہ وقت صرف تین دن ہیں۔اس سے زیادہ ہم ایک لمحے کے لئے بھی ٹھہرنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔''نمائندوں نے متکبرانہ لہجے میں جواب دیا۔

اس ہٹ دھرمی پر بعض صحابہ کرامؓ کو غصہ آ گیا اور انہوں نے نمائندوں سے تلخ گفتگو شروع کردی، مگر جانِ دو عالم ﷺ نے ان کو روک دیا اور فرمایا

''جو لوگ ہمارے پاس آئے ہوئے ہیں (یعنی ایک طرح سے ہمارے مہمان ہیں۔) ان کے ساتھ اس لہجے میں بات کرنا درست نہیں ہے۔میں ان کا مطالبہ تسلیم کرتا ہوں۔تین دن پورے ہوتے ہی ہم مکہ سے چلے جائیں گے۔''

اللہ اکبر! ایفائے عہد کا کیسا جانفزا مظاہرہ ہے! جبھی تو دشمن بھی تسلیم کرتے تھے کہ نیکی اور وعدے کی پاسداری آپ کی پہچان ہے۔

هُوَ الَّذِیْ تُعْرَفُ بِهٖ ، الْبِرُّ وَالْوَفَاءُ

سریہ اخرم

عمرۃ القضاء سے واپسی پر اسی سال یعنی ذوالحجہ ۷ھ میں قبیلہ بنی سلیم کی طرف ایک سریہ بھیجا گیا۔یہ صرف پچاس جانبازوں پر مشتمل ایک چھوٹا سا دستہ تھا۔ایسی مختصر مہمات تبھی کامیاب ہوسکتی ہیں؛ جبکہ دشمن کو بے خبری میں جالیا جائے، مگر افسوس کہ اس سریہ میں ایسا نہ ہوسکا اور بنی سلیم کے جاسوسوں نے انہیں پہلے ہی مطلع کردیا۔چنانچہ انہوں نے بھرپور تیاری کرلی اور بھاری جمعیت اکٹھی کرلی اسلئے جب مسلمانوں نے ان پر حملہ کیا تو انہوں نے ہر طرف سے گھیرا ڈال کر مسلمانوں کو بے بس کردیا۔مسلمان اگر چاہتے تو ہتھیار ڈال کر جانیں

بچا سکتے تھے، مگر انہوں نے ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دی اور سب کے سب راہ خدا میں شہید ہو گئے۔ یہ واحد سریہ ہے جس کے شرکاء میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچ سکا۔ دنیا والوں کے حساب سے یہ مہم ناکام ہوگئی، مگر جن کا نظریہ یہ تھا کہ ---شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن--- انہوں نے تو اپنا مطلوب و مقصود پالیا تھا۔ وَذٰلِکَ ھُوَالْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔

سریہ غالب

اس کے بعد ۸ھ شروع ہوگیا جس میں پہلی مہم ماہِ صفر میں ''کدید'' کی جانب روانہ کی گئی۔ کدید ''بنی الملوح'' کی قیام گاہ تھی۔ یہ ایک مشرک قبیلہ تھا جو اہل اسلام سے شدید عداوت رکھتا تھا۔ اس مہم کی قیادت حضرت غالبؓ ابن عبداللہ کے سپرد کی گئی اور یہ لوگ سفر کرتے ہوئے ایک دن غروب کے وقت کدید پہنچ گئے۔

ایک صحابی کہتے ہیں کہ مجھے صورت حال معلوم کرنے کیلئے بھیجا گیا۔ میں چھپتا چھپاتا ایک بلند ٹیلے پر چڑھنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ بہترین جگہ تھی۔ یہاں سے دشمن کی نقل و حرکت پر بخوبی نظر رکھی جا سکتی تھی؛ چنانچہ میں ٹیلے پر زمین سے چپک کر لیٹ گیا اور جائزہ لینا شروع کر دیا۔ اسی دوران دشمنوں کا ایک آدمی اپنے خیمے سے باہر نکلا اور ٹیلے کی طرف دیکھنے لگا۔ اگرچہ اس وقت کافی تاریکی چھا چکی تھی اور زمین کے ساتھ چپکا ہوا ہونے کی وجہ سے بظاہر میرے دیکھ لئے جانے کا کوئی امکان نہیں تھا، مگر اس کے باوجود اس کو کچھ شک ہوگیا اور اپنی بیوی سے کہنے لگا

''سامنے ٹیلے پر مجھے کچھ سیاہی سی دکھائی دے رہی ہے جو اس سے پہلے نظر نہیں آتی تھی۔ دیکھنا، کہیں کتے ہماری کوئی چیز کھینچ کر ٹیلے پر نہ لے گئے ہوں۔''

اس کی بیوی نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا---''ہماری تمام چیزیں اپنی جگہ پر موجود ہیں۔''

اس نے کہا---''ابھی پتہ چل جاتا ہے، ذرا میری کمان اور دو تیر تو اندر سے اٹھا لاؤ!''

بیوی تیر کمان لے آئی تو اس نے ایک تیر چلے میں چڑھایا اور چھوڑ دیا--- اور ایسے غضب کا قدر انداز تھا ظالم کہ اندھیرے کے باوجود اس کا نشانہ خطا نہیں ہوا اور اس کا پھینکا ہوا تیر میرے پہلو میں پیوست ہوگیا۔ شدید درد کے باوجود میں نے ضبط کیا اور کوئی

حرکت کیے بغیر آہستہ سے تیر اپنے بدن سے نکال کر پاس رکھ لیا۔ اس نے دوبارہ نشانہ لیا اور دوسرا تیر بھی چلا دیا۔ یہ تیر بھی میرے کندھے میں لگا اور مجھے گھائل کر گیا مگر میں نے پھر بھی کوئی حرکت نہ کی۔ تھوڑی دیر تک وہ ٹیلے کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر مطمئن ہو گیا اور کہنے لگا

"اگر کوئی انسان ہوتا تو ضرور ہلتا جلتا کیونکہ میرے دونوں تیر ٹھیک اپنے ہدف پر لگے ہیں۔"

وہ بے فکر ہو کر خیمے میں چلا گیا تو میں دبے پاؤں ٹیلے سے اتر آیا اور ساتھیوں کو اپنے جائزے سے آگاہ کیا۔ صبحدم ہم نے ان پر حملہ کر دیا جس میں ان کے متعدد آدمی مارے گئے اور مالِ غنیمت کے طور پر کافی بکریاں اور اونٹ ہمارے ہاتھ لگے۔ جب ہم واپس جا رہے تھے تو بنی الملوح کے امدادی قبائل آ پہنچے اور ہمارا تعاقب شروع کر دیا۔ ان کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے، اس لئے ہم نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ راستے میں ایک خشک برساتی نالہ پڑتا تھا۔ اسے عبور کر کے جب ہم پار چڑھے تو دشمن بھی آ پہنچے۔ اب ہمارے اور ان کے درمیان صرف وہی نالہ حائل تھا۔ اچانک --- نہ جانے کہاں سے --- نالے میں پانی آ گیا، حالانکہ آسمان پر بادلوں کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ پانی اتنا زیادہ تھا کہ اسے عبور کرنا ان کے لئے ممکن نہ تھا۔ چنانچہ وہ دوسرے کنارے پر کھڑے دیکھتے رہ گئے اور ہم کافی دور نکل آئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے ہمیں بچا لیا اور ہم بخیریت واپس پہنچ گئے۔

اس کے بعد چند مزید چھوٹی چھوٹی مہمات مختلف مقامات کی طرف بھیجی گئیں، جو کامیاب و کامران لوٹیں۔ پھر جمادی اُخریٰ میں غزوۂ موتہ پیش آیا۔

سریہ مُوتہ (المعروف غزوۂ موتہ) (۱)

موتہ شام کے ایک شہر کا نام ہے۔ اس غزوے کا سبب یہ بنا کہ جانِ دو عالم ﷺ

(۱) وہ حربی مہم جس میں جانِ دو عالم ﷺ خود شامل نہ ہوں، سریہ کہلاتی ہے، مگر موتہ کے مقام پر لڑی جانے والی اس لڑائی کو --- نہ جانے کیوں --- عام سیرت نگار غزوہ لکھتے ہیں، حالانکہ اس میں جانِ دو عالم ﷺ شریک نہیں تھے۔ مواہب لدنیہ نے البتہ اسے سریہ موتہ لکھا ہے اور اصطلاحی اعتبار سے درست بھی یہی ہے؛ تاہم مشہور غزوۂ موتہ ہی ہے۔

نے حضرت حرثؓ ابنِ عمیر ازدی کو اپنا خط دے کر حاکم بصرٰی کی طرف بھیجا۔ موتہ، بصرٰی کے راستے میں پڑتا تھا۔ حضرت حرثؓ جب موتہ پہنچے تو آرام کرنے کی غرض سے وہاں ٹھہر گئے۔ موتہ کا حکمران شرحبیل ایک کمینہ خصلت انسان تھا اور جانِ دو عالم ﷺ سے شدید عداوت رکھتا تھا۔ اسے پتہ چلا کہ شہر میں کوئی مسلمان آیا ہوا ہے تو اس نے حکم دیا کہ اس مسلمان کو گرفتار کر لیا جائے۔ جب حرثؓ کو پکڑ کے شرحبیل کے روبرو پیش کیا گیا تو اس نے پوچھا---"تم کہاں جا رہے ہو؟"

"بصرٰی جا رہا ہوں۔" حضرت حرثؓ نے جواب دیا۔

"کیا تم محمد (ﷺ) کے ایلچی ہو؟"

"ہاں! مجھے انہوں نے ہی بھیجا ہے۔"

یہ سن کر شرحبیل نے اپنی عداوت و خباثت کا مظاہرہ کرتے ہوئے حکم دیا کہ قیدی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ ظالموں نے بغیر کسی جرم و خطا کے حضرت حرثؓ کو باندھ کر شہید کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

یہ خبر جب مدینہ منورہ پہنچی تو جانِ دو عالم ﷺ کو بے حد رنج ہوا اور آپ نے اسی وقت تین ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر ترتیب دیا اور اس کی قیادت حضرت زید ابن حارثہؓ کو سونپی۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اگر زید شہید ہو جائے تو کمان جعفر کے ہاتھ میں ہوگی۔ اگر وہ بھی شہید ہو جائے تو عبداللہ ابن رواحہ امیر لشکر ہوگا اور اگر وہ بھی شہید ہو جائے تو پھر مسلمانوں کی مرضی پر منحصر ہے، جسے چاہیں اپنا سالار منتخب کر لیں۔ کسی لشکر کو روانہ کرتے وقت اس طرح کی گفتگو جانِ دو عالم ﷺ نے کبھی نہیں فرمائی تھی، اس لئے بہت سے لوگ اسی وقت سمجھ گئے تھے کہ آپ نے جن خوش نصیبوں کے نام لئے ہیں وہ ضرور مرتبۂ شہادت پر فائز ہوں گے۔

رهنما نصیحتیں

ان کو رخصت کرنے کے لئے جانِ دو عالم ﷺ بنفسِ نفیس ثنیۃ الوداع (۱) تک

(۱) ثنیۃ الوداع وہی جگہ ہے، جہاں اہل مدینہ نے جانِ دو عالم ﷺ کا اس وقت استقبال کیا تھا، جب آپ ہجرت کر کے تشریف لائے تھے۔

تشریف لائے اور انہیں مندرجہ ذیل عالی شان ہدایات ونصائح سے نوازا:۔

''موتہ جا کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا اگر وہ انکار کریں تو اللہ سے مدد مانگ کر ان سے مقابلہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا اور اسی کے نام پر، اسی کی راہ میں کافروں سے لڑنا۔ دھوکہ نہ دینا۔ خیانت نہ کرنا۔ بچوں، عورتوں، بہت زیادہ بوڑھوں اور گرجا نشین راہبوں کو قتل نہ کرنا۔ کسی کے درخت نہ کاٹنا، نہ کسی کا مکان گرانا۔''

ان نصیحتوں کے بعد آپ نے ان کو الوداع کہا اور واپس چلے آئے۔ یہ جمعہ کی صبح کا واقعہ ہے۔ نمازِ جمعہ کے بعد جانِ دوعالم ﷺ نے دیکھا کہ عبداللہؓ ابنِ رواحہ بھی نمازیوں میں شامل ہیں۔

آپ کو حیرت ہوئی اور پوچھا---''عبداللہ! تم ابھی تک گئے نہیں؟''

یا رسول اللہ! میرا دل چاہتا تھا کہ نمازِ جمعہ آپ کی اقتدا میں پڑھ لوں اس لئے رُک گیا تھا، اب روانہ ہو رہا ہوں۔''

جانِ دوعالم ﷺ نے فرمایا---''یہ تم نے اچھا نہیں کیا، کیونکہ راہِ خدا میں سفر کرنے کے دوران جو صبح یا شام آتی ہے، وہ اللہ کے نزدیک دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔(۱)

دشمن کی حیران کن تعداد

موتہ کا علاقہ سلطنت روما کا حصہ تھا۔ موتہ کا حکمران شُرحبیل، قیصر روم ہی کا متعین

---

(۱) اللہ اکبر! کیا مقام ہے مجاہدین فی سبیل اللہ کا!---جمعہ جیسی عبادت اور وہ بھی جانِ دوعالم ﷺ کی اقتداء میں---! ایسی عبادت کی اللہ کے ہاں کتنی بڑی شان وعظمت ہوگی! مگر جانِ دوعالم ﷺ نے اس عبادت سے بھی مجاہدین کی ہمسفری کو افضل قرار دیا---بلکہ ان کے ساتھ گزاری ہوئی ایک صبح یا شام کو دنیا کی ہر عبادت سے برتر واعلیٰ کہا اور حضرت عبداللہؓ کے پیچھے رہ جانے کو ناپسند فرمایا، حالانکہ حضرت عبداللہؓ آپ کی اقتداء میں جمعہ ادا کر کے بھی بآسانی مجاہدین کے ہمسفر ہو سکتے تھے!!

ایک روایت میں یہ بھی الفاظ آئے ہیں''لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّا اَدْرَکْتَ غَدْوَتَھُمْ.''(زمین میں جو کچھ ہے، اگر تم وہ سب کا سب راہِ خدا میں لٹا دو، پھر بھی اس درجے کو نہیں پہنچ سکتے جو تمہیں صبح کے وقت مجاہدین کے ساتھ جانے سے ملتا۔ سُبْحَانَ اللہِ الْعَظِیْم.

کردہ تھا۔ جب مسلمانوں کا لشکر روانہ ہوا تو شرحبیل کو بھی اطلاع مل گئی اور اس نے مقابلے کے لئے بہت بڑا لشکر تیار کرلیا، جو ایک لاکھ سے زائد پر مشتمل تھا۔ علاوہ ازیں قیصر روم بھی ایک لاکھ کا لشکر لئے قریب ہی خیمہ زن تھا۔

اس طرح مجموعی طور پر دشمن کی تعداد دو لاکھ سے بھی زائد تھی؛ جبکہ مسلمان صرف تین ہزار تھے۔ اس نمایاں فرق کو دیکھتے ہوئے صحابہ کرامؓ نے آپس میں مشورہ کیا۔ بعض صحابہ کی رائے تھی کہ ہمیں فی الحال جنگ میں نہیں اُلجھنا چاہئے؛ بلکہ پہلے رسول اللہ ﷺ کو صورت حال سے مطلع کرنا چاہئے، پھر جیسے آپ ﷺ حکم دیں اس کے مطابق عمل کیا جائے، مگر عبداللہؓ ابنِ رواحہ انتہائی جذباتی انداز میں گویا ہوئے

"لوگو! تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ آج شہادت سے روگردانی کر رہے ہو، حالانکہ تم ہمیشہ شہادت کے طلبگار اور مشتاق رہے ہو! اور جہاں تک دشمن کی عددی برتری کا تعلق ہے تو ہم نے اس سے پہلے جو فتوحات حاصل کی ہیں، ان میں بھی تعداد کے اعتبار سے دشمن کا پلّہ ہمیشہ بھاری رہا ہے۔ ہماری فتح کا دارومدار نہ تو قوت پر ہے، نہ ہی کثرت پر؛ بلکہ کامیابی کا سبب صرف وہ دین ہے جس کی پیروی سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتنی عزت دی ہے۔ اس لئے ہچکچاہٹ چھوڑو اور دشمن پر ٹوٹ پڑو، اگر فتح حاصل ہوگئی تو اچھی بات ہے، ورنہ شہادت کا اعزاز تو بہر صورت مل ہی جائے گا۔"

یہ تقریر گویا سب کے دل کی آواز تھی اس لئے اس کی بھرپور تائید کی گئی اور سب نے کہا کہ عبداللہؓ نے بالکل سچ کہا ہے، ہمیں اس سے مکمل اتفاق ہے۔

معرکہ آرائی

آسمان نے ایسا منظر کہاں دیکھا ہوگا کہ تین ہزار کا مختصر سا لشکر لاکھوں دشمنوں کے خلاف صف آرا ہوگیا ہو! معرکہ آرائی شروع ہوئی تو حضرت زید ؓ علم لے کر آگے بڑھے اور شدید لڑائی کے بعد شہید ہوگئے۔ پھر حضرت جعفر ؓ نے علم اٹھایا اور وہ بھی داد شجاعت دیتے ہوئے حیاتِ جاوداں پاگئے۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ ابن رواحہؓ نے امیر لشکر کے فرائض سنبھالے اور رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے حملہ آور ہوئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ

بھی عروسہ شہادت سے ہمکنار ہو گئے۔ جانِ دو عالم ﷺ کے نامزد کردہ تینوں افراد شہید ہو گئے (۱) تو مسلمانوں نے باہمی مشورے سے حضرت خالد ؓ ابن ولید کو اپنا سالار بنا لیا۔

اس وقت مسلمان چاروں طرف سے نرغے میں آ چکے تھے اور بیشتر لشکری اپنے تین مایہ ناز سپہ سالاروں کی یکے بعد دیگرے شہادت سے دل شکستہ ہو چکے تھے، مگر حضرت خالدؓ کو قیادت ملتے ہی جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔

حضرت خالدؓ کی بے مثال شجاعت اور حریف کو چکرا دینے والی تدابیر نے دشمن کے چھکے چھڑا دیئے اور مسلمان گھیرا توڑ کر باہر نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس دن حضرت خالدؓ نے ایسی محیر العقول شمشیر زنی کا مظاہرہ کیا کہ ان کے ہاتھ میں یکے بعد دیگرے سات تلواریں ٹوٹ گئیں!

اُدھر مدینہ منورہ میں جانِ دو عالم ﷺ منبر پر کھڑے اس جنگ کا آنکھوں دیکھا حال بیان کر رہے تھے۔ نرگسیں آنکھیں اشکبار تھیں اور آپ فرما رہے تھے۔

''اب زید لڑ رہا ہے --- لو، وہ شہید ہو گیا۔ اب جعفر معرکہ آزما ہے --- وہ بھی شہادت پا گیا۔ اب عبداللہ نے علم اٹھایا ہے --- وہ بھی راہِ خدا میں نثار ہو گیا۔ اب خالد نے کمان سنبھالی ہے --- وہ اللہ کا بہترین بندہ ہے اور اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔ اس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے فتح نصیب فرما دی ہے۔''

جنگ کے بعد

لڑائی ختم ہو گئی تو ایک صحابی جانِ دو عالم ﷺ کو حالات سے مطلع کرنے کے لئے باقی لشکر سے پہلے مدینہ منورہ پہنچے۔

جانِ دو عالم ﷺ نے ان سے پوچھا --- ''وہاں کے حالات تم بیان کرو گے یا

---

(۱) حضرت زیدؓ، حضرت جعفر طیارؓ، حضرت عبداللہ ابن رواحہؓ کے حالات زندگی علی الترتیب جلد اول، ص ۱۷۵، ص ۲۴۳، ص ۳۱۷ پر حاشیہ میں گزر چکے ہیں۔ اگر آپ ان کے آخری لحات کی تفصیل جاننا چاہیں اور ان کی ایمان افروز شہادتوں کے ولولہ انگیز انداز دیکھنا چاہیں تو ان صفحات کا ضرور مطالعہ فرمائیے!

میں بتاؤں؟''

صحابی نے عرض کی---''یارسول اللہ! آپ ہی بیان فرمادیجئے!''

چنانچہ جانِ دو عالم ﷺ نے ایک ایک واقعہ پوری تفصیل سے بتا دیا جسے سن کر وہ صحابی عرض گزار ہوئے---''یارسول اللہ! اس ذات کی قسم، جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، آپ نے تمام واقعات حرف بحرف صحیح بیان فرمائے ہیں، واقعی آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔''

چونکہ اس غزوے میں جانِ دو عالم ﷺ کے تین انتہائی پیارے اور چہیتے صحابی فردوس بریں کی جانب پرواز کر گئے تھے اس لئے آپ ان کی جدائی سے بے حد افسردہ و غمگین تھے۔ مگر صرف تین ہزار آدمیوں نے لاکھوں کا منہ پھیر کر ایسا حیرت انگیز کارنامہ انجام دیا تھا کہ جب یہ لشکر واپس آیا تو جانِ دو عالم ﷺ اس کے استقبال کے لئے مدینہ منورہ سے باہر تشریف لائے اور حضرت خالدؓ کی بہترین کارکردگی پر ان کی بہت تعریف فرمائی۔(۱)

---

(۱) حضرت خالدؓ کے حالات زندگی بیان کرنے کے لئے ایک مبسوط کتاب چاہئے۔ تاہم قارئین سیدالورٰی کو ان کے چیدہ چیدہ کارناموں سے انشاءاللہ ضرور آگاہ کریں گے۔

حضرت خالدؓ کا باپ ولید قریش کے معروف سرداروں میں سے ایک تھا۔ باپ تو دولتِ اسلام سے بہرہ یاب نہ ہوسکا؛ البتہ بیٹے کو اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت نصیب فرمائی کہ ۶ھ کو بارگاہ نبوی میں حاضر ہوکر مشرف باسلام ہوگئے۔ ان کے اسلام لانے سے گلشنِ اسلام پر ایک نئی بہار آگئی۔ تسخیر عالم کے جذبات تو پہلے ہی سے اہل ایمان کے دلوں میں موجزن تھے، مگر حضرت خالدؓ کے شریک قافلہ ہونے سے ان میں مزید شدت وحدت پیدا ہوگئی اور اس عظیم قائد کی کمان میں مجاہدین نے ایسے ایسے کارنامے انجام دیئے کہ مشرق ومغرب میں ایک تہلکہ مچ گیا اور خالدؓ کا نام فتح کی ضمانت بن گیا۔ شمشیر زنی میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ ان کے ہاتھ میں یکے بعد دیگرے کئی فولادی تلواریں ٹوٹ جاتیں، مگر ان کے بازو کی توانائیوں میں کوئی کمی نہ آتی۔ بڑے بڑے معرکہ آزما ان کا نام سن کر کانپنے لگ جاتے اور مقابلے سے گریز کی راہیں تلاش کرنے لگتے۔ مجموعی طور پر جن چھوٹے بڑے معرکوں میں انہوں نے فتوحات حاصل کیں ان ☜

سریہ ذات السلاسل

مدینہ منورہ سے تقریباً دس دن کی مسافت پر ایک علاقہ تھا، جس میں ریتلے ٹیلوں

کے نام لکھنے کے لئے بھی ایک طویل فہرست ترتیب دینی پڑتی ہے۔ مختصر یہ کہ ان کو ہر معرکے میں کامیابی حاصل ہوئی اور ان کی پوری زندگی شکست و پسپائی کے داغ سے یکسر پاک وصاف رہی۔ غزوہ موتہ کا واقعہ آپ پڑھ ہی چکے ہیں۔ اس کے علاوہ فتح مکہ اور غزوۂ حنین میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے اور جانِ دو عالم ﷺ کے وصال کے بعد تو انہوں نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ دشمنانِ دین کی سرکوبی کے لئے وقف کر دیا۔ مرتدینِ عرب ہوں یا جھوٹے مدعیانِ نبوت، ایرانی ہوں یا رومی وشامی، اللہ کی تلوار سب پر برق بے اماں بن کر گری اور راہِ حق کی ہر رکاوٹ کو خاکستر کر گئی۔

قارئینِ کرام! سیدالوریٰ کے صفحات اس رجل عظیم کے کارناموں کا احاطہ کرنے سے قاصر ہیں۔ اگر آپ کو شوق ہو تو حضرت خالدؓ کی متعدد سوانح عمریاں طبع شدہ موجود ہیں۔ ان کا مطالعہ کیجئے۔ ہم تو صرف اتنا بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت خالدؓ کی اس غیر معمولی شجاعت وبسالت کا راز کیا تھا!؟

اس کی پہلی وجہ تو یہ تھی کہ حضرت خالدؓ کو اپنے رب پر کامل یقین واعتماد تھا۔ اسی غیر متزلزل یقین کا معجزہ تھا کہ زہر ہلاہل نے آپ پر مطلقاً کوئی اثر نہ کیا۔ یہ حیران کن واقعہ جنگ حیرہ میں پیش آیا، جب اہل حیرہ کئی دن کے محاصرے سے تنگ آ کر صلح پر آمادہ ہو گئے۔ اہل حیرہ کی طرف سے صلح کے مذاکرات کرنے کے لئے جو وفد آیا، اس کا قائد عبدالمسیح تھا۔ دورانِ گفتگو حضرت خالدؓ نے دیکھا کہ عبدالمسیح نے ہاتھ میں ایک پڑیا پکڑی ہوئی ہے۔ انہوں نے عبدالمسیح سے پوچھا کہ یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟

''یہ انتہائی زود اثر زہر ہے۔'' عبدالمسیح نے جواب دیا۔

''اس کو کیوں ساتھ لئے پھرتے ہو؟'' انہوں نے پوچھا۔

عبدالمسیح نے کہا۔۔۔'' دراصل میری قوم کو مجھ پر حد سے زیادہ اعتماد ہے اور مجھے صلح کے لئے بھیجتے وقت ان کو یقین تھا کہ میں صلح کرانے میں ضرور کامیاب ہو جاؤں گا۔ میں اپنی قوم کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا اس لئے یہ زہر ساتھ لے آیا ہوں، تاکہ اگر صلح کی گفتگو ناکام ہو جائے تو میں زہر کھا کر خودکشی کر لوں اور اپنی قوم کے سامنے شرمندہ ورسوا ہونے سے بچ جاؤں۔'' ☜

کے کئی سلسلے پھیلے ہوئے تھے۔ اسی مناسبت سے اس کو ذات السلاسل کہا جاتا تھا، یعنی ریگستانی سلسلوں والی سرزمین۔ وہاں قبیلہ قضاعہ کی کئی شاخیں آباد تھیں۔ جانِ دو عالم ﷺ کو اطلاع ملی

حضرت خالدؓ نے کہا---"یہ تم نے ایک فضول کام کیا ہے۔ کیونکہ موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ جب تک وہ وقت نہ آجائے کوئی شخص مر نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتَابًا مُّؤَجَّلًا یعنی کوئی انسان بھی اللہ کے حکم کے بغیر نہیں مر سکتا اور ہر ایک کی موت کا وقت پہلے سے لکھا جا چکا ہے۔"

اس کے بعد انہوں نے عبدالمسیح سے زہر کی پڑیا لی اور--- بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْاَرْضِ وَالسَّمَآءِ الَّذِیْ لَایَضُرُّمَعَ اسْمِهٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَهُوَالسَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ--- پڑھ کے سب کے سامنے سارے کا سارا زہر کھالیا۔

عبدالمسیح اس زہر کی ہولناک تیزی سے پوری طرح آگاہ تھا، اس لئے اس کو یقین تھا کہ مسلمانوں کا سالار ابھی بے دم ہو کر گر پڑے گا اور مر جائے گا۔ مگر جب کافی دیر گزر گئی اور حضرت خالدؓ کو کچھ نہ ہوا تو عبدالمسیح سمیت تمام مذاکراتی جماعت پر دہشت طاری ہو گئی اور وہ لوگ مزید گفتگو کئے بغیر واپس چلے گئے۔

عبدالمسیح نے اہل حیرہ کو یہ حیرت انگیز واقعہ سنایا اور کہا کہ ان لوگوں سے مقابلہ کرنا ممکن نہیں ہے، اس لئے ہمیں چاہئے کہ وہ جو بھی شرائط عائد کریں، ان کو بے چون و چرا تسلیم کرلیں اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالیں۔

سب نے عبدالمسیح کی تائید کی اور مسلمانوں کی عائد کردہ تمام شرطیں مان کر صلح کرلی۔

حضرت خالدؓ کی محیر العقول کامیابیوں میں بڑا حصہ ان کے ولولہ انگیز خطبات کا بھی ہے۔ ان کی آتش نوائی سے مجاہدین کے دل جوش و جذبے سے بھر جاتے اور وہ کٹ مرنے کے لئے بے تاب و بے قرار ہو جاتے۔ جہاد و شہادت اور اللہ کی امداد و نصرت سے متعلق تمام آیات و احادیث ان کو ازبر تھیں اور دورانِ تقریر اس خوبصورتی اور موزونیت سے ان کے حوالے دیتے کہ ایک سماں بندھ جاتا اور سامعین مسحور ہو کر رہ جاتے۔

ملاحظہ فرمایئے ان کی چند تقریروں سے ایمان افروز اور دل گرما دینے والے اقتباسات۔ ☜

کہ وہ لوگ جنگ کی زبردست تیاریاں کر رہے ہیں اور مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ان کی سرکوبی کے لئے جانِ دو عالم علیہ السلام نے تین سو افراد پر مشتمل مجاہدین کا دستہ تیار کیا اور ان کی قیادت کے لئے حضرت عمرو ابن عاصؓ کو منتخب فرمایا۔ حضرت عمروؓ اس اعزاز سے

تقریر نمبر [۱]

یہ تقریر انہوں نے اس وقت کی تھی جب اہل اسلام مسیلمہ کذاب کے سامنے صف آرا تھے اور صلح و مصالحت کی تمام کوششیں ناکام ہو چکی تھیں۔

''مجاہدینِ اسلام! تم کو معلوم ہی ہے کہ ہم نے مسیلمہ کو سمجھانے کی بہت کوشش کی ہے اور وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ کے مطابق اپنا فرض بخوبی ادا کر دیا ہے۔ لیکن مسیلمہ کثرتِ فوج کے باعث کچھ ایسا سرکش ہو رہا ہے کہ اس نے ہماری نرمی و ملاطفت کو ہماری بزدلی پر محمول کیا اور آخر کار اپنی فوج کو ترتیب دے کر ہمارے سامنے لا کھڑا کیا اور اب کوئی دم میں حملہ کیا چاہتا ہے۔ وہ اسلام کے استیصال پر تلا ہوا ہے اور توحید و رسالت کو دنیا سے ہمیشہ کے لئے مٹا دینا چاہتا ہے۔ مجھے تمہاری غیرتِ اسلامی سے قوی امید ہے کہ تم سب اپنے ان مبارک ہاتھوں سے جو آنحضرت علیہ السلام سے بیعتِ رضوان کا شرف حاصل کر کے بارگاہ ایزدی سے رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ کا مبارک خطاب حاصل کر چکے ہیں اور پیشتر ازیں بارہا اسلامی تلوار کے جوہر دکھا دکھا کر اعلائے کلمۃ الحق کر چکے ہیں۔ آج بھی حسب دستور وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (ان کافروں اور مشرکوں سے یہاں تک لڑو کہ خرابی مٹ جائے اور ایک اللہ ہی کا دین ہو جائے۔) کے مطابق کفر و شرک کو بیخ و بن سے اکھاڑ دو گے اور فرمان ایزدی فَخُذُوْھُمْ وَاقْتُلُوْھُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُّبِيْنًا (ان کافروں اور مشرکوں کو پکڑو اور انہیں جہاں کہیں پاؤ، قتل کر ڈالو، ہم نے تمہیں ان پر واضح غلبہ دیا ہے۔) کی بدل و جان تعمیل کر کے اپنے ان بے گناہ بھائیوں کے خون کا انتقام لے کر، جن کو صرف اسلام نہ چھوڑنے کے جرم میں انواع و اقسام کے عذاب دے دے کر شہید کیا گیا ہے يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۙ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ (خدا چاہتا ہے کہ دینِ حق کو اپنے حکم سے ثابت کر دے، تاکہ دین اسلام کو غالب کرے اور کفر و شرک کو باطل کرے، چاہے دشمن اس کو برا تصور کریں) کی صداقت کو ثابت کر دکھاؤ گے اور دنیا پر ثابت کر دو گے ☜

سرفراز ہونے کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے میری طرف پیغام بھیجا کہ اپنا سامانِ سفر اور اسلحہ لے کر آ جاؤ!

کہ پُر خلوص مجاہدین کے جوش کو دنیا کی کوئی طاقت دبا نہیں سکتی اور نہ ہی دنیا کی کوئی قوم اِن کو مغلوب کر سکتی ہے۔ اگرچہ بمقابلہ دشمن تمہاری جمعیت بہت قلیل ہے لیکن یاد رکھو! کہ فتح و شکست، کثرت و قلت پر منحصر نہیں ہے؛ بلکہ فتح یا شکست اللہ تعالیٰ کے ہی قبضہ و اختیار میں ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے پاک رسول کی معرفت تمہیں بتلا چکا ہے کہ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (فتح اللہ تعالیٰ کی ہی طرف سے ہے، جو سب پر غالب ہے حکمت والا۔) تم آج سے پہلے کئی بار باوجود نہایت قلیل تعداد ہونے کے بے شمار دشمنوں پر نمایاں فتوحات حاصل کر چکے ہو۔ پس تم دشمن کی کثرت کو خیال میں نہ لاؤ اور استقلال اور صبر کے ساتھ میدانِ قتال میں مضبوطی سے قدم جمائے رکھو۔ ''اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ'' کے مطابق اللہ تعالیٰ ضرور تمہارے ساتھ ہوگا اور چونکہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنے کے لئے تیار ہوئے ہو اور اس کے پاک دین پر جانوں کو قربان کرنے کے لئے رضا مند ہو، اس لئے اللہ تعالیٰ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ (جو اللہ کی مدد کرتا ہے اللہ ضرور اس کی مدد کرتا ہے، بے شک اللہ قوی اور غالب ہے۔) کے مطابق تمہیں ضرور فتح و نصرت عطا کریگا۔

اپنے آقا و مولا جناب رسالت مآب ﷺ کے فرمان لَا يَزَالُ هٰذَا الدِّيْنُ ظَاهِرًا عَلٰى كُلِّ مَنْ عَادَاهُ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ وَاَهْلُهٗ ظَاهِرُوْنَ (فرمایا ہے رسول ﷺ نے کہ دین اسلام اپنے ہر مخالف پر تا قیام قیامت ہمیشہ غالب رہے گا--- پر یقین رکھو۔ تم کبھی شکست نہیں اٹھا سکتے۔ پس دشمن کی کثرت یا قلت تمہاری نظروں میں بے حقیقت ہونی چاہئے۔ جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت تم سب پر عیاں ہے، جو ایک تجارت ہے جس میں دونوں طرح فائدہ ہی فائدہ ہے۔ مر گئے تو شہید ہو کر اللہ تعالیٰ کے مہمان اور جو زندہ رہے تو غازی کا معزز خطاب۔ اب اخیر میں عنایتِ یزدانی کے بعد تمہاری غیرت اسلامی اور قوتِ بازو پر بھروسہ رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ۔''

میں حسبِ ارشاد تیار ہو کر حاضرِ خدمت ہوا تو آپ نے فرمایا

''عَمرو! میں تمہیں اس مہم کا قائد بنا رہا ہوں، اس لڑائی میں اللہ تعالیٰ تمہیں مالِ غنیمت بھی عطا فرمائے گا اور بخیریت واپس بھی لائے گا۔''

تقریر نمبر[۲]

رومیوں سے مقابلے کے دوران ایک رومی سردار باہان نے پیش کش کی کہ آپ لوگ ایک کروڑ پینسٹھ لاکھ روپیہ لے لیں اور واپس چلے جائیں تو اس کو جواب دیتے ہوئے حضرت خالدؓ گویا ہوئے۔

''تمہارا یہ کہنا کہ ایک کروڑ پینسٹھ لاکھ کی رقم اور مفتوحہ علاقہ لے کر آئندہ کے لئے حدودِ روم میں دخل نہ دینے کا اقرار نامہ لکھدیں، اس کی نسبت میں یہی کہوں گا کہ تم یہ لالچ کسی دنیا پرست قوم کو دے سکتے ہو اور دنیا پرست قوم ہی اس بھرے میں آسکتی ہے؛ جبکہ مسلمان کسی دنیاوی غرض کے لئے شمشیر بکف نہیں ہوئے ہیں، ان کا واحد مقصد اشاعتِ توحیدِ الٰہی ہے اور رَجُلٌ یُرِیْدُ الْجِهَادَ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ وَهُوَ یَبْتَغِیْ مِنْ عَرَضِ الدُّنْیَا لَا اَجْرَلَهٗ' کے مطابق جو شخص اغراض دنیاوی کے لئے شمشیر بکف ہوا اسلام اس کو نعمائے الٰہیہ اور ثوابِ جہاد سے محروم رکھ کر اس کو مفسد قرار دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں سے اِنَّ اللهَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ فرماتے ہوئے بیزاری ظاہر کرتا ہے۔ پس اگر تم خزائن روم ہی نہیں! بلکہ سارے جہان کے خزانے ہمیں پیش کر دو تو ہم ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گے۔ اس لئے تم اپنی اس دولت اور ملک کو اپنے پاس ہی رکھو۔ ہمیں ان میں سے کسی کی بھی خواہش نہیں ہے۔ ملک اللہ تعالیٰ کا ہے، وہ جس کو چاہے عطا کر دے اور جس سے چاہے چھین لے۔ ہمارا مختصر مدعا صرف اسلام، جزیہ اور تلوار میں مرکوز ہے۔ سب سے بہتر یہی ہے کہ اسلام قبول کر کے نجات اخروی حاصل کرلو، یا اطاعت اختیار کر کے جزیہ ادا کرو، ورنہ تلوار تو موجود ہی ہے۔ حَتّٰی یَحْکُمَ اللهُ بَیْنَنَا وَهُوَ خَیْرُ الْحَاکِمِیْنَ. ہمارے تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دے گا اور وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔''

تقریر نمبر[۳]

رومی عیسائی تھے اور عیسائی اہل کتاب ہیں۔ اسی لئے روم اور ایران کی لڑائی میں مسلمانوں کی ہمدردیاں رومیوں کے ساتھ تھیں۔ اب مسلمانوں کا مقابلہ عیسائیوں سے آ گیا تو حضرت خالدؓ نے

میں نے عرض کی ---- یارسول اللہ! میں مال و دولت کے لئے تو اسلام نہیں لایا ہوں۔"
فرمایا --- "نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ." (اچھا مال، اچھے آدمی کے لئے عمدہ چیز ہے۔)

مناسب سمجھا کہ مسلمانوں پر واضح کر دیا جائے کہ عیسائی بھی اسی طرح کافر ہیں جس طرح باقی غیر مسلم۔ اور ان کے ساتھ لڑنا بھی اسی طرح جہاد ہے، جیسے دیگر غیر مسلموں کے ساتھ لڑنا۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا

"اگرچہ عیسائی لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کے پیرو ہیں، لیکن اول تو انہوں نے تعلیمِ انجیلی کو اس قدر مسخ کر دیا ہے کہ توحید کا نام و نشان باقی نہیں رہنے دیا اور مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنا کر قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۔ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ کی پاک موحدانہ تعلیم کے برخلاف غلط عقیدہ پھیلا رہے ہیں اور خود مشرک و کافر بن کر دوسروں کو بھی گمراہ کرتے پھر رہے ہیں۔ دوسرے چونکہ ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، خاتم النبیین اور ناسخ جملہ ادیان ہیں، اس لئے ان کی پیروی ہر فرد بشر پر لازم و واجب ہے اور نہ ماننے والا گمراہ اور کافر ہے جس کو قیامت کے دن ہمیشہ کے لئے عذابِ الیم بھگتنا پڑے گا۔ چونکہ دیگر منکرین کی طرح عیسائیوں نے بھی پیغمبر سے انکار کیا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ ان کو بھی دوسرے کافروں کی طرح ذلیل و رسوا کرے گا۔ صرف تمہاری ثابت قدمی اور سچے اسلامی جوش کی ضرورت ہے۔

مخالفین کی کثرت سے ڈر کر حوصلہ ہار دینا شانِ جواں مردی سے بعید ہے، کیونکہ فتح و شکست قبضۂ قدرت میں ہے اور قدرت نے صبر کرنے والوں کا ساتھ دیا ہے۔ یاد رکھو کہ موت کا ایک دن مقرر ہے، اس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔ اگر تمہاری موت میدانِ جنگ میں مقدر ہو چکی ہے تو تم لاکھ کوشش کرو، کسی اور طرح تم نہیں مر سکتے اور اگر تمہاری موت اور طرح پر واقع ہونی ہے تو تلواروں کی دھار اور تیروں کی بوچھاڑ بھی تم کو ذرہ بھر زخم نہیں پہنچا سکتی اور زہے قسمت اس خوش نصیب شہادت کی موت مرنے والے کے، جس کو موت کے بعد وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۔ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۔ کے مطابق ابدی زندگی حاصل ہو اور لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کا مصداق بن جائے۔ پس تم بھی اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کے مطابق جنت کے خریدار بن جاؤ اور دشمن کو جتلا دو کہ اس کی کثرت، ☜

سبحان اللہ! کیا شان ہے، حضرت عمروؓ کی ---! زبانِ نبوت سے ''رجل صالح''
کا لقب پایا اور کامیابی و بخیریت واپسی کا مژدہ بھی۔

اس کی شان، اس کی شوکت وعظمت اور اس کا عمدہ سے عمدہ سامانِ حرب سب کچھ ہماری نظروں میں ہیچ اور بے وقعت ہے، ان باتوں سے ہم مرعوب نہیں ہو سکتے۔''

ذاتِ الٰہی پر کامل اعتماد اور اس کے وعدۂ نصرت و فتح پر مکمل یقین کے علاوہ حضرت خالدؓ کی کامیابی کا بڑا سبب وہ عظیم الشان خطاب تھا جو انہیں بارگاہِ رسالت سے عطا ہوا تھا۔ یعنی سَیْفُ اللہ --- اللہ کی تلوار کو بھلا کیسے شکست ہو سکتی ہے؟ اور جس ذاتِ اقدس سے یہ خطاب ملا تھا، اس کے ساتھ حضرت خالدؓ کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ اپنی تمام کامیابیوں کو ان مبارک بالوں کا صدقہ سمجھتے تھے جن کو انہوں نے اپنی ٹوپی میں سی رکھا تھا۔ ایک مرتبہ وہ ٹوپی میدانِ کارزار میں گر گئی تو حضرت خالدؓ نے جان جوکھم میں ڈال کر اس کو تلاش کیا اور فرمایا کہ میری فتوحات کا سبب یہ ٹوپی ہے، کیونکہ اس میں میرے آقا کے چند بال محفوظ ہیں۔

اپنی تمام تر شجاعت و بہادری اور تہور و دلیری کے باوجود انکسار و تواضع کا یہ عالم تھا کہ جب فاروق اعظمؓ نے ان کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت ابو عبیدہؓ کو سپہ سالار مقرر کیا تو ان کی جبین پر ادنیٰ سی شکن بھی نہ آئی اور فرمایا --- ''میرا کام راہِ خدا میں لڑنا ہے، خواہ سالار کی حیثیت سے ہو یا معمولی سپاہی کی حیثیت سے۔'' پھر آخر تک حضرت ابو عبیدہؓ کی قیادت میں لڑتے رہے اور ان کے تمام احکام کی دل و جان سے اطاعت کرتے رہے۔

حضرت عمرؓ نے ایسے بے مثال سالار کو کیوں معزول کر دیا تھا ---؟ مؤرخین نے اس کے متعدد اسباب بیان کئے ہیں، لیکن شانِ صحابہ اور مزاجِ فاروقی کو مدنظر رکھتے ہوئے قرینِ قیاس سبب یہی ہے کہ حضرت خالدؓ کی مسلسل کامیابیوں کی بنا پر عام لوگوں کے ذہن میں یہ خیال جڑ پکڑتا جا رہا تھا کہ یہ تمام فتوحات حضرت خالدؓ کی وجہ سے ہو رہی ہیں؛ جبکہ حضرت عمرؓ کی رائے میں کامیابی کا سبب صرف اور صرف اسلام تھا، نہ کہ کوئی خاص شخص۔ جو قومیں شخصیت پرستی کے مرض میں مبتلا ہو جاتی ہیں، وہ جلد ہی ناکامیوں سے دوچار ہونے لگتی ہیں کیونکہ کوئی شخص بھی ہمیشہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ. اگر کامیابیوں کا سبب کسی ایک شخص کو فرض کر لیا جائے تو ظاہر ہے کہ اس کی وفات کے بعد ولولے سرد پڑ جائیں گے ☜

جمادی الاخرٰی ۸ ھ کو حضرت عمروؓ مجاہدین کی قیادت کرتے ہوئے ذات السلاسل کی طرف روانہ ہوئے۔ دشمن کو بے خبر رکھنے کے لئے صرف رات کو سفر کرتے تھے اور دن کو کہیں چھپ رہتے تھے۔ جب منزلِ مقصود کے قریب پہنچے تو اطلاع ملی کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ

اور پیش قدمیاں رک جائیں گی۔ حضرت خالدؓ تو پھر بھی ایک صحابی تھے، غزوۂ احد کے دوران خود جانِ دو عالم ﷺ کے بارے میں مشہور ہوگیا تھا کہ آپ شہید ہو گئے ہیں۔ یہ سنتے ہی بہت سے اہل ایمان حوصلے ہار بیٹھے اور لڑائی سے دستکش ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناگوار گزری اور ارشاد فرمایا

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْقُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ط (نہیں ہیں محمد، مگر ایک رسول۔ ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں، پھر اگر محمد وفات پا جائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟!)

حضرت عمرؓ کے خیال میں حضرت خالدؓ اپنے تمام کمالات کے باوصف ایک فانی انسان تھے۔ جبکہ اسلام ایک مستقل اور ابدی نظریہ ہے۔ اس لئے وہ چاہتے تھے کہ لوگوں کی والہانہ محبتیں اور عقیدتیں نظریے کے ساتھ وابستہ ہوں، نہ کہ اشخاص کے ساتھ۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت خالدؓ کی معزولی سے فتوحات میں مطلق کوئی کمی نہیں آئی۔ اسلام کا سیلِ بے کراں پہلے ہی کی طرح بڑھتا رہا، پھیلتا رہا اور کامرانیاں اس کے قدم چومتی رہیں۔

۲۱ھ کو اپنے مفتوح ملک شام کے ایک قصبے حمص میں انہوں نے وفات پائی۔ بوقت وصال بہت آزردہ خاطر تھے کہ جنگوں کے دوران مشکل ترین لمحات میں مَیں نے اپنے آپ کو پیش پیش رکھا، تاکہ شہادت کی سعادت حاصل کر سکوں، مگر افسوس کہ میری یہ خواہش پوری نہ ہوئی اور آج میں چارپائی پر مر رہا ہوں۔

حضرت خالدؓ کی آرزوئے شہادت بجا، مگر دشمنوں کے ہاتھوں ان کا مارا جانا سیف اللہ کے لقب سے مطابقت نہیں رکھتا --- اللہ کی تلوار کو اللہ کے دشمن توڑ ڈالیں ---! ناممکن، قطعاً ناممکن۔ ہاں! جس کی تلوار ہو اس کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ جب چاہے اپنی تلوار کو نیام میں بند کر دے۔ تقریباً سولہ سال تک دشمنانِ اسلام پر بجلیاں گرانے کی بعد ۲۱ھ میں یہ شمشیر براں ہمیشہ کے لئے برزخ کی نیام میں مستور ہوگئی۔

رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ

ہے، اس لئے تین سو آدمی مقابلے کے لئے ناکافی ہیں۔ چنانچہ حضرت عمروؓ نے ایک قاصد کے ذریعے جانِ دوعالم ﷺ کو صورتِ حال سے مطلع کیا اور کمک بھیجنے کی درخواست کی۔

جانِ دوعالم ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ ابن الجراحؓ کی کمان میں مزید دوسو افراد بھیج دیئے۔ اس دستے میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ جیسے اکابرین بھی شامل تھے۔

حضرت ابوعبیدہؓ کو رخصت کرتے وقت جانِ دوعالم ﷺ نے ان کو نصیحت کی کہ

''عمرو کی مدد کرنا، متحد رہنا اور آپس میں اختلاف نہ کرنا۔''

لیکن جب یہ لوگ حضرت عمروؓ کے ساتھ جا کر ملے تو پہلے ہی مرحلے میں اختلاف رونما ہو گیا؛ تاہم جانِ دوعالم ﷺ کی خصوصی ہدایات کے پیش نظر بات بڑھنے نہ پائی۔

ہوا یوں کہ نماز کا وقت آیا تو حضرت ابوعبیدہؓ امامت کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

حضرت عمروؓ نے کہا۔۔۔''امامت میں کروں گا، کیونکہ امامت کا حقدار امیر ہوتا ہے اور اس لشکر کا امیر رسول اللہ ﷺ نے مجھے بنایا ہے۔''

حضرت ابوعبیدہؓ نے کہا۔۔۔''یہ بات نہیں ہے؛ بلکہ تم اپنے دستے کے امیر ہو اور میں اپنے دستے کا۔''

حضرت عمروؓ نے کہا۔۔۔''اس پوری مہم کا بحیثیتِ مجموعی قائد میں ہی ہوں، آپ لوگوں کو تو صرف میری مدد کے لئے بھیجا گیا ہے۔''

حضرت ابوعبیدہؓ نے بات بڑھانا مناسب نہ سمجھا اور کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ آپس میں اختلاف نہ کرنا، اس لئے جیسے تم کہو گے اسی طرح کروں گا۔

حضرت عمروؓ نے کہا۔۔۔''پھر تمہیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ امیرِ لشکر صرف میں ہوں۔''

حضرت ابوعبیدہؓ نے کہا۔۔۔''چلو یونہی سہی!''

اس طرح حضرت ابوعبیدہؓ کی بے نفسی کے سبب معاملہ طے ہو گیا اور الجھا ہوا مسئلہ سلجھ گیا۔(۱)

---

(۱) قارئین کرام! آپ حیران ہو رہے ہوں گے کہ ایسے جلیل القدر صحابہ امامت جیسے ☜

چند مزید اختلافات

ان دنوں شدید سردی تھی۔ رات آئی تو سردی میں اضافہ ہوگیا اور کھلے صحراء میں

معمولی مسئلے میں کیوں ایک دوسرے سے الجھ پڑے---؟ امامت ابوعبیدہؓ کرائیں یا عمروؓ ابن العاص اس سے کیا فرق پڑتا ہے---؟

آپ کی حیرت بجا ہے، لیکن اس کا سبب یہ ہے کہ ہم لوگ امامت کے مقام و مرتبے سے پوری طرح آگاہ نہیں ہیں۔ ہم جب امامت کا لفظ سنتے ہیں تو ہمارے ذہن میں---''بیچارے دو رکعت کے امام''---آجاتے ہیں، اس لئے ہم امامت کو ایک معمولی مسئلہ سمجھتے ہیں۔ جب کہ قرنِ اول میں امامت کا مطلب قوم کی امارت و قیادت ہوا کرتا تھا۔

حضرت صدیق اکبرؓ کو جانِ دو عالم ﷺ نے اپنے آخری ایام میں امام ہی تو بنایا تھا، مگر اہل بصیرت اسی وقت سمجھ گئے تھے کہ درحقیقت آپ کو خلافت کا منصب عطا کر دیا گیا ہے۔

اسی لئے حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صدیق اکبرؓ کو دین کی سب سے اہم عبادت یعنی نماز میں ہمارا امیر مقرر فرمایا، تو ہم نے امور دنیا میں بھی انہی کو اپنا امیر بنالیا۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے جو موقف اختیار کیا تھا، وہ اصولی طور پر صحیح نہیں تھا۔ اگر حضرت عمروؓ ان کی بات مان لیتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ اس لشکر کی مجموعی کمان کوئی نہیں ہے۔ ایک حصے کا ایک امیر ہے اور وہ اپنی مرضی کا مالک ہے، دوسرے حصے کا دوسرا امیر ہے اور وہ اپنی جگہ خود مختار ہے۔ کیا اس طرح کا غیر منضبط اور متحدہ کمان سے محروم لشکر کوئی بھی فتح حاصل کرسکتا ہے---؟ نہیں، قطعاً نہیں۔ اسی لئے حضرت عمروؓ نے اپنے موقف پر اصرار کیا اور اس وقت تک اس پر ڈٹے رہے جب تک حضرت ابوعبیدہؓ نے ان کی امارت کو تسلیم نہیں کرلیا۔

یہ ایک اصولی مسئلہ تھا، جس کو طے کئے بغیر جنگ میں شرکت لاحاصل تھی۔ ورنہ جن ہستیوں کو بارگاہِ رسالت سے اَلرَّجُلُ الصَّالِح اور اَمِیْنُ هٰذِهِ الْاُمَّة جیسے القاب عطا ہوئے ہوں، ان کے بارے میں کون یہ تصور کرسکتا ہے کہ وہ بلاوجہ الجھ پڑے ہوں گے! معاذ اللہ۔

آیئے، ان دونوں کی پرانوار زندگیوں سے اکتساب نور کریں۔ ☜

پڑے ہوئے مجاہدین ٹھٹھرنے لگے۔ انہوں نے چاہا کہ آگ جلا کر تاپیں اور اپنے آپ کو گرم کرنے کی کوشش کریں، مگر حضرت عمروؓ ابن عاص نے سختی سے منع کر دیا اور فرمایا

۱---- **حضرت ابوعبیدہ ؓ**

حضرت ابوعبیدہؓ کا اصلی نام عامر تھا۔ اولین ایمان لانے والوں میں سے ایک ہیں۔ یہ اس دور میں ایمان لائے تھے جب ابھی جانِ دو عالم ﷺ نے دارارقم کو اپنی دعوت کا خفیہ مرکز نہیں بنایا تھا۔ پھر عمر بھر جانِ دو عالم ﷺ کے ہمرکاب رہے اور بدر سمیت تمام غزوات میں شامل رہے۔ اس وقت بھی ثابت قدم رہے جب غزوۂ احد میں مشرکین نے پلٹ کر اچانک حملہ کر دیا تھا اور لشکرِ اسلام تتر بتر ہو گیا تھا۔

حضرت صدیق اکبرؓ بیان فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ زخمی ہو گئے اور آپ کے رخسار پُرانوار میں آہنی خود کی دو کڑیاں ٹوٹ کر دھنس گئیں تو میں بہت سرعت سے آپ کی طرف بڑھا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ ایک اور شخص مشرقی سمت سے بھی آپ کی جانب بڑھ رہا ہے۔ اس کی رفتار بہت تیز تھی۔ یوں لگتا تھا، جیسے اڑ کر آ رہا ہو۔ چنانچہ مجھ سے پہلے آپ تک پہنچ گیا۔ اب میں نے اس کو پہچان لیا، وہ ابوعبیدہ تھا۔ مجھ سے کہنے لگا کہ میں اللہ کے نام پر سوال کرتا ہوں کہ رخسار میں دھنسی ہوئی کڑیاں مجھے نکالنے دیجئے! میں نے اجازت دے دی تو اس نے ایک کڑی کو اپنے دانتوں سے پکڑ کر زور سے کھینچا۔ کڑی تو نکل آئی مگر ابوعبیدہ کا اپنا ایک دانت ٹوٹ گیا۔ پھر اس نے دوسری کڑی کو اسی طرح نکالا اور اپنا دوسرا دانت بھی توڑ لیا۔ اس طرح ابوعبیدہ عمر بھر کے لئے اَثْرَم ہو گیا۔

(اثرم اس شخص کو کہتے ہیں، جس کے سامنے کے دونوں دانت ٹوٹے ہوئے ہوں۔)

جانِ دو عالم ﷺ نے ان کو بارہا امین کا خطاب مرحمت فرمایا۔ ایک مرتبہ ارشاد ہوا---" اَلَا اِنَّ لِکُلِّ نَبِیٍّ اَمِیْنًا وَاَمِیْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبُوْعُبَیْدَةُ ابْنُ الْجَرَّاحِ. " (آگاہ رہو کہ ہر نبی کے ساتھ ایک امین ہوا کرتا ہے اور اس امت کا امین ابوعبیدہ ابن جراح ہے۔)

ایک دفعہ یمن سے کچھ افراد جانِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہمارے ساتھ کوئی ایسا آدمی بھیجئے جو ہمیں قرآن وسنت کی تعلیمات سے آگاہ کرے۔ جانِ دو عالم ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا---"اس کو لے جاؤ کیونکہ یہ اس امت کا امین ہے۔ ☜

''اگر کسی نے آگ جلائی تو میں اس کو اٹھا کر آگ میں پھینک دوں گا۔''

اس یخ بستہ موسم میں آگ جلانے سے منع کرنا اکثر صحابہ کرام کو ناگوار گزرا اور

هٰذَا اَمِیْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ.

اسی طرح ایک بار نجران کے لوگوں نے عرض کی کہ ہمارے پاس کوئی امانت دار آدمی بھیجئے۔ جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا

''لَاَبْعَثَنَّ اِلَیْکُمْ رَجُلًا اَمِیْنًا حَقَّ اَمِیْنٍ، حَقَّ اَمِیْنٍ، حَقَّ اَمِیْنٍ، (میں تمہارے پاس جو شخص بھیجوں گا وہ ایسا امین ہوگا جیسا حق ہے امین ہونے کا، جیسا حق ہے امین ہونے کا، جیسا حق ہے امین ہونے کا۔)

صحابہ کرامؓ کو تجسس ہوا کہ یہ شرف کس کو ملے گا۔ پتہ چلا کہ ابوعبیدہؓ کو ان کے ہمراہ بھیجا جا رہا ہے۔

یقینی امین ہونے کی وجہ سے حضرت عمرؓ کی نگاہوں میں ان کی بہت قدر و منزلت تھی۔ چنانچہ جب آپ نے حضرت خالدؓ کو معزول کیا تو اس عظیم منصب کا مستحق حضرت ابوعبیدہؓ کو سمجھا اور ان کو افواجِ اسلام کا سپہ سالار بنا دیا۔

حضرت عمرؓ کو تو ان پر اتنا اعتماد تھا کہ اپنی وفات سے قبل جب انتخابِ خلیفہ کے لئے مجلس شوریٰ نامزد فرمائی تو حسرت سے کہا

''کاش! آج ابوعبیدہ زندہ ہوتا تو مجھے انتخاب خلیفہ کے لئے شوریٰ بنانے کی ضرورت نہ پڑتی؛ بلکہ میں پورے اعتماد سے ابوعبیدہ کو خلیفہ نامزد کر دیتا اور اگر مجھ سے اللہ تعالیٰ پوچھتا کہ خلافت کی امانت کس کے حوالے کر کے آئے ہو؟ تو میں جواب دیتا کہ اس شخص کے حوالے، جس کو تیرے رسول نے امت کا امین قرار دیا تھا۔

افسوس کہ حضرت ابوعبیدہؓ اس وقت تک زندہ نہ رہ سکے اور حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں ۱۸ھ کو واصل بحق ہو گئے۔ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ.

۲--- عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ

عمرو ابن عاص کا تعلق قریش کے خاندان بنی اُمیہ سے ہے۔ ابتداء میں اسلام کے تحت ☜

فاروقِ اعظمؓ نے صدیق اکبرؓ کے پاس جا کر عمرو ابن عاص کے آمرانہ رویے کی شکایت کی۔ صدیق اکبرؓ نے کیا عمدہ جواب دیا، انہوں نے فرمایا

''رسول اللہ ﷺ نے عمرو ابن عاص کو اس مہم کا قائد بنایا ہی اس لئے ہے کہ وہ حربی معاملات کو ہماری بنسبت زیادہ بہتر سمجھتا ہے، اس لئے جیسے وہ کہتا ہے اسی طرح کرو!''

خلاف تھے اور حبشہ ہجرت کر جانے والے مسلمانوں کو وہاں سے واپس لانے کے لئے مشرکین نے جو وفد بھیجا تھا اس کے قائد یہی عَمرو تھے۔ (واضح رہے کہ یہ لفظ عَمرو ہے اور واؤ زائد ہے۔ عُمَرْ نہیں۔) انہوں نے شاہِ حبشہ کو مسلمانوں کی امداد و معاونت سے برگشتہ کرنے کی بہتیری کوششیں کیں، مگر حبشہ کا بادشاہ ان کی باتوں میں نہ آیا اور اس وفد کو ناکام لوٹنا پڑا۔ (اس کی تفصیل ج۱، ص ۲۱۷ پر گزر چکی ہے۔) اس کے بعد کئی سال گزر گئے۔ اس عرصے میں جانِ دو عالم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے اور وہاں ایک مضبوط اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھ دی؛ تاہم مشرکین مکہ کو یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن ہم مسلمانوںؓ کا قلع قمع کرنے میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے انہوں نے ہزاروں جتن کر ڈالے، مگر جوں جوں وقت گزرتا گیا، ان کی امیدیں دم توڑتی گئیں اور غزوۂ احزاب کی عبرتناک شکست کے بعد تو یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ اب اسلام کے سیلِ رواں کے آگے بند باندھنا ممکن نہیں رہا۔ عمرو اس صورت حال سے خاصے افسردہ و غمگین تھے۔ ایک دن اپنے دوستوں کو جمع کیا اور ان سے کہا--- ''ساتھیو! تم دیکھ ہی رہے ہو کہ محمد کا سلسلہ روز بروز بڑھتا جا رہا ہے اور اس کو روکنے کی تمام کوششیں ناکام ہو چکی ہیں۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ ہم لوگ حبشہ چلے جائیں اور وہاں رہ کر حالات کا جائزہ لیتے رہیں۔ اگر محمد کامیاب ہو گیا تو ہم وہیں بس جائیں گے۔ کیونکہ محمد کا محکوم ہونے سے بہتر ہے کہ ہم شاہِ حبشہ کی رعایا بن جائیں اور اگر ہماری قوم کو غلبہ حاصل ہو گیا تو پھر ہم مرضی کے مالک ہوں گے۔ جی چاہا تو وہاں رہیں گے، ورنہ واپس چلے آئیں گے۔''

یہ تجویز سب کو پسند آئی اور تمام دوستوں نے اس کی تائید کی۔ عمرو نے کہا

''پھر روانگی کی تیاری کرو اور شاہ حبشہ کے لئے تحائف کا انتظام کرو۔ خصوصاً سرکہ، کیونکہ شاہ حبشہ کو یہاں کا سرکہ بہت پسند ہے۔''

جب یہ لوگ حبشہ پہنچے تو ان دنوں حضرت عمرؓ ابن امیہ ضمری بھی جانِ دو عالم ﷺ کے

رات کے وقت حضرت عمروؓ ابن عاص کو غسل کی ضرورت پڑ گئی۔ شدید سردی کی وجہ سے ٹھنڈے پانی سے غسل کرنا ممکن نہیں تھا اور پانی گرم کرنے کے لئے آگ جلانا

قاصد کی حیثیت سے حبشہ آئے ہوئے تھے۔ عمرو نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں نجاشی سے مطالبہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ محمد کے قاصد کو ہمارے حوالے کر دے، تاکہ ہم اسے قتل کر دیں۔ مکہ والوں کو جب ہمارے اس کارنامے کا پتہ چلے گا تو وہ بہت خوش ہوں گے کہ ہم نے محمد کا ایک پیغامبر مار ڈالا ہے۔

چنانچہ عمرو نے شاہِ حبشہ کی مرغوب غذا، سرکہ ساتھ لیا اور دربارِ شاہی میں حاضری دی۔ بادشاہ بہت خوش ہوا۔ عمرو کو مرحبا کہا اور پوچھا

''دوست! میرے لئے کوئی تحفہ بھی لائے ہو یا نہیں؟''

''کیوں نہیں شہنشاہِ معظم! میں آپ کے لئے بہت سا سرکہ لایا ہوں۔''

یہ کہہ کر عمرو نے سرکہ اس کے سامنے پیش کر دیا۔ بادشاہ بے حد مسرور ہوا اور مکہ کا خالص سرکہ دیکھ کر اس کے منہ میں پانی بھر آیا۔ عمرو نے بادشاہ کو شاداں و فرحاں دیکھا تو عرض مطلب کے لئے موقع مناسب جانا اور کہا۔۔۔ ''حضور والا! ابھی ابھی ہمارے دشمن کا ایک قاصد دربار سے اٹھ کر گیا ہے۔ اگر آپ اس کو ہمارے حوالے کر دیں تو ہم اسے قتل کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ یہ جس شخص کا نمائندہ بن کر آیا ہے، اس نے ہمیں بہت نقصان پہنچایا ہے اور ہمارے کئی آدمی قتل کر ڈالے ہیں۔''

یہ سن کر بادشاہ کو سخت غصہ آیا اور اس نے اپنی ناک پر زور سے ہاتھ مارا۔ (شاید یہ اظہارِ ناراضگی کا کوئی طریقہ تھا۔) بادشاہ کو یوں غضبناک دیکھ کر عمرو پر خوف طاری ہو گیا اور معذرت کرتے ہوئے کہا

''شہنشاہِ معظم! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کو یہ مطالبہ اس قدر ناگوار گزرے گا تو میں ہرگز ایسی جسارت نہ کرتا۔''

بادشاہ نے کہا۔۔۔ ''کیا تم چاہتے ہو کہ میں اس ہستی کا قاصد تمہارے حوالے کر دوں جس پر ناموسِ اکبر (جبریل امین) نازل ہوتا ہے۔۔۔ وہی ناموس اکبر جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اترا کرتا تھا۔۔۔؟

''کیا یہ سچ ہے؟'' عمرو نے پوچھا۔

''ہاں عمرو! تم ہلاک ہو جاؤ۔ اس میں ذرہ برابر کوئی شک نہیں ہے۔ میری مانو تو تم بھی ☜

ضروری تھا، جبکہ حضرت عمروؓ ابن عاص آگ جلانے کے قطعاً روادار نہیں تھے۔ چنانچہ آپ نے تیمم کر کے صبح کی نماز پڑھا دی۔

اس کی پیروی کر لو۔ اللہ کی قسم! وہ حق پر ہے اور اس کو اپنے تمام مخالفین پر اسی طرح غلبہ حاصل ہوگا جس طرح حضرت موسیٰ کو فرعون پر ہوا تھا۔''

(شاہِ حبشہ کب مشرف باسلام ہوئے؟ اس کی تفصیل جلد اول ص ۲۳۷ پر گزر چکی ہے۔)

اتنے بڑے بادشاہ کو جانِ دو عالم ﷺ کی تعریف میں رطب اللسان دیکھ کر عمرو ابن عاص کے دل کی دنیا بدل گئی۔ کہنے لگے

''شاہِ محترم! اگر اجازت ہو تو میں آپ ہی کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لوں۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔'' بادشاہ نے کہا اور اسی وقت حضرت عمروؓ سے اسلام پر بیعت لے لی۔

اللہ اکبر! حضرت عمروؓ نے مکہ اس لئے چھوڑا تھا کہ محمد ﷺ کی کامیابی کی صورت میں ان کا محکوم نہ بننا پڑے اور سینکڑوں میل دور حبشہ میں آ کر خود ہی محمد ﷺ کی غلامی کا طوق گلے میں ڈال لیا۔ بلاشبہ ہدایت اللہ ہی کے اختیار میں ہے، جسے چاہے، جب چاہے، جہاں چاہے نواز دے۔

اسلام لانے کے بعد حبشہ میں رہنے کی کوئی ضرورت نہ رہی؛ بلکہ اب تو دل آقائے کونین کے حضور حاضری کے لئے مچل رہا تھا۔ چنانچہ بادشاہ سے اجازت لی اور واپس چلے آئے۔ مکہ کے قریب پہنچے تو حضرت خالدؓ سے ملاقات ہوگئی جو مدینہ کی طرف رواں تھے۔ حضرت عمروؓ نے پوچھا

''خالد! کدھر جا رہے ہو؟''

حضرت خالدؓ نے جواب دیا ''ابوسلیمان! (حضرت عمروؓ کی کنیت) اب تو حق واضح ہو چکا ہے اور اس کی تمام علامات ظاہر ہو گئی ہیں۔ بلاشبہ محمد ﷺ اللہ کے نبی ہیں۔ میں تو اسلام لانے کی نیت سے ان کے پاس جا رہا ہوں۔''

''اگر یہ بات ہے'' حضرت عمروؓ نے کہا ''تو مجھے بھی ساتھ لے چلو۔ کیوں کہ میرا بھی یہی ارادہ ہے۔''

چنانچہ دونوں بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور بیعتِ مصطفیٰ سے مشرف ہو گئے۔ بیعت سے پہلے دونوں نے عرض کی ☜

اسی دن مجاہدین نے دشمن پر حملہ کر دیا، مگر لڑائی کوئی خاص نہ ہوئی۔ کیونکہ دشمن، مجاہدین کی پہلی یورش کی ہی تاب نہ لاسکے اور تتر بتر ہو کر فرار ہو گئے۔ صحابہ کرامؓ ان کا تعاقب کرنا چاہتے تھے، مگر حضرت عمروؓ ابن عاص نے اس کی اجازت بھی نہ دی اور جنگ بند کرنے کا حکم دے دیا۔

''یارسول اللہ! ہم اس شرط پر بیعت دیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے تمام سابقہ گناہ بخش دے۔''

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا۔۔۔ ''شرط کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسلام لانے کے ساتھ ہی پہلے سب گناہ ازخود کالعدم ہو جاتے ہیں۔''

دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص کی جانِ دو عالم ﷺ کی نگاہوں میں جو قدر و منزلت تھی، اس کا اندازہ اسی سے کر لیجئے کہ آپ نے انہیں سریہ ذات السلاسل کا امیر بنایا اور حضرت ابوعبیدہ، حضرت ابوبکر، اور حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کو ان کے ماتحت کر دیا۔ بالیقین یہ بہت بڑا اعزاز ہے۔

افسوس کہ بعض داستان گو قسم کے راویوں نے ایسے جلیل القدر سپہ سالار اور عظیم المرتبہ صحابی کے کردار پر چھینٹے اڑانے کی کوشش کی ہے اور معرکہ صفین کے حوالے سے ان کی طرف بعض ناگفتنی باتیں منسوب کر دی ہیں۔ اگر ہمارے پاس گنجائش ہوتی تو ہم ان من گھڑت روایات کی قلعی کھول دیتے، مگر سیدالوریٰ کے صفحات اس کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

حضرت عمروؓ ابن عاص فاتح مصر بھی ہیں۔ اس عظیم تاریخی شہر کو فتح کرنے میں انہوں نے جس مہارت و فراست کا ثبوت دیا، اس کی تفصیلات بیان کرنے کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ فتح کے بعد ان پر یہ عجیب و غریب انکشاف ہوا کہ دریائے نیل ہر سال سوکھ جاتا ہے اور جب تک ایک دوشیزہ اس کی بھینٹ نہ چڑھائی جائے خشک ہی رہتا ہے۔ اہل مصر بھینٹ چڑھانے کے لئے ایک نہایت ہی خوبصورت اور بھرپور جوان لڑکی کو منتخب کرتے تھے۔ اسے کپڑوں اور زیورات سے دلہن کی طرح سجاتے تھے اور اس کو دریا کے وسط میں لے جا کر بٹھا دیتے تھے۔ چند ہی لمحوں بعد دریا پورے زور شور سے آتا تھا اور اس کو بہا لے جاتا تھا۔ پھر پورا سال متواتر بہتا رہتا تھا۔ ☜

عام صحابہ کرام کے خیال میں آگ جلانے سے منع کرنا، غسل کرنے کے بجائے تیمم کر کے نماز پڑھا دینا اور شکست خوردہ دشمن کا تعاقب کرنے کی اجازت نہ دینا، عمروؓ ابن عاص

حضرت عمروؓ ابن عاص کو اس ظالمانہ اور قبیح رسم پر سخت افسوس ہوا اور انہوں نے اہل مصر کو اس مکروہ حرکت سے یہ کہہ کر حکماً روک دیا کہ اسلام ایسی جاہلانہ رسوم کو یکسر ختم کرنے کے لئے آیا ہے۔

وقت مقرر پر حسب معمول دریا خشک ہونا شروع ہوگیا اور گرد و نواح کے لوگوں نے نقل مکانی شروع کر دی، کیونکہ ان کی آب نوشی اور آب پاشی کا واحد ذریعہ وہی دریا تھا جو خشک ہونے کو تھا اور متبادل انتظام کوئی نہیں تھا۔

اس حیران کن صورت حال سے حضرت عمروؓ ابن عاص سخت پریشان ہوگئے---کسی بے گناہ انسان کو قربانی کے نام پر قتل کرنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا تھا اور بھینٹ دیئے بغیر دریا نہیں چلتا تھا---مزید کوئی قدم اٹھانے سے پہلے انہوں نے ضروری سمجھا کہ دربار خلافت سے رہنمائی حاصل کر لی جائے۔ چنانچہ انہوں نے پیش آمدہ حالات پوری تفصیل سے لکھ کر ایک تیز رفتار قاصد کے ذریعے فاروق اعظمؓ کی خدمت میں بھیج دیئے۔ قاصد واپس آیا تو اس کے پاس فاروق اعظمؓ کا شاہی فرمان تھا، لیکن کس کے نام---؟ کیا حضرت عمروؓ ابن عاص کے نام---؟ نہیں! بلکہ خود دریا کے نام!!

اللہ اللہ!! کیا دور تھا کہ امیر المؤمنین کا حکم بحر و بر پر نافذ ہوتا تھا اور کائنات کی کوئی شئے بھی ان کے فرمان سے سرتابی نہیں کر سکتی تھی!

فرمانِ فاروقی کا مختصر متن درج ذیل ہے

مِنْ عَبْدِاللّٰہِ عُمَرَ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِلٰی نِیْلِ مِصْرَ.

اَمَّا بَعْدُ! فَاِنْ کُنْتَ تَجْرِیْ مِنْ قِبَلِکَ فَلَا تَجْرِ، وَاِنْ کَانَ اللّٰہُ

یُجْرِیْکَ فَاَسْئَلُ اللّٰہَ الْوَاحِدَ الْقَھَّارَ اَنْ یُّجْرِیَکَ۔

(اللہ کے بندے عمر کی طرف سے جو امیر المؤمنین ہے، نیل مصر کی طرف!

اما بعد! اگر تم اپنی مرضی سے چلتے ہو تو بے شک مت چلو اور اگر تمہیں اللہ تعالیٰ چلاتا ہے،

تو میں اس واحد و قہار اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ تمہیں جاری کر دے۔)

فاروق اعظمؓ نے ہدایت کی تھی کہ میرا یہ خط دریا میں ڈال دیا جائے۔ حضرت عمروؓ ابن عاص ☜

کی ناپسندیدہ حرکتیں تھیں اور صحابہ دربارِ رسالت میں ان کی شکایت کرنے کے لئے بے تاب تھے۔ چنانچہ حضرت عمروؓ ابن عاص نے جب فتح کی خوشخبری سنانے کے لئے ایک صحابی کو مدینہ منورہ بھیجا، تو اس صحابی نے بے کم و کاست تمام واقعات جانِ دو عالم ﷺ کے گوش گزار کردیئے۔ بعد میں جب تمام مجاہدین مدینہ منورہ پہنچے تو جانِ دو عالم ﷺ نے حضرت عمروؓ ابن عاص سے ان تینوں واقعات کے بارے میں باقاعدہ جواب طلبی کی۔ حضرت عمروؓ ابن عاص نے جواب دیا

''یارسول اللہ! آگ جلانے سے منع کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ہماری تعداد بہت تھوڑی تھی؛ جبکہ دشمن زیادہ تعداد میں تھے۔ اگر آگ جلائی جاتی تو دشمن نہ صرف ہماری پوزیشنوں سے آگاہ ہو جاتے؛ بلکہ آگ کی روشنی میں ہماری تعداد سے بھی مطلع ہو جاتے۔

غسل کے بجائے تیمم پر اکتفا کرنے کا سبب یہ تھا کہ پانی انتہائی ٹھنڈا تھا۔ اس کے ساتھ غسل کرنا، اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف تھا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ. (اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔)

دشمن کا تعاقب کرنے کی اجازت اس لئے نہیں دی کہ ہم اس علاقے کے حالات سے پوری طرح آگاہ نہیں تھے۔ ہوسکتا تھا کہ دشمن ہمیں اپنے تعاقب میں لگا کر اپنے حامی

نے حسب ارشاد مکتوبِ گرامی خشک شدہ نیل میں ڈال دیا۔ اگلی صبح دریا پورے زور شور سے بہہ رہا تھا اور پھر آج تک خشک نہیں ہوا۔

کیا خوب کہا شیخ سعدیؒ نے

تو ہم گردن از حکمِ داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد زحکمِ تو ہیچ

(تو اللہ کے حکم سے اپنی گردن نہ پھیر، تا کہ تیرے حکم سے بھی کوئی چیز گردن نہ پھیرے۔)

حضرت عمروؓ ابن عاص کی قابلِ رشک زندگی کے گوناگوں واقعات میرے حافظہ پر دستک دے رہے ہیں لیکن اسی پر اکتفاء کرتے ہوئے قلم کو روک رہا ہوں۔ ۴۳ھ میں بعمر ۹۰ سال ان کا وصال ہوا۔

رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ

قبائل کی طرف جانکلتے اور ہم غیر متوقع طور پر کسی ناگفتہ بہ صورتِ حال سے دوچار ہو جاتے۔"

بلاشبہ یہ تینوں وجوہات حضرت عمروؓ ابن عاص کی جنگی بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہیں، جانِ دو عالم ﷺ نے بھی ان کو درست تسلیم کر لیا اور حضرت عمروؓ ابن عاص کی بہت تعریف فرمائی۔ غسل نہ کرنے کی دلچسپ وجہ سن کر آپ خوب ہنسے بھی تھے؛ تاہم آپ نے حضرت عمرو ابن عاص کے فعل کو صحیح قرار دیا اور کسی کو نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا۔

ایک خوش فہمی کا ازالہ

صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ جیسی ہستیوں پر امیر مقرر کیے جانے کی وجہ سے حضرت عمروؓ ابن عاص اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ ابو بکرؓ و عمرؓ کی بنسبت رسول اللہ ﷺ میرے ساتھ زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ چنانچہ اس خیال کی تصدیق کے لئے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کی

"یا رسول اللہ! تمام لوگوں میں آپ کو زیادہ محبوب کون ہے؟"

جانِ دو عالم ﷺ نے برجستہ کہا---"عائشہ۔"

"میں مردوں کے بارے میں پوچھ رہا ہوں، یا رسول اللہ!"

فرمایا---"مردوں میں عائشہ کا باپ۔" (یعنی صدیق اکبر)

"اس کے بعد یا رسول اللہ؟!" عمروؓ بن عاص نے پوچھا۔

فرمایا---"عمر ابن خطاب۔"

حضرت عمروؓ ابن عاص کہتے ہیں کہ میں نے کئی دفعہ "اس کے بعد؟ اس کے بعد؟" کہا، مگر رسول اللہ نے میرا نام نہ لیا۔ چنانچہ میں نے بھی عہد کر لیا کہ آئندہ اس بارے میں رسول اللہ سے کبھی نہیں پوچھوں گا۔

اس طرح حضرت عمروؓ بن عاص کے ذہن میں ابو بکرؓ و عمرؓ سے برتری کا جو خیال پیدا ہو گیا تھا، اس کا خاتمہ ہو گیا۔

سریہ سیف البحر

"سیف" تلوار کو بھی کہتے ہیں اور کنارے کو بھی، یہاں دوسرا معنیٰ مراد ہے۔ یعنی

وہ سریہ جو ساحل سمندر کی طرف بھیجا گیا۔ رجب ۸ ھ کو تقریباً تین سو افراد پر مشتمل یہ مہم حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ ہوئی۔ جانِ دو عالم ﷺ نے زادِ راہ کے طور پر انہیں کھجوریں بھی عنایت فرمائیں۔ سفر طویل تھا اور منزل مقصود خاصی دور تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ لشکر کی غذائی ضروریات پوری کرنے کا واحد ذریعہ کھجوریں، راستے ہی میں ختم ہونے کے قریب پہنچ گئیں۔ یہ دیکھ کر حضرت ابو عبیدہ نے راشن بندی کر دی اور وہ بھی اتنی شدید کہ ایک مجاہد کو یومیہ صرف ایک کھجور ملتی تھی۔ چند دن اس طرح کام چلتا رہا، پھر کھجوریں بالکل ہی ختم ہو گئیں اور مجاہدین درختوں کے پتے کھانے پر مجبور ہو گئے۔ غرضیکہ غذائی قلت کے اعتبار سے یہ ایک یادگار مہم تھی۔

اس لشکر میں ایک صحابی حضرت قیس رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ یہ حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے اور باپ بیٹا دونوں سخاوت میں حاتم طائی کی طرح مشہور تھے۔ حضرت قیسؓ چاہتے تھے کہ مجاہدین کی مدد کی جائے اور ان کے لئے کسی نہ کسی طرح کھانے کا انتظام کیا جائے۔ مگر مسئلہ یہ تھا کہ سرِ دست حضرت قیسؓ کے پاس بھی کچھ نہیں تھا اور وہ خود بھی فاقہ کشی پر مجبور تھے۔

آخر ان کو ایک تدبیر سوجھ گئی۔ وہاں قریب ہی جہینہ قبیلہ آباد تھا۔ حضرت قیس ان کے پاس گئے، اپنی ضروریات بیان کیں اور کہا میں کچھ اونٹ خریدنا چاہتا ہوں، مگر فی الحال میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ اگر تم مجھ پر اعتماد کر کے پانچ اونٹ دے دو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ واپس مدینہ پہنچتے ہی ان کی قیمت ادا کر دوں گا۔

وہ لوگ چونکہ ان کو پہچانتے نہیں تھے اس لئے پوچھنے لگے کہ تم کون ہو؟ کس کے بیٹے ہو؟

حضرت قیسؓ نے بتایا کہ میں سعد ابن عبادہ کا بیٹا ہوں۔

انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے، وہ معروف شخص ہیں۔ ہمیں یہ سودا منظور ہے۔

حضرت قیسؓ نے اس معاہدے پر چند صحابہ کو گواہ بنایا اور پانچ اونٹ خرید لئے۔ ہر روز ایک اونٹ ذبح کرتے تھے اور مجاہدین کو کھلا دیتے تھے۔ تین دن تک اسی طرح ہوتا رہا، مگر چوتھے دن امیر لشکر نے حضرت قیسؓ کو مزید اونٹ ذبح کرنے سے منع کر دیا۔ ان کا کہنا تھا

کہ قیس مدینہ میں کسی چیز کا مالک نہیں ہے کیونکہ ابھی اس کے والد زندہ ہیں اور تمام املاک کے مالک وہی ہیں، اس لئے ان کی مرضی معلوم کئے بغیر ان کا مال لٹانا درست نہیں ہے۔

حضرت قیسؓ نے کہا کہ میرے والد تو یوں بھی لوگوں کے قرضے ادا کرتے رہتے ہیں، ناداروں کے لئے ضروریات زندگی فراہم کرتے رہتے ہیں اور بھوکوں کو کھانا کھلاتے رہتے ہیں۔ پھر میں نے مجاہدین فی سبیل اللہ کی خوراک کے لئے جو اونٹ خریدے ہیں--- اور وہ بھی اشد ضرورت کے تحت--- ان کی قیمت ادا کرنے میں ان کو کیا تامل ہو سکتا ہے؟

اس لشکر میں فاروقِ اعظمؓ بھی شامل تھے۔ امیر لشکر نے ان سے مشورہ طلب کیا تو انہوں نے بھی حضرت ابو عبیدہؓ کی تائید کر دی۔ (۱) چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ نے اپنا فیصلہ برقرار رکھا اور مزید اونٹ ذبح کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اس طرح حضرت قیسؓ کے دو اونٹ بچ گئے۔

آخر اللہ تعالیٰ کو اہل ایمان کی اس بے سروسامانی پر رحم آ گیا اور سمندر کی تند و تیز موجیں ایک بہت بڑی مچھلی ساحل پر چھوڑ گئیں۔ یہ مچھلی اتنی بڑی تھی کہ تین سو مجاہدین پندرہ بیس دن تک اس کا گوشت کھاتے رہے اور تیل نکال کر استعمال کرتے رہے۔ آخر جب صرف ہڈیاں رہ گئیں تو اس کی بڑائی کا اندازہ کرنے کے لئے حضرت ابو عبیدہؓ نے اس کا

---

(۱) دراصل فاروقِ اعظمؓ شروع سے اس سودے ہی کے خلاف تھے اور کہتے تھے کہ قیس اپنے باپ سے پوچھے بغیر کس طرح اس کے مال میں تصرف کر سکتا ہے؟ گویا جس چیز کا خیال حضرت ابو عبیدہؓ کو تین دن بعد آیا، وہ ابتداء ہی سے فاروقِ اعظمؓ کی نگاہ میں تھی۔ مگر چونکہ امیر لشکر وہ نہیں تھے؛ بلکہ حضرت ابو عبیدہؓ تھے، اس لئے انہوں نے اس وقت مداخلت کرنا مناسب نہیں سمجھا، بعد میں جب حضرت ابو عبیدہؓ نے خود ان سے مشورہ طلب کیا تو انہوں نے بھرپور تائید کر دی۔

حیرت ہوتی ہے فاروقِ اعظمؓ اور ابو عبیدہؓ کے خلوص وللّٰہیت پر! باوجودیکہ مجاہدین فاقوں پر مجبور ہیں اور خود فاروقِ اعظمؓ اور ابو عبیدہؓ بھی ان میں شامل ہیں۔ مگر چونکہ بیٹا باپ کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں تصرف کرنے کا شرعاً مجاز نہیں ہے، اس لئے فاروقِ اعظمؓ اور ابو عبیدہؓ کو درختوں کے پتے کھانا گوارا ہے، مگر یہ گوارا نہیں کہ کسی شرعی حکم کی خلاف ورزی ہو جائے۔ سچ فرمایا جانِ دو عالم ﷺ نے اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ.

ایک کمان نما کانٹا زمین پر رکھوایا اور سب سے بڑے اونٹ پر سب سے بلند قامت آدمی کو سوار کرا کے کہا کہ اس کانٹے کے نیچے سے گزرو! اونٹ پر سوار شخص بلا تکلف اس کے نیچے سے گزر گیا اور اس کا سر کانٹے کے ساتھ مس نہیں ہوا۔ علاوہ ازیں اس مچھلی کی بڑائی کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ اس کی ایک آنکھ کے گڑھے میں تیرہ آدمی بہ آسانی سما جاتے تھے---فَسُبْحَانَ مَنْ يَّخْلُقُ مَايَشَآءُ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ۔

اس سریہ میں دشمن سے آمنا سامنا نہیں ہوا، اس لئے مجاہدین جنگ سے دوچار ہوئے بغیر مدینہ منورہ واپس چلے آئے اور دیوہیکل مچھلی کا قصہ جانِ دو عالم ﷺ کے گوش گزار کیا۔

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا---"بے شک وہ رزقِ الٰہی تھا جو اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لئے بھیجا تھا، اگر تمہارے پاس اس کا گوشت موجود ہو تو میرے لئے بھی بھیج دینا۔"

صحابہ کرامؓ کافی گوشت ساتھ لائے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اسی وقت خدمت میں پیش کر دیا۔ جانِ دو عالم ﷺ نے اسے پکوا کر کھایا اور پسند فرمایا۔

داد ملتی ہے

پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت قیسؓ کی طرح ان کے والد حضرت سعدؓ ابن عبادہ انصاری بھی بے حد سخی تھے۔ چنانچہ جب مجاہدین واپس مدینہ پہنچے اور حضرت سعدؓ کو ان کی فاقہ کشی کا پتہ چلا تو انہوں نے اپنے بیٹے قیس سے پوچھا کہ جب لوگ بھوک سے بے تاب ہو رہے تھے تو تم نے کیا کیا؟

"ابا جان! میں تین دن تک انہیں روزانہ ایک اونٹ کھلاتا رہا۔"

"بہت اچھا کیا تم نے--- پھر کیا ہوا؟"

"پھر مجھے منع کر دیا گیا۔"

"کس نے منع کیا تھا؟"

"میرے امیر ابوعبیدہ نے۔"

"کیوں؟"

"ان کا خیال تھا کہ میری ذاتی ملکیت تو ہے کوئی نہیں اور باپ کا مال اس کی اجازت کے بغیر صرف کرنا جائز نہیں۔"

''اگر یہ بات ہے تو میں اپنے کھجوروں کے باغات میں سے چار بڑے باغ آج ہی تمہارے نام کردیتا ہوں تاکہ آئندہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے میں تمہارے لئے کوئی رکاوٹ نہ ہو۔''

حضرت قیسؓ نے قبیلہ جہینہ کے جس شخص سے اونٹ خریدے تھے، اسے ساتھ لائے تھے اور پوری قیمت ادا کرنے کے بعد اس کو ایک اونٹ اور کپڑوں کا جوڑا اپنی طرف سے عطا کیا تھا۔ جانِ دو عالم علیہ السلام کو ان باتوں کا پتہ چلا تو آپ نے آلِ سعدؓ کو ان الفاظ میں داد دی

''اِنَّ الْجُوْدَ مِنْ سِمَةِ اَهْلِ هٰذَا الْبَيْتِ.'' (بلاشبہ سخاوت اس گھرانے کی خصوصی علامت ہے۔)

اور حضرت قیسؓ کے بارے میں فرمایا---''اِنَّه' فِيْ قَلْبِ الْجُوْدِ.''

(وہ تو سخاوت کے قلب میں رہتا ہے۔)

سریہ اضَمْ (۱)

''اِضَمْ'' مدینہ منورہ کے قریب ایک سرسبز وشاداب وادی کا نام ہے۔ رمضان ۸ ھ کو حضرت ابوقتادہ کی قیادت میں ایک چھوٹی سی مہم وہاں کے باشندوں کی طرف بھیجی گئی۔ وہ لوگ مقابلے میں نہ آئے، اس لئے دشمن سے آمنا سامنا نہ ہوسکا؛ البتہ ایک اَلمناک واقعہ پیش آ گیا۔ اس مہم میں ایک شخص شامل تھا جس کا نام مُحَلِّم تھا۔ جب یہ لوگ وادی اضم کے قریب پہنچے تو ایک مسلمان عامر ابن اضبط سے ملاقات ہوگئی۔ عامر نے ان لوگوں کو سلام کہا۔ سلام کہنا چونکہ مسلمانوں کی علامت تھی، اس لئے جو شخص سلام کہتا تھا، اس کا مسلمان ہونا یقینی سمجھا جاتا تھا اور اس کی جان و مال کی حفاظت تمام مسلمانوں پر لازم ہو جاتی تھی۔ مگر محلم کی عامر کے ساتھ کوئی پرانی دشمنی تھی، اس لئے اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور عامر پر حملہ کر دیا۔

---

(۱) اس وادی کو مدینہ منورہ سے خاص نسبت ہے۔ عربی میں نعتیہ قصائد لکھنے والے اکثر اہل محبت نے اس کی یاد میں آنسو بہائے ہیں۔ امام بوصیریؒ فرماتے ہیں

وَاَوْمَضَ الْبَرْقُ فِي الظَّلْمَاءِ مِنْ اِضَمِ

(اور وادی اضم کی جانب سے، تاریکی میں بجلی چمک اٹھی ہے۔)

عامر نے سمجھا کہ شاید یہ مجھے غیر مسلم سمجھ کر حملہ آور ہو رہا ہے، اس لئے اس نے با آواز بلند کہا، آمَنْتُ بِاللہِ۔ مگر محلم نے اپنا ہاتھ نہ روکا اور اس کو مار کر ہی دم لیا۔ قتل کرنے کے بعد محلم نے اس کے اونٹ اور سامان پر بھی قبضہ کر لیا اور یہ مہم واپس ہو گئی۔

جانِ دو عالم ﷺ کو اس واقعہ سے از حد رنج و ملال ہوا۔ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰى اِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۔ (جو شخص تم کو سلام کہے، اس کو یہ مت کہو کہ تم مومن نہیں ہو۔)

جانِ دو عالم ﷺ نے محلم کو سامنے بٹھایا اور سخت غصے کے عالم میں فرمایا

''محلم ---! عامر با آواز بلند آمَنْتُ بِاللہِ کہتا رہا، پھر بھی تو نے اس کو مار ڈالا!!''

''یا رسول اللہ! وہ محض اپنی جان بچانے کے لئے ایمان کا اقرار کر رہا تھا۔'' محلم نے عذر پیش کیا۔

''کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا ---؟ اگر دل کی حالت سے بے خبر تھے تو اس کی زبان پر ہی اعتبار کیا ہوتا ---! افسوس، کہ نہ تو نے اس کے دل کا حال جانا، نہ اس کی زبان کو سچا مانا اور بلا وجہ اسے قتل کر دیا ---!!

محلم نے آپ کو یوں غضبناک دیکھا تو کہا ''یا رسول اللہ! میرے لئے بخشش طلب کیجئے!''

آپ نے فرمایا --- ''لَا غَفَرَ اللہُ لَکَ'' (اللہ تجھے نہ بخشے۔)

یہ سن کر محلم مایوس ہو گیا اور اس کے آنسو بہہ نکلے جنہیں وہ اپنی چادر سے پونچھتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور نا امیدی کے عالم میں وہاں سے چلا گیا۔

اس واقعہ کے بعد ابھی سات دن نہیں گزرے تھے کہ محلم کی موت واقع ہو گئی اور جب اسے دفن کیا گیا تو زمین نے اسے باہر پھینک دیا۔ تین دفعہ تدفین کی کوشش کی گئی، مگر ہر بار زمین نے اگل دیا۔ آخر زمین پر ہی رکھ کر اسے پتھروں سے ڈھانپ دیا گیا۔ (۱)

---

(۱) یہ واقعہ صحاح ستہ میں نہیں ہے! البتہ امام احمد، طبرانی، ابن اسحاق، ابن جریر، ابن سعد، ابن کثیر اور دوسرے بہت سے محدثین و مؤرخین نے اس کو ذکر کیا ہے، اس لئے میں نے بھی لکھ ☜

بعد میں یہ واقعہ جانِ دوعالم ﷺ کو سنایا گیا تو آپ نے فرمایا
''زمین تو اس سے بھی زیادہ گناہ گار بندوں کو اپنے اندر سمولیتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو یہ دکھانا چاہتا تھا کہ ایک مومن کو قتل کرنا کتنا بڑا جرم ہے!''

دیا ہے، لیکن ذاتی طور پر مجھے اس کو صحیح ماننے میں تامل ہے کیونکہ یہ آیاتِ قرآنیہ اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہے، ارشاد ربانی ہے

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ○

(کہدو! ''اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو۔ اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے۔ بے شک وہ غفور رحیم ہے۔'')

اگر ننانوے بلکہ سو قتل کرنے والے کو اللہ تعالیٰ بخش سکتا ہے --- جیسا کہ بخاری کی صحیح روایت سے ثابت ہے --- تو بے چارے محلم نے تو صرف ایک قتل کیا تھا، پھر اس کی مغفرت میں کیا چیز مانع ہوسکتی تھی؟ جب کہ اس نے بارگاہ رسالت میں بخشش کی التجا بھی کی تھی اور ندامت کے آنسو بھی بہائے تھے --- ! کیا جانِ دوعالم ﷺ کا یہ ارشاد بروایت صحیحہ ثابت نہیں کہ ''اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ'' (گناہ سے توبہ کرنے والا یوں پاک ہوجاتا ہے، جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔)

پھر کیا یہ بات کسی درجے میں بھی قابلِ تسلیم ہوسکتی ہے کہ ایک گنہگار امتی شفیع المذنبین کے حضور مغفرت کا طلبگار ہو اور آپ فرمائیں۔ لَا غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ!!

یہ بات نہ صرف آپ کے مزاج کے خلاف ہے؛ بلکہ امرِ الٰہی کے بھی مخالف ہے۔ کیونکہ آپ تو مؤمنین ومؤمنات کے لئے بخشش طلب کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں --- وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ.

اگر کہا جائے کہ ہوسکتا ہے، یہ شخص مؤمن نہ ہو؛ بلکہ منافق ہو۔ تو اس صورت میں یہ الجھن ہے کہ پھر اس نے جانِ دوعالم ﷺ سے یہ التجاء کیوں کی تھی کہ میرے لئے مغفرت طلب کیجئے؛ جبکہ ☜

منافقین کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ○

(اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ آؤ، رسول اللہ تمہارے لئے استغفار کریں تو اپنے سر ٹیڑھے کر لیتے ہیں اور تم دیکھتے ہو کہ وہ تکبر کے انداز میں روگردانی اختیار کر لیتے ہیں۔)

پھر اس کا بے تحاشہ رونا اور چادر کے پلو میں اپنے آنسوؤں کو جذب کرنا بھی بتاتا ہے کہ اس کی ندامت مصنوعی نہیں؛ بلکہ حقیقی تھی۔

غرضیکہ میں اس واقعہ پر جتنا بھی غور کرتا ہوں، اس کو اللہ تعالیٰ کی غفاری وارحم الراحمینی، رسول اللہ کی رحمۃ للعالمینی و شفیع المذنبینی اور قرآن وسنت کی عمومی تعلیمات کے منافی پاتا ہوں، اگر کوئی صاحب علم اس منافات کو رفع کر سکیں تو میں بہت ممنون ہوں گا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

۞۞۞

یا نبی ﷺ، یا نبی ﷺ

سیّد انوار ظہوری

اعتبارِ دل و افتخارِ زباں ، امتیازِ دہن ، یا نبیؐ یا نبیؐ

نعت کہتا رہوں ، نعت سنتا رہے داورِ ذوالمنن ، یا نبیؐ یا نبیؐ

ہر طرف شور ہے سوئے طیبہ چلو ، بابِ رحمت کھلا ہے مدینے چلو!

گلستاں گلستاں ، قافلہ قافلہ ، انجمن انجمن ، یا نبیؐ یا نبیؐ

شوق منزل بہ منزل فزوں تر ہوا ، عشق لحظہ بہ لحظہ نکھرتا گیا

ملّتِ بخت ور ، امّتِ مفتخر ، ہر قدم نعرہ زن ، یا نبیؐ یا نبیؐ

ایک ہی سلسلہ حسن اوقات کا ، مشغلہ ہے یہی اب تو دن رات کا

نعتِ خیرالوریٰ ، نغمۂ جانفزا ، نعرۂ غم شکن ، یا نبیؐ یا نبیؐ

کوئی حکمت زمانے میں حکمت نہیں ، فلسفے کی بھی کوئی حقیقت نہیں

موجب آگہی ، اصلِ دانشوری ، حاصلِ فکر و فن ، یا نبیؐ یا نبیؐ

سرورِ انس و جاں ، تاجدارِ حرم ، رحمتِ کن فکاں ، آسمانِ کرم

نازِ خورد و کلاں ، فخرِ پیر و جواں ، ایک سب کی لگن ، یا نبیؐ یا نبیؐ

یہ زبانِ ظہوریؔ کی پُرکاریاں ، لفظ اُڑنے لگے بن کے چنگاریاں

سن کے نعتِ نبیؐ گنگنانے لگے وجد میں ، برہمن ، یا نبیؐ یا نبیؐ

❀❀❀

إذا جاء نصر الله والفتح
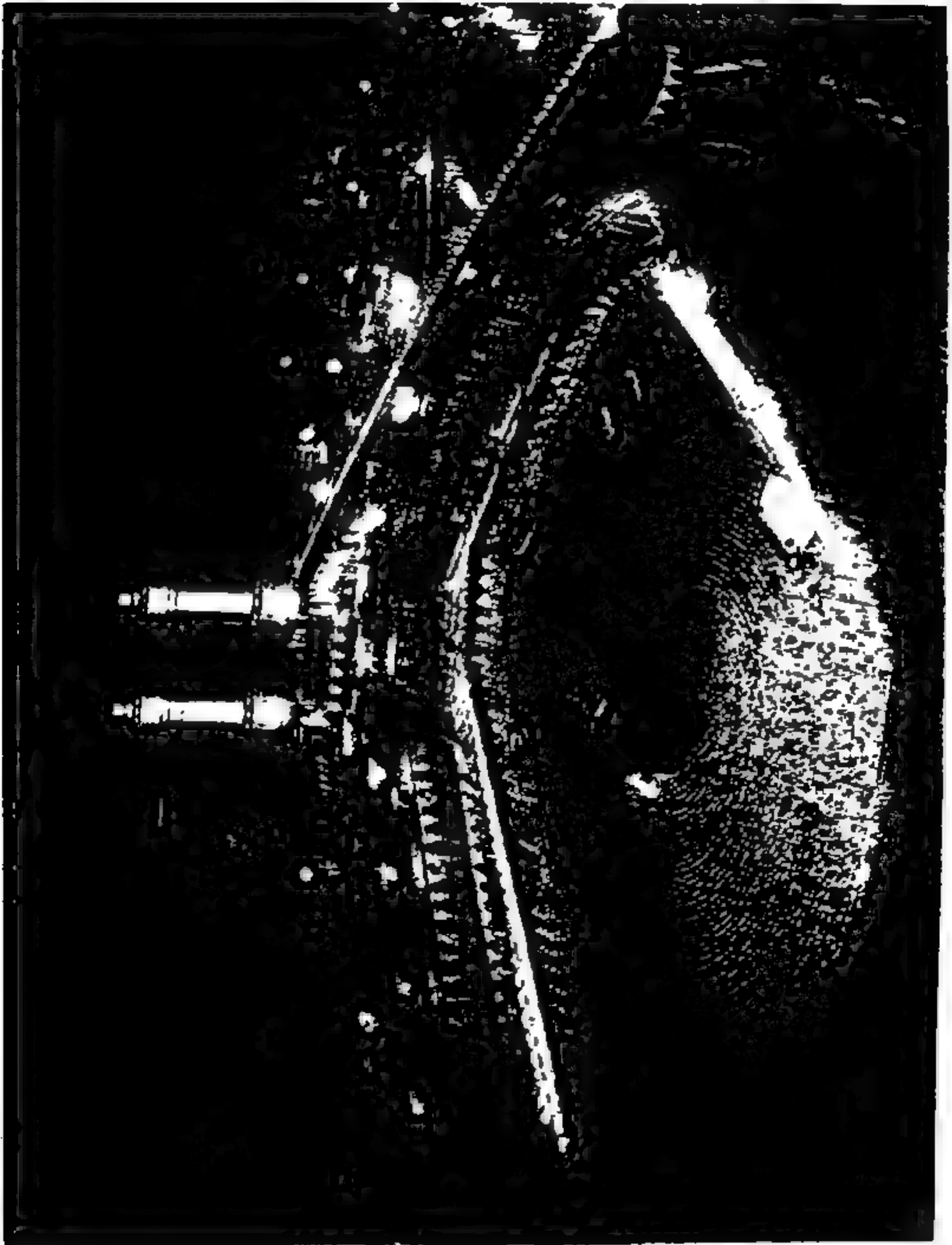
﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝﴾

(جب اللہ کی مدد آ پہنچی اور مکہ فتح ہو گیا اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں۔)

باب ۸

فتح مکّہ

"لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ، اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ"

(آج تم پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔)

(فاتح مکّہ کا تاریخی اعلان)

- ---جانِ دو عالم ﷺ کی اکیس سالہ شبانہ روز جدّ و جہد کا ثمرۂ شیریں
- ---سرزمینِ عرب میں آپ کی کامیابی و عروج کا نظارۂ دلنشیں
- ---عالی ظرفی، کردار و عمل، رحم و کرم اور عفو و درگزر کا بابِ زرّیں

فتح مکہ جانِ دو عالم ﷺ کی مسلسل اور جانگسل کوششوں کا عظیم ثمرہ اور خوشگوار نتیجہ ہے۔ آج سے آٹھ سال پہلے آپ کو بادلِ ناخواستہ اور بچشمِ اشکبار اس بلد امین کو چھوڑنا پڑا تھا۔ ان آٹھ سالوں میں آپ نے رات دن ایک کر کے اہل ایمان کی اتنی بڑی جمعیت منظم کر لی تھی کہ اب اہل مکہ اس سیل رواں کو روکنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ اب وقت آ گیا تھا کہ اس شہرِ مقدس کو کفر و شرک کی نجاستوں سے یکسر پاک کر دیا جائے اور اس کے چپے چپے پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و کبریائی کا اعلان کر دیا جائے، مگر اس میں رکاوٹ یہ تھی کہ حدیبیہ میں صلح کا جو معاہدہ ہوا تھا، اس کا وقت ابھی باقی تھا اور مسلمانوں کی طرف سے کوئی پیش رفت، عہد کی خلاف ورزی ہوتی، جس کا اہل ایمان تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

عہد شکنی

کرنا خدا کا کیا ہوا، کہ مشرکین مکہ نے اپنی حماقت سے خود ہی معاہدہ توڑ دیا اور مسلمانوں کے لئے مکہ پر حملہ آور ہونے کا جواز فراہم کر دیا۔ اگرچہ بعد میں وہ اپنی حماقت پر بہت پچھتائے اور اس کے اثرات زائل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا اور کاتب تقدیر اپنا فیصلہ صادر کر چکا تھا۔

اس اجمال کی تفصیل جاننے کے لئے تاریخ کے چند اوراق پلٹنے پڑیں گے۔

مکہ کے گرد و نواح میں جو قبائل آباد تھے، ان میں سے دو قبیلے ایسے تھے جن کی پرانی دشمنی چلی آتی تھی۔

ایک قبیلہ بنی بکر کہلاتا تھا اور دوسرا خزاعہ۔

خزاعہ کے آباء و اجداد نے جانِ دو عالم ﷺ کے دادا جان جناب عبدالمطلب کے ساتھ دوستی اور باہمی تعاون کا ایک تحریری معاہدہ کیا تھا جس کا متن مختصراً یوں تھا

بِاسْمِکَ اللّٰھُمَّ، ھٰذَا حَلْفُ عَبْدِالْمُطَّلِبِ ابْنِ ھَاشِمٍ لِخُزَاعَةَ

.... اِنَّ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ عُهُوْدَ اللهِ وَ عُقُوْدَه‘ وَمَالَا یُنْسٰی اَبَدًا. اَلْیَدُ وَاحِدَةٌ وَالنَّصْرُ وَاحِدٌ......... الخ

(تیرے نام سے اے اللہ! یہ عبدالمطلب ابن ہاشم کا خزاعہ کے ساتھ حلفیہ پیمان ہے۔ ہمارے درمیان اللہ کا عہد و میثاق ہے اور ایسا قول و قرار ہے جو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا کہ ہمارا ہاتھ ایک ہوگا اور مدد ایک ہوگی۔)

یعنی اگر ایک فریق نے کسی شخص یا قبیلے کے ساتھ نصرت و امداد کا وعدہ کر لیا تو دوسرے فریق پر بھی اس عہد کی پاسداری لازم ہوگی۔

یہ قدیمی دستاویز خزاعہ کے پاس اب تک محفوظ تھی۔ جب حدیبیہ کے مقام پر صلح کا معاہدہ ہوا تو اس میں ایک شق یہ بھی تھی کہ فریقین، یعنی محمد (ﷺ) اور قریش کے علاوہ دیگر قبائل خود مختار ہوں گے اور جس فریق کے ساتھ چاہیں شامل ہو سکیں گے۔

خزاعہ نے جانِ دو عالم ﷺ کے روبرو وہی تحریری معاہدہ پیش کیا جو ان کے آباء و اجداد اور جناب عبدالمطلب کے درمیان طے پایا تھا اور خواہش ظاہر کی کہ ہم آپ کے حلیف بننا چاہتے ہیں۔ آپ کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ چنانچہ آپ نے بخوشی اجازت دے دی اور خزاعہ، آپ کے حلیف بن گئے۔ بنی بکر نے یہ صورتِ حال دیکھی تو وہ دوسرے فریق یعنی قریش کے حلیف بن گئے۔

اس طرح خزاعہ پر وہ تمام پابندیاں عائد ہو گئیں جو معاہدے کی رو سے مسلمانوں پر عائد ہوتی تھیں اور بنی بکر پر ان تمام شرائط کی پابندی لازمی ہوگئی جن کے قریش پابند تھے۔

معاہدہ کے بعد صلح و آشتی کا دور دورہ ہو گیا اور تمام فریق ہنسی خوشی وقت گزارنے لگے۔ اس دوران مسلمانوں سے ربط کی وجہ سے خزاعہ کے تو بیشتر افراد مسلمان ہو گئے، مگر بنی بکر قریش کے ساتھ تعلق کی وجہ سے اپنے کفر پر ڈٹے رہے؛ تاہم کافی عرصے تک دونوں قبیلے معاہدے کے پابند رہے اور ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے سے گریز کرتے رہے۔ پھر نہ جانے کیا ہوا، کہ بنی بکر نے خزاعہ کے ساتھ قدیم دشمنی کو یاد کر کے خزاعہ پر حملہ کرنے اور انتقام لینے کی ٹھانی اور ایک رات بغیر کسی سبب کے خزاعہ کی بستی پر چڑھائی کر دی۔ خزاعہ بے

خبر سو رہے تھے، یا تہجد کے لئے اُٹھے تھے اور مصروفِ صلوٰۃ و مناجات تھے، ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ رات کے اس پہر دشمن کوئی کارروائی کر سکتے ہیں اسلئے بے خبری میں مارے گئے اور پہلے ہی حملے میں ان کا ایک آدمی قتل اور متعدد زخمی ہو گئے۔ اس کے بعد باقاعدہ لڑائی شروع ہو گئی جو رات بھر جاری رہی اور دونوں فریق لڑتے لڑتے حدودِ حرم میں داخل ہو گئے۔

بنی بکر چونکہ قریش کے حلیف تھے اس لئے اس لڑائی میں قریش کے سرداروں نے ان کی بھرپور مدد کی اور اسلحہ وغیرہ فراہم کیا۔ ان کا خیال تھا کہ رات کے اندھیرے میں ہمیں کوئی نہیں پہچان سکے گا اور کسی کو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ ہم نے بنی بکر کی امداد کی ہے--- حالانکہ ایسی باتیں بھی بھلا کہیں چھپی رہ سکتی ہیں---؟

بہرحال بنی بکر کو چونکہ قریش کی مدد حاصل تھی، اس لئے لڑائی میں ان کا پلہ بھاری رہا اور انہوں نے خزاعہ کے تیئس [۲۳] آدمی مار ڈالے۔ صبح کی روشنی پھیلنے لگی تو قریش کے سردار اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور بنی بکر اپنی بستی کی طرف لوٹ گئے۔

غائبانہ پکار

صبح ہوئی تو خزاعہ کے چالیس آدمی جانِ دو عالم ﷺ کو بنی بکر اور قریش کے اس ظلم و ستم سے آگاہ کرنے کے لئے مدینہ روانہ ہو گئے۔ مکہ سے مدینہ تک کئی دن کا فاصلہ تھا۔ راستے میں یہ لوگ اپنے مظلومانہ حالات پر مشتمل دردناک اشعار پڑھتے جاتے اور جانِ دو عالم ﷺ کو غائبانہ طور پر اپنی امداد اور فریادرسی کے لئے پکارتے جاتے۔ (ان میں سے کچھ اشعار عنقریب آ رہے ہیں۔) اُدھر جانِ دو عالم ﷺ سینکڑوں میل کے فاصلے پر ان کا استغاثہ و فریاد سن لیتے اور کبھی کبھی جواب بھی دے دیتے۔

اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ بیان فرماتی ہیں کہ ایک رات رسول اللہ میرے پاس تھے۔ رات کے پچھلے پہر آپ حسبِ معمول نماز کے لئے اٹھے اور وضوگاہ کی طرف تشریف لے گئے۔ میں اس وقت جاگ رہی تھی۔ اچانک میں نے سنا کہ آپ بآوازِ بلند کہہ رہے ہیں

''لَبَّیکَ، لَبَّیکَ، لَبَّیکَ --- نُصِرْتَ، نُصِرْتَ، نُصِرْتَ''

(تیرے پاس حاضر ہوں، حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیری مدد کی جائے گی، کی جائے گی، کی جائے گی۔)

میں بہت حیران ہوئی کہ نہ جانے رسول اللہ ﷺ کس سے مخاطب ہیں؛ جبکہ قرب و جوار میں کوئی فرد موجود نہیں ہے۔ بعد میں جب میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا

''ذٰلِکَ رَاجِزُ بَنِیْ کَعْبٍ، یَسْتَصْرِخُنِیْ۔'' (یہ بنی کعب (خزاعہ کی ایک شاخ) کا رجز خواں تھا، جو مجھے دادرسی کے لئے پکار رہا تھا) یعنی میں اس کو غائبانہ طور پر جواب دے رہا تھا۔

سبحان اللہ! کیا شان ہے سماعتِ مصطفےٰ ﷺ کی---! سینکڑوں میل سے فریادیں سن رہے ہیں اور جواب دے رہے ہیں۔ صحیح کہا اعلیٰحضرتؒ نے

دور و نزدیک سے سننے والے وہ کان
کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام

فریادی کی مدینہ میں آمد

تین دن بعد عمرا ابن سالم اپنے چند ساتھیوں کی معیت میں مدینہ پہنچا اور ایک طویل نظم میں اپنی مظلومیت اور قریش کے ظلم وستم کی داستان بیان کی۔

چند شعر ملاحظہ فرمایئے!

یَارَبِّ اِنِّیْ نَاشِدٌ مُحَمَّدًا حَلْفَ اَبِیْنَا وَ اَبِیْهِ الْاَتْلَدَا
اِنَّ قُرَیْشًا اَخْلَفُوْکَ الْمَوْعِدَا وَنَقَضُوْا مِیْثَاقَکَ الْمُؤَکَّدَا
هُمْ بَیَّتُوْنَا بِالْوَتِیْرِ هُجَّدَا وَقَتَلُوْنَا رُکَّعًا وَّ سُجَّدَا
فَانْصُرْ هَدَاکَ اللّٰهُ نَصْرًا اَبَدًا وَادْعُ عِبَادَ اللّٰهِ یَاْتُوْا مَدَدًا
فِیْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَدْ تَجَرَّدَا اِنْ سِیْمَ خَسْفًا وَجْهُهٗ تَرَبَّدَا

(یارب! میں محمد (ﷺ) کو وہ پرانا عہد یاد دلانا چاہتا ہوں جو ہمارے دادا اور ان کے دادا کے درمیان ہوا تھا۔ بلاشبہ قریش نے وعدہ کی خلاف ورزی کی ہے اور آپ سے

طے ہونے والے مضبوط معاہدے کو توڑ ڈالا ہے۔ انہوں نے رات کے وقت اچانک ہم پر حملہ کیا اور ہمیں رکوع و سجود کی حالت میں قتل کرنا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی رہنمائی فرمائے --- اب آپ خود بھی ہماری بھرپور مدد کیجئے اور اللہ کے دیگر بندوں کو بھی ہماری امداد کے لئے طلب کیجئے۔ اس لشکر میں خود رسول اللہ کو بھی شامل ہونا چاہئے، کیونکہ ان کی تو عادت ہے کہ اگر کوئی انہیں رسوا کرنے کی کوشش کرے تو شدتِ غضب سے ان کا چہرہ تمتما اٹھتا ہے۔)

جانِ دو عالم ﷺ نے یہ پُر تاثیر نظم سن کر عمر بن سالم کو تسلی دی کہ تم فکر نہ کرو۔ انشاء اللہ تمہاری مکمل امداد کی جائے گی۔

دوسرا وفد

وفد عمر ابن سالم کے بعد خزاعہ کا ایک اور وفد بدیل ابن ورقاء کی قیادت میں فریادی بن کر حاضر ہوا اور جانِ دو عالم ﷺ کو مشرکین کے نقضِ عہد سے آگاہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں اہل مکہ سے اس بارے میں ضرور باز پرس کروں گا اور ان سے کہوں گا کہ یا تو وہ خزاعہ کے تمام مقتولین کی دیت ادا کریں، یا بنی بکر کی امداد و تعاون سے مکمل طور پر دستکش ہو جائیں (تاکہ ہم بنی بکر سے براہ راست جواب طلبی کر سکیں۔) اگر یہ دونوں باتیں انہیں منظور نہ ہوں تو پھر ہم بھی معاہدے کی پابندی سے آزاد ہوں گے۔

جانِ دو عالم ﷺ نے حسب وعدہ اپنا قاصد مکہ بھیجا، مگر جب قاصد نے مندرجہ بالا صورتیں اہل مکہ کے سامنے بیان کیں تو اہل مکہ برافروختہ ہو گئے اور کہنے لگے

''ہم نہ تو دیت دیں گے، نہ بنی بکر کا ساتھ چھوڑیں گے۔ اگر اس وجہ سے محمد اور اس کے ساتھی معاہدہ ختم کرنا چاہتے ہیں تو ان کی مرضی۔''

ندامت

اس وقت تو جوش میں آ کر اہل مکہ یہ متکبرانہ جواب دے بیٹھے مگر قاصد کی واپسی کے بعد انہیں احساس ہوا کہ ہم سے بھاری حماقت سرزد ہو گئی ہے، کیونکہ اگر محمد نے اپنے پیروکاروں کے لشکرِ جرار کے ساتھ ہم پر چڑھائی کر دی تو ہم کیا کر سکیں گے!!

آخر انہوں نے سوچا کہ اب تلافی مافات کی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ ابو سفیان کو

مدینہ بھیجا جائے اور وہ کوشش کرے کہ معاہدے کی تجدید ہو جائے۔

ابوسفیان کے انتخاب کی وجہ غالباً یہ تھی کہ اس کو جانِ دو عالم ﷺ کے اندرونِ خانہ تک رسائی حاصل تھی کیونکہ اس کی ایک بیٹی اُمّ حبیبہؓ، جانِ دو عالم ﷺ کی زوجہ مطہرہ اور ام المؤمنین تھیں۔

باپ بیٹی

ابوسفیان سب سے پہلے اپنی بیٹی کے پاس گیا اور وہاں جو بستر بچھا تھا اس پر بیٹھنے لگا۔ حضرت ام حبیبہؓ فوراً آگے بڑھیں اور بستر لپیٹ کر ایک طرف کر دیا۔ ابوسفیان کو بیٹی کے اس اقدام پر حیرت ہوئی اور پوچھا---''تم مجھے اس بستر کے قابل نہیں سمجھتی ہو، یا بستر کو میرے شایانِ شان نہیں سمجھتی ہو؟''

حضرت ام حبیبہؓ نے جواب دیا---''ابا جان! یہ بستر رسول اللہ کا ہے اور آپ مشرک ہونے کی وجہ سے نجس ہیں۔ پھر میں آپ کو اس پاک بستر پر بیٹھنے کی اجازت کیسے دے سکتی ہوں!''

ابوسفیان نے کہا---''مجھ سے جدائی کے بعد تم بہت بڑی برائی میں مبتلا ہو گئی ہو۔''

''نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں'' حضرت ام حبیبہؓ نے کہا'' بلکہ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے بڑی اچھائی سے نوازا ہے اور مجھے مشرف باسلام ہونے کی توفیق عطا فرمائی ہے--- اور ابا جان! آپ بھی ذرا سوچئے تو سہی کہ آپ قریش کے اتنے بڑے سردار ہیں اور عبادت ان پتھروں کی کرتے ہیں جو دیکھنے سننے سے بھی قاصر ہیں!''

بیٹی کا رویہ دیکھ کر ابوسفیان اس کی طرف سے مایوس ہو گیا اور اٹھ کر جانِ دو عالم ﷺ کے پاس چلا گیا، مگر آپ نے اس کی باتوں پر کوئی توجہ نہ دی اور اس نے تجدید معاہدہ کی جو تجویز پیش کی تھی، اس کا جواب تک دینا گوارا نہ فرمایا۔

یہاں سے بھی نا امیدی ہوئی تو حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ سے یکے بعد دیگرے ملاقات کی اور انتہائی عاجزانہ انداز میں التجا کی کہ آپ لوگ رسول اللہ کے روبرو میری سفارش کریں اور انہیں تجدید معاہدہ پر آمادہ کرنے کی کوشش کریں، مگر کسی نے ہامی نہ

بھری۔۔۔ بعض نے سختی سے جھڑک دیا اور بعض نے نرمی سے ٹال دیا۔ مجبوراً ابوسفیان کو بے نیلِ مرام واپس جانا پڑا۔

تیاریاں اور جاسوسی

جانِ دو عالم ﷺ نے جنگ کے لئے تیار رہنے کا حکم تو اسی وقت دے دیا تھا جب آپ نے خزاعہ کی غائبانہ فریاد پر ان کی مدد کرنے کا وعدہ فرمایا تھا؛ تاہم یہ تاکید کی تھی کہ فی الحال اس بات کو مخفی رکھا جائے، تاکہ اہل مکہ ہمارے عزائم سے آگاہ نہ ہو سکیں۔ مزید احتیاط کے طور پر مکہ جانے والے راستوں پر پہرہ بھی بٹھا دیا تھا تاکہ یہودی یا منافقین اگر اہل مکہ کو اطلاع دینا چاہیں بھی تو نہ دے سکیں۔

آپ حیران ہوں گے کہ کسی منافق یا یہودی کو تو یہ جرأت نہ ہو سکی؛ البتہ ایک مہاجر صحابی سے یہ غلطی سرزد ہو گئی۔ ان کا نام حاطبؓ ابن ابی بلتعہ تھا۔ انہوں نے اہل مکہ کو ایک خط لکھا جس میں انہیں خبردار کیا کہ رسول اللہ ﷺ مکہ کی طرف روانہ ہونے والے ہیں۔ اس لئے تم اپنا انتظام کر لو۔

یہ خط انہوں نے ایک کنیز کو دیا اور کہا کہ تمام معروف راستوں پر پہرہ ہے، اس لئے تم غیر معروف راستوں سے سفر کرتی ہوئی جاؤ اور اہل مکہ کو یہ خط پہنچاؤ!

جانِ دو عالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس صورت حال سے مطلع کر دیا۔ چنانچہ آپ نے حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ کو بلایا اور کہا کہ اونٹ پر سوار ایک عورت اہل مکہ کے نام حاطب کا خط لے کر جا رہی ہے۔ تم تینوں اس کے تعاقب میں جاؤ اور اس سے خط حاصل کر لو۔ اس کے ساتھ تمہاری ملاقات فلاں جگہ پر ہو گی۔

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم اس جگہ پہنچے جس کی نشاندہی رسول اللہ ﷺ نے کی تھی، تو واقعی وہاں ایک عورت کجاوے میں بیٹھی ہوئی چلی جا رہی تھی۔ ہم نے اس کو روکا اور کہا کہ خط ہمارے حوالے کر دو! اس نے کہا کہ میرے پاس تو کوئی خط نہیں ہے۔ ہم نے اس کا اونٹ بٹھا لیا اور اس کے سامان کی تلاشی لینا شروع کر دی۔ سامان سے خط برآمد نہ ہوا تو ہم نے اس سے کہا کہ خط تو تمہارے پاس یقیناً موجود ہے، کیونکہ یہ بات ہمیں

رسول اللہ ﷺ نے بتائی ہے اور ان کا فرمان غلط ہو ہی نہیں سکتا۔ اب اگر تم شرافت سے خط نکال دو تو بہتر ہے، ورنہ ہمیں مجبوراً خود تمہاری تلاشی لینا پڑے گی۔

یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی اور اس نے اپنے بالوں کے جُوڑے سے خط نکال کر ہمارے حوالے کر دیا۔ ہم خط کو بھی اور اس عورت کو بھی ساتھ لے آئے اور رسول اللہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حاطب کو بلایا اور خط دکھا کر کہا

''حاطب! یہ کیا ہے؟''

حاطب نے کہا---''یا رسول اللہ! میرے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے میں جلدی نہ فرمایئے اور پہلے میری عرض سن لیجئے! اصل بات یہ ہے کہ میں خاندانی طور پر قریش میں سے نہیں ہوں؛ بلکہ باہر سے آ کر مکہ میں آباد ہوا ہوں؛ جبکہ باقی مہاجرین قریش کے افراد ہیں۔ جب ہم مکہ سے ہجرت کر کے آئے تھے تو اپنے اہل وعیال وہیں چھوڑ آئے تھے۔ اب دیگر مہاجرین کے تو مکہ میں رشتے دار موجود ہیں جو ان کے اہل خانہ کی دیکھ بھال کر سکتے ہیں، مگر میرا وہاں کوئی نہیں ہے جو میرے گھر والوں کی ضروریات کا خیال رکھ سکے۔ میں یہ چاہتا تھا کہ قریش پر کوئی ایسا احسان کر دوں جس کی وجہ سے وہ میرے بچوں کا خیال رکھیں اور انہیں کوئی دکھ نہ پہنچائیں۔ چنانچہ میں نے انہیں آپ کے ارادے سے آگاہ کرنے کے لئے خط لکھ دیا۔ مگر اس خط کی نوعیت ایسی ہے کہ اس سے اللہ اور اس کے رسول کو قطعاً کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ کی قسم یا رسول اللہ! میں نے نہ تو اپنا دین چھوڑا ہے، نہ اسلام لانے کے بعد دوبارہ کفر کی طرف لوٹنے کی کبھی خواہش پیدا ہوئی ہے۔''

جانِ دو عالم ﷺ کو حضرت حاطبؓ کا یہ معقول عذر پسند آیا اور فرمایا---''واقعی حاطب سچ کہتا ہے۔ اس کو برا مت کہو!''(۱)

---

(۱) واضح رہے کہ حضرت حاطبؓ کا یہ کام تو غلط ہی تھا، مگر ان کی نیت بہر حال غلط نہیں تھی، اگر آپ ان کے عذر پر غور کریں تو اس میں ایک جملہ یہ بھی ہے۔ ''اس خط کی نوعیت ایسی ہے کہ اس سے اللہ اور اس کے رسول کو قطعاً کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔''

اور یہ بات واقعی بالکل درست ہے۔ اگر اس خط کا مطالعہ کیا جائے تو صاف معلوم ☜

مگر حضرت عمرؓ کا غصہ فرو نہ ہوا اور عرض کی --- ''یارسول اللہ! اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کا سر قلم کردوں۔''

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا --- ''عمر! کیا تم نہیں جانتے کہ حاطب اہل بدر میں سے ہے اور بدر والوں کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے کہ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ. (تمہارا جو جی چاہے کرتے رہو، میں تمہیں بخش چکا ہوں۔) [حدیث قدسی]

یہ سن کر حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور بھرائی ہوئی آواز میں بولے ''اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ'' (اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔)

اس موقع پر حضرت حاطبؓ کو ان کی اس غلطی پر متنبہ کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ ...... الآیۃ (اے ایمان والو! ان لوگوں کو دوست مت بناؤ، جو میرے بھی دشمن ہیں اور تمہارے بھی.....الخ

سوئے مکہ

اس غزوے کے لئے جانِ دو عالم ﷺ نے خصوصی اہتمام فرمایا اور جو عرب قبائل اسلام لا چکے تھے، ان کی طرف قاصد بھیج کر غزوے میں شرکت کے لئے بلایا۔ ان کے لئے اس سے بڑی سعادت کیا ہو سکتی تھی کہ آپ کی ہمرکابی میں جہاد کا شرف حاصل ہو جائے۔ چنانچہ مختلف قبائل سے جوق در جوق لوگ آنے لگے۔ خصوصاً پانچ قبیلوں کے

ہوتا ہے کہ حضرت حاطبؓ اہل مکہ کو رسول اللہ ﷺ کے عزائم سے مطلع کرنے کے بہانے خوفزدہ کرنا چاہتے ہیں اور ان کے دلوں میں اہل ایمان کی دہشت بٹھانا چاہتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے حضرت حاطبؓ کا یہ انوکھا مکتوب۔

سرنامے وغیرہ کے بعد تحریر تھا:

اَمَّا بَعْدُ، یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ! اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ جَآءَ كُمْ بِجَیْشٍ عَظِیْمٍ یَسِیْرُ كَالسَّیْلِ، فَوَاللّٰهِ لَوْ جَآءَ كُمْ وَحْدَهٗ لَنَصَرَهُ اللّٰهُ وَاَنْجَزَ وَعْدَهٗ. فَانْظُرُوْا لِاَنْفُسِكُمْ. والسلام

(اے گروہ قریش! بے شک رسول اللہ ﷺ تمہارے پاس ایک عظیم لشکر لے کر آ رہے ہیں جو سیلِ رواں کی طرح چل رہا ہے۔ خدا کی قسم! اگر آپ تن تنہا بھی تمہارے پاس آتے تو اللہ ان کی ضرور مدد کرتا اور اپنا وعدہ پورا کرتا اس لئے اپنا انتظام کر لو --- والسلام)

افراد بہت نمایاں تھے۔ یعنی مزینہ، اسلم، اشجع، سلیم اور غفار۔ مدینہ منورہ میں آباد مہاجرین و انصار کی تعداد اس کے علاوہ تھی۔ چنانچہ دو رمضان --- اور بعض روایات کے مطابق دس رمضان ۸ھ کو جانِ دو عالم ﷺ دس بارہ ہزار جاں نثاروں کے جلو میں عازمِ مکہ ہوئے۔

حکمِ افطار

گرمی کا موسم تھا اور لق و دق صحرا میں طویل سفر در پیش تھا۔ سفر کے اختتام پر دشمن سے شدید معرکہ آرائی کا بھی احتمال تھا۔ ایسے میں اگر مجاہدین کی توانائیاں کمزور پڑ جاتیں تو ظاہر ہے کہ تازہ دم دشمن پر غلبہ پانا بہت دشوار ہو جاتا۔ چنانچہ جانِ دو عالم ﷺ کو جب پتہ چلا کہ لوگ پیاس سے بے حال ہو رہے ہیں تو آپ نے فرمایا --- ''انہیں کہو کہ روزے توڑ ڈالیں۔''

عرض کی گئی --- ''یا رسول اللہ! لوگ تو جو کچھ آپ کو کرتا دیکھیں گے، اسی پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔''

کہنے والے کا مقصد یہ تھا کہ اگر آپ نے اپنا روزہ برقرار رکھا اور دوسروں کو توڑنے کی اجازت دے بھی دی تو وہ تمام تر مشکلات کے باوجود اس رخصت پر عمل کرنے کے بجائے آپ کی پیروی کو ترجیح دیں گے۔

بات درست تھی اس لئے جانِ دو عالم ﷺ نے ظہر کے بعد پانی منگوایا اور پیالہ ہاتھ میں لے کر ہاتھ اونچا کیا تاکہ سب لوگ دیکھ لیں۔ چونکہ آپ ناقہ پر سوار تھے اور دستِ مبارک بھی اٹھا رکھا تھا، اس لئے دور تک سب نے دیکھ لیا اور آپ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ جب آپ نے محسوس کیا کہ اب سب لوگوں کی نظریں میری طرف اٹھ گئی ہیں تو آپ نے پیالہ منہ سے لگایا اور پانی پی کر اپنا روزہ ختم کر دیا۔(۱)

---

(۱) واضح رہے کہ لوگوں کو روزے توڑنے پر آمادہ کرنے کے لئے جانِ دو عالم ﷺ نے محض شفقت و رحمت کے طور پر اپنا روزہ ختم کر دیا تھا، ورنہ خود آپ کے لئے پیاس کا کوئی مسئلہ نہ تھا، کیونکہ جو ہستی کئی کئی دن تک صوم وصال رکھے اور کہے کہ میرا رب مجھے کھلاتا رہتا ہے، اس کے لئے صبح سے شام تک روزہ رکھنا کیا مشکل تھا!

آپ کو پانی پیتا دیکھ کر سب نے روزے توڑ دیئے اور جی بھر کے پیاس بجھانے لگے۔ مگر بایں ہمہ بعض صحابہ نے یہ سمجھا کہ آپ کے اس قول و فعل کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ روزہ ضروری نہیں ہے، نہ یہ کہ روزہ ممنوع ہے۔ چنانچہ وہ بدستور روزے سے رہے، مگر پیاس کی شدت سے یہ حالت ہوگئی کہ جانِ دو عالم ﷺ نے ایک جگہ بہت سے آدمیوں کا جمگھٹا دیکھا جنہوں نے ایک شخص پر چادر تان رکھی تھی۔ آپ نے اس شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا کہ اسے کیا ہوا ہے؟

لوگوں نے بتایا کہ روزے دار ہے۔

آپ نے فرمایا --- ''لَیْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّیَامُ فِی السَّفَرِ. (ایسے سفر میں روزہ رکھنا نیکی کا کام نہیں ہے۔)

ظاہر ہے کہ حکمِ افطار کے باوجود روزہ رکھنا اور ہمراہیوں کے لئے پریشانی کا سبب بننا کس طرح نیکی کا کام ہوسکتا تھا --- ! بلکہ یہ تو ایک طرح کی نافرمانی تھی۔ اسی لئے جن لوگوں نے حکمِ افطار کے باوجود روزے نہیں چھوڑے ان کے بارے میں آپ نے فرمایا

''اُولٰئِکَ الْعُصَاۃُ'' (یہ نافرمان ہیں۔)

چند رشتہ داروں سے ملاقات

جانِ دو عالم ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ ابھی تک مکہ ہی میں مقیم تھے۔ انہوں نے کئی بار ہجرت کا ارادہ ظاہر کیا مگر آپ نے اجازت نہ دی، کیونکہ حضرت عباسؓ اہل مکہ کے ارادوں سے آپ کو باخبر رکھتے تھے اور آپ حالات کے مطابق پیش بندی کر لیتے تھے۔ مگر اب مسلمان اتنے طاقتور ہو چکے تھے کہ ان کو مشرکین مکہ سے چنداں خطرہ لاحق نہ تھا، اس لئے حضرت عباسؓ بھی بمعہ اہل و عیال ہجرت کر کے مدینہ کی طرف چل پڑے۔ راستے میں جانِ دو عالم ﷺ کے ساتھ ملاقات ہوگئی۔ آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا

''چچا جان! جس طرح میں آخری نبی ہوں، اسی طرح آپ آخری مہاجر ہیں --- اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نبوت ختم کردی ہے اور آپ پر ہجرت۔''

ملاقات کے بعد حضرت عباسؓ نے اپنے اہل و عیال مدینہ بھیج دیئے اور خود جانِ دو عالم ﷺ کے ہمراہ پھر مکہ کی جانب روانہ ہوگئے۔

راستے ہی میں ابوسفیان ابن حرث (۱) اور عبداللہ ابن امیہ سے بھی ملاقات ہوئی۔ یہ دونوں بھی مدینہ کی طرف جارہے تھے۔ ان میں سے اول الذکر تو جانِ دو عالم ﷺ کے ایک چچا حرث کا بیٹا تھا اور دوسرا آپ کی پھوپھی عاتکہ کا۔ ابوسفیان چچازاد ہونے کے علاوہ جانِ دو عالم ﷺ کا رضاعی بھائی بھی تھا اور اعلان نبوت سے پہلے آپ کا گہرا دوست تھا۔ مگر جونہی آپ نے نبوت کا اعلان کیا، ابوسفیان آپ کا سخت مخالف ہوگیا۔ وہ اپنے اشعار میں آپ کی ہجو کرتا اور نہایت ہی دلآزار باتوں سے آپ کا دل دکھاتا رہتا۔ ابوسفیان کا ساتھی عبداللہ شاعر تو نہیں تھا، مگر استہزاء اور تمسخر کا شوقین تھا اور جانِ دو عالم ﷺ پر پھبتیاں کسنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔

جانِ دو عالم ﷺ ان دونوں سے سخت ناراض تھے۔ چنانچہ جب انہوں نے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے انکار کردیا اور فرمایا

''میں ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا۔''

ام المومنین حضرت اُمّ سلمہؓ بھی اس سفر میں آپ کے ساتھ تھیں۔ انہوں نے سفارش کی --- ''یارسول اللہ! وہ دونوں آپ کے رشتہ دار ہیں --- ایک چچا کا بیٹا ہے اور دوسرا پھوپھی کا۔''

فرمایا --- ''چچا کا بیٹا تو اپنے شعروں میں میری عزت و حرمت کی دھجیاں اڑاتا رہا، اور پھوپھی کے بیٹے کا تو تمہیں علم ہے کہ اس نے مکہ میں مجھے کیا کہا تھا!'' (۲)

---

(۱) واضح رہے کہ یہ وہ ابوسفیان نہیں ہے جس کا ذکر بارہا پہلے آچکا ہے --- وہ ابوسفیان ابن حرب ہے اور یہ ابوسفیان ابن حرث۔

(۲) اس نے ایک دن کہا تھا --- ''محمد! میں تب تمہیں رسول مانوں کہ تم کہیں سے ایک لمبی سیڑھی لاؤ، اتنی لمبی کہ آسمان تک پہنچ جائے۔ پھر میرے سامنے اس پر چڑھتے ہوئے آسمان پر جاؤ اور وہاں ☜

حضرت ام سلمہؓ نے آپ کا مزاج عالی برہم دیکھا تو ایک دوسرا انداز اختیار کیا اور کہا

''یارسول اللہ! ساری دنیا میں آپ کا چچازاد اور پھوپھی زاد ہی دو ایسے بدبخت ہیں کہ ان کے لئے معافی کی کوئی گنجائش نہیں نکل سکتی؟''

یعنی آپ تو بڑے بڑے مجرموں کو معاف کر دیتے ہیں، حالانکہ ان کے ساتھ آپ کا کوئی نسبی تعلق بھی نہیں ہوتا۔ پھر یہ دونوں تو آپ کے قریبی ہیں، انہیں کیوں اپنی بارگاہ سے بدبخت و نامراد واپس لوٹا رہے ہیں؟

یہ سن کر آپ کا دریائے کرم موجزن ہو گیا اور فرمایا

''ٹھیک ہے، انہیں آنے دو!''

چنانچہ یہ دونوں حاضر خدمت ہوئے، خلوصِ دل سے اپنی سابقہ غلطیوں کی معافی مانگی اور مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

حضرت ابوسفیانؓ شاعر تو تھے ہی۔ انہوں نے اسلام لانے کے بعد ایک خوبصورت نظم پیش کی جس میں اپنے جرائم کا اعتراف کیا اور آئندہ کے لئے جانِ دو عالم ﷺ کی مکمل پیروی کا اقرار کیا۔ یہ نظم سن کر جانِ دو عالم ﷺ شاد ہو گئے اور حضرت ابوسفیانؓ کی سابقہ دلآزاریوں کے سبب طبیعت میں جو ملال تھا وہ رفع ہو گیا۔

مکہ کے قریب

مرالظہران، مکہ کے قریب ایک جگہ تھی۔ وہاں پہنچ کر جانِ دو عالم ﷺ نے پڑاؤ ڈالا اور جب رات آئی تو حکم دیا کہ سب لوگ میدان میں پھیل جائیں اور ہر شخص آگ جلائے۔

اس حکم کا مقصد یہ تھا کہ اندھیرے میں دور سے دیکھنے پر بہت بڑا لشکر نظر آئے اور دشمنوں کے دلوں پر رعب اور ہیبت طاری ہو جائے۔ صحابہ کرام نے ایسا ہی کیا اور وسیع و عریض میدان میں دس بارہ ہزار الاؤ روشن کر دیئے۔ دور سے دیکھنے پر یوں لگتا تھا جیسے لاکھوں کا لشکر خیمہ زن ہو۔

سے پکی تحریر لاؤ کہ اللہ نے تمہیں رسول بنایا ہے اور اس تحریر پر گواہی دینے کے لئے چار فرشتے بھی ساتھ لاؤ۔ اگر یہ مظاہرہ نہ کر سکو تو میں تمہیں رسول ماننے کے لئے تیار نہیں۔'' ---اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ.

ابوسفیان (۱) کی گرفتاری

اب اہل مکہ کو معلوم ہو چکا تھا کہ جانِ دو عالم ﷺ ایک عظیم الشان لشکر کے ہمراہ مکہ کے قریب آ پہنچے ہیں، اس لئے تین آدمی---ابوسفیان، حکیم ابن حزام اور بدیل ابن ورقاء---صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے مکہ سے نکلے۔ اتفاقاً نگہبانی پر مامور دستے کی ان پر نظر پڑ گئی، انہوں نے ان تینوں کو گرفتار کر لیا اور جانِ دو عالم ﷺ کے پاس لے چلے۔ راستے میں حضرت عباسؓ سے ملاقات ہوگئی۔ حضرت عباسؓ اور ابوسفیان کے مکہ میں بہت اچھے تعلقات رہے تھے، اس لئے انہوں نے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو اپنی تحویل میں لے لیا اور جانِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے لے جانے لگے۔ جب حضرت عمرؓ کے الاؤ کے پاس سے گزرے اور حضرت عمرؓ کی ابوسفیان پر نظر پڑی تو ان کے غصے کی انتہا نہ رہی۔ کیونکہ مسلمانوں کی بیشتر مشکلات کا سبب یہی شخص تھا۔ چنانچہ اس کو دیکھتے ہی بآوازِ بلند گویا ہوئے

''یہ رہا اللہ کا دشمن ابوسفیان۔ الحمدللہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ہمارے قابو میں دے دیا ہے؛ جبکہ ہمارا نہ اس کے ساتھ کوئی پیمان ہے، نہ کوئی معاہدہ۔''

یعنی اس کو قتل کرنے میں ہم بالکل آزاد ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ اٹھے اور جانِ دو عالم ﷺ کو یہ خوشخبری سنانے جلدی سے چل پڑے۔ حضرت عباسؓ نے یہ دیکھ کر اپنی رفتار بھی تیز کر دی اور حضرت عمرؓ سے پہلے جانِ دو عالم ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ اسی دوران حضرت عمرؓ بھی آ پہنچے اور عرض کی

''یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے دشمنِ خدا ابوسفیان کو ہمارے ہاتھ میں دے دیا ہے، اس لئے مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کا سر قلم کر دوں۔''

حضرت عباسؓ نے کہا---''یارسول اللہ! میں اس کو پناہ دے چکا ہوں۔''

مگر حضرت عمرؓ نے اپنی بات پر اصرار جاری رکھا، آخر حضرت عباسؓ کو غصہ آ گیا اور حضرت عمرؓ سے مخاطب ہو کر گویا ہوئے

---

(۱) یہ ہے وہ ابوسفیان، جس کا تذکرہ پہلے ہوتا رہا ہے۔

''ابوسفیان میرے قبیلے کا آدمی ہے نا، اس لئے تم بڑھ چڑھ کر بول رہے ہو۔ اگر تمہارے قبیلے بنی عدی کا فرد ہوتا تو یوں باتیں نہ کرتے۔''(۱)

حضرت عمرؓ نے کہا---''نہیں عباس! یہ بات نہیں ہے، خدا کی قسم جس دن آپ اسلام لائے تھے، اس روز مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ اگر میرا باپ زندہ ہوتا اور اسلام لاتا، تب بھی اتنی مسرت نہ ہوتی اور اس کی وجہ محض یہ تھی کہ رسول اللہ کو جس قدر آپ کے اسلام لانے سے خوشی حاصل ہوئی تھی، اتنی مسرت میرے والد کے ایمان لانے پر یقیناً نہ ہوتی۔''

مقصد یہ کہ میں تو رسول اللہ ﷺ کی خوشیوں کا متلاشی رہتا ہوں۔ وہ مسرور ہوں تو میں بھی خوش ہو جاتا ہوں، وہ ملول ہوں تو میں بھی آزردہ ہو جاتا ہوں۔ اس لئے میں جو بات بھی کرتا ہوں وہ رضائے رسول کو مدنظر رکھ کر کرتا ہوں۔ تعلقات اور رشتہ داریوں کے پیش نظر میں نے کبھی کوئی بات نہیں کی۔

بہرحال حضرت عباسؓ چونکہ ابوسفیان کو پناہ دے چکے تھے، اس لئے جانِ دو عالم ﷺ نے ان کے قول کی لاج رکھ لی اور فرمایا---''فی الحال تو اس کو لے جائیں اور اپنی تحویل میں رکھیں۔ صبح میرے پاس لائیں۔''

صبح ہوئی اور لوگ نماز کے لئے بیدار ہونے لگے تو ابوسفیان نے پوچھا کہ یہ کیا کرنے لگے ہیں؟

حضرت عباسؓ نے بتایا کہ نماز پڑھنے کی تیاری ہو رہی ہے۔ ابوسفیان نے لوگوں کو انتہائی نظم وضبط سے اٹھ کر وضو کرتے اور باجماعت نماز پڑھتے دیکھا تو بہت متاثر ہوا اور کہنے لگا ''عجیب اطاعت کا مظاہرہ ہے، محمد (ﷺ) جس کام کا بھی حکم دیتا ہے، سب بلا چون و چرا اس پر عمل کرنے لگتے ہیں! اطاعت کا ایسا منظر تو میں نے کسی بڑے سے بڑے

---

(۱) چونکہ عباسؓ اب تک مکہ میں رہے تھے اور اہل کفر و شرک کے بارے میں حضرت عمرؓ کے جذبات و احساسات سے ناواقف تھے، اس لئے وہ یہ سمجھے کہ حضرت عمرؓ یہ باتیں قبائلی عصبیت کے زیر اثر کر رہے ہیں۔ اگر وہ حضرت عمرؓ کی قلبی کیفیات سے آگاہ ہوتے تو کبھی ایسی بات نہ کہتے۔

شاہی دربار میں بھی نہیں دیکھا۔"

حضرت عباسؓ نے کہا---"یہ لوگ تو رسول اللہ کے ایسے فرمانبردار ہیں کہ اگر رسول اللہ انہیں کھانے پینے سے منع کر دیں تو یہ بھوکے پیاسے مر جائیں گے، مگر رسول اللہ کے حکم سے سرتابی نہیں کریں گے۔"

پیشی

جانِ دو عالم ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت عباسؓ نے ابوسفیان اور دوسرے دو قیدی آپ کے روبرو پیش کئے۔ آپ نے ان سے پوچھا---"کیا ابھی وہ لمحہ نہیں آیا کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے؟"

سب نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ ابوسفیان نے مزید کہا کہ اب اس میں کیا شک رہ گیا ہے؟ اگر اور کوئی خدا ہوتا تو آج ہمارے کام نہ آتا؟

اس اعتراف کے باوجود چونکہ مدتوں سے دلوں میں بتوں کی عظمت بیٹھی ہوئی تھی، خاص طور پر ابوسفیان تو عزّیٰ دیوی کا پُرجوش پجاری تھا، اس لئے کہنے لگا

"اب میں عزّیٰ کا کیا کروں گا!؟"

جانِ دو عالم ﷺ نے تو کوئی جواب نہ دیا؛ البتہ حضرت عمرؓ خیمے کے دروازے سے لگے کھڑے تھے اور باتیں سن رہے تھے۔ انہوں نے ابوسفیان کی یہ بات سن کر باہر ہی سے ہانک لگائی

"اب عزّیٰ پر بیٹھ کے قضائے حاجت کیا کر!"

ابوسفیان کھسیانا ہو کر بولا---"عمر! تو بڑا بدزبان اور فحش گو آدمی ہے، چپ کر اور مجھے محمد ﷺ سے باتیں کرنے دے۔"

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا---"یہ بھی گواہی دو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔"

حکیم ابن حزام اور بدیل ابن ورقاء نے تو بلا توقف یہ شہادت بھی دے دی؛ البتہ ابوسفیان کہنے لگا کہ اس بات میں ابھی مجھے کچھ تامل ہے۔ اس لئے فی الحال رہنے دیجئے!

حضرت عباسؓ نے کہا---"یہ گواہی بھی جلدی سے دے دے۔ ایسا نہ ہو کہ رسول اللہ کو تیرا سر قلم کرنے کا حکم دینا پڑے۔"

حضرت عباسؓ کی تحریض و ترغیب پر ابوسفیان نے پورا کلمہ شہادت پڑھ لیا اور مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

دارالامان

اسلام لانے کے بعد ابوسفیانؓ نے پوچھا---''یارسول اللہ! اگر قریش آپ کے مقابلے پر نہ آئیں اور کسی قسم کی مزاحمت نہ کریں تو ان کو امان مل جائے گی؟''

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا---''ہاں! جو شخص ہمارے مزاحم نہ ہو اس کے لئے امان ہے۔''

حضرت عباسؓ نے سرگوشی کی---''یارسول اللہ! ابوسفیان جاہ پسند آدمی ہے، اگر اس موقع پر آپ اس کی کچھ عزت افزائی فرما دیں تو خوش ہو جائے گا۔''

دریائے رحمت جوش میں آیا اور فرمایا---''مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِیْ سُفْیَانَ فَھُوَ اٰمِنٌ. ''جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کے لئے بھی امان ہے۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ! جس شخص نے اب تک مدینہ منورہ میں جانِ دو عالم ﷺ کو چین نہ لینے دیا۔ کبھی یہودیوں کو بھڑکا دیا، کبھی عربوں کو مدینہ پر چڑھا لایا، آج وہی شخص ایک قیدی کی طرح بے بس ہے اور اس کے لئے یہی انعام بس ہے کہ حضرت عباسؓ کے صدقے اس کی جان بخشی ہوگئی ہے، مگر---واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا---کہ تو نے اسی دشمن جان اور عدو امن و امان کے گھر کو دارالامان قرار دے دیا---فَصَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ عَدَدَ کُلِّ ذَرَّۃٍ اَلْفَ اَلْفِ مَرَّۃٍ.

دخول مکہ کا منظر

دوسرے دن جانِ دو عالم ﷺ نے مکہ میں داخل ہونے کے لئے کوچ کا ارادہ کیا تو حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ جس پہاڑی کے سامنے سے لشکر گزرے گا، اس پر آپ ابوسفیان کو لے کر کھڑے ہو جائیں، تاکہ ابوسفیان جیشِ الٰہی کے جاہ و جلال اور شان و شوکت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ حضرت عباسؓ نے ایسا ہی کیا اور بلندی پر کھڑے ہو کر حضرت ابوسفیانؓ کو قدسیوں کی اس عظیم جماعت کی روانگی کا منظر دکھانے لگے۔

یہ ایک عجیب روح پرور اور دلکشا نظارا تھا۔ بہت بڑا لشکر تھا۔ مختلف قبائل کے لوگ

تھے۔ ہر قبیلہ اپنی نمایاں علامت کی وجہ سے واضح طور پر پہچانا جاتا تھا۔ جب یہ قبائل مرکزی کمان کے احکام کے مطابق ایک خاص ترتیب و تنظیم سے یکے بعد دیگرے مکہ کے لئے روانہ ہونے لگے تو ان کا جوش و خروش دیدنی تھا۔ نیزوں کی انیوں اور صیقل شدہ تلواروں کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کئے دے رہی تھی۔ رجزیہ اشعار پڑھتے، نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے اور اللہ کی حمد و ثنا کے ترانے گاتے ہوئے جب یہ لوگ حضرت ابوسفیانؓ کے سامنے سے گزرے تو وہ حیران و ششدرر رہ گئے اور حضرت عباس سے کہنے لگے

''عباس! تیرا بھتیجا تو واقعی بہت بڑا بادشاہ بن گیا ہے۔''

حضرت عباسؓ نے کہا---''یہ بادشاہی کا نہیں، نبوت کا کمال ہے۔''

سب سے بڑا دستہ انصار کا تھا جو مکمل طور پر آہن پوش تھا۔ اس کا علم رئیس انصار حضرت سعدؓ ابن عبادہ کے ہاتھ میں تھا اور وہ آگے آگے یہ رجز پڑھتے ہوئے جا رہے تھے

اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَلْحَمَه اَلْیَوْمَ تُسْتَحَلُّ الْکَعْبَه

آج سخت لڑائی کا دن ہے، آج کعبہ میں جنگ لڑی جائے گی۔

حضرت سعدؓ کے اس رجز نے مکہ میں دہشت پھیلا دی اور اہل مکہ اپنی زندگیوں سے مایوس ہو گئے۔ یہ صورت حال دیکھ کر ضرار نے فی البدیہہ ایک دردناک نظم موزوں کی اور ایک عورت کو بھیجا کہ جا کر رسول اللہ کو یہ نظم سناؤ!

جانِ دو عالم ﷺ تمام دستوں کو اپنی نگرانی میں روانہ کرنے کے بعد چند جاں نثاروں کے جلو میں مکہ کی طرف بڑھ رہے تھے، کہ اچانک وہ عورت آپ کے راستے میں آ کھڑی ہوئی اور انتہائی پرسوز اور دلگداز لے میں گانے لگی۔

یَانَبِیَّ الْھُدٰی! اِلَیْکَ لَجَا حَیُّ قُرَیْشٍ وَّلَاتَ حِیْنَ لَجَاءٍ

حِیْنَ ضَاقَتْ عَلَیْھِمْ سِعَةُ الْاَرْضِ وَعَادَاھُمْ اِلٰهُ السَّمَاءِ

اِنَّ سَعْدًا یُرِیْدُ قَاصِمَةَ الظَّھْرِ بِاَھْلِ الْحَجُوْنِ وَالْبَطْحَاءِ

خَزْرَجِیٌّ لَوْ یَسْتَطِیْعُ مِنَ الْغَیْظِ رَمَانَا بِالنَّسْرِ وَالْعَوَاءِ

فَلَئِنْ اَقْحَمَ الْوَادِیَ وَ نَادٰی یَاحُمَاةَ الْاَدْبَارِ اَھْلَ اللِّوَاءِ

لَتَکُوْنَنَّ بِالْبِطَاحِ قُرَیْشٌ فَقْعَةَ الْقَاعِ فِیْ اَکُفِّ الْاِمَاءِ
فَانْهِیَنَّه‘ فَاِنَّه‘ اَسَدُ الْاُسْدِ لَدَیْ الْغَابِ وَالِغُ الدِّمَاءِ

(اے ہدایت والے نبی! قریش آپ سے پناہ کے طلب گار ہیں، حالانکہ پناہ طلب کرنے کا وقت گزر چکا ہے۔ آج زمین کی وسعت ان کے لئے تنگ ہوگئی ہے اور آسمان والا خدا ان سے ناراض ہوگیا ہے۔ سعد ابن عبادہ حجون اور بطحاء کے باسیوں کی کمر توڑ دینا چاہتا ہے۔ قبیلہ خزرج کا وہ سردار اس قدر غصے میں ہے کہ اگر اس کا بس چلے تو ہمیں اٹھا کر نسر و عواء (۱) سے پرے پھینک دے۔ اگر وہ جھنڈا اٹھائے ہوئے مکہ میں داخل ہوگیا اور اپنے ساتھیوں کو حملے کی ترغیب دے بیٹھا تو بطحاء کی سرزمین میں قریش اس طرح مسلے جائیں گے، جیسے میدان میں اگی ہوئی نرم و نازک کھمبیاں کنیزوں کے ہاتھوں میں مسلی جاتی ہیں۔

یارسول اللہ! اس کو روکیے، وہ تو یوں غضبناک ہو رہا ہے جیسے کوئی بڑا شیر اپنے بھٹ کے پاس خون پیتے وقت ہوتا ہے۔)

جانِ دوعالم ﷺ اس پُر اثر نظم سے از حد متاثر ہوئے اور پوچھا کہ سعد نے کیا کہا ہے؟

حضرت ابوسفیان نے بتایا کہ وہ کہتا ہے

اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَلْحَمَه اَلْیَوْمَ تُسْتَحَلُّ الْکَعْبَه

آج سخت لڑائی کا دن ہے، آج کعبہ میں بھی جنگ لڑی جائے گی۔

جانِ دوعالم ﷺ نے فرمایا۔۔۔ "سعد غلط کہتا ہے،

اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَرْحَمَه اَلْیَوْمَ تُعَظَّمُ الْکَعْبَه

آج کا دن رحمت و شفقت کا دن ہے۔ آج کعبہ کی تعظیم و توقیر بڑھائی جائے گی۔

بہر حال جانِ دوعالم ﷺ کو حضرت سعدؓ کا یہ انداز پسند نہ آیا اور حضرت علیؓ کو کہا کہ سعد سے علم واپس لے لیا جائے، مگر پھر اس خیال سے کہ حضرت سعدؓ کی دل شکنی نہ ہو، علم

---

(۱) نسر اور عواء ستاروں کے دو مجموعوں کے نام ہیں، جو دوری میں ضرب المثل ہیں۔

انہی کے بیٹے حضرت قیسؓ کو دے دیا۔

خونریزی کی ممانعت

اس کے بعد جانِ دو عالم ﷺ نے تمام لشکر کو حکم دیا کہ اشد ضرورت کے بغیر قطعاً کسی کا خون نہ بہایا جائے۔ جو لوگ دروازے بند کر کے گھروں میں بیٹھ جائیں، یا مسجد حرام میں داخل ہو جائیں، یا ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے لیں اور سامنے نہ آئیں، یا سامنے آئیں مگر غیر مسلح ہوں اور کسی قسم کی مزاحمت نہ کریں --- ان سب کے لئے امان ہے۔

یہ سنتے ہی حضرت ابوسفیانؓ مکہ کی طرف دوڑے اور بآواز بلند اعلان کرنے لگے

''اے قومِ قریش! محمد ﷺ اتنے بڑے لشکر کے ساتھ مکہ کی طرف بڑھ رہے ہیں کہ تم ہرگز اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے، اس لئے مزاحمت کا خیال دل سے نکال دو اور میرے گھر میں چلے جاؤ، یا مسجد حرام میں داخل ہو جاؤ، یا اپنے گھروں کے دروازے بند کر لو، یا ہتھیار ڈال کر کھڑے ہو جاؤ، ان سب صورتوں میں تمہارے لئے امان ہے۔''

اس اعلانِ عام سے وہ دہشت کم ہو گئی جو حضرت سعدؓ کے رجز نے پھیلا دی تھی اور اہل مکہ کو کسی قدر تسلی ہو گئی۔

دخولِ مکہ

جانِ دو عالم ﷺ نے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصہ حضرت خالدؓ ابن ولید کی قیادت میں بھیجا اور فرمایا کہ تم زیریں جانب سے شہر کی طرف بڑھو۔ دوسرے حصے کی کمان اپنے ہاتھ میں رکھی اور بالائی جانب سے مکہ میں داخل ہوئے۔ اس وقت آپ نے سرخ رنگ کی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ سر پر سیاہ عمامہ تھا اور اس پر خود پہن رکھا تھا۔

آج فتح و نصرت کا دن تھا، شان و شوکت کا دن تھا، کامیابی و کامرانی کا دن تھا --- ایسے میں عموماً سر فخر سے بلند ہو جاتے ہیں، گردنیں احساسِ برتری سے تن جاتی ہیں اور سینے شادمانی سے پھول جاتے ہیں۔ مگر اللہ اللہ! --- کیا شان ہے شہنشاہِ ہر دو عالم ﷺ کے انکسار و تواضع کی، کہ جب آپ کی اونٹنی مکہ میں داخل ہوئی تو آپ سکڑے سمٹے اور اس

حد تک گردن جھکائے بیٹھے تھے کہ سر کجاوے کے اگلے حصے کو چھو رہا تھا --- گویا آپ سواری کی حالت میں سربسجود تھے۔

صورت فاتح غالب ہو کر، داخلِ مکہ جب ہوئے سرور
ناقے پر آئے، سر کو جھکائے، حمد لبوں پر، ماشاء اللہ!

مزاحمت

جانِ دو عالم ﷺ کو تو مکہ میں داخل ہوتے وقت کسی قسم کی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا؛ البتہ حضرت خالد ابن ولیدؓ کو بعض ناعاقبت اندیش جوانوں نے روکنے کی کوشش کی اور ان کا انجام وہی ہوا جو اللہ کی تلوار کو روکنے والوں کا ہونا چاہئے تھا --- تیرہ آدمی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور باقی بھاگ اٹھے۔

جانِ دو عالم ﷺ نے چونکہ خونریزی سے منع کیا تھا، اس لئے حضرت خالدؓ کو بلا کر پوچھا کہ تم نے میرے منع کرنے کے باوجود اتنے آدمیوں کو کیوں قتل کر دیا ---؟

حضرت خالدؓ نے عرض کی --- "یا رسول اللہ! لڑائی کا آغاز میں نے نہیں کیا تھا۔ میں تو تصادم سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرتا رہا، مگر جب وہ لوگ ہتھیار اٹھا کر مقابلے پر آ گئے تو اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ ان کو راستے سے ہٹا دیا جائے۔"

چونکہ امان صرف ان لوگوں کے لئے تھی جو غیر مسلح ہوں، اس لئے جانِ دو عالم ﷺ حضرت خالدؓ کے اس جواب سے مطمئن ہو گئے اور فرمایا

"قَضَاءُ اللّٰهِ خَيْرٌ." (اللہ کا فیصلہ ہمیشہ بہتر ہوتا ہے۔)

طواف

مکہ مکرمہ میں جانِ دو عالم ﷺ کے لئے ایک مناسب مقام پر خیمہ نصب کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ آپ مکہ میں داخل ہونے کے بعد اس میں تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر آرام فرمایا، پھر غسل کیا اور تیار ہو کر باہر نکل آئے۔ دروازے کے سامنے ہزاروں جاں نثار باادب اور خاموش کھڑے آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ حضرت محمدؓ ابن مسلمہ نے خیمے کے بالکل قریب آپ کی مخصوص اونٹنی بٹھا رکھی تھی۔ اس پر آپ ﷺ سوار ہو گئے۔ حضرت محمدؓ

ابن مسلمہ نے مہار تھام لی اور سوئے کعبہ چل پڑے۔ پیچھے پیچھے ہزاروں افراد کا لہریں لیتا ہوا دریا بھی رواں ہو گیا اور جب جانِ دو عالم ﷺ نے ان کی معیت میں طواف شروع کیا تو سب خوشی سے از خود رفتہ ہو گئے---اور کیوں نہ ہوتے---؟ کہ یہ دن تھا ہی بے پایاں مسرت کا---! پورے عرب کا مرکزی مقام مکہ مکرمہ آج اہل اسلام کے تصرف میں آ چکا تھا اور اللہ کے جس گھر کے گرد طواف کرنے کے لئے انہیں مشرکین مکہ سے اجازت لینی پڑتی تھی، آج اس کا طواف کرنے میں رکاوٹ ڈالنا تو درکنار، کسی کو ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ تھی۔ لیکن اس منزل تک پہنچنے کے لئے انہیں کئی سال تک شبانہ روز جدوجہد کرنی پڑی تھی، تب کہیں برتر و بالا خداوند نے ان پر اتنا بڑا کرم کیا تھا۔ ان کے دل جذباتِ تشکر سے معمور تھے اور زبانیں اللہ کی عظمت و کبریائی کا اعلان کر رہی تھیں

اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ ۔

نعرہ ہائے تکبیر سے مکہ کے پہاڑ گونج رہے تھے اور کفار و مشرکین کے دل دہل رہے تھے---وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ ۔

بت شکنی

کعبہ معظمہ پر مشرکین عرب نے یہ عجیب ستم ڈھایا تھا کہ جس گھر کو ابراہیم خلیل اللہ جیسے عظیم بت شکن نے صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کے لئے بنایا تھا، اسی بیت اللہ کو شرک و بت پرستی کا گڑھ بنا ڈالا تھا اور اس کے اردگرد ایک دو نہیں، پورے تین سو ساٹھ چھوٹے بڑے اور رنگ برنگ بت نصب کر دیئے تھے، جنہیں پوجا جاتا تھا اور طواف کے دوران ان پر ہاتھ پھیر کر تبرک حاصل کیا جاتا تھا۔ ان بتوں کی تنصیب اتنی پختگی اور مضبوطی سے کی گئی تھی کہ ان کو ہلانا جلانا اور اپنی جگہ سے ہٹانا انتہائی مشکل تھا۔ مگر جانِ دو عالم ﷺ کا اعجاز دیکھئے کہ طواف کے دوران آپ نے ہاتھ میں ایک چھڑی پکڑ رکھی تھی؛ جونہی آپ کسی بت کے سامنے پہنچتے، قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ۔ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ پڑھتے ہوئے اس کو چھڑی کی نوک سے ہلکا سا دھکا دیتے اور بڑے سے بڑا بت دھڑام سے نیچے گر پڑتا۔

طواف ختم ہونے تک بیشتر معبودانِ باطلہ کا صفایا ہو چکا تھا اور اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے شکستہ ڈھانچے ان کی بے بسی اور بے کسی کا عبرتناک نظارا پیش کر رہے تھے۔ ان میں ایک ڈھانچہ ہبل کا بھی تھا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر حضرت زبیرؓ ابن عوام نے حضرت ابوسفیانؓ سے کہا

''دیکھ لو، ہبل کس طرح ٹوٹ پھوٹ گیا ہے اور ذرا سوچو کہ اُحد کے دن تم کیسے دھوکے اور غلط فہمی میں مبتلا تھے، جب اُعْلُ ھُبُلُ کے نعرے لگا رہے تھے!''

حضرت ابوسفیانؓ نے کہا---''عوّام کے بیٹے! اب ان باتوں کو جانے دو، ظاہر ہے کہ اگر یہ بت خدا ہوتے تو ان کا یہ حشر ہرگز نہ ہوتا۔''

طواف کے بعد جانِ دو عالم ﷺ نے مقامِ ابراہیم کے نزدیک نفل پڑھے، پھر چاہِ زمزم کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت عباسؓ نے پانی کا ڈول نکال کر پیش کیا، جسے آپ نے پینے کے بعد اپنے چہرے اور ہاتھوں پر ڈال لیا۔ آپ کے جسمِ اقدس سے ٹپکنے والے پانی کو حاصل کرنے کے لئے صحابہ کرام ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرنے لگے۔

یہ منظر دیکھ کر اہل مکہ بہت حیران ہوئے اور آپس میں کہنے لگے

''کسی بادشاہ کی ایسی تعظیم وتکریم آج تک دیکھی، نہ سنی۔''

زمین پر نصب شدہ تمام بت تو ٹوٹ چکے تھے؛ البتہ ایک بہت بڑا بت کعبہ کے اوپر نصب تھا اور ابھی تک محفوظ تھا۔ چنانچہ جانِ دو عالم ﷺ طواف وغیرہ سے فارغ ہو کر اس کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت علیؓ سے کہا کہ اِدھر کعبہ کی دیوار کے پاس بیٹھ جا! میں تیرے کندھے پر چڑھ کر اس کو گراتا ہوں۔

حضرت علیؓ حسب ارشاد بیٹھ گئے تو جانِ دو عالم ﷺ ان کے کندھوں پر کھڑے ہو گئے اور فرمایا---''اب اٹھ جا!''

حضرت علیؓ تھوڑا سا اٹھے، مگر اپنی تمام تر قوت وطاقت کے باوجود پوری طرح اٹھنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ آپ نے فرمایا---''بیٹھ جاؤ!''

حضرت علیؓ بیٹھ گئے تو آپ اتر آئے اور فرمایا---''اب میں بیٹھتا ہوں، تو

میرے کندھوں پر کھڑا ہو کر کعبے پر چڑھ جا!‘‘

حضرت علیؓ اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَبِ کے مطابق آپ کے شانوں پر کھڑے ہوئے تو آپ اٹھ گئے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس وقت مجھ کو ایسا عروج نصیب ہوا کہ میں سمجھتا تھا اگر میں افق کر چھونا چاہوں تو بآسانی چھو سکتا ہوں۔ چنانچہ میں بآسانی کعبہ پر چڑھ گیا اور اس بت کو گرانے کی کوشش کرنے لگا۔ اگرچہ یہ بت بھی بہت مضبوطی سے جما ہوا تھا اور بھاری زنجیروں سے بندھا ہوا تھا؛ تاہم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوت سے میں اس کو اپنی جگہ سے ہلانے میں کامیاب ہو گیا۔ نیچے سے رسول اللہ ﷺ میری طرف دیکھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے

’’ہاں! ہاں! سچ ہے جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ......‘‘

آخر بت اکھڑ گیا اور میں نے دھکا دے کر اس کو نیچے پھینک دیا۔

اس طرح آخری بت بھی پاش پاش ہو گیا اور اللہ کا گھر اس آلودگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پاک ہو گیا۔ (۱)

---

(۱) علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ ایک لحاظ سے صدیق اکبرؓ کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے اور دوسرے اعتبار سے حضرت علیؓ کا غیر معمولی شرف ظاہر کرتا ہے۔

صدیق اکبرؓ کی فضیلت اس لحاظ سے ہے کہ وہ کوئی بہت زیادہ قوی اور توانا شخص نہیں تھے، مگر اس کے باوجود انہوں نے شب ہجرت رسول اللہ ﷺ کو اپنے کاندھوں پر اٹھا کر طویل فاصلہ طے کیا تھا اور آپ کو غار ثور میں پہنچایا تھا؛ جبکہ حضرت علیؓ انتہائی زورآور ہونے کے باوجود آپ کو اٹھانے میں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکے۔ معلوم ہوا کہ حضرت صدیق اکبرؓ میں بار نبوت اٹھانے کی صلاحیت بنسبت حضرت علیؓ کے کہیں زیادہ تھی۔ اور حضرت علیؓ کا شرف تو ظاہر باہر ہے کہ ان کو سرور کونین ﷺ کے مقدس شانوں پر کھڑا ہونے کی سعادت حاصل ہوئی اور یہ ایک ایسا اعزاز ہے، جس میں کوئی بھی ان کا ہمسر نہیں۔

موقع کی مناسبت سے یہاں علامہ زرقانی نے چند اشعار لکھے ہیں۔ شاعر کا نام تو ذکر نہیں کیا، مگر کہا ہے کہ ’’قَدْ اَجَادَ الْقَائِلُ‘‘ (کہنے والے نے خوب کہا ہے) اور واقعی خوب کہا ہے، لیجئے! آپ بھی لطف اٹھایئے ☜

کعبہ کی چابی

یہ اس زمانے کی بات ہے جب جانِ دو عالم ﷺ مکہ میں رہا کرتے تھے اور ابھی ہجرت کر کے مدینہ نہیں تشریف لے گئے تھے۔ ان دنوں ہفتے میں دو روز، یعنی جمعہ اور سوموار کو کعبہ کا دروازہ عام لوگوں کے لئے کھول دیا جاتا، تاکہ جس کا جی چاہے کعبہ کے اندر جا کر عبادت کر سکے۔ دروازہ کھولنا اور بند کرنا عثمان ابن طلحہ کے ذمہ تھا، کیونکہ وہی کعبہ کا کلید بردار تھا۔ ایک دن اپنے معمول کے مطابق عثمان دروازہ کھولے، ہاتھ میں چابی پکڑے، بابِ کعبہ کے پاس کھڑا تھا اور لوگ کعبہ میں آ، جا رہے تھے، کہ اچانک عثمان کی نظر جانِ دو عالم ﷺ پر پڑی جو کعبہ میں داخل ہونے کیلئے چلے آ رہے تھے۔ ان دنوں اعلانِ توحید و رسالت کی وجہ سے سارا مکہ آپ کا دشمن ہو رہا تھا۔ عثمان بھی آپ کو دیکھ کر آگ بگولہ ہو گیا اور آپ کو مخاطب کر کے جو کچھ منہ میں آیا کہتا چلا گیا۔ جانِ دو عالم ﷺ نے اس کے سب وشتم کا تو کوئی جواب نہ دیا؛ البتہ نہایت یقین و اعتماد سے فرمایا

''عثمان! عنقریب تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا کہ کعبہ کی یہ چابی، جو آج تیرے ہاتھ میں ہے، ایک دن میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جس کو چاہوں گا، دے دوں گا۔''

یَا رَبِّ! بِالْقَدَمِ الَّتِیْ بَلَّغْتَهَا ۔۔۔ مِنْ قَابَ قَوْسَیْنِ الْمَحَلَّ الْاَعْظَمَا

وَبِحُرْمَةِ الْقَدَمِ الَّتِیْ جُعِلَتْ لَهَا ۔۔۔ كَتِفُ الْمُؤَيَّدِ بِالرِّسَالَةِ سُلَّمَا

ثَبِّتْ عَلٰى مَتْنِ الصِّرَاطِ تَكَرُّمًا ۔۔۔ قَدَمِیْ وَكُنْ لِّیْ مُنْقِذًا وَّمُسَلِّمَا

واجعلهُما ذُخرِیْ فَمَنْ كَانَا لَهٗ ۔۔۔ ذُخْرًا فَلَيْسَ يَخَافُ قَطُّ جَهَنَّمَا

(اے میرے رب! ان پاؤں کے صدقے جنہیں تو نے قاب قوسین کے عظیم ترین مقام تک پہنچایا (یعنی جانِ دو عالم ﷺ کے پاؤں) اور ان پاؤں کی حرمت کے صدقے جن کے لئے صاحب رسالت کے شانوں کو سیڑھی بنایا گیا (یعنی حضرت علیؓ کے پاؤں) میرے پاؤں کو ازروئے کرم پل صراط پر لغزش سے بچانا اور مجھے وہاں سے بسلامتی گزار دینا۔ انہی پاؤں کو قیامت کے دن میرا توشہ بھی بنانا، کیونکہ جس کا توشہ یہ پاؤں ہوں، اس کو جہنم کا کوئی خوف نہیں رہتا۔)

''اگر ایسا ہوا تو یہ قریش کی ہلاکت اور ذلت کا دن ہوگا۔'' عثمان بولا۔

''نہیں، بلکہ قریش کی سربلندی اور عزت کا دن ہوگا۔'' جانِ دو عالم ﷺ نے جواب دیا۔

عثمان کہتا ہے کہ یہ بات محمد (ﷺ) نے اتنے وثوق سے کہی تھی کہ میرے دل میں جم گئی اور مجھے یقین ہوگیا کہ ایک دن ایسا ہو کر رہے گا۔

اور آج --- ایسا ہو چکا تھا۔ مکہ پر جانِ دو عالم ﷺ کا مکمل قبضہ تھا اور طواف وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد اب آپ کعبہ میں داخل ہونا چاہتے تھے۔ چنانچہ عثمان کو بلایا اور چابی طلب کی۔ عثمان نے کہا کہ چابی میری ماں کے پاس ہے، میں ابھی لے کر آتا ہوں۔

عثمان کی ماں خانہ نشین عورت تھی۔ اس کو باہر کی صورتِ حال کا صحیح علم نہیں تھا۔ چنانچہ جب عثمان نے اس سے چابی مانگی تو اس نے کہا

''لات و عزّیٰ کی قسم! میں ہرگز یہ چابی کسی کو نہ دوں گی!''

عثمان نے کہا --- ''اب نہ کوئی لات ہے نہ عزّیٰ --- کیا تو چاہتی ہے کہ میں مار ڈالا جاؤں اور تلوار کی نوک میرے سینے سے آر پار ہو جائے --- ؟''

یہ سن کر اور بیٹے کی خوفزدہ شکل دیکھ کر عثمان کی ماں کو حالات کی سنگینی کا احساس ہوگیا۔ چنانچہ اس نے چابی نکال کر عثمان کے حوالے کر دی اور عثمان نے لا کر جانِ دو عالم ﷺ کے ہاتھ میں دے دی۔

عثمان کہتا ہے --- ''جب میں چابی آپ ﷺ کے حوالے کر کے مڑنے لگا، تو آپ نے مجھے پکارا اور کہا --- ''عثمان! میری وہ بات پوری ہوگئی کہ نہیں --- ؟''

اس وقت میری نگاہوں میں وہ سارا منظر گھوم گیا جب میں نے کعبہ کے دروازے پر آپ کو برا بھلا کہا تھا اور آپ نے کہا تھا کہ ایک دن یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جس کو چاہوں گا، دے دوں گا۔ چنانچہ میں نے عرض کی --- ''بلاشبہ آپ کی بات حرف بحرف پوری ہوگئی ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔''

آپ نے فرمایا --- ''اِدھر آ!'' --- میں قریب گیا تو آپ نے وہی چابی میرے ہاتھ پر رکھ دی اور فرمایا --- ''لے سنبھال اسے، اب یہ ہمیشہ کے لئے تیرے

گھرانے میں رہے گی اور کوئی ظالم ہی اس کو تمہارے خاندان سے چھیننے کی کوشش کرے گا۔"

اظہارِ حیرت و تعجب کے لئے اردو زبان میں جتنے الفاظ بھی مستعمل ہیں، وہ عفو و احسان کے اس حیران کن مظاہرے کی ترجمانی سے قاصر ہیں---لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ --- "وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔"

کعبہ میں داخلہ

چابی واپس کرنے کے بعد جانِ دو عالم علیہ السلام نے حضرت عثمانؓ بن طلحہ سے کہا کہ اب ہمارے لئے کعبہ کا دروازہ کھول دو۔ عثمان نے دروازہ کھولا تو جانِ دو عالم علیہ السلام نے دیکھا کہ ظالموں نے کعبہ کو اندر سے بھی نگار خانہ بنا رکھا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت مریمؑ اور نہ جانے کس کس کی خیالی تصاویر جابجا آویزاں تھیں۔ کچھ تصویریں دیواروں پر پینٹ کی ہوئی تھیں۔ "آرٹ اور ثقافت کے یہ نادر نمونے" دیکھ کر جانِ دو عالم علیہ السلام کو ازحد دکھ ہوا اور فرمایا کہ جب تک شرک کی ان یادگاروں کو نیست و نابود نہیں کر دیا جاتا، میں کعبہ میں نہیں داخل ہوں گا۔

پھر حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ کعبہ کو ہر قسم کی تصویروں سے مکمل طور پر پاک کر دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے لٹکی ہوئی تصاویر نکال کر باہر پھینک دیں اور پینٹ کی ہوئی تصویروں کو اچھی طرح رگڑ رگڑ کر دھو ڈالا۔ باقی تو صاف ہو گئیں مگر حضرت ابراہیم کی تصویر اتنے پکے رنگوں سے بنائی گئی تھی کہ پوری طرح نہ مٹ سکی۔ مجبوراً اس کو اسی طرح چھوڑ دیا گیا۔

یہ کارروائی مکمل ہو گئی تو جانِ دو عالم علیہ السلام حضرت اسامہؓ اور حضرت بلالؓ کی معیت میں کعبہ کے اندر داخل ہوئے۔ اس وقت آپ کی نظر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصویر پر پڑی، جو پوری طرح صاف نہیں ہوئی تھی۔ اس تصویر میں حضرت ابراہیمؑ کو ایک ضعیف العمر بوڑھے کی شکل میں تیروں کے ذریعے فال نکالتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔

جانِ دو عالم علیہ السلام نے فرمایا--- "اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا بیڑا غرق کرے، انہیں اچھی طرح پتہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے کبھی تیروں سے فال نہیں نکالی۔ اس کے باوجود
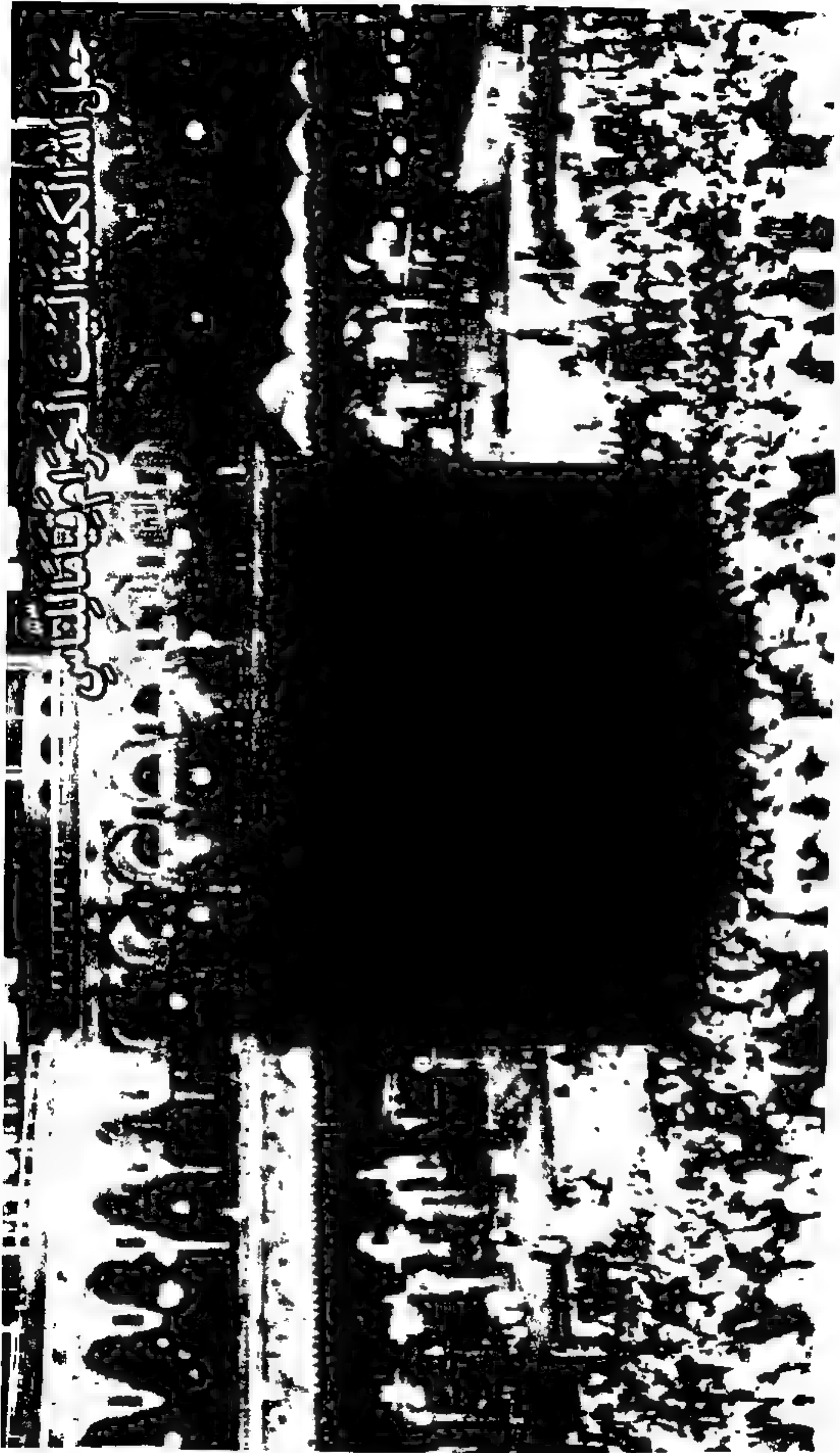
ظالموں نے ان کو یہ روپ دے دیا ہے!''

پھر حضرت عمرؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ---''میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ ہر قسم کی تصویر کو یکسر مٹا دو---!؟ لاؤ پانی، میں خود دھوتا ہوں۔''

پانی لایا گیا تو آپ نے اپنے دستِ مبارک سے نہ صرف حضرت ابراہیمؑ کی تصویر کو؛ بلکہ بعض دیگر تصاویر کو بھی، جن کے ہلکے ہلکے نشانات باقی تھے، دھو دھو کر پوری طرح صاف کر دیا اور ان کا نام ونشان تک نہ چھوڑا۔

پھر کعبہ میں دو رکعت نماز پڑھی اور دعا وغیرہ سے فارغ ہو کر کعبہ کے دروازے میں آ کھڑے ہوئے۔ بابِ کعبہ خاصی بلندی پر ہے۔ آپ کو وہاں جلوہ آراء دیکھ کر لوگ ہر طرف سے سمٹ آئے کہ شاید آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک بڑا مجمع اکٹھا ہو گیا۔ دس بارہ ہزار تو صحابہ کرامؓ ہی تھے۔ علاوہ ازیں ہزاروں کی تعداد میں اہل مکہ بھی دھڑکتے دلوں کے ساتھ اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کے منتظر تھے۔ جب اجتماع پُرسکون ہو گیا تو آپ نے خطاب شروع کیا۔ آپ کے بے شمار معجزات میں سے ایک معروف معجزہ یہ بھی ہے کہ سامعین کی تعداد خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو، ان میں سے دور ترین آدمی کو بھی، بغیر کسی ذریعے اور واسطے کے، آپ ﷺ کی آواز اسی طرح واضح اور صاف سنائی دیتی تھی جیسے قریب ترین شخص کو۔ آپ نے فرمایا

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تمام جتھوں کو تنہا بھگا دیا۔ سن لو! کہ جن چیزوں پر تم فخر کیا کرتے تھے اور نسل درنسل انتقام اور خون بہا کا سلسلہ جاری رکھا کرتے تھے، وہ سب کچھ میں نے اپنے پاؤں تلے روند ڈالا ہے؛ البتہ کعبہ کی دیکھ بھال اور حاجیوں کو پانی پلانے کا اعزاز آئندہ بھی برقرار رہے گا۔

اے قومِ قریش! جاہلیت کا غرور اور نسب کی بنا پر بڑائی اور برتری کے دعوے اللہ تعالیٰ نے باطل قرار دے دیئے ہیں۔ سب لوگ آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

﴿یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ o﴾

(لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے، تا کہ تعارف میں آسانی رہے۔ لیکن اللہ کے ہاں معزز وہ ہے، جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ بے شک اللہ علم و خبر رکھنے والا ہے۔)

اللہ اور اس کے رسول نے شراب کی خرید و فروخت حرام قرار دے دی ہے۔

لوگو! اللہ تعالیٰ نے مکہ کو ابتدائے آفرینش سے حرم بنایا ہے اور قیامت تک حرم رہے گا۔ کسی مؤمن کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ یہاں لڑائی کرے، یا یہاں کے درخت کاٹے۔ اگر کوئی یہاں جنگ کرنا چاہے اور یہ دلیل پیش کرے کہ رسول اللہ نے یہاں لڑائی کی تھی تو اس کو بتا دینا کہ رسول اللہ کو اللہ تعالیٰ نے اجازت دی تھی اور وہ بھی صرف دن کے چند لمحات کے لئے، جبکہ اور کسی کو یہ اجازت نہیں ہے۔ اب یہ ہمیشہ کے لئے اسی طرح حرم ہے جیسا کہ شروع سے چلا آ رہا ہے۔

جو لوگ یہاں حاضر ہیں، انہیں چاہئے کہ میری باتیں ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔"

خطاب ختم ہوا تو آپ نے پورے مجمع پر ایک بھرپور نظر ڈالی۔ مکہ کے تقریباً سارے مرد مجرموں کی طرح سر جھکائے اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کے لئے ہمہ تن گوش تھے اور بقول علامہ شبلی:

"ان میں وہ "حوصلہ مند" بھی تھے، جو اسلام کے مٹانے میں سب کے پیشرو تھے۔ وہ بھی تھے، جن کی زبانیں رسول اللہ صلعم پر گالیوں کے بادل برسایا کرتی تھیں۔ وہ بھی تھے، جن کی تیغ و سناں نے پیکرِ قدسی کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں۔ وہ بھی تھے، جنہوں نے آنحضرت صلعم کے راستے میں کانٹے بچھائے تھے۔ وہ بھی تھے، جو وعظ کے وقت آنحضرت کی ایڑیوں کو لہولہان کر دیا کرتے تھے۔ وہ بھی تھے، جن کی تشنہ لبی خونِ نبوت کے سوا کسی چیز سے بجھ نہیں سکتی تھی۔ وہ بھی تھے، جن کے حملوں کا سیلاب مدینہ کی دیواروں سے آ آ کر ٹکراتا تھا۔

وہ بھی تھے، جو مسلمانوں کو جلتی ہوئی ریگ پر لٹا کر ان کے سینوں پر آتشیں مہریں لگایا کرتے تھے۔

رحمتِ عالم ﷺ نے ان کی طرف دیکھا اور خوف انگیز لہجہ میں پوچھ ---"تم کو کچھ معلوم ہے، میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں---؟"

یہ لوگ اگر چہ ظالم تھے، شقی تھے، بے رحم تھے، لیکن مزاج شناس تھے۔ پکار اٹھے کہ اَخٌ کَرِیْمٌ وَابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ۔ آپ شریف بھائی ہیں اور ایک شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔

ارشاد ہوا:

لَاتَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ، اِذْھَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ.

(تم پر کچھ الزام نہیں ہے، جاؤ تم سب آزاد ہو۔)(۱)

سبحان اللہ---! کیا شان ہے فاتح مکہ کے عفوو درگزر اور رحم و کرم کی---!!

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ   کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ

حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ   صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

مساواتِ محمدی

حضرت اسامہ ﷺ (۲)، حضرت زید ﷺ (۳) کے بیٹے تھے اور حضرت زیدؓ کو اگر چہ جانِ دو عالم ﷺ نے آزاد کر کے اپنا بیٹا بنا لیا تھا؛ تاہم جانِ دو عالم ﷺ کے پاس وہ آئے تو بطور غلام ہی تھے، اس لئے انساب پر فخر کرنے والے عرب معاشرے میں حضرت اسامہؓ کی حیثیت ایک غلام زادے سے زیادہ نہ تھی۔ اسی طرح حضرت بلال ﷺ (۴) بھی اگر چہ آزاد ہو چکے تھے، مگر اہل عرب آزاد شدہ غلاموں کو بھی کمتر اور حقیر سمجھتے تھے۔ جانِ دو عالم ﷺ نے ان نظریات کو باطل کرنے کے لئے ایک طرف تو خطبے میں یہ اعلان فرما دیا کہ جاہلیت کا غرور اور انساب کی بنا پر برتری کے دعوے اللہ تعالیٰ نے باطل قرار دے دیئے ہیں، دوسری طرف اس مساوات کا عملی مظاہرہ یوں کیا کہ جب آپ مکہ میں داخل ہوئے تو حضرت

---

(۱) سیرت النبی، ج ۱، ص ۴۷۵۔

(۲)، (۳)، (۴) تینوں کے حالات علی الترتیب جلد اول ص ۳۲۲، ص ۱۷۵، ص ۱۷۹ پر گزر چکے ہیں۔

اسامہؓ کو اپنے پیچھے بٹھا رکھا تھا اور جب کعبہ میں داخل ہوئے تو حضرت اسامہؓ اور حضرت بلالؓ کی معیت میں داخل ہوئے۔ حالانکہ وہاں ابوبکر و عمر، عثمان و علی رضی اللہ عنہم سبھی موجود تھے۔ مگر جانِ دو عالم ﷺ نے اپنی معیت کا اعزاز ایک غلام اور ایک غلام زادے کو بخشا، تا کہ اہل مکہ مساواتِ محمدی کا یہ نظارا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

پھر نماز ظہر کا وقت آیا تو حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ کعبہ کے اوپر چڑھ کر اذان دو! اور وہی شہر جس کی گلیوں میں مشرکین کے بچے حضرت بلالؓ کو گلے میں رسا ڈال کر گھسیٹا کرتے تھے اور جہاں ان کا آقا انہیں گرم ریت پر لٹا کر خاردار شاخوں سے پیٹا کرتا تھا، آج اسی شہر کے مقدس ترین مقام کعبہ مکرمہ کے اوپر حضرت بلالؓ بصد اعزاز و اجلال کھڑے تھے اور ان کی پُرشکوہ آواز سے مکہ کے در و دیوار اور کوچہ و بازار گونج رہے تھے۔

غلاموں کی یہ عزت افزائی دیکھ کر سردارانِ قریش کے سینوں پر سانپ لوٹ رہے تھے۔ اسید کے بیٹوں نے کہا---"شکر ہے کہ ہمارا باپ یہ منظر دیکھنے کے لئے زندہ نہیں رہا، ورنہ اس کے لئے ناقابلِ برداشت ہوتا۔"

ایک اور سردار، سعید کے بیٹوں نے کہا---"اللہ کا بڑا کرم ہوا کہ ہمارا والد بھی اس کالے کو کعبہ کے اوپر چیختا دیکھنے سے پہلے ہی مر چکا ہے۔"

ایک اور بولا---"واقعی یہ عظیم حادثہ ہے کہ ایک غلام، شرفاء سے اونچا کھڑا ہے اور چلا رہا ہے۔"

غرضیکہ سردارانِ قریش ایک الگ تھلگ گوشے میں بیٹھے اسی طرح کی سرگوشیاں کر کے جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہے تھے کہ اچانک جانِ دو عالم ﷺ ان کے پاس آ کھڑے ہوئے اور جو کچھ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا تھا، اس کی ایک ایک تفصیل بیان کرنے کے بعد فرمایا

"یہی باتیں کر رہے تھے نا تم لوگ---؟"

انہوں نے کہا---"اگر یہاں سے کوئی اٹھ کر گیا ہوتا تو ہم سمجھتے کہ اس نے آپ کو مطلع کر دیا ہے، مگر ہم تو سب یہیں بیٹھے ہیں، اس لئے اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ اللہ

تعالیٰ نے آپ کو ہماری آپس کی گفتگو سے آگاہ کر دیا ہے۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔"

تواضع

صدیق اکبر ﷜ کے والد ابو قحافہ مکہ مکرمہ میں رہتے تھے اور اگرچہ انہوں نے ان سازشوں میں کبھی حصہ نہیں لیا جو مشرکین مکہ، جانِ دو عالم ﷺ کے خلاف کیا کرتے تھے؛ تاہم دولتِ اسلام سے ابھی تک بہرہ ور نہیں ہوئے تھے۔ فتح مکہ کے وقت وہ اتنے ضعیف العمر تھے کہ بینائی ختم ہو چکی تھی۔ صدیق اکبرؓ ان کا ہاتھ تھامے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی---"یا رسول اللہ! یہ میرے والد ہیں۔"

جانِ دو عالم ﷺ نے ان کے بڑھاپے اور ناتوانی کو دیکھا تو صدیق اکبرؓ سے فرمایا---"اتنے بوڑھے آدمی کو میرے پاس لانے کے بجائے اگر مجھے کہا ہوتا تو میں خود تمہارے گھر چلا جاتا۔"

صدیق اکبرؓ نے عرض کی---"نہیں یا رسول اللہ! یہ تو میرے والد کا حق بنتا ہے کہ وہ آپ کی خدمت میں حاضری دیں۔"

جانِ دو عالم ﷺ نے ابو قحافہ کے سینے پر دستِ مبارک رکھا اور فرمایا "اَسْلِمْ" (اسلام میں داخل ہو جاؤ)---ابو قحافہ نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔(۱)

فکرِ ہجر و فراق

کوہ صفا---صفا کی وہی پہاڑی جس پر کھڑے ہو کر جانِ دو عالم ﷺ نے پہلی بار مشرکین کو اکٹھا کر کے توحید کی دعوت دی تھی تو ابولہب نے آپ پر سنگباری کی تھی اور بے

---

(۱) صحابہ کرامؓ میں سے چند ایسے خوش نصیب بھی ہیں، جن کی تین پشتیں صحابیت کے اعزاز سے سرفراز ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت ابو قحافہ بھی ہیں، کہ وہ خود بھی صحابی ہیں، ان کے بیٹے صدیق اکبرؓ بھی صحابی ہیں اور صدیق اکبرؓ کی اولاد بھی اس شرف سے بہرہ مند ہے؛ بلکہ صدیق اکبرؓ کی ایک بیٹی تو صحابیت سے بھی بلند مقام پر فائز ہیں۔ یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ جو زوجۂ رسول ہیں اور اُمّ المؤمنین ہیں۔

حد گستاخی سے پیش آیا تھا --- آج اسی کوہ صفا پر جانِ دو عالم ﷺ فاتحانہ شان سے کھڑے تھے اور کعبہ کی طرف دیکھتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہے تھے۔ اس وقت انصار کو ایک عجیب خیال آیا اور ان کے دل حزن و ملال سے بھر گئے۔ انہوں نے سوچا کہ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے ہمارے پاس تو اس لئے تشریف لے گئے تھے کہ یہاں کے باسیوں نے اس شہر میں آپ کا جینا دوبھر کر دیا تھا، ورنہ اس سے بہتر جگہ اور کون سی ہوسکتی تھی۔ یہاں اللہ کا گھر ہے اور رسول اللہ کا سارا خاندان یہیں آباد ہے اور اب --- جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو آپ کے مکمل قبضہ و تصرف میں دے دیا ہے --- تو ظاہر ہے کہ آپ اپنے آبائی وطن میں اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے پاس رہیں گے --- ہمارے ساتھ بھلا کیوں جانے لگے! --- اس سوچ نے ان وارفتگانِ عشق و محبت کو اس قدر افسردہ کیا کہ غمِ فراق ان کے چہروں سے عیاں ہوگیا۔ جانِ دو عالم ﷺ دعا سے فارغ ہوئے تو ان کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا کہ تم کیوں اس قدر آزردہ نظر آ رہے ہو ---؟ انصار نے ہچکچاتے ہوئے اپنے غم اور پریشانی کا سبب بتا دیا۔ جانِ دو عالم ﷺ نے ان کی باتیں سنیں تو پیار آمیز غصے سے گویا ہوئے --- ''معاذ اللہ! یہ کیا سوچنا شروع کر دیا ہے تم لوگوں نے ---؟! یاد رکھو کہ میرا جینا مرنا تمہارے ساتھ ہے'' اَلْمَحْیَا مَحْیَاکُمْ وَالْمَمَاتُ مَمَاتُکُمْ. '' --- اور قارئین کرام! آپ خود ہی سوچئے کہ اپنے محبوب آقا کی زبان سے یہ مژدۂ جانفزا سن کر ان کے سرور و نشاط کا کیا عالم ہوا ہوگا --- !!!

عورتوں کی بیعت

اسی صفا کی پہاڑی پر بیٹھ کر جانِ دو عالم ﷺ نے لوگوں سے بیعت لی تھی۔ بیعت ہونے والوں میں مرد بھی شامل تھے اور عورتیں بھی۔ عورتوں کی بیعت کا طریقہ یہ تھا کہ آپ کے سامنے پانی کا بھرا ہوا پیالہ رکھا تھا۔ اس میں آپ اپنا دستِ اقدس ڈبوتے، پھر عورتیں اپنے ہاتھ ڈبوتیں۔ اس کے بعد جانِ دو عالم ﷺ ان سے توحید و رسالت اور سمع و طاعت کا عہد لیتے اور یوں بیعت مکمل ہو جاتی۔

ایک عورت بہت سی عورتوں کے جھرمٹ میں نقاب اوڑھے ہوئے آئی اور کہنے لگی

''الحمدللہ، کہ اللہ نے اپنے پسندیدہ دین کو غلبہ عطا فرمایا۔ یا محمد! (ﷺ) مجھے یقین ہے کہ میں بھی آپ کی رحمت سے حصہ پاؤں گی، کیونکہ میں اللہ پر ایمان لانے والی اور تصدیق کرنے والی عورت ہوں۔''

یہ کہہ کر اس نے نقاب اٹھا دیا اور کہا

''میں ہند ہوں، عتبہ کی بیٹی اور ابوسفیان کی بیوی۔''

قارئینِ کرام! یہ وہی ہند ہے جس نے حضرت حمزہ کا کلیجہ چبایا تھا، مگر حیرت ہوتی ہے کہ ایسی عورت بھی جب ایمان لے آئی تو رحمۃ للعالمین نے اس کے سارے قصور یکسر معاف کر دیئے اور جبینِ انور پر کوئی شکن لائے بغیر نہایت فراخدلی سے فرمایا

''مَرْحَبًا بِکِ.'' (خوش آمدید)

اس کے بعد آپ نے ہند اور اس کے ساتھ آئی ہوئی عورتوں کو بیعت کیا اور ان سے مندرجہ ذیل باتوں کا عہد لیا۔ اس وقت آپ خود نہیں بول رہے تھے؛ بلکہ حضرت عمرؓ آپ کی ترجمانی کر رہے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے کہا---''اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا!''

ہند نے کہا---''اگر اللہ کا کوئی شریک ہوتا تو آج ہمارے کام نہ آتا؟!''

حضرت عمرؓ نے کہا---''چوری نہ کرنا۔''

ہند نے کہا---''یا رسول اللہ! میرا خاوند ابوسفیان بہت کنجوس آدمی ہے، کیا اس کے علم میں لائے بغیر میں اس کی اولاد پر کچھ خرچ کر سکتی ہوں؟''

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا---''ہاں، ضرورت کے مطابق لے سکتی ہو۔''

حضرت عمرؓ نے کہا---''زنا، نہ کرنا!''

ہند نے کہا---''کیا آزاد عورتوں نے بھی کبھی زنا کیا ہے؟'' یعنی ایسا گھٹیا کام، گھٹیا قسم کی عورتیں ہی کر سکتی ہیں۔

حضرت عمر نے کہا---''اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا!''

ہند نے کہا---''ہم نے تو پال پوس کر ان کو بڑا کیا تھا، مگر آپ نے میدانِ بدر میں ان کو مار ڈالا۔''

یہ دلچسپ جملہ سن کر حضرت عمرؓ کی ہنسی چھوٹ گئی اور وہ کافی دیر تک ہنستے رہے۔

حضرت عمرؓ نے کہا---"رسول اللہ جن اچھے کاموں کا حکم دیں، ان پر عمل کرنا اور آپ کی نافرمانی نہ کرنا!"

ہند نے کہا---"یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ یہ کیسی عمدہ اوراعلیٰ بات آپ نے ہم کو سکھائی ہے۔"

اسلام لانے کے ساتھ ہی حضرت ہندؓ میں اتنا باطنی تغیّر واقع ہوا کہ بخاری و مسلم میں ان کے یہ الفاظ موجود ہیں۔

"یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! مَاکَانَ لِیْ عَلٰی ظَھْرِ الْاَرْضِ مِنْ اَھْلِ خِبَآءٍ اُرِیْدُ اَنْ یَّذِلُّوْا مِنْ اَھْلِ خِبَآئِکَ، ثُمَّ مَا اَصْبَحَ الْیَوْمَ عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ مِنْ اَھْلِ خِبَآءٍ اُحِبُّ اَنْ یَّعِزُّوْا مِنْ اَھْلِ خِبَآئِکَ."

(یارسول اللہ! آج سے پہلے روئے زمین پر کوئی ایسا گھرانہ نہیں تھا جس کی ذلت ورسوائی، مجھے آپ کے گھرانے کی ذلت ورسوائی سے زیادہ عزیز ہوتی۔ مگر آج روئے زمین پر کوئی ایسا گھرانہ نہیں جس کی عزت وسربلندی مجھے آپ کے گھرانے کی عزت وسربلندی سے زیادہ عزیز ہو۔)

یعنی آج سے پہلے میں چاہتی تھی کہ روئے زمین پر سب سے زیادہ ذلیل ورسوا آپ کا گھرانہ ہو، مگر آج میری دلی آرزو ہے کہ ساری دنیا میں سب سے زیادہ عزت والا گھر آپ کا ہو۔

فتح کے بعد

فتح مکہ کے بعد جانِ دو عالم ﷺ چند دن مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہے۔ اس دوران انتظامی معاملات طے کرنے کے علاوہ مکہ کے گردونواح کی آبادیوں میں نصب کردہ مشہور بتوں کو توڑنے کے لئے تین مہمات بھی روانہ فرمائیں۔ چنانچہ حضرت سعدؓ ابنِ زید، حضرت خالدؓ ابن ولید اور حضرت عمروؓ ابن عاص کو علی الترتیب منات، عزّیٰ اور سواع کو توڑنے کے لئے بھیجا۔ ان لوگوں نے تمام بتوں کو ریزہ ریزہ کرکے ارضِ مکہ کو شرک کی تمام

علامات سے پاک صاف کردیا۔

وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔

استدراک [۱]

بحمداللہ فتح مکہ کے ایمان افروز اور روح پرور حالات بحسن وخوبی اختتام کو پہنچے، لیکن آگے بڑھنے سے پہلے ایک علمی بحث پیشِ خدمت ہے۔ اس میں آپ کو تھوڑی سی دماغی توانائی صرف کرنا پڑے گی، مگر امید ہے کہ انشاءاللہ آپ بور نہیں ہوں گے؛ بلکہ لطف اٹھائیں گے۔

محدثین اور مؤرخین نے چودہ پندرہ ایسے آدمی گنائے ہیں جن کو فتح مکہ کے دن عفو وامان کے اعلان سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا اور انہیں ہر صورت میں قتل کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ ان میں مرد بھی شامل تھے اور عورتیں بھی۔ بعدازاں ان میں سے بعض کو معاف کر دیا گیا تھا اور بعض کو قتل کر دیا گیا تھا۔ لیکن علامہ شبلی اور سید سلیمان ندوی نے ان روایات پر جرح کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ جانِ دوعالم ﷺ نے سوائے ابن خطل کے کسی بھی شخص کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا۔ چنانچہ پہلے ہم شبلی وسید کی تحقیق کسی قدر تلخیص کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد اپنی رائے کا اظہار کریں گے۔ واضح رہے کہ حوالہ ختم ہونے تک جتنے بھی حواشی آئیں گے، وہ میرے نہیں؛ بلکہ سید سلیمان کے ہیں۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں:

''اشتہاریان قتل

ارباب سیر کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے گو اہل مکہ کو امن عطا کیا تھا؛ تاہم دس شخصوں (۱) کی نسبت حکم دیا کہ جہاں ملیں، قتل کر دیئے جائیں۔ ان میں سے بعض مثلاً عبداللہ بن خطل، مقیس بن صبابہ، خونی مجرم تھے اور قصاص میں قتل کیے گئے۔ لیکن متعدد

---

(۱) (حافظ مغلطائی نے پندرہ نام مختلف حوالوں سے جمع کیے ہیں جو خود محدثین کے نزدیک غیر محتاطانہ ہیں۔ عام ارباب سیرت نے دس شخصوں کے نام لئے ہیں۔ ابن اسحاق نے آٹھ نام گنائے ہیں۔ ابوداؤد اور دارقطنی کی روایت میں چھ ہیں۔ بخاری میں صرف ابن خطل کا واقعہ مذکور ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تحقیق کا دائرہ جس قدر وسیع ہوتا جاتا ہے، اسی قدر تعداد کم ہوتی جاتی ہے۔)

ایسے تھے کہ ان کا صرف یہ جرم تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کو مکہ میں ستایا کرتے تھے، یا آپ کی ہجو میں اشعار کہا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک عورت اس جرم میں قتل کی گئی کہ وہ آپ کے ہجو میں اشعار گایا کرتی تھی۔

لیکن محدثانہ تنقید کی رو سے یہ بیان صحیح نہیں۔ اس جرم کا مجرم تو سہارا مکہ تھا، کفارِ قریش میں سے (بجز دو چار کے) کون تھا جس نے آنحضرت ﷺ کو سخت سے سخت ایذائیں نہیں دیں؟ بایں ہمہ انہی لوگوں کو یہ مژدہ سنا دیا گیا کہ اَنۡتُمُ الطُّلَقَآءُ، جن لوگوں کا قتل بیان کیا جاتا ہے وہ تو نسبتہً کم درجہ کے مجرم تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی یہ روایت صحاح ستہ میں موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیا۔ خیبر میں جس یہودی عورت نے آپ کو زہر دیا، اس کی نسبت لوگوں نے دریافت بھی کیا کہ اس کے قتل کا حکم ہوگا؟ ارشاد ہوا کہ نہیں۔

خیبر کے کفرستان میں ایک یہودیہ، زہر دے کر رحمتِ عالم کے طفیل سے جانبر ہو سکتی ہے تو حرم میں اس سے کم درجہ کے مجرم عفو نبوی سے کیونکر محروم رہ سکتے ہیں!

اگر درایت پر قناعت نہ کی جائے تو روایت کے لحاظ سے بھی یہ واقعہ بالکل ناقابل اعتبار رہ جاتا ہے۔ صحیح بخاری میں صرف ابن خطل کا قتل مذکور ہے اور یہ عموماً مسلم ہے کہ وہ قصاص میں قتل کیا گیا۔ مقیس کا قتل بھی شرعی قصاص تھا۔ باقی جن لوگوں کی نسبت حکمِ قتل کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ کسی زمانہ میں آنحضرت ﷺ کو ستایا کرتے تھے، وہ روایتیں صرف ابنِ اسحاق تک پہنچ کر ختم ہو جاتی ہیں۔ یعنی اصولِ حدیث کی رو سے وہ روایت منقطع ہے، جو قابلِ اعتبار نہیں۔ ابن اسحاق کا، فی نفسہٖ جو درجہ ہے، وہ ہم کتاب کے دیباچہ میں لکھ آئے ہیں۔

سب سے زیادہ معتبر روایت جو اس بارے میں پیش کی جاسکتی ہے، وہ ابوداؤد کی روایت (۱) ہے، جس میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ چار

---

(۱) یہ روایت دارقطنی اواخر کتاب الحج میں بھی مذکور ہے، لیکن اوپر کے رواۃ دونوں کے ایک ہی ہیں۔ اگر اختلاف ہے تو یہ ہے کہ ابوداؤد میں اخیر راوی عمر بن عثمان اپنے دادا سے اور وہ اپنے ☜

مخصوص کو کہیں امن نہیں دیا جا سکتا، لیکن ابوداؤد نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے کہ اس روایت کی سند جیسی چاہئے، مجھ کو نہیں ملی۔ پھر اس کے بعد ابن خطل کی روایت نقل (۱) کی ہے۔ اس کا ایک راوی احمد بن المفضل ہے جس کو ازدی نے منکر الحدیث لکھا ہے اور ایک راوی اسباط بن نصر ہے جس کی نسبت نسائی کا قول ہے کہ ''قوی نہیں ہے۔'' اگرچہ صرف اس قدر جرح کسی روایت کے نامعتبر ہونے کے لئے کافی نہیں، (۲) لیکن واقعہ جس درجہ اہم ہے، اس کے لحاظ سے راوی کی اس قدر جرح بھی روایت کے مشکوک ہونے کے لئے کافی ہے۔''

(علامہ شبلی کا حوالہ ختم ہوا)

ہمیں علامہ شبلی اور سید سلیمان ندوی کی باقی تحقیق سے تو مکمل اتفاق ہے لیکن اس سے اتفاق نہیں کہ ابن خطل کے قتل کا حکم دیا گیا تھا۔ ہمارے خیال میں فتح مکہ کے موقع پر جانِ دو عالم ﷺ نے کسی بھی شخص کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا۔۔۔ نہ ابن خطل کا، نہ کسی اور کا۔

علامہ شبلی کو بھی ابن خطل کا قتل محض اس لئے ماننا پڑا کہ اس کا ذکر صحاح ستہ میں موجود ہے اور یہ روایت سند کے لحاظ سے نہایت قوی اور مضبوط ہے۔ روایت اس طرح ہے۔

عَنْ اَنَسٍ ؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ دَخَلَ مَکَّۃَ یَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلٰی رَأْسِهِ الْمِغْفَرُ،

باپ یعنی عمر کے پردادا سے روایت کرتا ہے اور دارقطنی میں عمرا اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتا ہے۔ علمائے رجال جانتے ہیں کہ دارقطنی نے غلطی کی ہے، اس لئے اس کا پایا اور بھی گر جاتا ہے۔ اس کے بعد متنِ حدیث بھی دونوں کے ہاں مختلف ہے۔)

(۱) ابوداؤد. قتل الاسیر.

(۲) اس روایت کی نامعتبری کی شہادتیں صرف اسی قدر نہیں؛ بلکہ اس سے بہت زیادہ ہیں۔ اصل سلسلۂ روایت یہ ہے۔ حدثنا عثمان بن ابی شیبة، حدثنا احمد بن المفضل، حدثنا اسباط بن نضر قال زعم السدی عن مضعف بن سعید. اخیر راوی تابعی ہے، جو شریکِ واقعہ نہ تھا۔ اس کے بعد کا راوی سدی ہے، جو مشہور دروغ گو اور کاذب ہے اور لطف یہ ہے کہ اس کے بعد کا راوی اسباط بن نصر اس کو ''زعم'' گمان سے تعبیر کرتا ہے۔ واقعہ کی قطعیت کا دعویٰ نہیں کرتا۔ اس لئے اس قدر جرح واقعہ کی نامعتبری کے لئے بالکل کافی ہے۔) سیرت النبی ج اول، ص ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰۔

فَلَمَّا نَزَعَہٗ جَآءَہٗ رَجُلٌ فَقَالَ: اِبْنُ خَطَلٍ مُعَلَّقٌ بِاَسْتَارِ الْکَعْبَۃِ.فَقَالَ: اُقْتُلُوْہُ.

(حضرت انس ﷛ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ فتح کے دن مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر پر آہنی خود تھا۔ جب آپ نے اس کو اتارا تو اسی وقت ایک شخص آیا اور عرض کی کہ ابن خطل کعبہ کے پردوں سے چمٹا ہوا ہے۔فرمایا، اس کو قتل کردو۔)

امام بخاری نے اس روایت کو چار مقامات پر ذکر کیا ہے۔یعنی کتاب الحج، کتاب الجہاد، کتاب المغازی اور کتاب اللباس میں ۔تھوڑے بہت لفظی فرق کے ساتھ دیگر محدثین نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔مگر ہمارے نزدیک یہ متفق علیہ روایت بعض وجوہ کی بنا پر قابلِ تسلیم نہیں ہے۔

اولاً:۔اس لئے کہ جانِ دو عالم ﷺ فتح مکہ سے پہلے بغیر کسی استثناء (۱) کے، واضح طور پر اعلان فرما چکے تھے کہ جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے، اس کے لئے امان ہے۔اگر بڑے سے بڑا دشمن مسجد حرام میں پاؤں رکھتے ہی امان کا مستحق ہو جاتا ہے تو جو شخص مسجد حرام کے وسط میں واقع بیت اللہ کے پردوں سے چمٹا ہو، وہ کیسے امان سے محروم رہ سکتا ہے!؟ اس کو تو بطریق اولیٰ امان ملنی چاہئے، کیونکہ وہ اس بڑے گھر کی پناہ میں آ گیا ہے جس کی وجہ سے سارا حرم دارالامان قرار پایا ہے۔ مانا کہ وہ ایک بڑا مجرم تھا، جانِ دو عالم ﷺ کو ایذا دیا کرتا تھا اور اس کی دو کنیزیں جانِ دو عالم ﷺ کی ہجو گایا کرتی تھیں مگر بقول شبلیؒ---''اس جرم کا مجرم تو سارا مکہ تھا''---نہ کہ اکیلا ابن خطل۔

ثانیاً:۔اس لئے کہ ابن خطل کا جرم کیا حضرت ہندؓ کے جرم سے بڑا تھا---؟اگر حضرت ہندؓ آپ کے پیارے چچا کا کلیجہ چبانے اور ان کے کٹے ہوئے ناک کان اور ہونٹوں کا ہار گلے میں ڈالنے کے باوجود عفو و کرم کی مستحق ہو سکتی ہے اور اس کے قتل کا حکم صادر نہیں ہوتا تو ابن خطل آخر ایسا کون سا ناقابلِ معافی جرم کر بیٹھا تھا کہ رحمت کے دریائے ناپیدا کنار کا کوئی قطرہ اس پر نہ پڑ سکا!!

ثالثاً:۔اس لئے کہ طائف میں جب جانِ دو عالم ﷺ کا جسم نازنین زخموں سے

(۱) استثناء والی روایات کی حیثیت آپ کو علامہ شبلیؒ کی تحقیق سے معلوم ہو چکی ہے۔

چور چور تھا اور یہاں وہاں سے خون ابل ابل کر بہہ رہا تھا، عین اس وقت آپ کے لبوں سے دعاؤں کے پھول جھڑ رہے تھے اور جو ملائکہ اہل طائف کو ہلاک کرنے کی اجازت چاہتے تھے، آپ ان کو اجازت نہیں دے رہے تھے۔ جو رسولِ رحمتؐ عین ظلم توڑنے کی حالت میں ظالموں کو معاف کرنے کا حوصلہ رکھتا ہو، اس سے یہ توقع رکھنا کہ اس نے حرم میں پناہ گزیں اور استارِ کعبہ سے معلق ایک دہشت زدہ انسان کے قتل کا حکم دیا ہوگا، میرے خیال میں بہت بعید از عقل وفہم بات ہے۔

غالباً خود مؤرخین کو بھی اس الجھن کا احساس تھا، اس لئے انہوں نے ابن خطل کے بارے میں ایک مزید کہانی بیان کر دی کہ وہ اسلام لایا تھا اور جانِ دو عالم ﷺ نے اس کو ایک یا دو صحابہ کے ہمراہ کہیں صدقہ وصول کرنے کیلئے بھیجا تھا۔ مگر اس نے ایک صحابی کو قتل کر دیا تھا اور مرتد ہو کر بھاگ گیا تھا، اس لئے اس کو اس صحابی کے قصاص میں قتل کر دیا گیا۔ لیکن یہ روایت انتہائی مبہم ہے۔ ابن خطل کس دور میں اسلام لایا تھا---؟ اس کو صدقہ وصول کرنے کے لئے جانِ دو عالم ﷺ نے کب اور کہاں بھیجا تھا---؟ اس کے ساتھ جو آدمی بھیجے گئے تھے، ان کی تعداد کیا تھی---؟ واقدی ایک بتاتا ہے اور ابن اسحاق دو۔ وہ کس قبیلے سے تعلق رکھتے تھے---؟ ابن اسحاق کہتا ہے کہ ایک انصاری تھا؛ جبکہ واقدی کہتا ہے کہ بنی خزاعہ سے تھا۔ ان کے نام کیا تھے---؟ کسی بھی مؤرخ کو معلوم نہیں--- آپ خود ہی سوچئے کہ ایسی مبہم اور مختلف فیہ روایت کے سہارے قصاص کی عمارت کھڑی کرنا کہاں تک درست ہے!

رابعاً:- اس لئے کہ اگر ابن خطل کو مقتول تسلیم کیا جائے تو ظاہر ہے کہ حرم میں اس کو قتل ہوتے بے شمار آدمیوں نے دیکھا ہوگا۔ اس صورت میں نہ اس کے قاتل میں کوئی اختلاف ہونا چاہئے، نہ مقتول میں۔ مگر آپ حیران ہوں گے کہ قاتل اور مقتول دونوں مختلف فیہ ہیں۔ (۱)

قاتل میں مندرجہ ذیل اختلافات ہیں۔

---

(۱) یہ اختلافات زرقانی شرح مواہب جلد دوم ص ۳۸۳ سے ص ۳۸۵ تک مذکور ہیں۔

۱---بزار، بیہقی اور حاکم حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص سے راوی ہیں کہ اس کے قتل کے لئے سعید ابن تریث اور عمار ابن یاسر دونوں دوڑے تھے مگر سعید سبقت لے گئے اور اس کو مارنے میں کامیاب ہو گئے۔

۲---امام احمد اور ابن ابی شیبہ راوی ہیں کہ اس کے قاتل ابو برزہ اسلمیؓ تھے۔

۳---ابن ہشام کا خیال ہے کہ سعیدؓ ابن حریث اور ابو برزہؓ نے مل کر اس کو قتل کیا تھا۔

۴---حاکم کی ایک اور روایت کے مطابق قاتل سعیدؓ ابن زید تھے۔

۵---بزار کی ایک روایت میں ہے کہ قتل کرنے والے سعدؓ ابن ابی وقاص تھے۔

۶---واقدی بتاتا ہے کہ اس کو شریکؓ ابن عہدہ نے قتل کیا تھا۔

۷---ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس کو عمار بن یاسرؓ نے قتل کیا تھا (رضی اللہ عنہم اجمعین)

یہ اختلاف تو ہوا قاتل میں۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ مقتول بھی متعین نہیں ہے۔ یہ تو پتہ ہے کہ خطل کا بیٹا تھا، لیکن خطل کا کون سا بیٹا---؟ اکثر کے نزدیک عبداللہ بن خطل تھا۔ لیکن حاکم اور دارقطنی کی روایت کے مطابق ہلال ابن خطل تھا---ابن خطل کا قتل نہ ہوا، اچھا خاصا گورکھ دھندا ہو گیا!

ان وجوہ کی بناء پر میرا خیال ہے کہ ابن خطل کے قتل والی روایت درست نہیں ہے اور فتح مکہ کے دن سوائے ان لوگوں کے جو مسلح ہو کر حضرت خالدؓ بن ولید کے مزاحم ہو گئے تھے، کوئی بھی شخص قتل نہیں کیا گیا۔ وہ قتل و خونریزی کا دن تھا ہی نہیں---وہ مَنْ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَهُوَ اٰمِنٌ کا دن تھا---وہ لَاتَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اور اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَآءُ. کا دن تھا---یہی اس دن کی لازوال شان ہے اور یہی اس کی بے مثال عظمت ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اس شان و عظمت کو برقرار رہنے دیا جائے اور بے سروپا واقعات سے اس کو داغدار نہ کیا جائے۔

هٰذَا مَاعِنْدِیْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ ۔

استدراک نمبر [۲]

قرآن کریم نے صحابہ کرام کے دو طبقات بیان کئے ہیں۔

۱---جو فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے اور راہِ خدا میں جان و مال کی قربانیاں پیش کیں۔

۲---جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے اور راہِ خدا میں جان و مال کی قربانیاں پیش کیں۔

اور واشگاف الفاظ میں اعلان فرمایا کہ درجے اور مرتبے کے اعتبار سے یہ دونوں فریق یکساں نہیں ہو سکتے۔فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والوں اور جہاد و انفاق کرنے والوں کا درجہ ان لوگوں سے بہت بڑا ہے جو فتح کے بعد ایمان لائے اور جہاد و انفاق میں حصہ لیا۔

﴿لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ط اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا ط﴾

اور یہ بات ہے بھی قرین قیاس، کیونکہ فتح مکہ سے پہلے ایمان لانا اپنے آپ کو گوناگوں مصائب و مشکلات سے دوچار کرنے کے مترادف تھا؛ جبکہ فتح مکہ کے بعد معاملہ الٹ گیا تھا۔اب ہر طرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد ﷺ کی رسالت کی ڈنکے بج رہے تھے اور لوگ جوق در جوق اسلام کے وسیع و کشادہ دامن میں پناہ لے رہے تھے---

﴿وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا.﴾

ایسی فضا میں مشرکانہ رسوم و عقائد پر ثابت قدم رہنا مشکل ہی نہیں، تقریباً ناممکن تھا۔ظاہر ہے کہ اس دور میں ایمان لانے والوں کا درجہ کسی طرح بھی ان جاں نثاروں کے برابر نہیں ہو سکتا، جنہوں نے مشکل وقت میں جانِ دو عالم ﷺ کا ساتھ دیا اور جان و مال کی قربانیوں کے ایسے محیر العقول مظاہرے کئے کہ آج بھی ان کے بارے میں پڑھ کر آدمی دریائے حیرت میں ڈوب ڈوب جاتا ہے۔

اس بنا پر اگر کوئی شخص ان دونوں طبقوں کو مساوی قرار دے---مثلاً کہے کہ حضرت ابوسفیانؓ اور حضرت معاویہؓ کا مقام و مرتبہ حضرت علیؓ کے برابر ہے---تو وہ آیت کریمہ کے درج بالا حصے کی تکذیب و مخالفت کا مرتکب قرار پائے گا۔لیکن یہ بھی ملحوظ رہے کہ فتح مکہ کے موقع پر یا اس کے بعد ایمان لانے والے درجے میں سابقون الاولون سے کمتر سہی؛ تاہم

صحابیت کے شرف و اعزاز سے وہ بھی مشرف و معزز ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہر دو طبقات کے ساتھ حسین انجام اور بہشت بریں کا وعدہ کر رکھا ہے --- ﴿وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ﴾

اس بناء پر اگر کوئی شخص فتح مکہ کے دن ایمان لانے والوں کو مؤمن تسلیم نہ کرے اور حضرت ابوسفیانؓ و حضرت معاویہؓ کو گمراہ اور بے دین کہے تو وہ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى کی تکذیب و انکار کا مجرم ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ہر دو طبقات کی محبت و الفت نصیب فرمائے --- رَبَّنَا لَا تَجْعَلْ فِىْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔

بنی جذیمہ کا قصہ

مکہ کے قریب ایک قبیلہ "بنی جذیمہ" آباد تھا۔ یہ لوگ اسلام لا چکے تھے، مگر اس کی اطلاع کسی کو نہیں دی تھی۔ چنانچہ جانِ دو عالم ﷺ نے حضرت خالدؓ ابن ولید کو بھیجا کہ بنی جذیمہ کو اسلام کی دعوت دیں۔ حضرت خالدؓ بہت سے ساتھیوں کے ہمراہ وہاں پہنچے تو بنی جذیمہ مسلح ہو کر باہر نکل آئے۔

دراصل بنی جذیمہ کی ایک قبیلے کے ساتھ دشمنی تھی، اس لئے وہ یہ سمجھے کہ دشمن ہم پر حملہ آور ہو گیا ہے۔ حضرت خالدؓ نے ان سے پوچھا کہ تم کس مذہب سے تعلق رکھتے ہو؟ بنی جذیمہ کو کہنا تو یہ چاہئے تھا کہ "اَسْلَمْنَا" ہم اسلام لا چکے ہیں، مگر انہوں نے "صَبَانَا، صَبَانَا" کہنا شروع کر دیا۔

اس غلطی کی وجہ یہ ہوئی کہ اہل مکہ ہر اُس آدمی کو جو آبائی مذہب چھوڑ کر دینِ اسلام اختیار کرتا تھا "صَابِئ" کہا کرتے تھے، یعنی مذہب سے منحرف اور بے دین۔ بنی جذیمہ نے اہل مکہ کی اسی اصطلاح کے مطابق "صَبَانَا" کہا تھا، یعنی ہم صابی ہو چکے ہیں۔ مراد یہ تھی کہ مسلمان ہو چکے ہیں۔ مگر حضرت خالدؓ نے صَبَانَا کا یہ مفہوم سمجھا کہ ہم مذہب سے منحرف اور بے دین ہو چکے ہیں۔ یعنی ہمارا کسی بھی دین اور مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر یہ لوگ مسلح بھی تھے، اس لئے حضرت خالدؓ نے ان کو بے دینوں کا ایسا گروہ سمجھا جو اسلحہ لے کر اہل ایمان کے مقابلے میں آ کھڑا ہوا تھا، چنانچہ انہوں نے حملے کا حکم دے دیا اور آناً

فاناان کے کتنے ہی آدمی تہ تیغ کردیئے۔ بعد میں جب صورتِ حال واضح ہوئی اور پتہ چلا کہ یہ لوگ مسلمان ہیں تو سب کو بہت دکھ ہوا۔ بعض صحابہ کرامؓ نے حضرت خالدؓ کو اس جلد بازی پر برا بھلا بھی کہا، مگر جو ہونا تھا ہو چکا تھا اور غلط فہمی کی وجہ سے عظیم سانحہ پیش آ چکا تھا۔

جانِ دو عالم ﷺ کو جب اس کی اطلاع پہنچی تو آپ کو از حد رنج ہوا اور ہاتھ اٹھا کر تین دفعہ حضرت خالدؓ کی اس حرکت سے برأت کا اعلان کیا

''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَبْرَأُ اِلَیْکَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ'' ---(الٰہی! خالد نے جو کچھ کیا ہے، میں تیری بارگاہ میں اس سے برأت اور لاتعلقی کا اظہار کرتا ہوں۔)

اس کے بعد آپ نے حضرت علی ؓ کو ڈھیر سارا مال دے کر بھیجا کہ جا کر بنی جذیمہ کے مقتولوں کی دیت ادا کرو اور ان کے مالی نقصانات کا ازالہ کرو۔

حضرت علیؓ نے ایک ایک مقتول کا خون بہا ادا کیا اور چھوٹے سے چھوٹے نقصان کا معاوضہ دیا، حتی کہ بقول مؤرخین جن برتنوں میں کتے پانی پیتے تھے، ان کے ٹوٹنے پر بھی مناسب رقم ادا کی۔ اس کے باوجود حضرت علیؓ کے پاس بہت سا مال بچ گیا۔ تو آپ نے بآوازِ بلند پوچھا---''کیا کسی کا کوئی حق باقی ہے؟''

سب نے کہا---''نہیں، ہمارے تمام نقصانات کی تلافی کر دی گئی ہے۔''

حضرت علیؓ نے کہا---''الحمد للہ کہ تمہارا حق ادا ہو گیا اور ہمارے ذمے کچھ باقی نہیں رہا؛ تاہم ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسا نقصان ہوا ہو جو ابھی تک نہ ہمارے علم میں ہو، نہ تمہارے علم میں۔ اس لئے میرے پاس جو مال بچ گیا ہے وہ بھی احتیاطاً میں تمہی کو دے رہا ہوں۔ اسکو آپس میں بانٹ لینا!''

اس اعلان سے بنی جذیمہ مزید خوش ہو گئے اور ان کے دکھ درد کا بہت حد تک مداوا ہو گیا۔ واپس جا کر حضرت علیؓ نے جانِ دو عالم ﷺ کے روبرو اپنی کارگزاری کی تفصیل بیان کی تو جانِ دو عالم ﷺ بہت ہی خوش ہوئے اور فرمایا---''اَصَبْتَ وَاَحْسَنْتَ'' تو نے درست کیا اور بہت اچھا کیا۔

غزوۂ حنین

﴿......ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئاً وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین o﴾

(......اور حنین کے دن، جب تمہاری کثرت نے تمہیں غرور میں مبتلا کر دیا، مگر یہ کثرت تمہارے کسی کام نہ آسکی اور زمین باوجود فراخی کے تم پر تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ دے کر بھاگ اٹھے۔)

یہ ہیں چند جھلکیاں اس جنگ کی جو حنین کے مقام پر لڑی گئی تھی۔

اس غزوے میں بارہ ہزار کے لگ بھگ مسلمان شامل تھے؛ جبکہ دشمن کی تعداد صرف چار ہزار تھی۔ اس بناء پر بعض مسلمانوں نے جوش میں آ کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ آج تو ہم بہرصورت فاتح و غالب رہیں گے کیونکہ اس سے پہلے جب ہم تھوڑے ہوا کرتے تھے، تب بھی دشمن ہمارے سامنے نہیں ٹھہر سکتا تھا اور آج تو ہم ہیں ہی بھاری تعداد میں۔

گویا انہوں نے کامیابی کا سبب اپنی تعداد کو سمجھا اور وقتی طور پر اس حقیقت کو فراموش کر بیٹھے کہ --- مَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ --- کامیابی کا دارومدار صرف اللہ تعالیٰ کی مدد پر ہے۔ وہ چھوٹے سے چھوٹے لشکر کی امداد فرمادے تو فتح اس کے قدم چومے اور بڑے سے بڑے لشکر کی اعانت سے ہاتھ اٹھا لے تو اس کو شکست اور ناکامی سے دوچار ہونا پڑ جائے۔

اہل ایمان کو آج تک جو کامیابیاں ہوئی تھیں، وہ محض اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد سے ہوئی تھیں، نہ کہ تعداد کی کثرت یا اسلحہ کی فراوانی سے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کو مسلمانوں کا اپنی کثرت پر گھمنڈ کرنا پسند نہ آیا اور اس صمد و بے نیاز رب نے وقتی طور پر ان کی امداد سے ہاتھ کھینچ لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اہل اسلام کا عظیم الشان لشکر تتر بتر ہو گیا اور جس کا جدھر منہ اٹھا بھاگ کھڑا ہوا --- ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ o

تاہم چونکہ اللہ تعالیٰ اس لشکر کو مکمل شکست اور تباہی سے دوچار نہیں کرنا چاہتا تھا؛ بلکہ گھمنڈ اور غرور پر سزا دینا چاہتا تھا، اس لئے تھوڑی دیر بعد نصرتِ الٰہی شاملِ حال ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی پانسہ پلٹ گیا --- غالب، مغلوب ہو گئے اور مفتوح، فاتح بن گئے۔

''ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ........''

آیئے! اس غزوے کی تفصیلات پر نظر ڈالیں!

جب مکہ فتح ہوگیا تو مکہ سے چند میل کے فاصلے پر آباد ہوازن اور ثقیف نامی قبیلوں نے کہا کہ محمد اب تک ایسے لوگوں سے لڑتا رہا ہے، جو حرب وضرب کے فن سے ناآشنا تھے۔ اس لئے اب تک اس کو فتح ہوتی چلی آرہی ہے، مگر ہم اس کو بتا دیں گے کہ لڑنا کس کو کہتے ہیں۔

ان لوگوں کا غرور بلاوجہ نہیں تھا۔ یہ قبائل واقعۃً عرب کے مانے ہوئے تیر انداز تھے اور ان کا نشانہ بہت کم خطا ہوتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے جانِ دو عالم علیہ السلام کے مقابلے کے لئے بھرپور تیاری شروع کر دی۔ مالک ابن عوف اس مہم کا قائد تھا۔ اس کی عمر صرف تیس سال تھی اور بہت ہی جوشیلا جوان تھا۔ اس نے طے کیا کہ عورتوں، بچوں اور مویشیوں کو بھی میدان جنگ میں لے جائیں، تاکہ لڑنے والوں کے ذہن میں رہے کہ شکست کی صورت میں ہماری خواتین اور مویشی بھی دشمن کے ہاتھ لگ جائیں گے، اس طرح ہر آدمی مرتے مر جائے گا مگر پیچھے ہٹنے کا سوچ بھی نہیں سکے گا۔

جب تیاریاں مکمل ہوگئیں تو ہوازن اپنے قبیلے کے ایک ضعیف العمر پرانے جنگ آزما درید کے پاس گئے اور اس کو کہا کہ تم اس مہم میں ہماری قیادت کرو!

''میں بھلا یہ کام کیسے کر سکتا ہوں!؟'' درید نے کہا ''جبکہ میں تقریباً اندھا ہو چکا ہوں اور گھوڑے کی پیٹھ پر صحیح طرح سے بیٹھ بھی نہیں سکتا۔ ہاں؛ البتہ مشورہ دینے کے لئے تمہارے ساتھ چلا جاؤں گا، مگر شرط یہ ہے کہ میرے مشورے کو رد نہ کیا جائے۔''

''ہمیں یہ شرط منظور ہے'' مالک نے کہا ''ہم تمہارے ہر حکم کی تعمیل کریں گے۔''

درید نے ان کو نصیحت کرتے ہوئے کہا

''یہ لڑائی عام لڑائیوں جیسی نہیں ہوگی، کیونکہ مقابلہ ایک ایسے عظیم فاتح سے ہے جس نے تقریباً پورے عرب کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا ہے اور اس کی ہیبت عجم تک جا پہنچی ہے۔ شام کے لوگ بھی اس سے خوفزدہ ہیں اور اس کی قوت واقتدار کا یہ عالم ہے کہ اس نے

صدیوں سے عرب میں آباد، یہودیوں کے انتہائی طاقت ور قبیلوں کا زور توڑ دیا ہے اور ان میں سے بعض کو تہہ تیغ کر دیا ہے، بعض کو ذلیل ورسوا کر کے جلاوطن کر دیا ہے۔ اس لئے لڑنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لو کہ تم اس کا مقابلہ کر بھی سکو گے یا نہیں؟''

''ہم نے سب کچھ سوچ لیا ہے'' مالک نے کہا ''اور تم دیکھنا، ہم ایسی لڑائی لڑیں گے کہ تمہارا دل خوش کر دیں گے۔''

''ٹھیک ہے، جاتی دفعہ مجھے ساتھ لے چلنا۔'' درید نے کہا۔

ایک اور مشورہ

میدانِ جنگ میں پہنچ کر درید نے پوچھا--- ''یہ عورتوں، بچوں اور جانوروں کی ملی جلی آوازیں کہاں سے آ رہی ہیں؟''

''یہ ہماری ہی عورتیں اور مویشی ہیں۔'' مالک نے بتایا ''ہم ان کو اس لئے ساتھ لائے ہیں تاکہ ہر لڑنے والا جان لے کہ اس کی جان ومال اور عزت وآبرو سب کچھ داؤ پر لگا ہوا ہے۔''

''یہ تو بہت غلط کام کیا ہے تم لوگوں نے!'' درید نے کہا ''کیونکہ جب شکست ہوتی ہے تو بھاگنے والوں کو کوئی شئے نہیں روک سکتی۔ اس لئے میری سنو، تو عورتوں اور بچوں کو محفوظ مقامات پر بھیج دو۔ اگر تمہیں فتح ہوگئی تو خواتین خود ہی تم سے آ ملیں گی اور اگر شکست ہوگئی تو کم از کم تمہارے اہل وعیال تو دشمن کی دستبرد سے محفوظ رہیں گے۔''

اگرچہ مالک نے درید کو یقین دہانی کرائی تھی کہ ہم تمہارا ہر مشورہ مانیں گے، مگر اس کا یہ مشورہ مالک کو پسند نہ آیا۔ جوشیلا تو وہ تھا ہی، کہنے لگا

''واللہ! میں جو فیصلہ کر چکا ہوں، اس پر بہر صورت عمل کروں گا۔ تم تو سٹھیا گئے ہو اور تمہارا دماغ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہا۔''

درید کو اس توہین پر سخت غصہ آیا اور بولا

''اے ہوازن کے لوگو! یہ شخص غلط کام کر رہا ہے اور تمہاری عورتوں کو بے آبرو کرنا چاہتا ہے، اس لئے اس کی بات مت مانو!''

یہ سن کر کچھ لوگ واپسی کے لئے پر تولنے لگے تو مالک نے اپنی تلوار نکال لی اور کہا

''اگر تم لوگوں نے میری بات نہ مانی تو میں ابھی خودکشی کرلوں گا۔''

چند افراد نے درید کی ہمنوائی کی، مگر اکثریت نے مالک کا ساتھ دیا اور درید کا معقول مشورہ مسترد کردیا۔

مکہ میں

اُدھر جانِ دو عالم ﷺ بھی ان قبائل کی تیاریوں سے بے خبر نہیں تھے اور اپنے لشکر کے لئے مزید اسلحہ مہیا کرنے کی تدبیر فرمارہے تھے۔ آپ کو بتایا گیا کہ صفوان کے پاس اسلحہ کا کافی ذخیرہ ہے، چنانچہ آپ نے صفوان سے کہا

''ہمیں زرہیں اور اسلحہ چاہئے، تم سے جس قدر ہوسکے مہیا کردو!''

صفوان نے پوچھا---''اَغَصْبًا یَامُحَمَّدُ!؟'' (اے محمد! کیا مجھ سے یہ چیزیں غصب کرنا چاہتے ہو؟)

صفوان کو یہ گستاخانہ سوال کرنے کا کوئی حق نہیں تھا، کیونکہ وہ ابھی تک مشرک تھا اور مفتوحہ شہر کا باشندہ تھا۔ اصولی طور پر مفتوحہ علاقہ اور اس کی ہر چیز فاتحین کی ملکیت ہوتی ہے اور وہ اس میں ہر طرح کا تصرف کرنے کے مجاز ہوتے ہیں، مگر قربان جایئے اس فاتح اعظم ﷺ کی وسعتِ ظرف پر کہ اس نے جواب دیا

''لَا، بَلْ عَارِيَةٌ مَضْمُوْنَةٌ'' (نہیں؛ بلکہ مانگ کرلیں گے اور ضائع ہوجانے کی صورت میں تاوان دیں گے۔)

صفوان نے کہا---''اگر یہ بات ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

چنانچہ اس نے ایک سو زرہیں اور بہت سا اسلحہ فراہم کردیا۔

علاوہ ازیں جانِ دو عالم ﷺ نے نوفل ابن حارث سے تین ہزار نیزے بھی عاریۃً لئے اور مجاہدین اسلام کو اچھی طرح مسلح کردیا۔

روانگی

تیاری مکمل ہوگئی تو چھ شوال ۸ ھ کو جانِ دو عالم ﷺ بارہ ہزار کے عظیم لشکر کی قیادت کرتے ہوئے حنین کی طرف روانہ ہوئے۔ مسلمانوں نے اب تک اتنی بڑی تعداد کے

ساتھ کسی جنگ میں شرکت نہیں کی تھی۔ ان میں سے دس ہزار تو وہی خوش نصیب تھے جو مدینہ سے آپ کے ساتھ آئے تھے اور فتح مکہ میں شامل ہوئے تھے۔ دو ہزار کے قریب مکہ کے نومسلم تھے۔ علاوہ ازیں جو لوگ ابھی تک مشرک تھے، ان میں سے بھی اسی [۸۰] کے لگ بھگ افراد "تماشا" دیکھنے کے لئے ساتھ ہو گئے تھے۔

حنین کے قریب پہنچ کر جانِ دو عالم ﷺ نے دشمن کے ساز و سامان اور پلان وغیرہ سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے حضرت عبداللہؓ اسلمی کو بھیجا۔ حضرت عبداللہؓ کو کسی نے نہ پہچانا اور وہ ان میں گھل مل گئے۔ اس طرح انہوں نے تمام ضروری معلومات حاصل کر لیں اور جب واپس آ کر بتایا کہ وہ لوگ تو عورتوں کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں مویشی بھی ساتھ لائے ہیں تو جانِ دو عالم ﷺ مسکرائے اور فرمایا

"تِلْکَ غَنِیْمَۃُ الْمُسْلِمِیْنَ غَدًا اِنْ شَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی." (کل انشاء اللہ یہ تمام چیزیں مالِ غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے قبضے میں ہوں گی۔)

دوسری طرف مالک ابن عوف نے بھی تین آدمیوں کو معلومات حاصل کرنے کے لئے بھیجا، مگر وہ تینوں جلد ہی ہانپتے کانپتے واپس چلے آئے۔ ان کا جوڑ جوڑ لرز رہا تھا اور دہشت کے مارے ان کا برا حال تھا۔

مالک نے ان سے پوچھا --- "کیوں بھئی! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟!"

انہوں نے کہا

"ہم نے گورے چٹے آدمیوں کو دیکھا، جو سفید گھوڑوں پر سوار تھے۔ انہیں دیکھ کر خوف سے ہم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ ہماری مانو تو اس جنگ سے باز آ جاؤ کیونکہ ہم زمین والوں سے تو لڑ سکتے ہیں، لیکن آسمانی مخلوق سے لڑنا ہمارے بس سے باہر ہے۔"

مالک کو غصہ آ گیا اور ان کو ڈانٹتے ہوئے بولا --- "مت بکواس کرو! یہ کیا کہانیاں شروع کر دی ہیں تم لوگوں نے ---!! یہ سب تمہاری بزدلی اور کم ہمتی کا شاخسانہ ہے۔"

مالک کو یہ بھی خطرہ تھا کہ اگر یہ خبر مشہور ہو گئی تو لشکر میں سراسیمگی پھیل جائے گی۔ اس لئے اس نے ان تینوں کو قید کرنے کا حکم دے دیا۔

معرکہ آرائی

جس دن لڑائی ہونی تھی اس سے پہلی رات مالک ابن عوف نے ہوازن وثقیف کے ماہر تیر اندازوں کو مناسب مقامات پر بٹھا دیا اور کہا کہ جب جنگ شروع ہو جائے تو تم سب یکبارگی حملہ کر دینا اور تیروں کا مینہ برسا دینا!

صبح دم لڑائی کا آغاز ہوا۔ میدان کارزار کی طرف روانگی سے پہلے جانِ دو عالم ﷺ نے بھی اپنے اصحاب کو ضروری ہدایات دیں۔ خود بھی بھرپور انداز میں تیار ہوئے۔ دو زرہیں پہنیں، سر پر خود رکھا، ہاتھوں میں اسلحہ لیا اور اپنے خچر دلدل پر سوار ہو کر عازمِ جنگاہ ہوئے۔ حنین کی وادی میں فریقین کا تصادم ہوا۔

ابتداء میں مسلمانوں کو خاصی کامیابی ہوئی اور دشمن پسپا ہونے لگا۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں کے حوصلے مزید بڑھ گئے۔ وہ تو پہلے ہی اس لشکر کو کوئی اہمیت دینے کے لئے تیار نہ تھے، اب دشمن کو مائل بفرار دیکھ کر ان کو یقین ہو گیا کہ ہمارے حریفوں میں مقابلے کی سکت ہی نہیں ہے۔ اس خوش فہمی کی بنا پر ان سے وہی غلطی سرزد ہوئی جو غزوۂ احد میں ہوئی تھی، یعنی مال غنیمت کی طرف توجہ اور اس میں دلچسپی--- اور عین اس وقت جب مسلمان مال غنیمت سمیٹنے میں مصروف تھے، مالک ابن عوف کے مقرر کردہ تیر اندازوں نے تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ یہ حملہ اتنا شدید اور غیر متوقع تھا کہ اہل اسلام میں بھگدڑ مچ گئی، صفیں درہم برہم ہو گئیں اور بارہ ہزار افراد پر مشتمل عظیم الشان لشکر تتر بتر ہو کر رہ گیا۔ تیر مسلسل برس رہے تھے اور تیر انداز کمین گاہوں میں چھپے ہوئے اور محفوظ تھے۔ جب دشمن نظر ہی نہ آ رہا ہو تو مقابلہ کس سے کیا جائے اور کیسے کیا جائے!؟

مگر اس افراتفری اور ہنگامۂ محشر میں بھی ایک ذات گرامی ایسی تھی جس کے پائے ثبات میں ایک لمحے کے لئے بھی لغزش نہیں آئی--- اس ذاتِ گرامی کا نامِ نامی اور اسمِ گرامی محمد تھا۔ وہ اپنے خچر پر سوار مسلسل آگے بڑھے جا رہے تھے اور پورے جوش و خروش سے اعلان فرما رہے تھے کہ

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ

(میں نبی ہوں۔اس میں کوئی جھوٹ نہیں۔میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کو یوں بے محابا آگے بڑھتے دیکھا تو آپ کے خچر کی لگام پکڑ لی، حضرت ابوسفیانؓ ابن حرث نے رکاب تھام لی اور دونوں مل کر خچر کو روکنے کی کوشش کرنے لگے، کیونکہ تیروں کی برسات میں آگے بڑھنا خطرے سے خالی نہ تھا۔

جانِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آس پاس نظر دوڑائی تو سوائے چند جاں نثاروں کے کوئی بھی پاس نہ تھا۔اس وقت لبوں پر انتہائی دلآویز دعائیں مچل اٹھیں

"اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَاِلَیْکَ الْمُشْتَکیٰ وَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ. کُنْتَ وَتَکُوْنُ، وَاَنْتَ حَیٌّ لَاتَمُوْتُ، تَنَامُ الْعُیُوْنُ، وَتَنْکَدِرُ النُّجُوْمُ، وَاَنْتَ حَیٌّ قَیُّوْمٌ، لَا تَاْخُذُہٗ سِنَةٌ وَّلَانَوْمٌ، یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ. اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُنْشِدُکَ مَاوَعَدْتَنِیْ، اَللّٰھُمَّ لَایَنْبَغِیْ لَھُمْ اَنْ یَّظْھَرُوْا عَلَیْنَا."

(الٰہی! تو ہی سزاوارِ حمد ہے۔تیرے ہی حضور شکایتیں پیش کی جاتی ہیں اور تجھی سے مدد طلب کی جاتی ہے۔تو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔تو ایسا حی ہے کہ تیرے لئے کبھی فنا نہیں۔آنکھیں سو جاتی ہیں اور تارے بے نور ہو جاتے ہیں، تو ایسا حی اور قیوم ہے کہ تجھے نہ اونگھ آتی ہے، نہ نیند۔اے حی! اے قیوم! الٰہی! میرے ساتھ فتح و نصرت کے جو وعدے تو نے کر رکھے ہیں، میں ان کے پورا کئے جانے کا طلب گار ہوں۔الٰہی! دشمنوں کو کسی صورت میں بھی ہم پر غالب نہیں آنا چاہئے!)

اجابتِ دعا

دعا کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا

"کدھر چلے گئے ہیں سب---؟ ذرا انہیں پکاریئے تو سہی!"

حضرت عباسؓ کی آواز نہایت بلند تھی۔انہوں نے پوری قوت سے پکارا

یَامَعْشَرَ الْاَنْصَارِ! اے گروہِ انصار! یَا اَصْحَابَ السَّمُرَةِ! اے کیکر (۱)

---

(۱) کیکر سے مراد، کیکر کا وہی درخت ہے، جس کے نیچے بیٹھ کر جانِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں موت پر بیعت لی تھی۔تفصیل جلد دوم ص ۱۹۲ پر گزر چکی ہے۔

تلے بیعت کرنے والو!

اس صدا نے جادو کا کام کیا اور یکلخت سب کو جیسے ہوش آ گیا۔ کہاں تو وہ بدنظمی اور فرار اور کہاں اب یہ عالم کہ ہر شخص لبیک لبیک کہتے ہوئے اس آواز کی طرف دوڑا چلا جا رہا ہے۔ بے قراری اور بے تابی کا یہ حال ہے کہ اگر ازدحام کی وجہ سے اونٹ یا گھوڑا آگے بڑھنے میں دقت محسوس کرتا ہے تو اس کا سوار چھلانگ لگا کر اتر پڑتا ہے اور پیدل ہی جانِ دو عالم ﷺ تک پہنچنے کے لئے دوڑ لگا دیتا ہے۔

اس طرح منتشر لشکر چند لمحوں میں پھر سے منظم ہو گیا اور جانِ دو عالم ﷺ کے حکم پر دوبارہ دشمنوں پر ٹوٹ پڑا۔

یہ منظر دیکھ کر جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا

''اَلْاٰنَ حَمِیَ الْوَطِیْسُ'' (اب بھٹی گرم ہوئی ہے۔)

اس وقت جانِ دو عالم ﷺ نے ریت کی ایک مٹھی بھر کر دشمنوں کی طرف پھینکی اور فرمایا

''شَاهَتِ الْوُجُوْهُ'' (چہرے تاریک ہو جائیں۔)

اور پھر واقعی چہرے تاریک ہو گئے۔ اہل ایمان کے زہرہ گداز حملوں نے دشمنوں کے چھکے چھڑا دیئے اور ہوازن و ثقیف کے یہ سورما مقابلے کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس حملے میں مسلمانوں کے ہاتھوں ایک عورت بھی ماری گئی۔ جانِ دو عالم ﷺ نے اس مقتولہ کو دیکھ کر پوچھا---''اس کو کس نے قتل کیا ہے؟''

''خالد ابن ولید نے، یا رسول اللہ!'' کسی نے بتایا۔

آپ ﷺ کو ازحد رنج ہوا اور فرمایا---''اعلان کر دو کہ بچوں اور عورتوں پر ہرگز ہاتھ نہ اٹھایا جائے!''

سبحان اللہ! کیا شانِ رحمت ہے کہ عین میدانِ جنگ میں دشمن کی عورتوں اور بچوں پر ترس کھا رہے ہیں اور انہیں امان دے کر ایک طرح سے حیاتِ نو عطا فرما رہے ہیں، سچ کہا جناب ابوطالب نے آپ کی تعریف میں

ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَةٌ لِّلْاَرَامِلِ

(یتیموں کے سرپرست، بیواؤں کے نگہبان۔)

مسلمانوں کے اس حملے سے پانسہ پلٹ گیا اور شکست فتح میں بدل گئی اور فتح بھی ایسی کہ اس سے پہلے ایسی منفعت بخش فتح مسلمانوں کو کبھی نہیں ہوئی تھی۔ چھ ہزار آدمی گرفتار ہوئے۔ چوبیس ہزار سے زائد بکریاں ہاتھ آئیں۔ علاوہ ازیں چاندی اور دیگر ساز و سامان بھی بھاری مقدار میں مسلمانوں کے قبضے میں آیا۔

تعجب ہے کہ اس جنگ میں مسلمانوں پر تیروں کی برسات ہوتی رہی اور وقتی طور پر شکست سے بھی دوچار ہونا پڑا، مگر شہید صرف چار اہل ایمان ہوئے؛ جبکہ دشمنوں کے تین سو سے زیادہ آدمی مارے گئے۔

اس غزوے میں چند لحات تو ایسے بھی آئے کہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق جانِ دو عالم ﷺ بالکل یکہ و تنہا رہ گئے---وَبَقِیَ وَحْدَہٗ؛ تاہم دس جاں نثار ایسے تھے، جو بیشتر مشکل لحات میں آپ کے ہم قدم اور ہم عناں رہے۔ ان میں حضرت عباس، حضرت ابوسفیان ابن حرث (۱) حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت اسامہ سرفہرست ہیں۔ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ وَ عَنِ الصَّحَابَۃِ اَجْمَعِیْنَ.

---

(۱) یہ وہی ابوسفیانؓ ہیں جو جانِ دو عالم ﷺ سے اس وقت ملے تھے جب آپ فتح مکہ کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔ اس ملاقات کی تفصیل ص ۲۷۷ پر گزر چکی ہے۔ چونکہ مکہ میں قیام کے دوران انہوں نے جانِ دو عالم ﷺ کی شان میں نازیبا باتیں کہی تھیں اس لئے جانِ دو عالم ﷺ کے دل میں ان کی طرف سے قدرے ملال تھا۔ مگر اس جنگ میں انہوں نے ثابت قدمی اور استقامت کا ایسا مظاہرہ کیا کہ آپ کا جی خوش کر دیا۔ حضرت عباسؓ نے آپ کو مسرور و شادماں دیکھ کر حضرت ابوسفیانؓ کی سفارش کر دی---''یارسول اللہ! ابوسفیان کی غلطیاں معاف فرما دیجئے اور اس سے راضی ہو جایئے!''

آپ نے دعا فرمائی---''یااللہ! ابوسفیان نے میرے ساتھ جتنی بھی عداوتیں کی ہیں، وہ سب معاف فرما دے اور اس سے راضی ہو جا!'' ☜

مالِ غنیمت کی تقسیم (۱)

جانِ دو عالم ﷺ نے مالِ غنیمت تقسیم کرنا شروع کیا تو مکہ کے سرداروں کو، جو نو مسلم تھے، بہت زیادہ دیا۔ کسی کو چالیس اونٹ، کسی کو پچاس، کسی کو سو اور کسی کو دوسو اونٹ۔

اس داد و دہش اور جود و عطا سے نو مسلم سردار بہت متاثر ہوئے اور ان کے دل جانِ دو عالم ﷺ کی محبت اور عقیدت سے بھر گئے، مگر انصار کے بعض ناسمجھ نوجوانوں کو جانِ دو عالم ﷺ کا سردارانِ قریش کو یوں نوازنا پسند نہ آیا اور انہوں نے کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ کو معاف فرمائے، لڑائی تو ہم نے لڑی ہے، مگر مالِ غنیمت قریشی سرداروں میں بانٹا جا رہا ہے، حالانکہ ہماری تلواروں سے ابھی تک خون ٹپک رہا ہے۔

یہ شکوہ اگرچہ سر بسر غلط تھا، کیونکہ جانِ دو عالم ﷺ نے جس کو جو دیا تھا، اپنے حصے خمس سے دیا تھا، نہ کہ مجاہدین کے حصے سے؛ تاہم مومنین کے ساتھ رؤف و رحیم ہستی نے ناراض ہونے اور غصہ کرنے کے بجائے انصار کو مطمئن کرنا زیادہ مناسب سمجھا اور ان کو ایک جگہ جمع کر کے کہا

''مجھے پتہ چلا ہے کہ تم اس بات پر ناراض ہو کہ سردارانِ قریش کو اتنا زیادہ مال کیوں دیا گیا ہے!؟''

پھر حضرت ابوسفیانؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا

''یَا اَخِیْ!'' (اے میرے بھائی!)

یہ پیار بھرا خطاب سن کر حضرت ابوسفیانؓ بے تابانہ لپکے اور آپ کا رکاب میں رکھا ہوا پاؤں چوم لیا۔ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ.

(۱) غزوۂ حنین سے فراغت کے بعد جانِ دو عالم ﷺ غزوۂ طائف کے لئے تشریف لے گئے تھے اور حنین کا مالِ غنیمت جعرانہ میں چھوڑ گئے تھے۔ غزوۂ طائف کے بعد جب آپ واپس تشریف لائے تو اس مال کو لوگوں میں تقسیم کیا۔ اس لئے مؤرخین اس واقعہ کو غزوۂ طائف کے بعد ذکر کرتے ہیں، مگر ہم نے تسلسل برقرار رکھنے کے لئے اس کو مقدم کر دیا ہے۔

''یا رسول اللہ!'' سردارِ انصار حضرت سعدؓ گویا ہوئے ''کسی سمجھدار آدمی نے وہ بات نہیں کی جو آپ تک پہنچائی گئی ہے؛ البتہ بعض ناسمجھ جوانوں سے یہ غلطی ضرور سرزد ہوئی ہے۔''

اس موقع پر ان کو خطاب کرتے ہوئے جانِ دو عالم ﷺ نے جو نفسیاتی اور جذباتی انداز اختیار کیا، وہ اپنی مثال آپ ہے۔

''سنو! کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ تم بھٹکے ہوئے اور گمراہ تھے، میرے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تم کو ہدایت دی؟''

سب نے کہا--- ''بلاشبہ ایسا ہی ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا ہم پر بڑا احسان ہے۔''

''کیا یہ درست نہیں ہے کہ تمہارے آپس میں شدید اختلافات تھے جو میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے دور فرما دیئے اور تم بھائی بھائی بن گئے؟''

''یہ سچ ہے، اللہ اور اس کے رسول کا ہم پر بڑا احسان ہے۔''

''کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ تم تنگدست تھے، میرے طفیل اللہ تعالیٰ نے تم کو غنی کر دیا؟''

''اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے، اللہ اور اس کے رسول کا ہم پر بڑا احسان ہے۔''

''تم تو ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کا اور میرا احسان قرار دیئے جا رہے ہو، حالانکہ تم چاہو تو یہ جواب بھی دے سکتے ہو کہ ہم نے بھی آپ پر بہت احسانات کئے ہیں--- تم کہہ سکتے ہو کہ کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ جب ساری دنیا آپ کی تکذیب کر رہی تھی، ہم نے اس وقت تصدیق کی--- جب اپنوں نے آپ کو نکال دیا، ہم نے پناہ دی--- جب انہی قریشی سرداروں نے آپ کو رسوا کرنا چاہا، ہم نے عزت واکرام سے اپنے پاس رکھا--- جب آپ بے سروسامان تھے، ہم نے ہر طرح کا تعاون کیا--- یہ سب باتیں سچ ہیں اور اگر تم یہ جواب دیتے تو میں تمہاری تصدیق کرتا اور کہتا کہ واقعی تمہارے مجھ پر بہت احسانات ہیں۔''

یہ ایک انوکھا انداز تھا، انصار چیخ اٹھے--- ''نہیں یا رسول اللہ! نہیں، ہمارا آپ پر کوئی احسان نہیں ہے، احسانات تو ہم پر ہیں، اللہ کے اور اس کے رسول کے۔''

جانِ دو عالم ﷺ نے مزید فرمایا ---- ''تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں نے تمہیں نظر انداز کر کے سردارانِ قریش کو نواز دیا ہے، حالانکہ میں نے انہیں اتنا کچھ اس لئے دیا ہے کہ ان کے دل اسلام کی طرف راغب ہو جائیں اور وہ جہنم میں گرنے سے بچ جائیں۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں انہیں تم پر ترجیح دیتا ہوں یا تمہاری بنسبت ان کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔''

اس حسین وجمیل اندازِ تفہیم سے اگر چہ انصار کے تمام گلے شکوے دور ہو گئے تھے اور وہ دلی طور پر مطمئن اور مسرور ہو گئے تھے؛ تاہم جانِ دو عالم ﷺ نے ان کو مزید خوش کرنے کے لئے انصار اور سردارانِ قریش کا ایسا خوبصورت تقابل بیان کیا کہ انصار کی روحیں وجد میں آ گئی ہونگی اور دل جھوم اٹھے ہوں گے۔ فرمایا ---- ''کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ قریش کے سردار جب لوٹیں تو کسی کے پاس اونٹ ہوں، کسی کے پاس بکریاں اور کسی کے پاس سونا چاندی، لیکن جب تم یہاں سے واپس جاؤ تو تمہارے پاس اللہ کا رسول محمد ہو؟''

اللہ اکبر! کہاں دنیا کا حقیر مال ومتاع اور کہاں کائنات کی سب سے گراں بہا نعمت، مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ! ﷺ۔

سب نے یک زبان ہو کر کہا ---- ''رَضِینَا یَارَسُوْلَ اللہِ! رَضِینَا یَارَسُوْلَ اللہِ!'' (ہم راضی ہیں یارسول اللہ! ہم راضی ہیں یارسول اللہ!)

قیدیوں کا مسئلہ

باقی مالِ غنیمت تو جانِ دو عالم ﷺ نے تقسیم کر دیا؛ البتہ قیدیوں کے سلسلے میں انتظار کرتے رہے کہ شاید ان کے متعلقین رہائی کے لئے رابطہ کریں، مگر جب کافی دن گزر گئے اور ہوازن نے کوئی کوشش نہ کی تو آپ نے قیدیوں کو بھی غلاموں کی حیثیت سے مجاہدین میں بانٹ دیا۔ اس کے چند دن بعد ہوازن کے بیشتر افراد حاضر ہوئے اور ان کے سردار نے ایک رقت انگیز نظم پڑھی، جس میں قیدیوں کی رہائی کی التجا کی گئی تھی۔ جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تمہارا کافی انتظار کیا، مگر جب تم نہ آئے تو میں نے قیدیوں کو مجاہدین میں تقسیم کر دیا ہے، اب یہ ان کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ اپنے غلاموں کو آزاد کرتے ہیں یا نہیں۔ میں اس سلسلے میں ان سے بات کرتا ہوں، البتہ اگر تم لوگ مسلمان ہو جاؤ تو مجھے آسانی رہے گی۔

وہ سب کے سب بخوشی مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد جانِ دو عالم ﷺ نے مجاہدین سے کہا کہ ہوازن اب تمہارے دینی بھائی بن گئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کے قیدیوں کو رہا کر دیا جائے، اسلئے میں اپنے حصے کے تمام قیدی آزاد کر رہا ہوں۔ سب نے کہا کہ اس صورت میں ہم بھی اپنے قیدی رہا کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اس طرح چھ ہزار قیدی جو غلام بن چکے تھے، دفعۃً آزادی کی نعمت سے ہمکنار ہو گئے۔ چنانچہ جانِ دو عالم ﷺ نے ہر قیدی کو ایک ایک کپڑا عنایت کیا اور عزت سے رخصت کر دیا۔

اس جنگ میں ہوازن اور ثقیف کے ساتھ بنی سعد بھی شامل ہوئے تھے۔ ان کے جو مرد عورتیں گرفتار ہوئیں، ان میں سے ایک خاتون نے دعوٰی کیا کہ میں تمہارے نبی کی بہن ہوں، مگر کسی نے ان کی بات پر کان نہ دھرا۔ جب ان کو جانِ دو عالم ﷺ کے روبرو پیش کیا گیا تو انہوں نے پھر اپنا دعوٰی دہرایا اور کہا۔۔۔ ''یارسول اللہ! میں آپ کی بہن ہوں، شیماء''

''اس کا کوئی ثبوت؟'' جانِ دو عالم ﷺ نے پوچھا۔

انہوں نے کپڑا اٹھا کر اپنا کندھا دکھایا، جہاں دانتوں سے کاٹنے کا نشان تھا اور کہا ''یارسول اللہ! بچپن میں جب میں آپ کو اٹھائے پھرتی تھی تو آپ نے ایک دفعہ یہاں مجھے کاٹ لیا تھا۔''

جانِ دو عالم ﷺ کی نگاہوں میں رضاعت کا وہ زمانہ پھر گیا، جب آپ حلیمہؓ سعدیہ کے ہاں رہا کرتے تھے اور شیماء آپ کو دن بھر کھلایا کرتی تھیں۔ دانتوں سے کاٹنے کی معصومانہ شوخی بھی یاد آ گئی۔ فوراً اپنی چادر اتار کر زمین پر بچھائی اور بصد مسرت رضاعی بہن کو مرحبا کہا۔ بہن بھائی کی اس انداز میں ملاقات ایک رقت انگیز نظارا تھا۔ خود جانِ دو عالم ﷺ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور آنسو ٹپکنے لگے۔ پھر شیماء سے کہا کہ اگر تم میرے پاس رہنا چاہو تو بخوشی رہ سکتی ہو۔ میں تم کو بہت احترام سے رکھوں گا اور اگر اپنی قوم اور رشتہ داروں میں جانا چاہو تو اس کا انتظام بھی ہو سکتا ہے۔

شیماء نے کہا۔۔۔ ''یارسول اللہ! رہوں گی تو میں اپنے رشتہ داروں ہی کے پاس، البتہ میں اسلام لانا چاہتی ہوں۔ مجھے اس کا طریقہ بتایئے!''

جانِ دو عالم ﷺ نے ان کو توحید و رسالت کی تعلیم دی اور بہت سے اونٹ بکریاں اور غلام دے کر رخصت کیا۔ اس کے علاوہ ان کی سفارش پر بنی سعد کے دیگر افراد کو بھی رہا کر دیا اور سب مسرور و شادمان اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

غزوۂ طائف

وہی طائف جس کا ذکر آتے ہی ذہن میں وہ اندوہناک منظر تازہ ہو جاتا ہے، جب دورویہ کھڑے ستمگر پتھر برسا رہے تھے اور جانِ دو عالم ﷺ کے شفاف اور حریری جسم سے خون کی دھاریں بہہ رہی تھیں! (۱)

غزوۂ حنین سے فراغت کے بعد جانِ دو عالم ﷺ نے طائف کی طرف کوچ کیا۔ وجہ یہ تھی کہ ثقیف، جو غزوۂ حنین میں شامل تھے یہیں کے رہنے والے تھے اور حنین کے میدان میں شکست کھانے کے بعد طائف کے مستحکم اور مضبوط قلعے میں پناہ گزیں ہو گئے تھے۔ انہوں نے غلہ اور دیگر ضروریاتِ زندگی اتنی مقدار میں جمع کر لی تھیں کہ طویل عرصے تک کافی ہو سکتی تھیں، اس لئے وہ قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے اور مسلمانوں کا انتظار کرنے لگے۔

جانِ دو عالم ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک ہزار افراد کا امیر بنا کر پہلے بھیج دیا اور خود باقی لشکر کے ساتھ ان کے عقب میں روانہ ہوئے۔ حضرت خالد نے وہاں جا کر طائف کے سرداروں کو سمجھایا کہ تم خواہ مخواہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور اطاعت اختیار کر لو۔ بنو قریظہ، بنو نضیر اور اہل خیبر کو بھی اپنے قلعوں پر بہت ناز تھا، مگر ان کا کیا حشر ہوا---؟ بنو قریظہ مارے گئے، بنو نضیر مدینہ سے نکال دیئے گئے اور خیبر کے چھوٹے بڑے تمام قلعے سرنگوں ہو گئے۔ اب تو مکہ بھی فتح ہو چکا ہے اور حنین میں ہوازن و ثقیف کی مشترکہ قوت کا شیرازہ بھی بکھر چکا ہے، اس لئے بلاوجہ ضد نہ کرو اور ہتھیار ڈال دو۔

طائف والوں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی اس نصیحت پر عمل نہ کیا اور کہا کہ نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو، ہم بہرصورت مقابلہ کریں گے۔

---

(۱) تفصیل ج ۱، ص ۲۵۹ پر گزر چکی ہے۔

نئے ہتھیاروں کا استعمال

اس جنگ میں مسلمانوں نے پہلی مرتبہ منجنیق اور دبابہ کا استعمال کیا۔(۱) مگر قلعہ اس قدر مضبوط تھا، کہ منجنیق کی سنگباری اس کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔اس کے بعد بہت بڑا دبابہ آگے بڑھایا گیا، مگر اہل طائف نے اس پر آگ میں سرخ کیے گئے تیر برسائے، جن سے دبابہ کو آگ لگ گئی اور دھڑا دھڑ جلنے لگا، اس میں بیٹھے ہوئے مسلمان گھبرا کر باہر نکلے تو ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی گئی۔اس حملے میں بارہ مسلمان شہید اور متعدد زخمی ہو گئے۔(۲)

یہ صورت حال دیکھ جانِ دو عالم ﷺ نے حکم دیا کہ قلعے کے گرد پھیلے ہوئے تمام

---

(۱) ''منجنیق'' ایک قسم کی بہت بڑی غلیل ہوتی تھی جس کے ذریعے قلعوں پر بھاری پتھر برسائے جاتے تھے اور ''دبابہ'' لکڑی کا بنا ہوا ایک کمرہ سا ہوتا تھا جس کے ساتھ پہیے لگے ہوتے تھے اور اس کی چھت کچھوے کی پیٹھ جیسی ہوتی تھی جس پر گائے کا چڑا مڑھا ہوتا تھا۔اس میں نقب زنی کے ماہرین کو بٹھا کر قلعے کے پاس پہنچا دیا جاتا تھا اور وہ دیواروں میں شگاف ڈال دیتے تھے۔چڑا مڑھا ہوا ہونے کی وجہ سے تیر اندازی کا اس پر کچھ اثر نہیں ہوتا تھا اور نقب زن اطمینان سے اپنا کام کرتے رہتے تھے۔

(۲) ان زخمیوں میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔تیر لگنے سے ان کی ایک آنکھ باہر نکل آئی تھی۔انہوں نے اس کو ہتھیلی پر رکھا اور جانِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی ''یارسول اللہ! میری یہ آنکھ ضائع ہو گئی ہے۔''

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا --- ''کیا چاہتے ہو، آنکھ یا جنت میں ایک چشمہ؟ اگر آنکھ چاہتے ہو تو میں دعا کروں کہ اللہ تعالیٰ اس کو ٹھیک کر دے۔''

یہ سن کر حضرت ابوسفیانؓ نے آنکھ زمین پر پھینک دی اور کہا --- ''میں جنت میں چشمہ لینا زیادہ پسند کروں گا۔''

پھر صدیق اکبرؓ کے دورِ خلافت میں جنگ یرموک کے دوران رومیوں سے لڑتے ہوئے ان کی دوسری آنکھ بھی شہید ہو گئی۔اس طرح ان کو یہ منفرد اعزاز حاصل ہوا کہ ان کی دونوں آنکھیں راہِ خدا میں نثار ہو گئیں۔رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ.

باغ کاٹ دیئے جائیں۔ اس حکم کا مقصد یہ تھا کہ جب اہل طائف اپنے قیمتی اور خوبصورت باغوں کو کٹتا دیکھیں گے تو ان کے بچانے کے لئے مجبوراً قلعے سے باہر نکلیں گے۔ اس طرح ان کی قلعہ بندی ٹوٹ جائے گی اور اہلِ اسلام کو ان سے دو دو ہاتھ کرنے کا موقع مل جائے گا۔

اہل طائف ظالم تھے، سفاک تھے، بے رحم تھے مگر رحمۃ للعالمین کے مزاج آشنا تھے، انہوں نے اپنے باغوں کو کٹتے اور تباہ ہوتے دیکھا تو قلعے کے اندر سے ہی چلاّنے لگے---"یا محمد! ہم تم کو اللہ کا اور اس "رشتہ داری" کا واسطہ دیتے ہیں جو ہمارے اور تمہارے درمیان پائی جاتی ہے کہ ہمارے باغوں کو تباہ و برباد نہ کرو!"

رشتہ داری کیا تھی---؟ جانِ دو عالم ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ، ان کی ماں برہ بنت عبدالعزی، ان کی ماں ام حبیب، ان کی ماں برہ بنت عوف، ان کی ماں قلابہ، ان کی ماں ہند---اور ہند کا تعلق طائف کے قبیلے ثقیف سے تھا۔ اتنے دور دراز کے رشتے کا بھلا کیا اعتبار ہوتا ہے---! اور جب یہ لوگ طائف کے بازار میں جانِ دو عالم ﷺ پر پتھر برسا رہے تھے، کیا اس وقت انہیں یہ رشتہ یاد نہیں رہا تھا---!

مگر ان ساری باتوں کے باوجود جانِ دو عالم ﷺ نے اللہ کے نام اور رشتے کی حرمت کا اس قدر پاس کیا کہ اسی وقت صحابہ کرام کو درخت کاٹنے سے منع کر دیا اور فرمایا

"اَتْرُکُھَا لِلّٰہِ وَلِلرَّحِمِ." (میں نے اللہ اور رشتہ داری کے لئے باغوں کی کٹائی ترک کر دی ہے۔)

کیا بات ہے کریم السجایا اور جمیل الشیم آقا کی---! صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ.

محاصرہ ختم

جانِ دو عالم ﷺ نے اٹھارہ دن تک طائف کا محاصرہ جاری رکھا، مگر پھر خود ہی محاصرہ اٹھانے اور واپس چلنے کا حکم دے دیا۔ اس کے متعدد اسباب تھے

پہلا تو یہ کہ قلعہ خاصا مضبوط تھا اور اہل طائف نے وسیع پیمانے پر ضروریاتِ زندگی کا ذخیرہ کر رکھا تھا، اس لئے ان کے جلدی ہتھیار ڈالنے کا کوئی امکان نہ تھا؛ جبکہ جانِ دو عالم ﷺ اپنی بے شمار مصروفیات کی وجہ سے زیادہ دنوں تک مدینہ منورہ سے باہر نہیں رہ سکتے تھے۔

دوسرا یہ کہ اہل طائف محاصرے کے بغیر بھی محاصرے ہی کی حالت میں رہتے۔ کیونکہ گردونواح کے تمام لوگ مسلمان ہو چکے تھے، اس لئے اہل طائف جب بھی قلعے سے نکلتے ان کا سابقہ مسلمانوں ہی سے پڑتا۔

تیسرا یہ کہ اہل طائف کی جانِ دو عالم ﷺ پر سنگباری، پھر حنین میں تیراندازی، پھر طائف میں قلعہ بندی اور آتشیں تیر پھینک کر مسلمانوں کو شہید و مجروح کرنے کی وجہ سے مسلمان سخت غیظ و غضب میں تھے۔ اگر طائف کو بزورِ شمشیر فتح کیا جاتا تو اس وقت غضبناک شیر کی طرح بپھرے ہوئے مجاہدین کو قتلِ عام سے روکنا ازحد مشکل ہوتا اور بہت زیادہ خونریزی ہوتی؛ جبکہ جانِ دو عالم ﷺ یہ نہیں چاہتے تھے۔

غرضیکہ متعدد وجوہ کی بناء پر جانِ دو عالم ﷺ نے محاصرہ اٹھالیا اور کہا کہ ہم واپس جا رہے ہیں۔ بعض پُر جوش مجاہدین نے کہا---"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم فتح کے بغیر واپس چلے جائیں!"

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا---"ٹھیک ہے، پھر اپنی سی کوشش کر دیکھو!"

اور جب صبحدم یہ مجاہدین قلعے کی طرف بڑھے تو تیروں کی باڑھ نے استقبال کیا، جس سے متعدد افراد زخمی ہو گئے۔ اب ان کو بھی احساس ہو گیا کہ جانِ دو عالم ﷺ نے واپسی کا فیصلہ درست کیا تھا اور ہمیں یہ نقصان محض اس لئے اٹھانا پڑا کہ ہم نے آپ کے حکم کی تعمیل میں پس و پیش کی تھی، چنانچہ آپ نے جب دوبارہ کہا کہ ہم واپس جا رہے ہیں تو یہی مجاہدین واپسی میں پیش پیش تھے۔ آپ ان کی یہ حالت دیکھ کر ہنسے کہ کہاں تو وہ جوش و خروش کہ واپسی کا نام سننے کے لئے تیار نہ تھے اور کہاں یہ عالم کے واپسی کے لئے بیتاب و بیقرار ہو رہے ہیں!

دُعا

مراجعت سے پہلے جانِ دو عالم ﷺ نے دعا فرمائی

"اَللّٰھُمَّ اھْدِ ثَقِیْفًا وَّاْتِ بِھِمْ مُسْلِمِیْنَ." (الٰہی! ثقیف کو ہدایت دے اور انہیں اس حال میں میرے پاس لا کہ وہ اسلام لانے والے ہوں۔)

جانِ دو عالم ﷺ کی یہ دعا قبول ہوئی اور تھوڑے ہی عرصے بعد اہل طائف حاضر خدمت ہو کر مسلمان ہو گئے۔

سرایا

غزوۂ طائف سے واپسی کے بعد جانِ دو عالم ﷺ نے مختلف قبائل کی تسخیر کے لئے متعدد مہمات روانہ فرمائیں جو سب کی سب کامیاب لوٹیں اور پورے عرب میں دین حق کا بول بالا ہو گیا۔

غزوۂ تبوک

رجب ۹ھ کو جانِ دو عالم ﷺ غزوۂ تبوک کے لئے روانہ ہوئے۔ تبوک اس راستے پر واقع تھا جو اس زمانے میں مدینہ منورہ سے شام کی طرف جاتا تھا۔ اس غزوے کا سبب یہ بنا کہ شام سے آنے والے تاجروں نے جانِ دو عالم ﷺ کو اطلاع دی کہ رومیوں کا ایک بڑا لشکر شام میں جمع ہو رہا ہے اور وہ لوگ سلطنتِ اسلامیہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آپ نے یہاں بیٹھ کر ان کا انتظار کرنے کے بجائے مناسب سمجھا کہ انہیں اسلامی سلطنت کی حدود میں داخل ہی نہ ہونے دیا جائے اور ان سے وہیں نمٹ لیا جائے۔

یہ بہت طویل سفر تھا، موسم بھی شدید گرمی کا تھا، اس پر مستزاد یہ کہ ان دنوں پورا عرب قحط کی لپیٹ میں تھا، اس لئے اہل مدینہ تقریباً تہی دست تھے، اسی بناء پر اس کو ''غَزْوَۃُ الْعُسْرَۃ'' بھی کہا جاتا ہے، یعنی تنگدستی والا غزوہ۔

ظاہر ہے کہ ایسی بے سرو سامانی کے عالم میں آگ کی طرح تپتے ہوئے صحراؤں کو عبور کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ منافقین سخت گھبرائے ہوئے تھے اور اہل ایمان کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے کہتے پھرتے تھے کہ لَاتَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ (اس گرمی میں جنگ کے لئے مت نکلو!)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ اس غزوے میں شامل نہیں ہوں گے، ان کو آئندہ کسی بھی غزوے میں شرکت کی اجازت نہ ہوگی اور وہ اس سعادت سے ہمیشہ کے لئے محروم رہیں گے۔

﴿فَاِنْ رَّجَعَکَ اللّٰہُ اِلٰی طَآئِفَۃٍ مِّنْھُمْ فَاسْتَاْذَنُوْکَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا ؕ اِنَّکُمْ رَضِیْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّۃٍ

فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخَالِفِيْنَ﴾ ۹/۸۳

(اے نبی!) اگر اللہ تعالیٰ اس غزوے کے بعد تمہیں اس گروہ کے پاس واپس لائے اور یہ لوگ اس کے بعد کسی غزوے میں جانے کی تم سے اجازت طلب کریں تو ان سے کہہ دو کہ اب تم کبھی بھی میرے ساتھ نہ نکل سکو گے، نہ میرے ہمراہ دشمن سے لڑائی کر سکو گے۔ تم پہلی مرتبہ پیچھے بیٹھ گئے تھے، اس لئے اب بھی پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عطیہ

جانِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا عام طور پر معمول تھا کہ غزوات کی تیاری کرتے وقت یہ بات آخر تک مخفی رکھتے تھے کہ کہاں جانا ہے اور کس سے مقابلہ کرنا ہے۔ مگر یہ سفر چونکہ طویل تھا اور مشکل حالات میں پیش آ رہا تھا، اس لئے جانِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر بتا دیا تھا کہ تبوک جانا ہے، تاکہ ہر شخص اس فاصلے کو مدنظر رکھ کر تیاری کرے۔

مالی مشکلات کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس غزوے کے لئے جانِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بذاتِ خود لوگوں سے چندے کا مطالبہ کیا اور راہِ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب دی۔ آپ کی باتیں سن کر حضرت عثمانؓ بولے

''یا رسول اللہ! میں ایک سو اونٹ دوں گا، تمام ساز و سامان کے ساتھ۔''

تھوڑی دیر بعد آپ نے دوبارہ انفاق فی سبیل اللہ کی طرف توجہ دلائی تو حضرت عثمانؓ نے دوبارہ عرض کی۔۔۔''یا رسول اللہ! میں دو سو اونٹ دوں گا، ساز و سامان سمیت۔''

پھر جب آپ نے تیسری بار اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو کہا تو تیسری مرتبہ بھی عثمانؓ ہی گویا ہوئے۔۔۔''یا رسول اللہ! میں تین سو اونٹ دوں گا، مع ساز و سامان کے۔''

اس کے بعد حضرت عثمانؓ گھر تشریف لے گئے اور ایک ہزار اشرفیاں لا کر جانِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جھولی میں ڈال دیں۔ آپ نے اتنی ڈھیر ساری اشرفیوں کو فرحت اور حیرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اپنے ہاتھوں میں الٹا پلٹا۔ پھر دریائے کرم جوش میں آیا اور فرمایا

''مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ.'' (آج کے بعد عثمان کا جو جی چاہے

کرتا پھرے، قیامت میں اس سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔)

سبحان اللہ! کیا شان ہے عفان کے بیٹے عثمان کی---! رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنہُ.

زاہدِ مسجدِ احمدی پہ درود دولتِ جیشِ عسرت (۱) پہ لاکھوں سلام

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا ایثار

جو لوگ چندہ دے رہے تھے انہوں نے جانِ دو عالم ﷺ کے ہمراہ جہاد کے لئے بھی جانا تھا، اس لئے سب نے اس بات کا خیال رکھا کہ چندہ دینے کے بعد گھر میں کم از کم اتنا بچ رہے کہ ہماری غیر موجودگی میں گھر والوں کو فاقے نہ کرنے پڑیں، مگر ایک جیالا ایسا بھی تھا جوان سوچوں سے ماورا تھا اور اس کا اندازِ فکر سب سے نرالا اور جدا تھا۔ وہ اللہ کا بندہ جو کچھ گھر میں تھا سب کا سب اٹھا لایا اور جب جانِ دو عالم ﷺ نے پوچھا---''هَلْ اَبْقَيْتَ لِاَ هْلِکَ شَيْئًا؟'' (گھر والوں کے لئے بھی کچھ چھوڑا ہے کہ نہیں؟)

تو اس نے بصد اعتماد جواب دیا---''اَبْقَيْتُ لَهُمُ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ.'' (ان کے لئے میں اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ کر آیا ہوں۔)

بے شک---جس کے گھر میں اللہ اور اس کا رسول ہر دم موجود ہوں، اس کو گھر والوں کی کیا فکر ہو سکتی ہے!

میں نے یہ واقعہ مختصراً ذکر کیا ہے، تفصیل علامہ اقبالؒ کی شیریں زباں سے سنئے!

اِک دن رسولِ پاک نے اصحاب سے کہا دیں مال راہِ حق میں، جو ہوں تم میں مالدار
ارشاد سن کر فرطِ طرب سے عُمر اٹھے اس روز ان کے پاس تھے درہم کئی ہزار
دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدیق سے ضرور بڑھ کے رکھے گا آج قدم میرا راہوار
لائے غرض کہ مال، رسولِ امیں کے پاس ایثار کی ہے دست نگر ابتدائے کار
پوچھا حضورِ سرورِ عالم نے ''اے عمر! اے وہ کہ جوشِ حق سے ترے دل کو ہے قرار

---

(۱) درج بالا واقعہ کے پس منظر میں اعلیٰ حضرتؒ نے حضرت عثمانؓ کے لئے کیا خوبصورت لقب تجویز کیا ہے---''دولتِ جیشِ عسرت''

رکھا ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تو نے کیا؟ مسلم ہے اپنے خویش واقارب کا حق گزار"
کی عرض "نصف مال ہے فرزندوزن کا حق باقی جو ہے، وہ ملتِ بیضاء پہ ہے نثار"
اتنے میں وہ رفیقِ نبوت بھی آ گیا جس سے بنائے عشق ومحبت ہے استوار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مردِ وفا سرشت ہر چیز، جس سے چشمِ جہاں میں ہو اعتبار
بولے حضور "چاہئے فکرِ عیال بھی" کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار
"اے تجھ سے دیدۂ مہ وانجم فروغ گیر اے تیری ذات باعثِ تکوینِ روزگار
پروانے کو چراغ ہے، بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس"

بکّائین

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ بھی تمام اہل خیر نے اس مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور حسب استطاعت مجاہدین کے لئے امداد فراہم کی۔ کسی نے اشرفیاں دیں اور کسی نے روپے۔ کسی نے غلہ مہیا کیا اور کسی نے ہتھیار۔ کسی نے سواری کے لئے اونٹ فراہم کئے اور کسی نے گھوڑے۔ اس طرح دیگر ضروریات کی کفالت کا تو کسی حد تک انتظام ہو گیا، لیکن سواریوں کی اب بھی قلت تھی۔ چنانچہ چند نادار مشتاقانِ جہاد نے جب جانِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ یارسول اللہ! ہمیں بھی سواریاں عطا فرمائیے! تو آپ نے فرمایا

"لَا اَجِدُ مَا اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ." (تمہیں دینے کے لئے میرے پاس سواریاں نہیں ہیں۔)

یہ سن کر انہیں بے حد صدمہ ہوا کہ ہم تمام تر اشتیاق کے باوجود محض اپنی ناداری کی وجہ سے اس غزوے میں شرکت سے محروم رہ جائیں گے۔ دل کا غم آنکھوں کے راستے ابل پڑا اور روتے ہوئے واپس چل پڑے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی اس حالت کو ان الفاظ میں ذکر فرمایا

﴿"تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۝"﴾

(وہ اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، اس غم میں کہ ان کے پاس خرچ کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے۔)

جانِ دو عالم ﷺ سے ان کی حسرت و یاس اور شکستہ دلی برداشت نہ ہو سکی۔ آپ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے قیمتاً اونٹ خریدے، پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ جاؤ، ان رونے والوں کو بلا لاؤ۔

حضرت بلالؓ اسی وقت ان کو بلا لائے اور جانِ دو عالم ﷺ نے اونٹ ان کے حوالے کر دیئے۔ قارئین کرام! آپ خود ہی سوچئے کہ اس وقت ان کی فرحت و مسرت کا عالم کیا ہوگا!!

چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے رونے کا خاص طور پر ذکر کیا ہے، اس لئے تاریخ و سیرت میں ان لوگوں کا نام ہی بَکَّائِین پڑ گیا۔ یعنی رونے والے۔

عجیب صدقہ

ان بکائین میں ایک صحابی حضرت علبہؓ ابن زید تھے۔ وہ جب سواری نہ ملنے کی وجہ سے روتے ہوئے واپس آئے تو رات کو انتہائی حزن و ملال کے عالم میں دست بدعا ہوئے:

"الٰہی! تو نے جہاد کا حکم دیا ہے، مگر نہ تو مجھے اتنے وسائل دیئے ہیں کہ میں تیرے رسول کے ساتھ جا سکوں، نہ رسول اللہ کے پاس اتنی سواریاں ہیں کہ سب کے لئے کافی ہو سکیں۔ میرے پاس تو اتنی ذرا سی رقم بھی نہیں ہے کہ میں اس مہم میں خرچ کر کے شریک ہو سکوں۔ اس ناداری کی حالت میں میں اور تو کچھ نہیں کر سکتا؛ البتہ یہ التجا کرتا ہوں کہ اگر مجھ پر کسی مسلم نے ظلم کیا ہو، میری دل آزاری کی ہو، مجھے جانی یا مالی نقصان پہنچایا ہو، یا میری عزت و آبرو کو بٹا لگایا ہو، تو ایسے تمام لوگوں کو میں دل سے معاف کرتا ہوں، قیامت کے دن ان کو میرے کسی حق میں نہ پکڑنا --- یہی میرا صدقہ ہے اور یہی میرا عطیہ --- الٰہی! اس کو قبول فرما لے!"

صبح ہوئی تو نماز کے بعد جانِ دو عالم ﷺ کے حکم پر ایک شخص نے بآواز بلند پکارا "گزشتہ رات کو اللہ کی راہ میں صدقہ کرنے والا کہاں ہے؟"

کوئی جواب نہ آیا۔ دوبارہ یہی ندا کی گئی۔ پھر بھی کوئی نہ بولا۔ کیونکہ اس رات کسی نے صدقہ یا عطیہ دیا ہی نہیں تھا۔ جب تیسری دفعہ یہی سوال کیا گیا تو حضرت علبہؓ اٹھے اور کچھ عرض کرنا ہی چاہتے تھے کہ جانِ دو عالم ﷺ نے خود ہی فرما دیا

''علبہ! تمہیں مژدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا صدقہ قبول فرمالیا ہے اور تمہیں بھی راہِ خدا میں خرچ کرنے والوں میں شامل کرلیا ہے۔''

اس طرح حضرت علبہؓ ایک پائی خرچ کئے بغیر محض اپنے سوزِ دروں کے طفیل، ہزاروں روپے لٹانے والوں کے زمرے میں داخل ہو گئے---زہے نصیب۔

روانگی اور استخلاف

شب و روز کی مسلسل جدوجہد اور تیاریوں کے بعد آخر کار ستر ہزار افراد پر مشتمل عظیم لشکر تیار ہو گیا۔ ثنیۃ الوداع کے پاس جانِ دو عالم ﷺ نے اس جیش کا آخری معائنہ کیا اور مختلف قبائل کو علم عطا فرمائے۔ علقمہ خزاعی اور ان کے والد کو راستہ بتانے کے لئے ساتھ لیا اور رجب ۹ ھ کو بروز جمعرات تبوک کی جانب روانہ ہوئے۔

روانگی سے پہلے جانِ دو عالم ﷺ نے اپنے اہل و عیال کی دیکھ بھال اور اہل مدینہ کی نگرانی و پاسبانی کے لئے حضرت علیؓ کو منتخب کیا اور انہیں قائم مقام امیر نامزد فرمادیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ حضرت علیؓ کو کسی غزوے میں شامل نہیں کیا جارہا تھا، ورنہ وہ تو ہمیشہ صفِ اول میں ہوتے تھے۔ حضرت علیؓ کو جانِ دو عالم ﷺ کے اس فیصلے پر حیرت ہوئی اور شکوہ آمیز انداز میں عرض کی

''یارسول اللہ! مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر جارہے ہیں!؟''

جانِ دو عالم ﷺ نے ان کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا

''کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ جس طرح ہارونؑ، موسیٰؑ کے قائم مقام بنے تھے، اسی طرح اس موقع پر تم میرے قائم مقام بن جاؤ---؟! ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ مجھے نبوت ملنے کے بعد اب کسی کو نبوت نہیں مل سکتی۔''

(یعنی تم ہارونؑ کی طرح نبی تو نہیں بن سکتے، لیکن ان کی طرح نبی کے قائم مقام تو بن سکتے ہو۔)

یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا، نبی نہ ہونے کے باوجود حضرت علیؓ کو وہ مرتبہ دیا جارہا تھا جو اس سے پہلے ایک نبی کو عطا ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت علیؓ خوش ہو گئے اور عرض کی

''میں راضی ہوں، میں راضی ہوں، میں راضی ہوں، یارسول اللہ!''

متخلفین

بہت سے لوگ روانگی کے وقت جانِ دوعالم ﷺ کے ہمرکاب نہ ہوسکے اور پیچھے رہ گئے۔ ان میں زیادہ تعداد تو منافقین کی تھی، جنہوں نے مختلف قسم کے حیلے بہانے کر کے ساتھ جانے سے معذوری ظاہر کردی تھی، لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو بعض مجبوریوں کی بنا پر ساتھ تو نہ نکل سکے تھے مگر بعد میں لشکر کے ساتھ جا ملے تھے۔

حضرت ابوخیثمہ ؓ اور حضرت ابوذر غفاری ؓ بھی ایسے لوگوں میں شامل تھے۔

حضرت ابوخیثمہؓ بہت آرام و آسائش کی زندگی بسر کرنے کے عادی تھے۔ کسی وجہ سے جانِ دوعالم ﷺ کے ساتھ نہ جاسکے اور مدینہ میں ہی رہ گئے۔ ایک دن شدید گرمی میں دوپہر کے وقت گھر آئے تو ان کی دو حسین وجمیل بیویوں نے گرمی سے بچاؤ کے لئے بہت عمدہ انتظام کر رکھا تھا۔ انہوں نے مکان سے ملحق باغ میں گھاس پھونس کے دو چھپر ڈال کر پانی سے تر کردیئے تھے اور ان سے چھن چھن کر ٹھنڈی ہوا نیچے آرہی تھی۔ ٹھنڈے پانی کی صراحیاں بھی بھری ہوئی تھیں اور دونوں بیویوں نے عمدہ عمدہ قسم کے کھانے بھی تیار کر رکھے تھے۔

آرام و آسائش کے اس قدر بھرپور انتظامات ولوازمات دیکھ کر حضرت ابوخیثمہؓ کے دل پر ایک چوٹ سی لگی اور خیال آیا کہ رسول اللہ تو اس شدید گرمی میں لق ودق صحراؤں میں محوِ سفر ہوں اور میں خوشگوار سائے میں خوبصورت بیویوں کے ساتھ بیٹھ کر لذیذ کھانے کھاؤں اور ٹھنڈا پانی پیوں --- یہ کہاں کا انصاف ہے ---!

یہ خیال آتے ہی دل بے قرار ہوگیا اور سامانِ لطف ولذت سے بیزار ہوگیا۔ چنانچہ اپنی بیویوں سے کہا کہ میں نہ تو ان ٹھنڈے سائبانوں کے نیچے بیٹھوں گا، نہ تمہارے تیار کردہ کھانے کھاؤں گا۔ اب تو جب تک میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو جاؤں گا، مجھے قرار نہیں آئے گا۔ اس لئے تم فوری طور پر میرا اسلحہ تیار کرو اور زادِ راہ کا انتظام کرو، میں اپنا اونٹ کھول کر لاتا ہوں۔

ان نیک بیبیوں کو اپنے شوہر کے اس مقدس ارادے پر کیا اعتراض ہوسکتا تھا۔ چنانچہ

جب ابوخیثمہؓ اونٹ کھول کر لائے تو اسلحہ اور زادِ راہ تیار تھا۔ ابوخیثمہؓ نے سب کچھ ساتھ لیا اور اسی وقت تپتی ہوئی دوپہر میں روانہ ہوگئے۔ منزلوں پر منزلیں مارتے آخر لشکر تک جا پہنچے۔

اس وقت جانِ دوعالم ﷺ ایک جگہ پڑاؤ کئے ہوئے تھے۔ ابوخیثمہؓ کو دور سے آتا دیکھ کر کچھ لوگوں نے عرض کی

''یارسول اللہ! کوئی سوار آرہا ہے، مگر پہچانا نہیں جارہا۔''

جانِ دوعالم ﷺ نے فرمایا---''اس کو ابوخیثمہ ہونا چاہئے۔''

تھوڑی دیر بعد سوار کے نقوش واضح ہوئے تو سب نے کہا

''اللہ کی قسم، یارسول اللہ! وہ ابوخیثمہ ہی ہے!''

جب ابوخیثمہؓ بارگاہ نبوت میں پہنچے تو جانِ دوعالم ﷺ نے پیار بھرے انداز میں ڈانٹتے ہوئے کہا---''ابوخیثمہ! یہ کیا طریق کار اختیار کیا ہے تم نے!؟''

یعنی اگر آنا تھا تو پہلے ہی ساتھ آئے ہوتے اور نہیں آنا تھا تو اب آنے کی کیا وجہ ہے؟

انہوں نے اپنی سرگزشت بیان کی تو جانِ دوعالم ﷺ ان کے جذبے سے بہت خوش ہوئے اور ان کے لئے دعائے خیر فرمائی۔

حضرت ابوذرؓ کا اونٹ بیمار تھا۔ اس لئے وہ بھی ساتھ نہ جاسکے اور اونٹ کے علاج معالجے میں مصروف رہے۔ خیال تھا کہ اونٹ صحت یاب ہوگیا تو بعد میں جانِ دوعالم ﷺ کے ساتھ جاملوں گا۔ چند دن بعد اونٹ کسی قدر تندرست ہوگیا تو حضرت ابوذرؓ نے اس پر سامان لادا اور سوار ہوکر چل پڑے، مگر راستے میں اونٹ پھر بے کار ہوگیا اور چلنے کے قابل نہ رہا۔ اب مزید تاخیر ناقابلِ برداشت تھی، اس لئے انہوں نے سامان اتار کر اپنے کندھوں پر رکھا اور اونٹ کو وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔

اس شدید گرمی میں اتنا بھاری بوجھ اٹھا کر صحرا میں تنہا سفر کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ مگر عشق کا جذبہ موجزن ہو تو کوئی مشکل، مشکل نہیں معلوم ہوتی۔ طویل صحرا نوردی کے بعد آخر کار وہ بھی لشکر کے قریب جا پہنچے۔ صحابہ کرام نے حیرت سے کہا

''یارسول اللہ! ایک آدمی تنِ تنہا اور پیادہ چلا آرہا ہے!!''

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا---''اس کو ابوذر ہونا چاہیے۔''
چند لمحوں بعد سب نے تصدیق کر دی کہ واقعی ابوذر ہی ہے۔
جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا---''اللہ اس پر رحم کرے، یہ تنہا جیے گا، تنہا مرے گا اور تنہا اٹھایا جائے گا۔(۱)

---

(۱) جانِ دو عالم ﷺ کے اس ارشاد کے دو جزو تو پورے ہو گئے۔ یعنی تنہا جینا اور تنہا مرنا؛ البتہ تیسرا جزو بروزِ محشر ظہور پذیر ہوگا۔ یعنی تنہا اٹھایا جانا۔

زندگی بھر تنہا اور الگ تھلگ رہنے کی اصل وجہ یہ تھی کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بہت بے باک انسان تھے اور لگی لپٹی رکھے بغیر سچی بات کہہ دیتے تھے۔ ان کی سچائی اور صداقت کا یہ عالم تھا کہ جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا

مَا اَظَلَّتِ الْخَضْرَآءُ وَلَا اَقَلَّتِ الْغَبْرَاءُ اَصْدَقَ لَهْجَةً مِنْ اَبِیْ ذَرٍّ.

(آسمان نے آج تک جن لوگوں پر سایہ کیا ہے اور زمین نے ان کا بوجھ اٹھایا ہے، ان میں سے کوئی بھی ابوذر سے زیادہ سچے لہجے والا نہیں ہوا۔)

اسلام لانے کے ساتھ ہی ان کی اس صفت کا ظہور شروع ہو گیا تھا۔ چنانچہ جب وہ اسلام لانے کے لئے مکہ مکرمہ آئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے توسط سے جانِ دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے تو جانِ دو عالم ﷺ نے ان کو نصیحت فرمائی کہ فی الحال یہاں مکہ میں اپنے ایمان کا اظہار نہ کرنا اور خاموشی سے جا کر اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دینا۔ اس نصیحت کا مقصد یہ تھا کہ مشرکین مکہ ان کو کوئی گزند نہ پہنچائیں، کیونکہ وہ اسلام کا بالکل ابتدائی دور تھا اور اس وقت تک صرف چار آدمی مسلمان ہوئے تھے۔ حضرت ابوذر پانچویں شخص تھے۔ اس زمانے میں مشرکین مکہ کے ظلم و ستم سے بچنے کے لئے ہر انسان کو اپنا ایمان مخفی رکھنا پڑتا تھا، مگر حضرت ابوذرؓ اپنی طبعی بے باکی اور صاف گوئی کی وجہ سے ضبط نہ کر سکے اور حرم میں جا کر اعلان کر دیا کہ

''اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.''

یہ سنتے ہی چاروں طرف سے مشرکین ان پر ٹوٹ پڑے اور اس قدر مارا کہ وہ نڈھال ہو کر گر پڑے۔
یہ دیکھ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان کو بچانے کے لئے ان پر اوندھے لیٹ گئے اور مشرکین سے کہنے لگے ☜

جب ابوذرؓ خدمتِ اقدس میں پہنچے تو پیاس سے بے حال ہو رہے تھے۔ پانی پی کر حواس بحال ہوئے تو اپنی داستان بیان کی۔ جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ---"ابوذر! اللہ تعالیٰ

"یہ کیا کر رہے ہو تم لوگ ---؟! کیا تم نہیں جانتے کہ یہ شخص قبیلۂ غفار کا فرد ہے اور یہ قبیلہ شام کے راستے میں تجارتی گزرگاہ پر آباد ہے۔ اگر اس کو کچھ ہو گیا تو تمہارا کوئی تجارتی قافلہ شام تک نہیں پہنچ سکے گا۔"

یہ سن کر مشرکین نے ان کو چھوڑ دیا، مگر دوسرے دن پھر انہوں نے حرم میں کھڑے ہو کر کلمۂ شہادت پڑھنا شروع کر دیا۔ اس دن بھی مشرکین نے ان کو بہت مارا اور حسبِ سابق حضرت عباس کی مداخلت سے ان کی جان چھوٹی۔

اس کے بعد وہ اپنے گھر چلے گئے اور طویل عرصے تک دعوت و تبلیغ کا کام کرتے رہے۔ جب جانِ دو عالم ﷺ غزوۂ احزاب سے فارغ ہوئے تو وہ دوسری مرتبہ حاضرِ خدمت ہوئے اور پھر مدینہ ہی میں قیام پذیر ہو گئے۔

ان کے مزاج میں زہد اور دنیا سے نفرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ صحابہ کرامؓ سے اکثر کہا کرتے تھے کہ قیامت کے دن تمہاری نسبت میں رسول اللہ ﷺ کے زیادہ قریب ہوں گا کیونکہ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن مجھ سے قریب ترین شخص وہ ہوگا، جو مجھے اسی حالت میں ملے گا، جس میں میں نے اسے چھوڑا ہوگا اور ایسا شخص صرف میں ہوں، کیونکہ تم سب پہلے سے آسودہ حال ہو گئے ہو! جبکہ میں آج بھی ویسا ہی فقیر ہوں جیسا کہ رسول اللہ کے دور میں ہوا کرتا تھا۔

ان کا نظریہ یہ تھا کہ مال و دولت جمع کرنا قطعی طور پر ناجائز اور حرام ہے! جبکہ جمہور صحابہ کی رائے یہ تھی کہ جو مال جائز ذرائع سے حاصل کیا جائے اور اس میں سے زکوٰۃ و صدقات وغیرہ تمام حقوق ادا کر دیئے جائیں، وہ حلال و طیب ہے۔ حضرت ابوذرؓ کو اس سے اتفاق نہیں تھا۔ اس لئے جانِ دو عالم ﷺ کے وصال کے بعد مالدار صحابہ سے اکثر ان کی تلخ کلامی ہو جاتی تھی۔ آخر وہ شام چلے گئے، مگر وہاں حضرت معاویہ ؓ پر برسرِ عام تنقید کرتے رہتے تھے اور انہیں مال جمع کرنے کی بنا پر سخت سست کہتے رہتے تھے۔

حضرت معاویہؓ پہلے تو برداشت کرتے رہے، مگر آخر مجبور ہو کر حضرت عثمان ؓ سے شکایت کی اور حضرت عثمانؓ نے روز روز کے اختلافات سے بچنے کے لئے ان کو ربذہ نامی ایک الگ تھلگ جگہ میں

نے تمہارے ہر قدم کے عوض تمہارا ایک گناہ معاف فرمایا ہے اور ایک درجہ بلند کیا ہے۔''
یہ مژدہ جانفزا سن کر ابوذرؓ ہشاش بشاش ہو گئے۔

زمین دے دی اور انہوں نے وہیں رہائش اختیار کر لی۔ وہیں ۳۲ھ میں ان کا وصال ہوا۔

وصال کے وقت صرف ان کی اہلیہ ام ذرؓ پاس تھیں اور فقر کا یہ عالم تھا کہ ام ذر رو پڑیں۔

حضرت ابوذرؓ نے پوچھا---''کیوں رو رہی ہو؟''

''کیسے نہ روؤں'' ام ذر بے بسی سے بولیں ''جب کہ آپ ایک ویران جگہ میں وفات پا رہے ہیں۔ جہاں نہ کوئی جنازہ پڑھنے والا ہے، نہ دفن کرنے والا، اور میرے پاس اتنا کپڑا بھی نہیں ہے کہ آپ کا کفن بنا سکوں۔''

''چھوڑ ان باتوں کو۔'' حضرت ابوذرؓ بیزاری سے بولے ''اور یہ خوشخبری سن کہ ہم دونوں جنت میں جائیں گے، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اگر کسی کے دو یا تین بچے فوت ہو جائیں اور ماں باپ صبر کریں تو اللہ تعالیٰ ان پر دوزخ کی آگ حرام کر دیتا ہے اور تو جانتی ہی ہے کہ ہمارے تین بچے فوت ہو چکے ہیں۔

رہا میرے کفن دفن کا مسئلہ، تو اس سلسلے میں تجھے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ خود ہی اس کا انتظام فرما دے گا، کیونکہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ہم چند آدمیوں کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ تم میں سے ایک شخص ویرانے میں وفات پائے گا اور اس کا جنازہ پڑھنے کے لئے اہل ایمان کی ایک جماعت موجود ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ شخص میں ہی ہوں، کیونکہ باقی سب، آبادیوں میں اور رشتہ داروں کے درمیان فوت ہو چکے ہیں۔ تُو باہر نکل کر اِدھر اُدھر دیکھ! ممکن ہے کوئی جماعت آ رہی ہو۔''

ام ذرؓ نے کہا---''حج کا موسم گزر چکا ہے اور قافلوں کی آمد و رفت ختم ہو چکی ہے۔ اب بھلا اس راستے پر کون آئے گا۔!!''

''تُو دیکھ تو سہی۔'' ابوذرؓ نے اصرار کیا ''کوئی نہ کوئی جماعت ضرور آئے گی کیونکہ نہ میں جھوٹ بول رہا ہوں، نہ رسول اللہ کی بات غلط ہو سکتی ہے۔''

ام ذرؓ کہتی ہیں کہ میں باہر گئی، مگر مجھے کوئی آدمی نظر نہ آیا۔ اِدھر ابوذر کی حالت نازک تھی، ☜

یہ لوگ تو آخر کار لشکر میں شامل ہو گئے تھے اور اس طرح اپنی کوتاہی کی تلافی کر دی تھی مگر چند افراد ایسے بھی تھے جو بعد میں بھی نہ جا سکے، حالانکہ نہ ان کے دل میں کوئی کھوٹ تھی، نہ ایمان میں کوئی کمی۔ بس سستی اور لیت و لعل کی عادت نے ان کو اس غزوے میں

اس لئے ان کو بھی اکیلا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ چنانچہ کبھی باہر جا کر آس پاس نظر دوڑاتی تھی، کبھی واپس آ کر ابوذر کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ آخر ایک مرتبہ جب میں باہر نکلی تو ایک جماعت آتی نظر آئی۔ میں نے ان کو آواز دی تو وہ ٹھہر گئے اور مجھے افسردہ و ہراساں دیکھ کر پوچھنے لگے---"اے اللہ کی بندی! تجھے کیا پریشانی ہے؟"

میں نے کہا---"تمہارا ایک مسلمان بھائی فوت ہو رہا ہے، ذرا آ کر اس کے کفنانے دفنانے میں تعاون کر دو۔"

"کون ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"ابوذر۔" میں نے بتایا۔

"رسول اللہ کا صحابی ابوذر؟" انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں، وہی ابوذر۔" میں نے تصدیق کی۔

یہ سنتے ہی وہ تیزی سے لپکے اور ابوذر کے پاس چلے آئے۔ ابوذر نے انہیں مرحبا کہا۔ پھر انہیں رسول اللہ ﷺ کا وہی ارشاد سنایا کہ تم میں سے ایک شخص ویرانے میں وفات پائے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے اہل ایمان کی ایک جماعت موجود ہوگی۔ پھر کہنے لگے---"اگر میرے پاس یا میری بیوی کے پاس کپڑا موجود ہوتا تو میں اسی کا کفن بنانا پسند کرتا، مگر ہمارے پاس ان پہنے ہوئے بوسیدہ کپڑوں کے سوا کوئی کپڑا نہیں ہے۔ اس لئے کفن کا انتظام آپ لوگوں کو ہی کرنا پڑے گا۔ لیکن خیال رہے کہ مجھے کفن دینے والا نہ تو کوئی مالدار آدمی ہو، نہ سرکاری عہدیدار۔"

ان میں سے ایک نوجوان نے کہا

"چچا جان! میں آپ کی شرائط پر پورا اترتا ہوں اور میرے سامان میں دو کپڑے بھی موجود ہیں جو میری امی نے اپنے ہاتھ سے کاتے ہیں۔"

ابوذر نے کہا---"ٹھیک ہے، بس تم ہی مجھے کفن پہنانا!" ☜

شرکت کی سعادت سے محروم رکھا۔ان میں سے حضرت ابولبابہؓ کا تذکرہ جلد۱ص ۴۸۰ پر گزر چکا ہے۔

باقی تین افراد کے نام یہ ہیں

۱۔کعب ابن مالک ۲۔مرارہ ابن ربیع ۳۔ہلال ابن امیہ

ان تینوں کو اس کوتاہی کی پاداش میں بہت سخت سزا جھیلنا پڑی، مگر اس کی تفصیل غزوے کے آخر میں آئے گی۔(انشاءاللہ)

مغضوب علیہ خطہ

تبوک کی طرف سفر جاری تھا کہ راستے میں قومِ ثمود(۱) کی تباہ شدہ بستی کے کھنڈر

اس کے بعد انہوں نے اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔اس وقت حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ جو اس آنے والی جماعت میں شامل تھے بے طرح رو پڑے اور کہنے لگے

''آہ! میرا دوست اور بھائی ابوذر---رسول اللہ نے سچ فرمایا کہ تنہا جیے گا، تنہا مرے گا اور تنہا اٹھایا جائے گا۔''

پھر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور سب نے مل کر انہیں ربذہ میں دفن کر دیا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن زوجتہ وعن جمیع من حضر جنازتہ۔

(۱) یہ قوم بہت ترقی یافتہ تھی۔خصوصاً تعمیر اور سنگ تراشی میں ان کو غیر معمولی مہارت حاصل تھی۔ پہاڑوں کو کاٹ کر ان کے اندر رہائش گاہیں تیار کرنا، پر شکوہ یادگاریں بنانا اور پتھروں کی خوبصورت عمارتیں تعمیر کرنا، ان لوگوں کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ان کی سلطنت کے پایۂ تخت کا نام حِجر تھا۔اس زمانے کی دیگر اقوام کی طرح یہ قوم بھی کفر و شرک میں مبتلا تھی۔ چنانچہ ان کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی۔حضرت صالحؑ نے ان کو توحید کی دعوت دی اور شرک و بت پرستی سے منع کرنے کی کوشش کی، مگر انہوں نے حضرت صالحؑ کی باتوں پر کان نہ دھرا۔الٹا ان کا تمسخر اڑایا اور کہا کہ اگر تو واقعی اللہ کا پیغمبر ہے تو کوئی نشانی دکھا۔حضرت صالحؑ نے ایک اونٹنی کے بارے میں کہا کہ یہ اللہ کی اونٹنی ہے۔یہی تمہارے لئے نشانی ہے۔اسے کھلے عام پھرنے دو اور جہاں سے اس کا جی چاہے چرنے دو۔علاوہ ازیں جس کنویں سے تم پانی حاصل کرتے ہو، اس کو ایک دن تم استعمال کیا کرو اور ایک دن ☜

آئے، تھوڑا آگے بڑھے تو ایک کنواں آیا۔ جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا --- ''یہی وہ

صرف یہ اونٹنی اس سے پانی پیا کرے گی اور یاد رکھو کہ اس اونٹنی کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچے۔ اگر تم نے اس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ مگر ثمود نے حضرت صالحؑ کی اس بات کو بھی سنجیدگی سے نہ لیا اور جوش عداوت میں اونٹنی کو ہی مار ڈالا۔ اس وقت عذاب الٰہی نے ان کو آدبوچا۔ یہ ایک خوفناک زلزلہ تھا جس سے آن کی آن میں زمین دوز رہائش گاہیں بیٹھ گئیں، پتھروں کی عظیم الشان عمارتیں زمین بوس ہو گئیں اور پوری قوم تباہ و برباد ہو گئی۔ ان کا یہ انجام دیکھ کر حضرت صالحؑ نے تاسف سے کہا

﴿یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ۝﴾

(اے میری قوم! میں نے تو تم لوگوں کو اپنے رب کا پیغام پہنچایا تھا اور تمہاری خیر خواہی کی تھی، مگر تم خیر خواہی کرنے والوں کو پسند ہی نہیں کرتے۔)

(ماخوذ از قرآن کریم سورہ ۷، آیات ۷۳، ۷۹، سورہ ۲۶، آیات ۱۴۲، ۱۵۹)

اس تباہ شدہ بستی کے نشانات اب تک موجود ہیں اور زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ۝ تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے

حذر اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

غزوۂ تبوک کی طرف جاتے ہوئے جانِ دو عالم ﷺ اور صحابہ کرام اسی مغضوب و مقہور بستی کے پاس سے گزرے تھے، لیکن یہ واضح نہیں ہو سکا کہ وہاں کچھ دیر ٹھہرے بھی تھے یا نہیں؟ صحیح بخاری کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے وہاں قیام فرمایا تھا۔ مثلاً یہ دو روایتیں جن کے الفاظ میں قدرے اختلاف ہے، مگر مفہوم ایک ہی ہے۔

۱--- ''حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ لوگ جب رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ثمود کے علاقے حجر میں پہنچے تو وہاں کے کنوؤں سے پانی نکالا اور اس سے آٹا گوندھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ وہاں سے جتنا بھی پانی نکالا گیا ہے اسے ڈھول دیا جائے اور اس سے جو آٹا گوندھا گیا ہے وہ اونٹوں کو کھلا دیا جائے۔''

۲--- ''حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک ☜

کنواں ہے، جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیا کرتی

کے لئے جاتے ہوئے حجر میں اترے تو لوگوں کو حکم دیا کہ یہاں کے کنویں سے پانی نہ پئیں، نہ پینے کے لئے نکال کر رکھیں۔ لوگوں نے عرض کی کہ ہم تو پانی نکال چکے ہیں اور اس سے آٹا بھی گوندھ چکے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ آٹا پھینک دیں اور پانی ڈھولل دیں۔" بخاری ج ۱، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ عزوجل ﴿وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صَالِحًا٥﴾ ص ۴۷۸۔

(واضح رہے کہ برتن سے سیال چیز گرانے کو پنجابی میں "ڈھولڑاں" کہتے ہیں۔ چونکہ اردو میں اس کا صحیح متبادل موجود نہیں ہے، مجبوراً ایضاح مفہوم کے لئے پنجابی کا سہارا لینا پڑا۔)

ان ہر دو روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جانِ دو عالم ﷺ نے وہاں کم از کم اتنا قیام ضرور فرمایا تھا کہ لوگوں نے کنوؤں سے پانی نکال کر برتنوں میں بھرا تھا اور اس سے آٹا بھی گوندھ لیا تھا۔ مگر صحیح بخاری ہی کی دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹھہرنا تو درکنار، آپ نے وہاں ایک لمحے کے لئے رکنا بھی گوارا نہیں کیا تھا؛ بلکہ انتہائی تیزی سے اس مغضوب علیہ خطے کو عبور کیا تھا۔ مثلاً یہ روایت

"حضرت عبداللہ ابن عمرؓ راوی ہیں کہ جب نبی ﷺ حجر سے گزرے تو فرمایا --- "ان لوگوں کے گھروں میں مت داخل ہونا جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، مگر روتے ہوئے۔ کہیں تمہیں بھی وہ عذاب نہ آپہنچے جو انہیں پہنچا تھا۔" پھر آپ نے اپنا سر ڈھانپ لیا اور رفتار تیز کر دی یہاں تک کہ اس وادی سے گزر گئے۔"

(بخاری ج ۲، کتاب المغازی، باب نزول النبی ﷺ الحجر، ص ۶۳۷)

اس باب میں اس مفہوم کی مزید روایات بھی موجود ہیں اور یہ روایت، پہلے بیان کی گئی دو روایتوں سے واضح طور پر متعارض ہیں۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ ان متعارض روایات کے راوی ایک ہی ہیں۔ یعنی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ!!

صحیح مسلم کی روایات میں بھی اسی طرح کا تعارض پایا جاتا ہے۔ شارحینِ حدیث اس اختلاف کو رفع کرنے کے لئے کوئی اطمینان بخش حل نہیں پیش کر سکے، اس لئے میرا ذہن ابھی تک الجھا ہوا ہے۔ لَعَلَّ اللہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا۔ اگر کوئی صاحبِ علم رہنمائی فرما سکیں تو ممنون ہوں گا۔

تھی۔(۱) اس راستے سے آیا کرتی تھی اور اس راستے سے واپس جایا کرتی تھی۔تم بھی چاہو تو اس کنویں سے پانی پی سکتے ہو۔"

طلب باراں

سفر کے دوران ایک دفعہ پانی ختم ہو گیا اور لوگ پیاس کی شدت اور گرمی کی حدت سے مرنے کے قریب ہو گئے۔یہاں تک کہ چند افراد نے اپنے اونٹ ذبح کر دیئے اور ان کے پیٹ سے پانی نکال کر پینے لگے۔یہ دیکھ کر صدیق اکبرؓ نے عرض کی---"یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ آپ کی دعا سے ہم پر برکتیں نازل فرمائی ہیں، آج بھی دعا فرما دیجئے۔کیونکہ لوگ ہلاک ہونے کو ہیں۔"

"کیا تم سب کی بھی یہی خواہش ہے؟" جانِ دو عالم ﷺ نے لوگوں سے پوچھا۔

"جی ہاں، یارسول اللہ!" سب نے جواب دیا۔

جانِ دو عالم ﷺ نے اسی وقت ہاتھ اٹھا دیئے اور ابھی ہاتھ اٹھے ہوئے تھے کہ بادل گھر آئے اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔چند ہی لمحوں میں جل تھل ہو گیا اور خشک ندی نالوں میں پانی رواں ہو گیا۔صحابہ کرامؓ نے جی بھر کر پیاس بجھائی اور برتن بھی بھر لئے۔ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ بارش تھمنے کے بعد ہم گھومنے کے لئے اِدھر اُدھر نکلے تو یہ دیکھ کر ہمیں سخت حیرت ہوئی کہ بارش صرف اس حصے میں ہوئی تھی جہاں لشکر مقیم تھا۔باقی سارا صحرا بدستور خشک پڑا تھا۔

---

(۱) حضرت صالحؑ کی اونٹنی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک چٹان سے بطور معجزہ برآمد ہوئی تھی۔اگرچہ قرآن کریم میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں لیکن مؤرخین کے ہاں تقریباً مسلم ہے اور مولانا عبدالماجد دریا بادی نے لکھا ہے کہ ایک انگریز مترجم قرآن، سیل نے فرنگی سیاحوں کے مشاہدات کے حوالے سے لکھا ہے کہ جس پہاڑ سے وہ اونٹنی بطور خرقِ عادت برآمد ہوئی تھی، اس میں اب تک ایک شگاف [illegible] موجود ہے اور جزیرہ نمائے سینا میں "ناقة النبی" کا نقشِ قدم آج بھی زیارت گاہِ خلائق ہے۔تفسیر و ترجمہ عبدالماجد دریا بادی، ج ۱، ص ۳۴۱.

ناقہ کی گمشدگی

ایک دن جانِ دو عالم ﷺ کی اونٹنی گم ہوگئی تو ایک منافق زید ابن لصیت نے کہا
''حیرت ہے کہ محمد پیغمبری کا دعویٰ کرتا ہے اور آسمانوں کی خبریں سناتا ہے مگر اپنی اونٹنی سے لاعلم ہے!''

یہ بات اگرچہ اس بدبخت نے اپنی جگہ کہی تھی، مگر جانِ دو عالم ﷺ اپنے خداداد علم سے اس پر مطلع ہوگئے اور فرمایا

''ایک منافق کہتا ہے کہ محمد آسمانوں کی خبریں تو سناتا ہے، مگر اپنی اونٹنی سے لاعلم ہے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اتنا ہی جانتا ہوں، جتنا میرے رب نے مجھے علم دیا ہے اور اس نے مجھے اونٹنی کے بارے میں مطلع کر دیا ہے۔ اس کی مہار ایک درخت کے ساتھ اٹک گئی ہے اور وہ فلاں وادی کی گھاٹی میں موجود ہے۔''

اسی وقت چند افراد جانِ دو عالم ﷺ کی بتائی ہوئی جگہ پر گئے تو واقعی اونٹنی وہاں کھڑی ہوئی تھی اور اس کی مہار ایک درخت میں پھنسی ہوئی تھی۔

بعد میں چند صحابہ نے تحقیق کر کے معلوم کر لیا کہ مذکورہ بالا بکواس کس نے کی تھی، چنانچہ انہوں نے زید ابن لصیت کو پہلے تو اچھی طرح مارا پیٹا، پھر لشکر سے بھگا دیا۔

بئر تبوک

اس قدر گرم موسم میں اتنا طویل سفر بذاتِ خود ایک مسئلہ تھا، پھر سامانِ خورد و نوش کی کمی نے مزید مسائل پیدا کر رکھے تھے۔ کبھی غلہ ختم ہو جاتا تھا، کبھی پانی، مگر قربان جائیں ان نفوسِ قدسیہ پر کہ ان حوصلہ شکن حالات میں بھی ان کی جبینوں پر کوئی بل نہ آیا اور ان کے صبر و ثبات میں کوئی فرق نہ آیا۔ بالآخر یہ کاروانِ عزم و ہمت مصائب و مشکلات کی گھاٹیاں عبور کرنے میں کامیاب ہوگیا اور منزلِ مقصود کے قریب جا پہنچا۔

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا --- ''کل چاشت کے وقت انشاء اللہ ہم تبوک پہنچ جائیں گے، وہاں ایک کنواں ہوگا، اس سے پانی نہ نکالنا، جب تک میں نہ پہنچ جاؤں۔''

حسب فرمانِ نبوی چاشت کو لشکر تبوک پہنچ گیا۔ تھوڑی دیر بعد جانِ دو عالم ﷺ کنویں

پر تشریف لے گئے تو اس میں بہت تھوڑا پانی تھا--- اتنا کم کہ صرف ایک باریک سی لکیر تہہ میں چمکتی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ جانِ دو عالم ﷺ کے حکم سے صحابہ کرام نے تھوڑا تھوڑا پانی نکال کر ایک مشکیزہ بھر لیا جس سے آپ نے کلی کی اور ہاتھ منہ دھوئے۔ پھر آپ کا مستعمل پانی کنویں میں ڈال دیا گیا۔ اس کی برکت سے پانی کی اتنی فراوانی ہوئی کہ جب تک وہاں قیام رہا لشکر کی تمام ضروریات بخوبی پوری ہوتی رہیں اور کبھی کمی واقع نہیں ہوئی۔

دعائے برکت

اس سفر میں پانی تو بارہا ختم ہوا اور بارہا جانِ دو عالم ﷺ کی توجہ اور نگاہِ عنایت سے اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا۔ (۱) مگر ابھی تک خوراک کا مسئلہ پریشان کن نہیں بنا تھا، کیونکہ صحابہ کرام نہایت احتیاط سے کام لیتے تھے اور بہت کم مقدار میں کھاتے تھے۔ لیکن تبوک پہنچ کر یہ مسئلہ بھی پیدا ہو گیا اور کھانے کی اشیاء تقریباً ختم ہو گئیں۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ایک کھجور کو کئی آدمی باری باری چوستے تھے اور فرض کر لیتے تھے کہ ہم کچھ کھا رہے ہیں۔ آخر ایک شخص نے عرض کی

''یا رسول اللہ! اگر اجازت ہو تو ہم اپنے اونٹوں کو ذبح کرنا شروع کر دیں۔''

اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی جانِ دو عالم ﷺ کے پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے کہا

''یا رسول اللہ! اس طرح تو سواریاں ختم ہو جائیں گی یا کم ہو جائیں گی اور مشکلات مزید بڑھ جائیں گی۔ یا رسول اللہ! آپ انہیں حکم دیں کہ ان کے پاس کھانے کا جو کچھ ہے، اسے ایک جگہ ڈھیر کر دیں اور آپ اس پر برکت کے لئے دعا فرما دیں۔''

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا--- ''ہاں، یہ ٹھیک ہے کھانے کی بچی کھچی چیزیں ایک جگہ جمع کر دو!''

چمڑے کا ایک دستر خوان بچھایا گیا اور جس کے پاس جو کچھ تھا، لا کر وہاں ڈالنے لگا۔ کوئی مٹھی بھر آٹا لایا، کوئی ستو۔ کسی نے کھجوروں کے چند دانے لا ڈالے اور کسی نے خشک روٹی کا ایک آدھ ٹکڑا۔ اس طرح غذائی اجناس کی ایک ڈھیری سی بن گئی۔

---

(۱) مزید واقعات، معجزات کے باب میں بیان ہوں گے۔ انشاء اللہ

تبوک کا کنواں

جانِ دو عالم ﷺ نے اس پر دعائے برکت فرمائی۔ پھر حکم دیا کہ اب اس سے برتن بھرلو۔

صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے لشکر میں موجود ہر برتن لبالب بھرلیا اور خود بھی خوب شکم سیر ہو کر کھالیا، مگر ڈھیری جوں کی توں رہی۔ واضح رہے کہ لشکر کی تعداد تقریباً ستر ہزار تھی۔

یہ انعامِ عظیم دیکھ کر جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اور میں اس کا سچا رسول ہوں۔ جو شخص بھی صدقِ دل سے یہ گواہی دے گا، اس کو اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے گا اور جنت میں داخل فرمائے گا۔''

تبوک میں قیام اور واپسی

تبوک جانے کا مقصد رومیوں سے جہاد کرنا تھا، کیونکہ جانِ دو عالم ﷺ کو اطلاع ملی تھی کہ انہوں نے اسلامی سلطنت پر حملہ آور ہونے کے لئے ایک بڑا لشکر تیار کیا ہے۔ مگر جب جانِ دو عالم ﷺ پیش قدمی کرتے ہوئے خود ہی سرحد پر جا پہنچے تو رومیوں پر ہیبت چھا گئی اور ان کو سامنے آنے کی جرأت ہی نہ ہوئی۔

جانِ دو عالم ﷺ تبوک میں پندرہ بیس دن قیام پذیر رہے۔ اس دوران آپ نے اردگرد آباد مختلف قبیلوں کے سرداروں سے ملاقاتیں کیں اور صلح کے معاہدے کئے۔ وہ لوگ آپ کے حسنِ اخلاق اور عالی ظرفی سے بہت متاثر ہوئے اور آپ کی خدمت میں بہت سے تحفے پیش کئے۔

اس غزوے میں اگرچہ لڑائی تو نہ ہوئی مگر جانِ دو عالم ﷺ اور آپ کے رفقاء کی شجاعت و بہادری کی ہر طرف دھاک بیٹھ گئی اور پھر زندگی بھر کسی کو آپ کا سامنا کرنے کی ہمت نہ پڑی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ.

واپسی اور مسجد ضرار

واپسی میں بھی سامان خورد و نوش کی قلت کے مسائل پیش آتے رہے اور جانِ دو عالم ﷺ کی توجہ سے حل ہوتے رہے۔ آخر آپ مدینہ منورہ کے قریب آپہنچے اور ایک جگہ

مختصر سا قیام فرمایا۔(۱) وہاں چند منافقین حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کی کہ ہم نے ایک مسجد بنائی ہے جو عبادت گاہ بھی ہوگی اور مسافروں کی جائے پناہ بھی۔ آپ ہمارے ساتھ تشریف لے چلیں اور وہاں نماز پڑھ کر اس کا افتتاح فرمادیں۔

یہی وہ مسجد ہے جو تاریخ میں مسجد ضرار کے نام سے مشہور ہے۔ یہ درحقیقت مسجد نہ تھی؛ بلکہ منافقین نے مسلمانوں کے خلاف سازشیں تیار کرنے کے لئے ایک مرکز بنایا تھا اور مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے اس کا نام مسجد رکھ دیا تھا اور اس میں ایک امام بھی مقرر کر دیا تھا۔ منافقین چاہتے تھے کہ جانِ دو عالم ﷺ اس میں ایک دفعہ نماز پڑھ لیں تاکہ مسلمانوں کی نظر میں وہ جگہ مقدس و محترم ہو جائے اور اس طرح اس کو دائمی تحفظ کی ضمانت مل جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی اس سازش کو ناکام بنا دیا اور مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں

﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ........ الآیۃ﴾ (۲)

(اور کچھ لوگوں نے مسجد بنائی ہے تاکہ (مسلمانوں کو) ضرر پہنچائیں اور کفر کریں اور مومنوں میں تفرقہ ڈالیں اور آج تک اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں کو کمین گاہ مہیا کریں اور (اگر ان سے پوچھو تو) حلف اٹھا کر کہیں گے کہ ہم تو صرف بھلائی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ حالانکہ اللہ شہادت دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ (اے نبی!) تم کبھی بھی اس مسجد میں کھڑے نہ ہونا......)

جانِ دو عالم ﷺ نے اسی وقت چند صحابہ کرامؓ کو بھیجا کہ جا کر اس نام نہاد مسجد کو جلا دیں اور گرا دیں۔ انہوں نے جا کر حسب حکم پہلے تو اس کی چھت کو آگ لگائی اور بعد

---

(۱) یہ آپ کا مستقل معمول تھا کہ طویل سفر سے واپسی پر مدینہ منورہ سے تھوڑی دور ٹھہر جایا کرتے تھے تاکہ اہل مدینہ مطلع ہو جائیں اور خواتین گھروں کی صفائی وغیرہ کر لیں۔

(۲) سورہ ۹، آیات ۱۰۷ تا ۱۱۰۔

میں دیواریں گرا کر اس کو یکسر ملیامیٹ کر دیا۔

مدینہ میں ورود

جب جانِ دو عالم ﷺ مدینہ کی حدود میں داخل ہوئے تو آپ کے استقبال کے لئے سارا شہر امڈ آیا اور ایک بار پھر وہی سماں بندھ گیا جو جانِ دو عالم ﷺ کی اولین تشریف آوری پر بندھا تھا۔ خواتین چھتوں پر چڑھ کر آپ کی آمد کا نظارا کرنے لگیں اور چھوٹی بچیاں دف بجا کر وہی ملکوتی نغمہ سنانے لگیں۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاع

مدینہ پہنچ کر جانِ دو عالم ﷺ کا دل خوش ہو گیا اور طبیعت ہشاش بشاش ہو گئی۔ فرمایا
''هٰذِهٖ طَابَةٌ.'' (یہ ایک خوشگوار شہر ہے۔)
جبل احد کی جانب اشارہ کر کے فرمایا---''هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَ نُحِبُّه'.''
(یہ پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔)
حضرت عباسؓ آپ کو مسرور وشادماں دیکھ کر آگے بڑھے اور آپ کی خوشیوں کو دوبالا کر دیا۔

''یا رسول اللہ! میں آپ کی مدح میں کچھ کہنا چاہتا ہوں---اجازت ہے؟''
''ہاں، کہئے! اللہ تعالیٰ آپ کا منہ سلامت رکھے۔'' جانِ دو عالم ﷺ نے شاد ہو کر دعا دی۔

اس موقع پر حضرت عباسؓ نے جانِ دو عالم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے جو شہکار قصیدہ کہا تھا، اس کے چند اشعار پیش خدمت ہیں۔ عشق ومحبت اور تعظیم وعقیدت میں گندھے ہوئے اس شیریں کلام کو زبان وادب کے ماہرین نے متفقہ طور پر اعلیٰ درجے کا ادبی شہ پارہ قرار دیا ہے۔ پڑھئے اور ہاشمی فصاحت وبلاغت سے لطف اٹھایئے!

مِنْ قَبْلِهَا طِبْتَ فِي الظِّلَالِ وَفِيْ مُسْتَوْدَعٍ حَيْثُ يُخْصَفُ الْوَرَق'
ثُمَّ هَبَطْتَ الْبِلَادَ لَا بَشَرٌ اَنْتَ وَلَا مُضْغَةٌ وَّلَا عَلَق'
بَلْ نُطْفَةٌ ، تَرْكَبُ السَّفِيْنَ وَقَدْ اَلْجَمَ نَسْرًا وَّاَهْلَهُ الْغَرَق'

وَرَدْتَّ نَارَالْخَلِيْلِ مُكْتَتِمًا فِيْ صُلْبِهٖ اَنْتَ ، كَيْفَ يَحْتَرِق'
وَاَنْتَ لَمَّا وُلِدْتَّ اَشْرَقَتِ الْــ....اَرْضُ وَضَآءَ بِنُوْرِكَ الْاُفُق''
فَنَحْنُ فِيْ ذٰلِكَ الضِّيَاءِ وَفِي النُّــ....وْرِ وَسُبُلِ الرَّشَادِ نَخْتَرِق'

(دنیا میں آنے سے پہلے آپ سایوں میں اور اس امانت گاہ میں جہاں پتے لپیٹے گئے تھے، (۱) مزے سے رہا کرتے تھے۔ پھر آپ زمین پر اترے، اس وقت آپ نہ بشر تھے، نہ مضغہ، نہ علقہ؛ بلکہ اللہ کی حجت اور دلیل تھے۔ آپ کشتی پر سوار ہوئے، جب نسر اور اس کے پجاریوں کو طوفان نے گھیر رکھا تھا۔ آپ خلیل اللہ کی آگ میں پوشیدہ طور پر داخل ہوئے۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ جل جاتے؛ جبکہ آپ ان کی صلب میں موجود تھے! اور آپ جب پیدا ہوئے تو زمین چمک اٹھی اور آپ کے نور سے سارا افق روشن ہوگیا۔ اب ہم اسی نور میں اور روشنی میں اور ہدایت کے رستوں میں بڑھتے جارہے ہیں۔)

توبہ کرنے والے متخلفین

پہلے گزر چکا ہے کہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے کچھ افراد ایسے بھی تھے جو اللہ اور

---

(۱) یعنی جنت میں، جہاں آدم اور حوا نے اپنے جسموں پر پتے لپیٹے تھے، پوری نعت کا مجموعی مفہوم یہ ہے کہ یارسول اللہ! جب آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی تو آپ ان کی صلب میں موجود تھے۔ پھر جب آدم علیہ السلام زمین پر اترے تو ان کی پشت میں آپ بھی اتر آئے۔ اس وقت آپ نہ بشری شکل میں تھے، نہ مضغہ و علقہ کی صورت میں۔ (مضغہ اور علقہ ماں کے پیٹ میں بچے کے دو مراحل کا نام ہے۔) بلکہ اللہ کی حجت اور دلیل تھے۔ اسی بناء پر جب آپ نوح علیہ السلام کی طرف منتقل ہوئے تو ان کی کشتی نجات پاگئی اور نسر اپنے پجاریوں سمیت طوفان میں غرق ہوگیا۔ (نسر ان پانچ بتوں میں سے ایک تھا، جن کی قومِ نوح پرستش کیا کرتی تھی۔) اور جب آپ ابراہیم علیہ السلام میں جلوہ گر ہوئے تو ان کو آگ نہ جلاسکی، کیونکہ آپ ان کے اندر مخفی طور پر موجود تھے اور آپ کی موجودگی میں یہ کیسے ممکن تھا کہ آگ ان کو جلا ڈالتی! اور جب آپ انسانی شکل میں جلوہ آرا ہوئے تو آپ کے نور سے زمین و آسمان جگمگا اٹھے۔ چنانچہ اب ہم سراسر روشنی میں، نور میں اور ہدایت کے راستوں میں آگے بڑھ رہے ہیں۔

اس کے رسول کے سچے عاشق ہونے کے باوجود، محض اپنی کاہلی اور آج کا کام کل پر ٹالنے کی عادت کی وجہ سے اس غزوے میں شرکت نہ کر سکے۔ یہ مجموعی طور پر تیرہ آدمی تھے۔ ان میں ایک تو حضرت ابولبابہؓ تھے، جنہوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستون کے ساتھ باندھ لیا تھا۔ تو [۹] ان کے ساتھی تھے۔ انہوں نے بھی اپنے لئے یہی سزا پسند کی تھی اور اپنے آپ کو مسجد میں پابند سلاسل کر لیا تھا۔ اپنے نفس کو خود ہی سزا دینے کی یہ ادا اللہ تعالیٰ کو پسند آئی اور ان کی توبہ قبول فرمائی۔ (۱)

ان کے علاوہ تین افراد ایسے تھے، جنہوں نے نہ تو اپنے لئے کوئی سزا تجویز کی، نہ کسی قسم کا عذر پیش کیا۔ بلکہ صاف لفظوں میں اپنی غلطی اور کوتاہی کا اقرار کر لیا۔ یعنی حضرت کعب حضرت ہلال اور حضرت مرارہ۔ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْھُمْ۔

اپنے جرم کا اعتراف کرنے، پھر سزا پانے اور آخر میں معافی مل جانے کی جو ایمان افروز داستان حضرت کعبؓ نے پوری تفصیل سے بیان کی، اس کی تلخیص کچھ یوں ہے۔

''جب رسول اللہ ﷺ نے تبوک جانے کا ارادہ کیا اور لوگوں کو تیار ہونے کا حکم دیا تو ان دنوں میں بہت آسودہ حال تھا۔ اس سے پہلے کبھی میرے پاس سواری کے دو جانور اکٹھے نہیں ہوئے تھے، مگر اس موقع پر دو سواریاں موجود تھیں۔ چنانچہ جب لوگوں نے زور شور سے تیاریاں شروع کیں تو میں بھی ہر صبح یہ ارادہ کر کے گھر سے نکلتا کہ آج تمام سامانِ حرب اور زادِ راہ وغیرہ مہیا کر کے لوٹوں گا، مگر پورا دن گزر جاتا اور میں کچھ نہ کر پاتا۔ پھر یہ سوچتے ہوئے گھر لوٹ آتا کہ کل یہ کام ضرور کروں گا۔ اسی طرح آج کل کرتے کرتے وقت گزر گیا اور رسول اللہ ﷺ تبوک کے لئے روانہ ہو گئے۔ اس وقت بھی میں یہی سوچتا رہا کہ ایک دو دن میں تیاری مکمل کر کے رسول اللہ سے جا ملوں گا ---- کاش کہ میں نے ایسا کیا ہوتا!

ان دنوں مدینہ میں یا تو منافقین نظر آتے تھے یا وہ لوگ جو معذوری کی بنا پر جانے

---

(۱) حضرت ابولبابہؓ کی قبولیت توبہ کا واقعہ جلد اول، ص ۳۸۰ پر گزر چکا ہے۔ باقی نو افراد کی سرگزشت بھی ابولبابہؓ جیسی ہے۔

سے قاصر تھے۔ انہیں دیکھ دیکھ کر میرا دل بہت کڑھتا تھا، کیونکہ میں نہ تو منافق تھا، نہ معذور، اس کے باوجود ان میں رہ رہا تھا۔

اُدھر رسول اللہ ﷺ جب تبوک پہنچے تو پوچھا --- ''کعب کیوں نہیں آیا؟''

''یارسول اللہ! اس کی خوش لباسی اور خود پسندی نے اسے روک لیا ہے۔'' ایک انصاری نے کہا۔

''یہ بہت غلط بات کی ہے تم نے'' معاذ ابن جبل ؓ نے اس انصاری کو جواب دیا، پھر رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہو کر عرض کی --- ''اللہ کی قسم یارسول اللہ! ہم نے کعب میں سوائے بھلائی کے کچھ نہیں دیکھا۔''

رسول اللہ ﷺ کچھ نہ بولے اور خاموش رہے۔

کچھ دنوں بعد جب اطلاع آئی کہ آپ واپس تشریف لا رہے ہیں تو میں سوچ میں پڑ گیا کہ آپ کے عتاب سے بچنے کے لئے کیا عذر پیش کروں گا۔ اس سلسلے میں خاندان کے افراد سے بھی مشورہ کرتا رہا، مگر چونکہ میرا کوئی عذر تھا ہی نہیں، اس لئے طے کر لیا کہ کوئی بہانہ نہیں گھڑوں گا اور پوری سچائی سے اپنی غلطی کا اعتراف کر لوں گا۔

جب آپ واپس تشریف لائے اور حسب معمول مسجد میں دو رکعتیں ادا کرنے کے بعد لوگوں سے ملنے بیٹھے تو پیچھے رہ جانے والے منافقین حاضر ہو کر حیلے بہانے کرنے لگے اور اپنی صداقت کی قسمیں کھانے لگے۔ آپ نے ان کے باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا اور ظاہر کو دیکھتے ہوئے ان کے عذر قبول کر لئے اور دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ان کے اس گناہ کو بخش دے۔

میری باری آئی تو میں نے آگے بڑھ کر سلام پیش کیا، مگر آپ نے سلام کا جواب نہ دیا۔ اور کہا ''تَعَالْ'' (آ) پھر میری طرف دیکھ کر مسکرائے --- ایسی مسکراہٹ جس سے غصہ اور غضب عیاں تھا۔ میں مزید آگے بڑھا اور آپ کے روبرو بیٹھ گیا مگر آپ نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ میں نے عرض کی --- ''یارسول اللہ! مجھ سے کیوں رخ پھیر لیا ہے، حالانکہ میں نہ منافق ہوں، نہ میرے دل میں کوئی شک ہے، نہ میں نے اپنا دین بدلا ہے۔''

''پھر پیچھے کیوں رہ گئے تھے---؟ کیا تمہارے پاس سواری نہیں تھی---؟''
آپ نے سختی سے پوچھا۔

''سواری تو تھی یارسول اللہ! اور اگر میں کسی دنیا دار کے سامنے بیٹھا ہوتا تو میں سمجھتا کہ کوئی عذر بیان کر کے اس کے عتاب سے بچ سکتا ہوں، کیونکہ میں خاصا زبان آور واقع ہوا ہوں۔ لیکن واللہ میں جانتا ہوں کہ اگر جھوٹ بول کر وقتی طور پر آپ کو راضی کر بھی لیا تو اللہ تعالیٰ آپ کو میرے جھوٹ سے آگاہ فرما دے گا اور آپ پھر ناراض ہو جائیں گے، اس کے برعکس اگر میں نے سچ بولا تو ہوسکتا ہے کہ میری کوتاہی پر آپ کے دل میں ذرا سا ملال آ جائے، لیکن اس صورت میں امید یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما دے گا۔ اس لئے جھوٹ نہیں بولوں گا اور سچ یہ ہے، یارسول اللہ کہ میرے پاس کوئی عذر نہیں ہے۔ بلکہ ان دنوں میں جسمانی طور پر جتنا توانا تھا اور مالی لحاظ سے جس قدر مستحکم تھا، اتنا کبھی نہیں تھا۔''

رسول اللہ نے فرمایا---''اَمَّا هٰذَا فَقَدْ صَدَقَ''(اس شخص نے یقیناً سچ بولا ہے۔)

پھر مجھ سے کہا کہ اب اٹھ جا اور اللہ کے فیصلے کا انتظار کر!

میں اٹھ کر چلا آیا، تو میرے قبیلے کے متعدد افراد بھی میرے پیچھے چلے آئے اور مجھے ملامت کرنے لگے کہ تم نے خواہ مخواہ اپنے لئے مصیبت مول لے لی ہے۔ حالانکہ تم نے کوئی ایسا ناقابل معافی گناہ نہیں کیا ہے۔ تمہیں چاہئے تھا کہ باقی متخلفین کی طرح تم بھی کوئی عذر پیش کر دیتے اور جس طرح رسول اللہ نے ان کے لئے بخشش کی دعا کی ہے تمہارے لئے بھی کر دیتے۔ آپ کی دعا تیری بخشش کے لئے کافی تھی۔

قبیلے والوں نے اس قدر ملامت کی کہ میرا دل چاہنے لگا کہ ابھی جا کر اپنے پہلے بیان سے منحرف ہو جاؤں۔

میں نے ان سے پوچھا کہ میرے جیسا معاملہ کسی اور کے ساتھ بھی پیش آیا ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں، دو آدمی اور بھی ہیں، جنہوں نے تمہاری طرح اپنی غلطی کا اقرار کر لیا ہے۔ ایک مرارہ ابن ربیع اور دوسرا ہلال ابن امیہ۔ ان کو بھی رسول اللہ نے یہی حکم دیا ہے کہ حکم الٰہی کا انتظار کریں۔

یہ سن کر میری ڈھارس بندھ گئی، کیونکہ وہ دونوں اہل بدر میں سے تھے اور ان کا عمل میرے لئے نمونہ تھا۔ چنانچہ میں نے اپنا بیان واپس لینے کا ارادہ ترک کر دیا۔

اسی دن رسول اللہ ﷺ نے ہم تینوں سے میل جول اور بات چیت پر پابندی لگا دی۔ اس حکم کے ساتھ ہی لوگوں نے ہم سے نظریں پھیر لیں اور دور دور رہنے لگے۔ بے گانگی اور بے رخی کا یہ مظاہرہ اتنا شدید تھا کہ ہمیں یوں محسوس ہوتا تھا، جیسے ہم کسی اجنبی سر زمین میں آ نکلے ہیں۔ ہلال اور مرارہ تو اس لاتعلقی سے اس قدر شکستہ دل ہوئے کہ انہوں نے باہر نکلنا ہی چھوڑ دیا۔ بس ہر وقت گھروں میں بیٹھے رہتے اور روتے رہتے؛ البتہ میں نسبتاً جوان اور توانا تھا، اس لئے نماز کے لئے مسجد کو چلا جاتا تھا۔ بازاروں میں بھی گھومتا پھرتا رہتا تھا، مگر مجھ سے بولتا کوئی نہیں تھا۔ مسجد کو اکثر میں اس وقت جاتا تھا جب جماعت ہو چکی ہوتی تھی اور رسول اللہ ﷺ لوگوں کی طرف رخ کئے بیٹھے ہوتے تھے۔ میں آپ کو سلام کہتا مگر جواب سنائی نہ دیتا؛ تاہم میں یہ سوچ کر دل کو تسلی دے لیتا کہ ہو سکتا ہے، آپ نے دھیرے سے جواب دیا ہو اور میں نے نہ سنا ہو۔ پھر آپ کے قریب ہی نماز پڑھنے لگتا۔ شرمندگی کی وجہ سے نظر تو نہیں ملا سکتا تھا؛ البتہ وقفے وقفے سے چور نظروں سے آپ کا دیدار کر لیتا تھا۔ اس دوران میں نے محسوس کیا کہ جب میں آپ کی طرف دیکھتا تھا، آپ دوسری طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ لیکن جونہی میں نماز میں منہمک ہوتا تھا، میری جانب دیکھنے لگتے تھے۔(۱)

اسی طرح کافی دن گزر گئے اور لوگوں کی بے التفاتی اور لاتعلقی میں کوئی فرق نہ آیا۔ آخر میں گھبرا گیا اور ایک دن ابو قتادہ کے باغ کی دیوار پھاند کر اندر داخل ہوا، تا کہ اسے گفتگو پر آمادہ کر سکوں۔ ابو قتادہ میرے چچا کا بیٹا تھا اور مجھے تمام لوگوں سے زیادہ پیارا تھا۔

میں نے اسے سلام دیا، مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

میں نے کہا --- ''ابو قتادہ! میں اللہ کی قسم دے کر تجھ سے پوچھتا ہوں، کیا تو نہیں

---

(۱) اللہ اکبر --- محبت کے بھی کیسے کیسے انداز ہیں --- اس سے پتہ چلتا ہے کہ جانِ دو عالم ﷺ حضرت کعبؓ سے حقیقتاً ناراض نہیں تھے، صرف ظاہری طور پر خفا تھے۔

جانتا کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں؟'' وہ خاموش رہا، میں نے پھر اللہ کا واسطہ دے کر اپنا سوال دہرایا۔ وہ پھر بھی نہ بولا۔ جب میں نے تیسری بار یہی سوال کیا تو اس نے صرف اتنا کہا کہ---اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ. (یہ بات اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔)

یہ سن کر میں رو پڑا اور آنسو بہاتا ہوا باغ سے باہر نکل آیا۔(۱)

ایک دن میں مدینہ کے بازار میں گیا تو شام کا ایک آدمی میرے بارے میں پوچھتا پھر رہا تھا۔ لوگوں نے میری طرف اشارہ کر دیا۔ وہ میرے پاس آیا اور غسان کے عیسائی بادشاہ کا ایک خط میرے حوالے کیا۔ خط کا مضمون یہ تھا۔

''امابعد:- ہمیں پتہ چلا ہے کہ تمہارا ساتھی (یعنی رسول اللہ ﷺ) تم سے بہت ناروا سلوک کر رہا ہے، حالانکہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے اس لئے پیدا نہیں کیا کہ تم وہاں رسوا اور ضائع ہوتے رہو۔ ہمارے پاس چلے آؤ۔ ہم تمہاری ہر ممکن دلجوئی کریں گے۔''

میں نے خط پڑھ کر انتہائی تأسف سے کہا---''یہ آزمائش بھی آنی تھی مجھ پر!!''

---اور خط کو جلتے تنور میں ڈال دیا۔

اسی طرح چالیس راتیں گزر گئیں۔ چالیسویں روز رسول اللہ ﷺ کا ایک فرستادہ میرے پاس آیا اور کہا کہ آپ نے حکم دیا ہے کہ تم اپنی بیوی سے بھی علیحدگی اختیار کر لو۔

''طلاق دے دوں؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں، صرف کنارہ کشی کا حکم دیا ہے۔'' اس نے کہا۔

مرارہ اور ہلال کو بھی یہی حکم ملا تھا، چنانچہ میں نے تو اسی وقت اپنی بیوی سے کہہ دیا

---

(۱) حضرت کعبؓ شاید یہ سمجھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے ساتھ بات چیت کرنے پر جو پابندی عائد کی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ گفتگو نہ کی جائے اور میل ملاپ نہ رکھا جائے، نہ یہ کہ سرے سے بات ہی نہ کی جائے۔ اسی لئے وہ لوگوں کی بے رخی سے شکوہ کناں نظر آتے ہیں اور ہر ممکن کوشش کرتے ہیں کہ کوئی ان سے بولے۔

کہ تم اپنے خاندان میں چلی جاؤ اور جب تک میرا فیصلہ نہیں ہو جاتا، وہیں رہو؛ البتہ ہلال کی بیوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی

''یارسول اللہ! ہلال بوڑھا اور کمزور آدمی ہے۔ کوئی خادم بھی نہیں جو اس کی دیکھ بھال کر سکے۔ اگر میں اس کی خدمت کرتی رہوں تو کیا آپ ناراض ہوں گے؟''

''نہیں'' آپ نے جواب دیا ''لیکن وہ تیرے قریب نہ آئے۔''

''قربت کی تو وہ خواہش بھی نہیں رکھتا، کیونکہ جب سے اس کا مقاطعہ ہوا ہے ہر وقت روتا رہتا ہے۔''

ہلال کی بیوی کو اجازت مل گئی تو خاندان والوں نے مجھے بھی مشورہ دیا کہ اگر تم رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کرو تو جس طرح ہلال کی بیوی کو ساتھ رہنے کی اجازت مل گئی ہے، تمہیں بھی مل جائے گی۔ میں نے جواب دیا کہ ہلال کا معاملہ مختلف ہے، وہ بوڑھا ہے اور خدمت کا محتاج ہے؛ جبکہ میں جوان ہوں، اس لئے میں اجازت نہیں مانگوں گا۔ نہ جانے آپ کیا کہیں!

اسی عالم میں مزید دس دن گزر گئے۔ پچاسویں روز صبح کی نماز کے وقت میں متفکر اور مغموم بیٹھا تھا کہ اچانک سلع کی پہاڑی پر کھڑے ہو کر ایک شخص نے پکارا

''یَا کَعْبُ! اَبْشِرْ'' (اے کعب! خوش ہو جا۔)

میں سمجھ گیا کہ میری توبہ قبول ہو گئی ہے اور شکر کے طور پر فی الفور سجدے میں گر گیا۔ نماز کے بعد لوگ ہمیں قبولیتِ توبہ کی مبارک دینے دوڑ پڑے۔ سب سے پہلے جس شخص نے آ کر مجھے خوشخبری سنائی اور مبارک دی، میرا دل چاہتا تھا کہ اس خوشی کے موقع پر اس کو کچھ انعام دوں، مگر اس وقت میرے پاس سوائے تن کے دو کپڑوں کے کچھ نہ تھا۔ چنانچہ وہی اتار کر اس کو دیدیئے اور خود کسی سے مانگ کر پہن لئے۔ پھر بارگاہِ رسالت میں حاضری کے لئے چل پڑا۔ راستے میں لوگ جوق در جوق آ کر مجھ سے ملتے رہے اور انتہائی مسرت سے توبہ قبول ہو جانے پر مبارکباد دیتے رہے۔

جب میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہوا اور سلام کہا تو آپ کا روئے زیبا چمک

رہا تھا۔ وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا سَرَّ اِسْتَنَارَ وَجُھُہٗ کَاَنَّہٗ قِطْعَۃُ قَمَرٍ. اور رسول اللہ ﷺ جب مسرور ہوتے تھے تو آپ کا رخِ انور یوں چمکنے لگتا تھا جیسے چاند کا ٹکڑا ہو۔ مجھے دیکھتے ہی آپ نے بشارت دی۔

''کعب! آج کا دن تمہیں مبارک ہو، جب سے تم پیدا ہوئے ہو، تمہاری زندگی میں ایسا مبارک دن نہیں آیا۔''

''یہ نوازش آپ کی جانب سے ہے یارسول اللہ! یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے؟''

---میں نے پوچھا۔

''اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔'' آپ نے جواب دیا۔

میں نے اس خوشی میں اپنا سب کچھ راہِ خدا میں صدقہ کرنا چاہا مگر آپ نے منع کر دیا اور فرمایا---''بہتر یہ ہے کہ کچھ اپنے لئے بھی رکھ لو!''

''تو پھر خیبر میں میری جو جائیداد ہے، وہ رکھ لیتا ہوں، باقی سب اللہ کی راہ میں دے دیتا ہوں۔'' میں نے عرض کی اور آپ نے یہ پیشکش منظور فرمالی۔ میں نے کہا

''یارسول اللہ! محض سچ بولنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ قرآن میں نازل فرمائی ہے اور میں عہد کرتا ہوں کہ زندگی بھر کسی حالت میں بھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔''

وہ آیت جس میں ہماری توبہ قبول ہوجانے کی نوید سنائی گئی ہے، یہ ہے

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ سورہ ۹، آیت ۱۱۸.

(ان تینوں کی توبہ بھی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی ہے، جن کا معاملہ ملتوی کر دیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ زمین باوجود فراخی کے ان پر تنگ ہوگئی اور وہ اپنی جانوں سے بیزار ہوگئے۔ تاہم جانتے تھے کہ اللہ سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی، بجز اس کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی تاکہ وہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔) انتہیٰ ملخصاً

اہل طائف کا اسلام

پہلے گزر چکا ہے کہ جانِ دو عالم ﷺ نے طائف کو فتح کیے بغیر ہی محاصرہ اٹھا لیا اور مدینہ کی جانب واپس ہو گئے تھے۔ عروہ ابن مسعود ثقفی طائف کا ایک معزز اور انتہائی دانشمند سردار تھا۔ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کی محبت ڈال دی اور وہ جانِ دو عالم ﷺ کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ ابھی آپ مدینہ کے راستے ہی میں تھے کہ عروہ آ پہنچا اور توحید و رسالت کی شہادت دے کر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ پھر خواہش ظاہر کی کہ مجھے واپس جانے کی اجازت عطا فرمائی جائے تا کہ طائف والوں کو بھی اسلام کی دعوت دوں۔

جانِ دو عالم ﷺ جانتے تھے کہ اہل طائف اس وقت غیض و غضب میں ہیں اور ایسے عالم میں وہ اپنے سردار کی بھی پرواہ نہیں کریں گے؛ بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس کو مار ہی ڈالیں۔ چنانچہ آپ نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے کہا---''اِنَّھُمْ قَاتِلُوْکَ'' یعنی اگر تم نے ان کو اسلام لانے کا کہا تو وہ تمہیں قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔

حضرت عروہؓ کو اپنے قبیلے میں جو محبوبیت اور عزت و وجاہت حاصل تھی اس کے پیش نظر ان کو یہ بات عجیب نظر آئی اور عرض کی

''یا رسول اللہ! وہ لوگ تو مجھے اپنی آنکھوں کی پتلیوں سے بھی زیادہ چاہتے ہیں۔''

جانِ دو عالم ﷺ انسانی نفسیات کو حضرت عروہؓ کی بنسبت بدرجہا زیادہ جانتے تھے، اس لئے وہی ہوا جو آپ نے فرمایا تھا۔

حضرت عروہؓ نے واپس جا کر ابھی اصلاحی اور تبلیغی گفتگو کا آغاز ہی کیا تھا کہ چاروں طرف سے تیر برسنے لگے اور حضرت عروہؓ شدید مجروح ہو کر گر پڑے۔

دم نزع کسی نے طنزاً پوچھا۔

''کیا خیال ہے تمہارا، اپنی اس موت کے بارے میں؟!''

حضرت عروہؓ نے جواب دیا

''یہ بہت بڑا اعزاز ہے، یہ شہادت کا شرف ہے، جو اللہ تعالیٰ نے مجھے نصیب کیا ہے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان شہداء میں شامل فرما دے گا جنہوں نے رسول

اللہ ﷺ کی معیت میں لڑتے ہوئے یہاں جامِ شہادت نوش کیا تھا، اس لئے مجھے بھی وہیں دفن کر دینا جہاں ان شہداء کی آخری آرام گاہیں بنی ہیں۔"

اہل طائف نے اپنے سردار کی آخری خواہش پوری کر دی اور ان کو شہدائے طائف کی قبروں کے پاس دفن کر دیا۔

جانِ دو عالم ﷺ کو ان کی شہادت کی اطلاع ملی تو فرمایا کہ عروہ کی مثال اس شخص جیسی ہے جس کا ذکر سورہ یٰسین میں ہے۔ اس نے بھی اپنی قوم سے یہی کہا تھا کہ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِیْنَ ۝ (اے میری قوم! رسولوں کی پیروی کرو۔) اور قوم نے اس "جرم" میں اس کو قتل کر دیا تھا۔

واضح رہے کہ یہ وہی عروہ ابن مسعود ہیں جو صلح حدیبیہ میں اہل مکہ کے نمائندے بن کر جانِ دو عالم ﷺ کے پاس آئے تھے اور واپسی پر مشرکین مکہ کے سامنے صحابہ کرامؓ کی اطاعت و فرمانبرداری اور ادب و عقیدت کی ایسی حسین منظر کشی کی تھی کہ انسان دنگ رہ جاتا ہے۔(۱) رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ.

غرضیکہ اس وقت تو اہل طائف نے حضرت عروہؓ کی بات نہ مانی اور ان کو شہید کر دیا، مگر بعد میں خود انہیں بھی احساس ہو گیا کہ اب ہمیں بہر صورت اسلام لانا پڑے گا، کیونکہ سارا عرب مشرف با سلام ہو چکا ہے اور پوری دنیا سے کٹ کر عمر بھر کے لئے طائف کے قلعے میں محصور رہنا ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی نمائندگی کے لئے چھ افراد پر مشتمل ایک وفد جانِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ یہ لوگ اس وقت مدینہ پہنچے جب آپ کو غزوۂ تبوک سے واپس آئے ہوئے ابھی چند ہی روز گزرے تھے۔

ان دنوں رمضان کا بابرکت مہینہ تھا، اس لئے جانِ دو عالم ﷺ نے ان لوگوں کو مسجد کے قریب ایک خیمے میں ٹھہرایا تاکہ اہل ایمان کی عبادت اور شب بیداری کا دل افروز نظارہ کر سکیں۔

---

(۱) تفصیل جلد دوم ص ۱۸۶ پر گزر چکی ہے۔

چند دن بعد انہوں نے اسلام لانے کی خواہش ظاہر کی، مگر اس شرط کے ساتھ کہ ہماری دیوی لات کو تین سال تک نہ توڑا جائے۔

جانِ دو عالم ﷺ نے انکار کیا تو انہوں نے اس مدت کو کم کر کے دو سال، پھر ایک سال اور آخر میں ایک مہینہ کر دیا، مگر آپ ایک دن کے لئے بھی شرکت میانہ حق و باطل قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے اور صاف صاف کہہ دیا کہ اس مسئلے میں کوئی نرمی نہیں برتی جا سکتی۔ لات کو بہر صورت توڑا اور گرایا جائے گا۔

انہوں نے کہا کہ اگر اس کو توڑنا ہی ہے تو کم از کم ہمیں اس پر مجبور نہ کیا جائے؛ بلکہ اس کام کے لئے یہاں سے کچھ افراد بھیج دیئے جائیں۔ یہ مطالبہ جانِ دو عالم ﷺ نے تسلیم کر لیا اور لات کے خاتمے کے لئے حضرت مغیرہؓ ابن شعبہ اور حضرت ابوسفیانؓ (۱) کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔

وہاں پہنچ کر جب حضرت مغیرہؓ نے لات شکنی کا ارادہ کیا تو اِدھر اُدھر سے بہت سی عورتیں روتی پیٹتی اور بین کرتی ہوئی نکل آئیں۔ آہ و بکا کے ساتھ ساتھ وہ اپنے مردوں کو بھی کوس رہی تھیں کہ ان کی بزدلی اور بے غیرتی کی وجہ سے آج ہمیں یہ دن دیکھنا پڑا۔ آخر سب نے یہ کہہ کر دل کو تسلی دے لی کہ لات دیوی اپنے دشمنوں سے خود ہی نمٹ لے گی۔

ان کی یہ باتیں سن کر حضرت مغیرہؓ کو مزاح سوجھا اور اپنے دوستوں سے کہنے لگے کہ میں تمہیں ان لوگوں کی بے وقوفی اور خوش فہمی کا ایک دلچسپ تماشہ دکھاتا ہوں۔

چنانچہ وہ کدال لے کر آگے بڑھے اور لات پر ایک بھرپور وار کیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک زوردار چیخ ماری اور دھڑام سے منہ کے بل گر پڑے۔ یہ دیکھ کر لات کے پجاریوں کے چہرے دمک اٹھے اور حضرت مغیرہؓ سے کہنے لگے

''مغیرہ! دیکھا تو نے ہماری دیوی کا قہر و غضب---! کیا تو نہیں جانتا کہ یہ اپنے دشمنوں کو تباہ و برباد کر دیتی ہے---!! اگر جرأت ہے تو دوبارہ اس پر ہاتھ اٹھا کر دکھا!''

---

(۱) دونوں کے حالات علی الترتیب جلد دوم ص ۱۸۸، اور ص ۲۷۹ پر گزر چکے ہیں۔

حضرت مغیرہؓ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے

''ارے بے وقوفو! پتھر کی یہ بے جان مورتی بھلا کیا کسی کو نقصان پہنچائے گی---! میں تو تمہارے ساتھ استہزاء کر رہا تھا۔ اب تم پتھروں کے ان خود ساختہ بتوں کی پرستش چھوڑ دو اور صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کے روبرو اپنے سر خم کیا کرو!''

اس کے بعد حضرت مغیرہؓ اور حضرت ابوسفیانؓ نے مل کر لات کو توڑ پھوڑ دیا اور نذر و نیاز کے طور پر چڑھائے گئے زیورات اکٹھے کر کے مدینہ منورہ پہنچا دیئے۔ انہی دنوں حضرت عروہؓ کا بیٹا ابوملیحؓ اور بھتیجا قاربؓ، جانِ دوعالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضرت ابوملیحؓ نے کہا---''یارسول اللہ! میرے والد ایک شخص کے مقروض تھے، اب وہ قرض ادا کرنے کا مطالبہ کر رہا ہے؛ جبکہ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔''

جانِ دوعالم ﷺ نے حضرت ابوسفیانؓ کو حکم دیا کہ لات کے زیورات سے عروہ کا قرضہ ادا کر دیا جائے۔

حضرت قاربؓ نے عرض کی---''یارسول اللہ! میرا باپ اسود بھی مقروض تھا۔ اس کی ادائیگی کا بھی حکم فرما دیجئے کیونکہ وہ اور عروہ دونوں سگے بھائی تھے۔''

جانِ دوعالم ﷺ نے فرمایا---''عروہ تو اسلام لانے کے بعد شہید ہوا تھا، اس لئے ہم نے اس کا قرض ادا کر دیا ہے؛ جبکہ اسود کفر کی حالت میں مرا تھا، اس لئے ہم اس کے ذمہ دار نہیں ہیں۔''

اس کے جواب میں حضرت قاربؓ نے عجیب دلچسپ نکتہ اٹھایا۔

''یارسول اللہ! ادائیگی تو اب میں نے کرنی ہے، نہ کہ میرے فوت شدہ باپ نے، اور میں تو یارسول اللہ! مسلمان ہوں۔''

جانِ دوعالم ﷺ مسکرائے اور فرمایا

''اچھا، اس کے باپ کا قرضہ بھی انہی زیورات سے ادا کر دیا جائے۔''

اس طرح سیم و زر کا یہ انبار ضرورتمندوں کی امداد و اعانت میں صرف ہو گیا۔

سلام اس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا حجِ اکبر

مشرکینِ مکہ نے حج اور طواف میں جو عجیب وغریب جدتیں پیدا کرلی تھیں، ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ عریاں اور بے لباس ہو کر طواف کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ فطرت کے عین مطابق ہے، کیونکہ جب ہم پیدا ہوئے تھے تو بالکل ننگے تھے۔ بعد میں رسم دنیا کی خاطر کپڑے پہننے لگ گئے اور اس طرح فطرت سے دور ہوتے چلے گئے۔ اب کم از کم طواف کے وقت تو فطرتِ اصلیہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور دنیاوی لباس کی آلائشوں سے یکسر پاک صاف ہو کر بیت اللہ کے گرد گھومنا چاہئے!

۸ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہوا تو جانِ دو عالم ﷺ نے مشرکین کی رائج کردہ ایسی بیہودہ رسومات کو ختم کرنے اور لوگوں کو حج کا صحیح طریقہ سکھانے کے لئے ۹ھ میں تین سو صحابہ کی معیت میں صدیق اکبرؓ کو امیرِ حج بنا کر بھیجا۔ ان کی روانگی کے بعد جانِ دو عالم ﷺ نے حضرت علیؓ کو بھی بھیج دیا اور فرمایا کہ تم سورۂ برأت (توبہ) کی ابتدائی آیات پڑھ کر مشرکین پر واضح کردو کہ اللہ اور اس کا رسول ان سے بیزار ہیں، اس لئے آئندہ کسی مشرک کو مسجد حرام میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہوگی، کیونکہ ان کے باطن شرک کی نجاست سے آلودہ ہیں اور وہ اس قابل نہیں ہیں کہ مسجد حرام جیسی مقدس اور پاکیزہ جگہ میں قدم رکھ سکیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی اعلان کردو کہ آج کے بعد ہرگز کوئی شخص عریاں حالت میں طواف نہ کرے۔ حسب ارشاد صدیق اکبر نے حج کرایا، لوگوں کو مسائل بتائے۔ طواف، سعی، رمی جمار اور قربانی وغیرہ کے احکام وآداب سے آگاہ کیا اور جب اپنے خطاب سے فارغ ہوئے تو حضرت علیؓ سے کہا کہ اب آپ رسول اللہ ﷺ کے نمائندہ خصوصی کی حیثیت سے اعلانِ برأت کردیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے سورۂ برأت کی ابتدائی تینتیس [۳۳] آیات پڑھ کر برأت کا اعلان کیا اور ہمیشہ کے لئے مشرکین کا مسجد حرام میں داخلہ ممنوع قرار دے دیا۔ (۱)

---

(۱) الحمدللہ کہ یہ ممانعت اب تک برقرار ہے اور جہاں سے حدودِ حرم شروع ہوتی ہیں، وہاں بورڈ لگے ہوئے ہیں کہ اس سے آگے غیر مسلموں کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔

ایلاء

اسی سال جانِ دوعالم ﷺ نے ایلاء کیا۔ یعنی ازواج مطہراتؓ کی کسی بات سے ناراض ہوکر قسم کھالی کہ میں ایک مہینے تک اپنی بیویوں سے کوئی تعلق نہیں رکھوں گا۔ انہی دنوں گھوڑے سے پھسلنے کی وجہ سے پاؤں مبارک میں موچ آگئی تھی، اس لئے مسجد کو آنا جانا بھی ممکن نہ رہا اور آپ ایک بالا خانے میں قیام پذیر ہوگئے۔

اس عزلت نشینی کی وجہ سے مدینہ میں یہ افواہ پھیل گئی کہ آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ بعد میں یہ افواہ غلط ثابت ہوئی اور آپ انتیسویں دن بالا خانے سے اتر کر گھر تشریف لے گئے۔ اہل خانہ آپ کو یوں غیر متوقع طور پر سامنے دیکھ کر حیران رہ گئے اور عرض کی---''یارسول اللہ! آپ نے تو ایک مہینے تک ترکِ تعلق کی قسم کھائی تھی؟''

یعنی ابھی مہینہ تو پورا نہیں ہوا ہے؛ بلکہ ایک دن باقی ہے۔

جانِ دوعالم ﷺ نے فرمایا---''مہینہ انتیس دن کا بھی تو ہوتا ہے۔''

یہ تو تھی اس واقعہ کی تلخیص۔ اب پیش خدمت ہے اس کی تفصیل اور اس پر بحث و تمحیص۔ لیکن پہلے آپ سورۂ تحریم کی ابتدائی پانچ آیات اور ان کا ترجمہ پڑھ لیں، کیونکہ آئندہ تحقیق کا ان آیات کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

اگرچہ اصولی طور پر یہ بحث سیرت سے نہیں؛ بلکہ تفسیر سے متعلق ہے؛ لیکن ان آیات کی تفسیر میں جو روایات ذکر کی جاتی ہیں، ان سے سیرتِ نبویہ کا شفاف چشمہ آلودہ ہوئے بغیر نہیں رہتا، اس لئے اس موضوع پر قلم اٹھانا پڑ گیا۔ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔

پانچ آیات اور ان کا ترجمہ

۱---- یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ ج تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ ط وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○

۲---- قَدْ فَرَضَ اللّٰہُ لَکُمْ تَحِلَّةَ اَیْمَانِکُمْ ج وَاللّٰہُ مَوْلٰکُمْ ج وَھُوَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ○

۳--- وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ۝

۴--- اِنْ تَتُوْبَآ اِلَی اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَیْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِیْرٌ ۝

۵--- عَسٰی رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝

(قرآن کریم، سورہ ٦٦)

۱---اے نبی! تم کیوں اپنے لئے ممنوع قرار دیتے ہو اس چیز کو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کی ہے---؟ تم تو اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

۲---اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے قسموں کے کھولنے کا طریقہ مقرر کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ علم والا اور حکمت والا ہے۔

۳---اور جب نبی نے اپنی کسی بیوی کو ایک راز کی بات کہی۔ پھر جب اس بیوی نے وہ بات کسی اور کو بتلا دی اور اللہ تعالیٰ نے نبی کو اس چیز سے آگاہ کر دیا، تو نبی نے اس بیوی کو اس بات کا کچھ حصہ بتلایا اور کچھ سے صرف نظر کر لیا۔ پھر جب نبی نے بیوی کو بات کے افشاء سے آگاہ کیا تو وہ بولی---"آپ کو یہ بات کس نے بتائی ہے؟"

نبی نے کہا---"مجھے مطلع کیا ہے علم والے اور خبر والے نے۔"

۴---اگر تم دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرو تو تمہارے دل اس پر مائل ہو چکے ہیں اور اگر تم دونوں نے نبی کی مرضی کے خلاف اتحاد کئے رکھا تو اللہ تعالیٰ، جبریل اور نیک مومن اس کے مددگار ہیں۔ اس کے علاوہ تمام فرشتے بھی اس کے معاون ہیں۔

۵---اگر نبی نے تم سب کو طلاق دے دی تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو تمہارے بدلے، تم سے بہتر بیویاں عنایت فرما دے، اسلام والیاں، ایمان والیاں، عاجزی کرنے والیاں،

توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزے رکھنے والیاں --- بیوہ اور کنواریاں۔

پہلی آیت کے الفاظ ''تُحَرِّمُ'' اور ''تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ'' سے اکثر مفسرین ومترجمین نے یہ سمجھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو خوش کرنے کے لئے کسی حلال چیز کو اپنے لئے حرام کرلیا تھا، لیکن وہ چیز کیا تھی ---؟ اس میں اختلاف ہے۔ مفسرین نے اس کی دو تفسیریں بیان کی ہیں۔

پہلی تفسیر

رسول اللہ ﷺ نے شہد حرام کرلیا تھا اور قسم کھالی تھی کہ میں آئندہ شہد نہیں استعمال کروں گا۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بیوی کے پاس شہد کا شربت پیا تو دو --- یا تین --- بیویوں نے ایک منصوبہ بنایا اور جب آپ ان کے پاس آئے تو ہر ایک نے کہا کہ آپ سے ''مغافیر''(۱) کی بو آتی ہے، کیا آپ نے مغافیر کھائے ہیں ---؟ رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ نہیں، میں نے تو شہد پیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہوسکتا ہے شہد کی مکھیوں نے ''عرفط'' کا رس چوسا ہو اور اس کی بدبو شہد میں شامل ہوگئی ہو۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی خوشنودی کی خاطر شہد حرام کرلیا اور ان میں سے کسی ایک کے سامنے قسم اٹھالی کہ آئندہ شہد استعمال نہیں کروں گا۔ ساتھ ہی اس بیوی کو تاکید کردی کہ یہ بات کسی اور کو نہ بتانا، مگر وہ بیوی اس بات کو راز نہ رکھ سکی اور دوسری کو بتادی۔ اس افشائے راز سے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو آگاہ کردیا اور پھر مندرجہ بالا آیات نازل ہوئیں۔

پہلی آیت میں رسول اللہ ﷺ کو تنبیہ کی گئی کہ آپ نے ایک حلال چیز کو حرام کیوں کیا ہے ---؟ یہ کام تو ویسے بھی مناسب نہیں ہے اور محض بیویوں کو خوش کرنے کے لئے تو اور بھی نامناسب ہے، بہرحال اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

دوسری آیت میں بتایا گیا ہے کہ قسم کی پابندی سے نکلنے کا طریقہ مقرر ہے، یعنی کفارہ۔ اس لئے آپ بھی کفارہ دیجئے اور شہد استعمال کیجئے! اللہ تعالیٰ ہر بات کو جانتا ہے اور

---

(۱) ''مغافیر'' ایک بدبودار گوند کے ٹکڑوں کو کہتے ہیں جو ایک خاردار صحرائی بیل ''عرفط'' سے نکلتا ہے۔

اس کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے۔

تیسری آیت میں افشائے راز کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بیوی کو رازدارانہ طریقے سے یہ بات بتائی کہ میں نے شہد حرام کرلیا ہے، مگر اس نے دوسری کو بتا دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس چیز سے رسول اللہ ﷺ کو آگاہ کردیا اور آپ نے اس بات کا کچھ حصہ بیان کر کے بیوی سے شکوہ کیا کہ تو نے یہ بات دوسری کو بھی بتا دی ہے، حالانکہ میں نے تاکید کی تھی کہ کسی سے نہ کہنا! اس نے پوچھا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے، جو ہر چیز کا علم رکھنے والا اور باخبر ہے۔

چوتھی آیت میں روئے سخن ان دو بیویوں کی طرف ہے، جن کی کوششوں سے رسول اللہ نے شہد حرام کرلیا تھا اور ان سے کہا گیا ہے کہ اگر تم دونوں اپنی غلطی سے توبہ کرلو تو تمہارے دل اس طرف مائل ہو چکے ہیں اور اگر تم نے رسول اللہ کی منشاء کے خلاف ایکا کئے رکھا تو اس سے رسول اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اور کارکنانِ قضا وقدر ان کے معاون و مددگار ہیں۔ اگر تمہارے رویے سے تنگ آ کر رسول اللہ نے تم سب کو طلاق دے دی تو اللہ تعالیٰ ان کو تم سے بہتر بیویاں عنایت فرمادے گا۔ الخ۔

اس تفسیر کی بنیاد ان دو روایتوں پر ہے جو بخاری و مسلم کے علاوہ حدیث کی دیگر کتابوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ ایک روایت مختصر ہے اور دوسری مفصل۔

دونوں کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

پہلی روایت

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ زینب بنت جحش کے پاس ٹھہرا کرتے تھے اور وہاں شہد پیا کرتے تھے؛ تو میں نے اور حفصہ نے اتفاق کیا کہ رسول اللہ ﷺ وہاں سے اٹھ کر جب ہمارے پاس آئیں گے تو ہم میں سے ہر ایک ان سے یہ کہے گی کہ آپ سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ کیا آپ نے مغافیر کھائے ہیں؟ (۱) چنانچہ جب

(۱) شارحین بخاری کے بقول اس منصوبہ بندی کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ☜

رسول اللہ ﷺ ان میں سے ایک کے پاس آئے تو اس نے یہی بات ان سے کہی۔

رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ میں نے مغافیر تو نہیں کھائے؛ البتہ زینب کے ہاں شہد پیا ہے اور آئندہ میں کبھی شہد نہیں پیوں گا۔ تو یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ --- تا --- اِنْ تَتُوْبَا۔ (اگر تم دونوں توبہ کرلو۔) ''دونوں'' سے مراد عائشہ اور حفصہ ہیں۔

دوسری روایت

حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ شہد اور میٹھی چیز پسند کرتے تھے اور آپ کا معمول تھا کہ نمازِ عصر کے بعد اپنی بیویوں کے پاس جایا کرتے تھے اور ان میں سے کسی ایک کے قریب ہوا کرتے تھے۔ ایک دن آپ حفصہ کے پاس گئے اور عام دنوں کی بنسبت وہاں زیادہ ٹھہرے۔ اس پر مجھے غیرت آئی اور میں اس کا سبب معلوم کرنے کے لئے پوچھ گچھ کرنے لگی۔ مجھے بتایا گیا کہ حفصہ کے قبیلے کی ایک عورت نے حفصہ کے لئے شہد کی ایک چرمی تھیلی بھیجی ہے اور اس نے رسول اللہ ﷺ کو شہد کا شربت پلایا ہے۔ میں نے کہا ''اللہ کی قسم! ہم اُس کے لئے کوئی حیلہ سازی کریں گی۔''

چنانچہ میں نے سودہ بنتِ زمعہ سے کہا --- ''ابھی رسول اللہ ﷺ تمہارے پاس آئیں گے، جب وہ تمہارے نزدیک ہوں تو پوچھنا --- ''کیا آپ نے مغافیر کھائے ہیں؟'' وہ کہیں گے --- ''نہیں۔'' تم کہنا --- ''پھر آپ سے یہ بو کیسے آ رہی ہے؟'' وہ

بخاری کی ایک اور روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی بیویوں کی دو پارٹیاں تھیں۔ ایک میں عائشہؓ، حفصہؓ، سودہؓ اور صفیہؓ تھیں اور دوسری میں ام سلمہؓ اور باقی تمام بیویاں۔ (بخاری ج ۱، کتاب الھبہ، ص ۳۵۱) چونکہ رسول اللہ ﷺ مخالف پارٹی میں شامل بیوی کے پاس شہد پینے اور زیادہ وقت صرف کرنے لگے تھے، اس لئے حضرت عائشہؓ کو غیرت آئی اور انہوں نے ایسی حیلہ سازی کی کہ رسول اللہ ﷺ کو شہد ہی سے متنفر کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ملاحظہ ہوں فتح الباری، عینی، قسطلانی وغیرہ۔

کہیں گے---"میں نے حفصہ کے پاس شہد پیا ہے۔" تم کہنا---"ہوسکتا ہے کہ شہد کی مکھیوں نے عرفط کا رس چوسا ہو۔" پھر جب رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئیں گے تو میں بھی یہی کہوں گی اور صفیہ! تم بھی اس طرح کہنا۔

بعد میں سودہ نے مجھے بتایا کہ اس سے تھوڑی ہی دیر بعد رسول اللہ ﷺ میرے دروازے پر آ کھڑے ہوئے اور میں نے تمہارے ڈر سے وہی کچھ کہا جو تم نے مجھے بتایا تھا۔ چنانچہ جب آپ ﷺ سودہ کے قریب ہوئے تو اس نے کہا---"کیا آپ نے مغافیر کھائے ہیں---؟ آپ نے کہا---"نہیں۔" اس نے کہا---"پھر آپ سے یہ بو کیسے آ رہی ہے؟ آپ نے کہا---"حفصہ نے مجھے شہد کا شربت پلایا ہے۔" سودہ نے کہا---"ہوسکتا ہے کہ شہد کی مکھیوں نے عرفط کا رس چوسا ہو!" اس کے بعد رسول اللہ میرے پاس آئے تو میں نے بھی یہی کہا۔ پھر صفیہ کے پاس گئے تو اس نے بھی یہی باتیں کیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب دوسرے دن رسول اللہ ﷺ حفصہ کے پاس گئے اور اس نے پوچھا کہ کیا میں آپ کو شہد کا شربت پلاؤں؟ تو آپ نے جواب دیا---"کوئی ضرورت نہیں ہے مجھے اس کی۔" اس پر سودہ نے مجھ سے کہا---"ہم نے رسول اللہ ﷺ کو (ان کی پسندیدہ چیز سے) محروم کر دیا ہے۔" میں نے کہا---"چپ کر!"(۱)

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ۔

یہ گروہ بندیاں اور پارٹی بازیاں---! یہ باہمی نفرتیں اور افترا پردازیاں---!
یہ سازشیں اور بہتان طرازیاں---! یہ کذب بیانیاں اور حیلہ سازیاں---!
سرورِ معطر و مطہر و منور کا پاکیزہ گھرانہ نہ ہوا.......ہو گیا!!

ایک زمانے میں روایت سازی کا کاروبار اس قدر پھیل چکا تھا کہ ایک روایت گھڑنے والے کو یہ پتہ نہیں ہوتا تھا کہ دوسرے نے اس موضوع پر کس طرح کی روایت تیار

---

(۱) دونوں روایتوں کے لئے، صحیح بخاری ج ۲ کتاب الطلاق، باب لم تحرم ما احل اللہ لک ص ۷۹۲ تا ۷۹۳ ملاحظہ فرمائیں۔

کی ہے۔ مندرجہ بالا دو روایتیں بھی اسی دور کی ساختہ معلوم ہوتی ہیں کیونکہ ایک ہی واقعہ سے متعلق ہونے کے باوجود، ان میں درج ذیل تضادات پائے جاتے ہیں

(الف) --- پہلی روایت میں شہد پلانے والی حضرت زینبؓ ہیں اور دوسری میں حضرت حفصہؓ۔

(ب) --- پہلی روایت میں حضرت حفصہؓ حیلہ سازی میں شریک ہیں؛ جبکہ دوسری روایت میں ان کے خلاف حیلہ جوئی کی گئی۔

(ج) --- پہلی روایت میں جھوٹا پراپیگنڈہ کرنے والیاں دو ہیں۔ یعنی حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ اور دوسری میں تین۔ یعنی حضرت عائشہؓ، حضرت سودہؓ اور حضرت صفیہؓ **(معاذ اللہ)**

(د) --- پہلی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ زینب کے پاس ٹھہرا کرتے تھے۔ كَانَ يَمْكُثُ عِنْدَ زَيْنَبَ. یعنی یہ آپ کا معمول تھا، یا کم از کم کئی دن سے ایسا ہو رہا تھا۔ جب کہ دوسری روایت کے مطابق حضرت عائشہؓ، حضرت سودہؓ اور حضرت صفیہؓ نے پہلے ہی دن آپ کو شہد سے متنفر کر دیا تھا۔

(ھ) --- پہلی روایت میں ہے کہ ابھی ایک ہی بیوی نے آپ سے کہا تھا کہ آپ سے مغافیر کی بو آ رہی ہے تو آپ نے شہد حرام کر لیا تھا؛ جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ تین بیویوں نے یکے بعد دیگرے آپ سے یہ بات کہی تھی۔

(و) --- پہلی روایت کے مطابق اِنْ تَتُوْبَا (اگر تم دونوں توبہ کر لو) کی مخاطب حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ ہیں؛ جبکہ دوسری روایت اس سے ساکت ہے، کیونکہ اس میں تین بیویوں کا ذکر ہے اور ان کو تَتُوْبَا سے خطاب نہیں کیا جا سکتا کیونکہ تَتُوْبَا تثنیہ کا صیغہ ہے۔

غرضیکہ اونٹ کی طرح ان ہر دو روایتوں کی کوئی کل سیدھی نہیں ہے

یہ تو حال ہے اس کتاب کی روایتوں کا جو کتاب اللہ کے بعد سب سے صحیح مانی جاتی ہے، یعنی صحیح بخاری۔ جو کتابیں اس سے کمتر درجے کی صحیح ہیں۔ ان کی تو بات ہی نہ پوچھیے --- چنانچہ طبرانی اور ابن ابی حاتم وغیرہ نے بسندِ صحیح روایت کی ہے کہ شہد پلانے والی

حضرت سودہؓ تھیں؛ جبکہ ابنِ جریر طبری اور ابن سعد کی روایت کے مطابق شہد پلانے والی حضرت ام سلمہؓ تھیں۔(۱)

یہ تو پوری قطعیت سے نہیں کہا جا سکتا کہ اس افسانہ تراشی میں کن کن راویوں نے حصہ لیا ہے؛ لیکن اتنا واضح ہے کہ اس کا مقصد رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کو ایک دوسرے کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف دکھانا اور حضرت عائشہ کو اس میں مرکزی کردار دینا ہے۔ اسی لئے راوی حضرات کا اس میں تو شدید اختلاف ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شہد پیا کس کے پاس تھا--- کبھی حضرت زینبؓ کا نام لیتے ہیں، کبھی حضرت حفصہؓ کا، کبھی حضرت سودہؓ کا اور کبھی حضرت ام سلمہؓ کا۔ لیکن اس پر سب متفق ہیں کہ اس حیلہ سازی کی اصل بانی حضرت عائشہؓ ہیں۔ چنانچہ جہاں حضرت زینبؓ کو شہد پلانے والی بتاتے ہیں، وہاں حضرت عائشہؓ کو حضرت حفصہؓ سے مل کر حیلہ جوئی کرتا دکھا دیتے ہیں اور جہاں حضرت حفصہؓ کے پاس شہد پینے کا ذکر کرتے ہیں، وہاں نہ صرف حضرت عائشہؓ کو حضرت سودہؓ اور حضرت صفیہؓ کے اشتراک سے منصوبہ بناتا دکھاتے ہیں؛ بلکہ حضرت سودہؓ سے یہ بھی کہلوا دیتے ہیں کہ---

''میں نے تمہارے ڈر سے وہی کچھ کہا جو تم نے مجھے بتایا تھا۔''

گویا حضرت سودہؓ حضرت عائشہؓ کی ہمسر زوجہ رسول نہ تھیں؛ بلکہ ان کی کوئی کنیز تھیں یا چھوٹی سی بچی، جو ڈر کے مارے حضرت عائشہؓ کی ہمنوائی پر مجبور تھیں!

جو بات کی ، خدا کی قسم لا جواب کی

بہر حال راویوں کے بارے میں تو کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے مخصوص مقاصد کی تکمیل کے لئے ایسی روایتیں گھڑی ہوں گی، لیکن انتہائی تعجب تو امام بخاریؒ پر ہے کہ وہ ایک ہی باب میں یکے بعد دیگرے متصلاً دو روایتیں ذکر کرتے ہیں، مگر ان میں موجود تعارضات و تناقضات کی طرف ان کا ذرا سا خیال بھی نہیں جاتا---!! ناطقہ سر بگریباں ہے کہ اسے کیا کہیے!

---

(۱) بحوالہ درمنثور، ج ۶، ص ۲۳۹۔

شارحین بخاری کی توجہ باقی تضادات کی طرف تو نہیں گئی؛ البتہ یہ موٹی سی بات ان کو بھی کھٹکی ہے کہ ایک روایت میں شہد پلانے والی حضرت زینبؓ ہیں اور دوسری میں حضرت حفصہؓ۔ اس نمایاں تعارض کو رفع کرنے کے لئے انہوں نے دو جواب دیئے ہیں۔

پہلا جواب--- یہ کہ دونوں روایتیں ایک واقعہ سے متعلق نہیں ہیں؛ بلکہ دو الگ الگ واقعات ہیں۔ ایک واقعہ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینبؓ کے پاس شہد پیا تھا اور دوسرے میں حضرت حفصہؓ کے ہاں۔

لیکن یہ بات بعید از قیاس ہے۔ کیونکہ دونوں روایتوں میں مغافیر کی بو کا ذکر ہے اور جس چیز کو رسول اللہ ﷺ ایک بار بدبو کی وجہ سے ترک کر چکے ہوں، اس کو دوبارہ استعمال کرنا کیسے گوارا فرما سکتے تھے---؟!

نیز اس صورت میں ازواج مطہراتؓ کو دو مرتبہ --- اور اگر طبرانی و طبری کی روایات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو چار مرتبہ --- کذب بیانی اور رسول اللہ کی ایذا رسانی کا مرتکب ماننا پڑے گا۔ حالانکہ ان پاک بیبیوں کی طرف ایک مرتبہ بھی ایسی حرکات منسوب کرنے کے لئے دل پر بھاری پتھر رکھنا پڑتا ہے، پھر بھی ضمیر مطمئن نہیں ہوتا اور ان کا جواز فراہم کرنے کے لئے دور از کار توجیہات و تاویلات کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

مثلاً شارح بخاری علامہ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں

فَإِنْ قُلْتَ: كَيْفَ جَازَ لِحَفْصَةَ وَ عَائِشَةَ اَلْكَذِبُ وَالْمُوَاطَاةُ الَّتِيْ فِيْهَا اِيْذَاءُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ ---؟ قُلْتُ: عَائِشَةُ كَانَتْ صَغِيْرَةً، مَعَ اَنَّهَا وَقَعَتْ مِنْهَا مِنْ غَيْرِ قَصْدِ الْاِيْذَاءِ؛ بَلْ عَلٰى مَاهُوَ مِنْ جِبِلَّةِ النِّسَاءِ فِي الْغَيْرَةِ عَلَى الضَّرَّاتِ.

(اگر تم اعتراض کرو کہ عائشہ و حفصہ کے لئے جھوٹ بولنا اور ایسا اتفاق کرنا، جس میں رسول اللہ ﷺ کی ایذاء رسانی ہو، کیونکر جائز تھا---؟! تو میں جواب دوں گا کہ عائشہ کی عمر چھوٹی تھی، نیز ان کا مقصد رسول اللہ ﷺ کو ایذاء پہنچانا نہیں تھا؛ بلکہ یہ ویسا ہی ایک

حیلہ تھا، جیسا کہ عورتیں اپنی سوکنوں کی رقابت میں کیا کرتی ہیں۔)(۱)

اس جواب میں متعدد جھول ہیں، مگر ہم ان سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف وہ نمایاں کمزوری بتا دیتے ہیں، جس کی بناء پر علامہ شبلیؒ نے اس جواب کو مسترد کیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں---''لیکن علامہ موصوف (یعنی علامہ عینی) کا جواب تسلیم کرنا مشکل ہے۔ اول تو یہ واقعہ ایلاء کے واقعہ کے سلسلہ میں ہے، جو ۹ ھ میں واقع ہوا تھا۔ اس وقت حضرت عائشہؓ سترہ برس کی ہو چکی تھیں، دوسرے، عائشہ کمسن تھیں لیکن اور ازواجِ مطہراتؓ جو اس میں شریک ہوئیں، وہ تو پوری عمر کی تھیں۔ خود حضرت حفصہؓ کی عمر آنحضرت ﷺ کی شادی کے وقت ۳۵ برس تھی۔''

جناب شبلیؒ نے علامہ عینی کے جواب کو تو مسترد کر دیا، لیکن وہ خود بھی چونکہ ان روایتوں کو صحیح تسلیم کرتے ہیں، اس لئے یہ عجیب وغریب توجیہہ پیش کرتے ہیں۔

''ہمارے نزدیک مغافیر کی بو کا اظہار کرنا کوئی جھوٹ بات نہ تھی۔ تمام روایتوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ لطیف المزاج تھے اور رائحہ کی ذراسی ناگواری کو برداشت نہیں فرما سکتے تھے۔ مغافیر کے پھولوں میں اگر کسی قسم کی کرختگی ہو تو تعجب کی بات نہیں۔''(۲)

واقعی، اس میں تو کوئی تعجب کی بات نہیں، لیکن اس صورت میں انتہائی تعجب کی بات یہ ہے کہ چند ازواجِ مطہراتؓ کو تو اس کرختگی کا احساس ہو گیا، لیکن خود رسول اللہ ﷺ کو مطلق پتہ نہ چلا اور مزے سے ناگوار اور کرخت بو والا شہد پی لیا--- ایک بار نہیں، کئی بار---!! حالانکہ---''تمام روایتوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ لطیف المزاج تھے اور رائحہ کی ذراسی ناگواری کو برداشت نہیں فرما سکتے تھے''--- پھر مغافیر کی کرخت بو میں بسا ہوا شہد کیسے نوش فرما لیتے تھے---؟! اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ!

---

(۱) عمدۃ القاری، ج ۹، ص ۲۲۶۔

(۲) سیرت النبی، ج ۱، ص ۴۹۹۔

دوسرا جواب--- یہ کہ دونوں روایتیں ہیں تو ایک ہی واقعہ سے متعلق؛ لیکن پہلی روایت --- جس کا ایک راوی حجاج ہے --- زیادہ صحیح ہے، اس لئے اس کو ترجیح حاصل ہوگی۔ علامہ نوویؒ لکھتے ہیں

قَالَ النَّسَائِیُّ: اِسْنَادُ حَدِیْثِ حَجَّاجٍ صَحِیْحٌ جَیِّدٌ غَایَةً. (۱)

(نسائی نے کہا ہے کہ حجاج کی بیان کردہ حدیث کی سند صحیح اور نہایت ہی عمدہ ہے۔)

اس جواب کے مطابق شہد پلانے والی حضرت زینبؓ قرار پائیں گی اور دوسری روایت میں ان کی جگہ حضرت حفصہؓ کا نام راوی کی غلطی پر محمول کیا جائے گا۔

قطع نظر اس سے کہ یہ جواب پہلے جواب کے منافی ہے، دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کیا واقعی حجاج کی روایت زیادہ صحیح ہے اور اس کی سند نہایت ہی عمدہ ہے---؟! تو آیئے پہلے سند پر ایک نظر ڈال لیجئے!

حَدَّثَنِی الْحَسَنُ ابْنُ مُحَمَّدِ ابْنِ صَبَّاحٍ قَالَ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ عَنْ اِبْنِ جُرَیْجٍ قَالَ زَعَمَ عَطَاءٌ اَنَّهٗ سَمِعَ عُبَیْدَ ابْنَ عُمَیْرٍ یَقُوْلُ سَمِعْتُ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ.........الخ (۲)

ہم ان میں سے صرف دو راویوں کے حالات کا اسماء الرجال کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں۔

ایک، حجاج --- جس کے حوالے سے امام نسائی نے اس روایت کو زیادہ صحیح کہا ہے۔

دوسرا، ابن جریج --- جو حجاج کا استاد ہے اور اس روایت کے دیگر سلسلوں میں بھی موجود ہے۔

حجاج اگرچہ ثقہ ہے، مگر آخر عمر میں اس کو "اختلاط" ہو گیا تھا۔ یعنی حافظہ اس قدر خراب ہو گیا تھا کہ مختلف روایتیں اور سندیں ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط کر دیتا تھا۔ اس

---

(۱) حاشیہ نووی علی صحیح مسلم، ج ۱، ص ۴۷۹۔

(۲) صحیح بخاری، ج ۲، ص ۷۹۲۔

کی یہ حالت دیکھ کر مشہور محدث اور نقاد یحییٰ ابن معین نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ اب کسی کو حدیث سننے کے لئے شیخ (حجاج) کے پاس مت لے جانا!

لَمَّا قَدِمَ حَجَّاجٌ بَغْدَادَ اٰخِرَ مَرَّةٍ خَلَّطَ. فَرَاٰهُ یَحْیٰی یُخَلِّطُ، فَقَالَ لِاِبْنِہٖ: لَاتُدْخِلْ عَلَی الشَّیْخِ اَحَدًا. (۱)

(جب حجاج آخری بار بغداد آیا تو حدیثوں کو خلط ملط کرنے لگا۔ یہ دیکھ کر یحییٰ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اب کسی کو شیخ (حجاج) کے پاس نہ لے جانا)

اتنے اہم معاملے میں ایسے مریضِ اختلاط کی روایتوں کا بھلا کیا اعتبار---!؟ ہوسکتا ہے کہ یہ روایت بھی اس نے عالمِ اختلاط میں بیان کی ہو۔

محدثین کہتے ہیں کہ مریضِ اختلاط کی وہ روایتیں، جو اختلاط کا عارضہ لاحق ہونے سے پہلے کی ہوں، مقبول ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ روایتوں میں یہ حدِ فاصل کیسے قائم کی جائے گی کہ فلاں فلاں روایت اختلاط سے پہلے کی ہے اور فلاں فلاں بعد کی؟ کیونکہ حافظے کی خرابی ہمیشہ بتدریج اور رفتہ رفتہ واقع ہوتی ہے۔ یہ کوئی بخار یا زکام کی طرح کا مرض تو ہے نہیں کہ پورے تیقن سے کہا جاسکے کہ فلاں دن سے اس کو اختلاط ہوگیا تھا۔

ابن جریج، حجاج کا استاد ہے اور بہت پختہ کار راوی ہے۔ حدیث کی بیشتر کتب میں اس کی روایات موجود ہیں اور محدثین کی اکثریت اس کو ثقہ اور قابلِ اعتماد راوی تسلیم کرتی ہے، مگر امام مالکؒ فرماتے ہیں:

کَانَ اِبْنُ جُرَیْجٍ حَاطِبَ لَیْلٍ. (ابن جریج ''حاطب لیل'' تھا۔)

حاطب لیل، رات کو لکڑیاں چننے والے کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس کو اندھیرے کی وجہ سے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ سوکھی لکڑی ہاتھ آئی ہے یا گیلی، اس لئے وہ ہر قسم کی لکڑیاں جمع کر لیتا ہے۔ اس مناسبت سے محدثین اس راوی کو حاطب لیل کہتے ہیں جو روایات میں امتیاز نہ کرتا ہو اور ہر طرح کی رطب و یابس بیان کرتا رہتا ہو۔

---

(۱) تاریخ بغداد، ج۸، ص ۲۳۸، میزان الاعتدال، ج ۱، ص ۲۱۶، سیر اعلام النبلاء، ج۹، ص ۴۴۹۔

یزید ابن زریع کہتے ہیں

كَانَ اِبْنُ جُرَيْجٍ صَاحِبَ غُثَآءٍ (ابن جریج خس وخاشاک جمع کرنے والا تھا۔)

''حاطب لیل'' اور ''صاحب غثاء'' ہونا بذات خود ایسی خامیاں ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے ابن جریج کی روایات پر اعتماد کرنا مشکل ہے، لیکن اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اس شخص کا عقیدہ اور کردار بھی اچھا نہیں تھا۔ جریر ضبی کہتے ہیں

''كَانَ اِبْنُ جُرَيْجٍ يَرَى الْمُتْعَةَ، تَزَوَّجَ بِسِتِّيْنَ اِمْرَأَةٍ.'' (ابن جریج متعہ کو جائز سمجھتا تھا۔ اس نے ساٹھ ۶۰ عورتوں سے شادی کی تھی۔)

ساٹھ ۶۰ کا عدد بھی کچھ کم نہیں، لیکن امام شافعیؒ اس کی بیویوں کی تعداد نوے ۹۰ بتاتے ہیں۔

سَمِعْتُ الشَّافِعِيَّ يَقُوْلُ: اِسْتَمْتَعَ اِبْنُ جُرَيْجٍ بِتِسْعِيْنَ اِمْرَأَةً. (میں نے امام شافعیؒ کو یہ کہتے سنا ہے کہ ابن جریج نے نوے ۹۰ عورتوں سے متعہ کیا تھا۔)

شہوت رانی کی ہوس اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ امام شافعیؒ کہتے ہیں۔

اِنَّهٗ كَانَ يَحْتَقِنُ بِاَوْقِيَةِ شِيْرَجٍ طَلَبًا لِلْجِمَاعِ. (۱)

کہا جاتا ہے کہ ابن جریج نے جتنی عورتوں سے متعہ کیا تھا، ان کی فہرست بنا کر اپنے بیٹوں کے حوالے کر دی تھی، تاکہ ان میں سے کوئی غلطی سے اپنے باپ کی منکوحہ و ممتوعہ سے شادی نہ کر بیٹھے۔

قِيْلَ: اِنَّهٗ عَهِدَ اِلٰى اَوْلَادِهٖ فِيْ اَسْمَائِهِنَّ لِئَلَّا يَغْلَطَ اَحَدٌ مِّنْهُمْ وَيَتَزَوَّجَ وَاحِدَةً مِّمَّا نَكَحَ اَبُوْهُ بِالْمُتْعَةِ. (۲)

واضح رہے کہ جو لوگ متعہ کو جائز سمجھتے ہیں. انہی کو ازواج رسول سے بیر ہے۔

---

(۱) ''سیدالوریٰ'' کو چونکہ ہر صنف اور عمر کے لوگ پڑھتے ہیں، اس لئے اس عبارت کا ترجمہ کرنا ہم نے مناسب نہیں سمجھا۔

(۲) ابن جریج کے مفصل حالات کے لئے سیر اعلام النبلاء، ج ۶، ص ۳۲۵ تا ۳۳۶ مطالعہ فرمایئے!

خصوصاً حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ سے۔ اس لئے ہمارے خیال میں اس روایت کا بنیادی واضع اور موجد یہی ابن جریج ہے جس نے زہد و پارسائی کا ایسا لبادہ اوڑھ رکھا تھا کہ بڑے بڑے محدثین اس کے سحر میں گرفتار ہو گئے، مگر بھلا ہو جناب جریرضبی اور امام شافعیؒ کا، کہ انہوں نے اس کا پول کھول دیا۔ غالباً ایسے ہی موقع پر کہا جاتا ہے

من خوب می شناسم پیرانِ پارسا را

یہ حالات ہیں اس روایت کے دو راویوں کے، جس کی سند بقول امام نسائی --- ''صحیح اور نہایت ہی عمدہ ہے۔'' رہی دوسری روایت، تو وہ اس سے کمتر درجے کی ''صحیح'' ہے، اس لئے اس کی سند پر بحث کر کے گفتگو کو طول دینے سے کیا حاصل ---؟ قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا۔

بہر حال یہ دونوں روایتیں اس قابل نہیں ہیں کہ ان کو بنیاد بنا کر آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر کی جائے اور ایک تو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ گمان کیا جائے کہ انہوں نے محض اپنی بیویوں کو خوش کرنے کے لئے شہد جیسی اعلیٰ نعمت اپنے لئے حرام کر لی تھی --- حالانکہ قرآنِ کریم نے شہد کو باعثِ شفا قرار دیا ہے --- فِیهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ.

دوسرے، ازواجِ مطہراتؓ کو گھڑ جوڑ کر کے جھوٹ گھڑنے والیاں مانا جائے۔ حالانکہ ان پاک بیبیوں کی طہارت پر یُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیرًا نصِ قطعی ہے اور ان کا مقام اتنا بلند ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ......'' (اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔)

کیا ایسی پاکباز اور عالی مرتبہ خواتین کے بارے میں یہ تصور بھی کیا جا سکتا ہے کہ ان سے ایسی گھٹیا حرکتیں سرزد ہوئی ہوں گی جن کا تذکرہ مندرجہ بالا دو متعارض و متناقض روایات میں کیا گیا ہے ---! حاشا و کلا، ہرگز نہیں۔

بدحافظہ اور متعہ باز راویوں کی بے سروپا روایات پر اعتماد کر کے اہلِ بیتِ نبوت کو نازیبا حرکات میں ملوث ماننے سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ ہم اہلِ بیت کی عزت و حرمت کا پاس کریں اور ان کی شان گھٹانے کے لئے وضع کی گئی تمام روایتوں کو مسترد کر دیں --- خواہ یہ روایات بخاری و مسلم ہی میں کیوں نہ پائی جاتی ہوں۔

دوسری تفسیر

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ماریہ قبطیہؓ(۱) کو اپنے لئے حرام کرلیا تھا۔ اس تفسیر کی، آیات تحریم کے ساتھ تطبیق بعینہٖ پہلی تفسیر کی طرح ہے۔ صرف شہد کی جگہ حضرت ماریہ کا نام ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ماریہؓ کو کیوں حرام کیا تھا---؟ روایات میں اس کی جو وجہ بیان کی گئی ہے، وہ اس قدر لغو بلکہ شرمناک ہے کہ ہم اس کی تفصیلات بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ (۲) بیان کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے---! جب کہ علامہ نوویؒ نے صاف لکھا ہے کہ ماریہ کو حرام کرلینے کا قصہ کسی بھی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے۔

''وَلَمْ تَأْتِ قِصَّةُ مَارِيَةَ مِنْ طَرِيْقٍ صَحِيْحٍ.''(۳)

تعجب ہے کہ جو واقعہ کسی بھی صحیح طریقے سے ثابت نہیں ہے، اس کو نہ صرف یہ کہ تمام مفسرین نے ذکر کیا ہے؛ بلکہ علامہ خطابی نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اکثر مفسرین کے نزدیک آیاتِ تحریم، ماریہ ہی کے قصے میں نازل ہوئی تھیں۔

ہم اس بے ہودہ قصے پر کسی قسم کا تبصرہ نہیں کرنا چاہتے۔ بس اتنا کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ---مَايَكُوْنُ لَنَا اَنْ نَتَكَلَّمَ بِهٰذَا، سُبْحَانَكَ، هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۝

خلاصہ اس تمام تحقیق کا یہ ہے کہ شہد یا حضرت ماریہؓ کو حرام کرلینے کے سلسلے میں وارد ہونے والی تمام روایات جعلی، خودساختہ اور امہات المؤمنین پر بہتان ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے نہ کبھی شہد کو اپنے لئے حرام کیا تھا، نہ حضرت ماریہؓ کو۔ رسول اللہ ﷺ تو لوگوں

---

(۱) حضرت ماریہؓ جانِ دو عالم ﷺ کے نوعمری میں وفات پا جانے والے صاحبزادے ابراہیمؓ کی ماں تھیں اور ان دو کنیزوں میں سے ایک تھیں جو شاہِ مصر نے جانِ دو عالم ﷺ کے لئے بطور ہدیہ بھیجی تھیں۔

(۲) ذرا سی جھلک دیکھنی ہو تو سیرت النبی، ج ۱، ص ۵۰۸ پر نظر ڈال لیں، جہاں علامہ شبلیؒ نے اس روایت کا ایک ٹکڑا نقل کیا ہے۔

(۳) حاشیہ نووی علیٰ مسلم، ج ۱، ص ۴۷۹۔

کے لئے پاک اور طیب چیزوں کو حلال کرنے والے ہیں---یُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ---
پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اپنے لئے پاک اور طیب چیزوں کو حرام کر لیں---!!

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر سورۂ تحریم کی آیات کا کیا مفہوم ہے---؟ تو اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ تمام الجھنوں کی جڑ شہد اور ماریہؓ والی روایات ہیں، اگر ان سے صرفِ نظر کر لیا جاتا تو حقیقت تک رسائی مشکل نہ تھی۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ۔

صحیح تفسیر

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایلاء کیا تھا۔ یعنی قسم کھائی تھی کہ میں ایک مہینے تک اپنی بیویوں سے کوئی تعلق نہیں رکھوں گا۔ اسی عارضی قطعِ تعلق کو قرآن کریم نے تحریم سے تعبیر کیا ہے، جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دودھ نہ پینے کے لئے تحریم کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ ''وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ'' (اور حرام کر دیں ہم نے موسیٰ پر دودھ پلانے والیاں۔) یہاں ''حَرَّمْنَا'' کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم نے موسیٰ کے لئے دودھ پلانے والیوں کا دودھ شرعی طور پر حرام کر دیا تھا؛ بلکہ مراد یہ ہے کہ ان کی والدہ کے آنے تک باقی عورتوں کا دودھ پینے سے ہم نے موسیٰ کو روک دیا تھا۔ (۱)

ایلاء میں بھی یہی صورت تھی، یعنی رسول اللہ ﷺ نے اپنے آپ کو ایک مہینے

---

(۱) جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریا سے نکالا تھا تو فرعون کی بیوی نے خواہش ظاہر کی تھی کہ ہم اس بچے کو اپنا بیٹا بنالیں۔ فرعون نے یہ بات مان لی اور حضرت موسیٰ کو دودھ پلانے کے لئے دائیوں کو بلایا۔ مگر ارادۂ الٰہی یہ تھا کہ حضرت موسیٰ اپنی ماں کی گود میں پرورش پائیں۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ تدبیر فرمائی کہ حضرت موسیٰ کسی عورت کا دودھ پینے پر آمادہ نہ ہوئے۔ حضرت موسیٰ کی بہن نے یہ ماجرا دیکھا تو کہا کہ مجھے ایک ایسا گھرانہ معلوم ہے جو پورے اخلاص سے اس بچے کی پرورش کریگا۔ اگر اجازت ہو تو میں اس خاتون کو بلا لاؤں۔ فرعون نے اجازت دے دی اور وہ گھر سے اپنی والدہ کو لے آئیں۔ حضرت موسیٰ ان کا دودھ بخوشی پینے لگے، چنانچہ فرعون نے حضرت موسیٰ کو پرورش کے لئے انہی کے حوالے کر دیا۔ اس طرح حضرت موسیٰ دوبارہ اپنی ماں کے پاس لوٹ آئے۔

تک بیویوں کے پاس جانے سے روک لیا تھا۔ اسی امتناع کو تحریم سے تعبیر کیا گیا۔ خود حضرت عائشہ بیان فرماتی ہیں کہ

اٰلٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَحَرَّمَ، فَاُمِرَ فِی الْاِیْلَاءِ بِکَفَّارَۃٍ وَّقِیْلَ لَہٗ فِی التَّحْرِیْمِ "لِمَ تُحَرِّمُ"

(رسول اللہ ﷺ نے ایلاء کیا تھا اور تحریم کی تھی، تو ایلاء کے بارے میں آپ کو کفارے کے لئے کہا گیا اور تحریم کے سلسلے میں کہا گیا "لِمَ تُحَرِّمُ" (۱)

عربی کے مشہور لغت "لسان العرب" میں حضرت عائشہؓ کے فرمان --- اٰلٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ وَحَرَّمَ --- کی تشریح اس طرح کی گئی ہے۔

"تَعْنِیْ مَا کَانَ حَرَّمَہٗ عَلٰی نَفْسِہٖ بِالْاِیْلَاءِ" یعنی "حَرَّمَ" سے حضرت عائشہؓ کی مراد وہی تحریم ہے، جو رسول اللہ ﷺ نے ایلاء کے ذریعے کی تھی۔

غرضیکہ رسول اللہ ﷺ نے شہد کو حرام کیا تھا، نہ ماریہؓ قبطیہ کو۔ صرف عارضی طور پر ازواج مطہراتؓ سے قطع تعلق کی قسم کھائی تھی اور اسی کو تحریم سے تعبیر کیا گیا ہے۔

یہ قطع تعلق اگرچہ عارضی تھی لیکن بہرحال ازواج مطہراتؓ کی آزردگی کا سبب تھی اور یہ چیز رسول اللہ ﷺ کے عمومی طرزِ عمل کے خلاف تھی، کیونکہ آپ ہمیشہ اپنی بیویوں کو خوش رکھنے کے خواہاں رہتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس جانب متوجہ کرتے ہوئے فرمایا

"اے نبی! جو چیز اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کی ہے (یعنی ازواج کی قربت) اس کو کیوں اپنے لئے ممنوع قرار دیتے ہو --- یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ. (اس طرح تو تمہاری بیویاں آزردہ خاطر ہو جائیں گی۔) حالانکہ تم انہیں خوش رکھنا چاہتے ہو --- تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ. اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌo (اگر چاہو تو بیویوں کے ساتھ حسب سابق عمدہ تعلق قائم رکھو اور قسم کا کفارہ ادا

---

(۱) تفسیر ابن جریر طبری، ج ، ص ۱۰۳۔

کردو۔ کیونکہ) اللہ تعالیٰ نے قسموں کے کھولنے کا طریقہ مقرر کر رکھا ہے۔ (یعنی کفارہ کی ادائیگی۔) اور اللہ تعالیٰ تم سب کا آقا ہے اور وہ علم والا اور حکمت والا ہے---قَدْ فَرَضَ اللّٰہُ لَکُمْ تَحِلَّۃَ اَیْمَانِکُمْ ۚ وَاللّٰہُ مَوْلٰکُمْ ۚ وَھُوَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ۝

اس تفسیر کے لحاظ سے نہ تو اس آیت میں رسول اللہ ﷺ پر کسی قسم کا عتاب ہے، نہ اس بات پر اظہارِ ناراضگی ہے کہ آپ اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں؛ بلکہ اس کے برعکس یہ بتایا جارہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا اپنے اہل خانہ سے حسنِ سلوک اتنا مثالی ہے کہ آپ ان کی خوشنودی کے متلاشی رہتے ہیں۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ اَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِیْ (میں تم سب کی بنسبت اچھا سلوک کرنے والا ہوں اپنے اہل خانہ کے ساتھ۔)

اس حسنِ سلوک پر آپ کی مدح کی جارہی ہے، آپ کو سراہا جارہا ہے اور ایلاء کی وجہ سے تعلقات میں جو عارضی انقطاع آ گیا تھا، اس کو ترک کر کے دوبارہ اسی حسن معاشرت کی طرف لوٹ جانے کی ترغیب دی جارہی ہے جو ہمیشہ سے آپ کا معمول تھا۔

اب رہی یہ بات کہ رسول اللہ ﷺ نے ایلاء کیا کیوں تھا---؟

تو اس کا پس منظر یہ ہے کہ ہجرت کے بعد ابتدائی دنوں میں مہاجرین وانصار کی معاشی حالت خاصی کمزور تھی---مہاجرین کی اس لئے کہ وہ اپنا سب کچھ مکہ میں چھوڑ آئے تھے اور انصار کی اس لئے کہ ان پر مہاجرین کی کفالت و ضیافت کی ذمہ داریاں آ پڑی تھیں---مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور رسول اللہ ﷺ کی رحمت و برکت کے صدقے رفتہ رفتہ حالات سدھرنے لگے اور فتوحات وغیرہ کی وجہ سے مہاجرین وانصار کسی حد تک خوشحال ہوگئے۔ پہلے کھجوروں اور ستوؤں پر گزارا تھا، اب بہت سے گھروں میں کھانے پکنے لگے۔ پہلے کسی کو ڈھنگ کے کپڑے میسر نہیں تھے، اب مدینہ کے مرد و زن نسبتاً اچھے لباسوں میں ملبوس نظر آنے لگے۔

ازواجِ مطہراتؓ بھی اسی معاشرے سے تعلق رکھتی تھیں، اس لئے جب تک سب لوگ تنگی ترشی سے گزارا کرتے رہے، ازواجِ مطہراتؓ بھی رُوکھی سُوکھی پر قانع رہیں اور کسی قسم کا مطالبہ نہیں کیا۔ مگر جب باقی گھرانوں میں آسودگی کے آثار ہویدا ہوئے اور مدینہ کی

عورتیں اچھے اچھے کپڑے پہن کر ازواج مطہراتؓ کے پاس آنے جانے لگیں تو ازواجِ مطہراتؓ کے دلوں میں بھی اچھا کھانے اور اچھا پہننے کی خواہش پیدا ہوئی اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ ہمیں پہلے سے زیادہ نفقہ اور خرچہ دیا جائے۔

اچھے رہن سہن کی خواہش کوئی معیوب بات نہ تھی، نہ ہی اپنے شوہر نامدار سے ضرورت کے مطابق خرچہ مانگنے میں کسی قسم کی قباحت تھی، مگر زہد و فقر کے جس بلند ترین مقام پر رسول اللہ ﷺ فائز تھے، اس کے پیش نظر آپ کو اپنی بیویوں کا عام عورتوں کی طرح دنیاوی آسائشوں کی طرف راغب ہونا پسند نہ آیا؛ تاہم اس مطالبے میں پیش پیش چونکہ حضرت عائشہؓ و حضرت حفصہؓ تھیں اور وہی باقی ازواج کی ترجمان تھیں، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے غالباً ان کی تسلی خاطر کے لئے ان کو یہ تکوینی راز بتا دیا کہ تم دونوں کے والد یکے بعد دیگرے میرے جانشین ہوں گے، مگر یہ بات دیگر ازواج کو نہ بتانا۔ (۱) مگر

---

(۱) سید محمود آلوسی لکھتے ہیں قَدْ جَآءَ اَمْرُ اِسْرَارِ الْخِلَافَةِ فِیْ عُدَّةِ اَخْبَارٍ. (خلافت کے معاملے کو پوشیدہ رکھنے کا حکم کئی روایتوں میں آیا ہے۔)

اس کے بعد انہوں نے متعدد کتابوں کے حوالے سے مندرجہ ذیل روایت ذکر کی ہے۔

فَقَدْ اَخْرَجَ اِبْنُ عَدِیٍّ، وَاَبُوْ نَعِیْمٍ فِیْ فَضَائِلِ الصِّدِّیْقِ وَ اِبْنُ مِرْدَوَیْهِ مِنْ طُرُقٍ عَنْ عَلِیٍّ وَ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا، قَالَا --- ''اِنَّ اَمَارَةَ اَبِیْ بَکْرٍ وَ عُمَرَ فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ. (وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا.) قَالَ لِحَفْصَةَ ''اَبُوْکِ وَاَبُوْ عَائِشَةَ وَالِیَا النَّاسِ مِنْ بَعْدِیْ، فَاِیَّاکِ اَنْ تُخْبِرِیْ اَحَدًا.''

(ابن عدی اور ابو نعیم نے فضائل صدیق میں اور ابن مردویہ نے کئی سندوں سے تخریج کی ہے کہ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ابوبکر و عمر کی خلافت کتاب اللہ کی اس آیت سے ثابت ہے۔ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا. (جب نبی نے پوشیدہ طور پر اپنی کسی بیوی سے ایک بات کہی۔) رسول اللہ ﷺ نے حفصہ سے کہا تھا کہ تمہارا والد اور عائشہ کا والد میرے بعد لوگوں کے والی اور حاکم ہوں گے، مگر یہ بات کسی کو بتانا مت!) ☜

حضرت حفصہؓ ضبط نہ کر سکیں اور بات آگے بڑھادی۔ اس افشائے راز سے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مطلع کر دیا تو آپ نے حضرت حفصہؓ سے باز پرس کی اور کہا کہ کیا میں نے تمہیں تاکید نہیں کی تھی کہ کسی اور کو نہ بتانا۔۔۔؟!

حضرت حفصہؓ کو حیرت تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو کیسے پتہ چل گیا کہ میں یہ بات ظاہر کر بیٹھی ہوں۔ چنانچہ انہوں نے سوال کیا کہ یارسول اللہ! آپ کو اس افشائے راز کے بارے میں کس نے بتایا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ اَلْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ نے۔

بہرحال رسول اللہ ﷺ کو تو ازواجِ مطہراتؓ کا نفقہ طلب کرنا ہی پسند نہ آیا تھا،

ضحاک اور میمون ابن مہران نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔

اَخْرَجَ اَبُوْنُعَیْمٍ فِیْ فَضَائِلِ الصَّحَابَۃِ عَنِ الضَّحَاکِ اَنَّہٗ قَالَ فِی الْاٰیَۃِ، اَسَرَّ النَّبِیُّ ﷺ اِلٰی حَفْصَۃَ اَنَّ الْخَلِیْفَۃَ مِنْ بَعْدِہٖ اَبُوْبَکْرٍ وَّمِنْ بَعْدِ اَبِیْ بَکْرٍ عُمَرُ. وَاَخْرَجَ اِبْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ عَنْ مَیْمُوْنِ ابْنِ مِہْرَانَ مِثْلَہٗ.

(ابونعیم نے فضائل صحابہ میں ضحاک سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ رسول اللہ نے پوشیدہ طور پر حفصہ کو بتایا تھا کہ میرے بعد خلیفہ ابوبکر ہوں گے اور ان کے بعد عمر۔ یہی تفسیر ابن ابی حاتم نے میمون ابن مہران سے بھی نقل کی ہے۔) تفسیر روح المعانی، ج ۲۲، ص ۱۵۱.

اس روایت اور تفسیر کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے خلافت کا راز حضرت حفصہؓ کو بتایا تھا، لیکن ایک اور روایت میں ہے کہ اس راز سے رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو مطلع کیا تھا اور تاکید کی تھی کہ کسی اور کو نہ بتانا۔ ملاحظہ ہو تفسیر درمنثور، ج ۶، ص ۲۴۱.

ہمارے خیال میں رسول اللہ ﷺ نے دونوں کو خوشخبری سنائی ہوگی اور تاکید کی ہوگی کہ دیگر ازواج سے ذکر نہ کرنا، کیونکہ اس راز کو ایک پر ظاہر کرنے اور دوسری سے مخفی رکھنے کی بظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ ہاں، باقی ازواج کو بتانے میں یہ نقصان تھا کہ اس طرح ان کے دل میں احساسِ محرومی پیدا ہوتا اور ان کی دل شکنی ہوتی، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو بتانے سے منع کر دیا ہوگا۔

وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ

اوپر سے افشائے راز نے معاملہ مزید سنگین کر دیا اور آپ نے ازواجِ مطہراتؓ کی تنبیہ کے لئے ان سے ایک مہینے تک ہر قسم کا تعلق منقطع کرنے کی قسم کھالی۔

یہ تھا ایلاء کا سبب---!

اس کے مطابق باقی ماندہ آیات کی تفسیر اس طرح ہوگی۔

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا. اور جب نبی نے اپنی بعض بیویوں کو پوشیدہ طور پر ایک بات بتائی۔ (یعنی حضرت حفصہؓ یا حضرت عائشہؓ یا دونوں کو یہ بتایا کہ تمہارے والد یکے بعد دیگرے میرے جانشین ہوں گے۔) فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ جب یہ بات ان میں کسی ایک نے دیگر ازواج کو بتا دی۔ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ اور اللہ تعالیٰ نے نبی کو اس سے آگاہ کر دیا۔ عَرَّفَ بَعْضَهٗ تو نبی نے (افشاء کردہ راز) کا کچھ حصہ اس بیوی کو جتلایا وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ اور کچھ حصے سے اعراض کیا (یعنی نہ بیان کیا، کیونکہ مقصد صرف یہ ظاہر کرنا تھا کہ میں افشائے راز سے باخبر ہو چکا ہوں اور اس مقصد کے لئے اشارۃً کچھ حصہ جتلانا کافی تھا۔)

فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ جب نبی نے اس بیوی کو افشائے راز کے بارے میں بتایا، قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا. اس نے پوچھا کہ آپ کو یہ بات کس نے بتائی ہے؟ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ○ نبی نے جواب دیا کہ علم والے اور خبر والے نے، یعنی اللہ تعالیٰ نے۔

نفقے کا مطالبہ اگرچہ تمام ازواج نے کیا تھا، مگر ان کی ترجمانی کا فریضہ حضرت عائشہؓ و حضرت حفصہؓ نے انجام دیا تھا، اس لئے اگلی آیت میں ان دونوں کو متنبہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَی اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ---(یعنی طلبِ نفقہ، پھر افشائے راز کی صورت میں تم سے جو کوتاہیاں سرزد ہوئی ہیں، ان سے) اگر تم دونوں توبہ کر لو تو بہتر ہے۔ کیونکہ (تمہیں بھی غلطی کا احساس ہو چکا ہے، اور) تمہارے دل توبہ کی طرف مائل ہو چکے ہیں۔ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَیْهِ لیکن اگر تم نے اسی طرح ایکا کئے رکھا (اور اپنے مطالبے سے دستبردار نہ ہوئیں تو اس سے نبی کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔) فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ

وَجِبۡرِیۡلُ وَ صَالِحُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۚ وَالۡمَلٰٓئِکَۃُ بَعۡدَ ذٰلِکَ ظَہِیۡرٌ ۝ کیونکہ اللہ تعالیٰ، جبریل، صالح مومن اور ملائکہ سب اس کے معاون و مددگار ہیں۔

عَسٰی رَبُّہٗۤ اِنۡ طَلَّقَکُنَّ ..... اگر نبی نے ناراض ہو کر تمہیں طلاق دے دی، تو ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو تم سے بھی بہتر بیویاں عطا فرما دے.....الآیۃ

خاوند بیوی میں مزاج ہم آہنگی بہت ضروری ہے، ورنہ نت نئے جھگڑے سر اٹھاتے رہتے ہیں اور ازدواجی زندگی تلخیوں کا شکار ہو کر رہ جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے گھر میں چاندی تھی، نہ سونا تھا اور ٹوٹا بوریا آپ کا بچھونا تھا۔ لطف یہ کہ اس فقیرانہ زندگی پر آپ نہ صرف یہ کہ مسرور و مطمئن تھے؛ بلکہ اَلۡفَقۡرُ فَخۡرِیۡ کہہ کر اس پر ناز کیا کرتے تھے اور دعائیں مانگا کرتے تھے کہ --- اَللّٰھُمَّ اَحۡیِنِیۡ مِسۡکِیۡنًا وَّاَمِتۡنِیۡ مِسۡکِیۡنًا وَّاحۡشُرۡنِیۡ فِیۡ زُمۡرَۃِ الۡمَسَاکِیۡنِ. (اے اللہ! مجھے زندگی بھر مسکین رکھنا، مرتے وقت بھی مسکین رکھنا اور محشر میں بھی مسکینوں کے ساتھ اٹھانا۔)

ظاہر ہے کہ ایسے شہنشاہِ فقر کی زوجیت اور دائمی رفاقت کا شرف انہی ازواج کو حاصل رہ سکتا تھا، جو اپنے مزاج کو مزاجِ رسول سے پوری طرح ہم آہنگ کر لیتیں اور اسی فقیرانہ رنگ میں رنگی جاتیں۔

اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے اس موقع پر آیاتِ تخییر نازل ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے ازواجِ مطہرات کو صاف لفظوں میں بتا دیا کہ اگر تمہیں دنیاوی آسائش و آرائش مطلوب ہے تو پھر رسول اللہ کے ساتھ تمہارا گزارا مشکل ہے۔ اس صورت میں رسول اللہ تمہیں سامان وغیرہ دے کر فارغ کر دیں گے اور اگر تمہیں رسول اللہ کی رفاقت مرغوب ہے تو پھر دنیاوی عیش و آرام کی طلب سے دستبردار ہونا پڑے گا اور فقیرانہ زندگی گزارنی ہوگی۔ اب تمہاری مرضی ہے اور تمہیں پورا پورا اختیار حاصل ہے کہ ان میں سے جو صورت چاہو پسند کر لو۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے حضرت عائشہؓ سے گفتگو کی اور کہا کہ میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں، مگر اس کے جواب میں جلدی کرنے کی ضرورت نہیں؛ بلکہ چاہو تو اپنے والدین سے بھی مشورہ کر لو!

حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ وہ کیا بات ہے یارسول اللہ! تو رسول اللہ ﷺ نے جواب میں آیاتِ تخییر پڑھ کرسنادیں۔

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْکُنَّ وَاُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًاo وَاِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْکُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًاo(۱)

(اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تمہیں دنیاوی زندگی اور اس کی زیبائش مطلوب ہے تو آؤ، میں تمہیں کچھ سامان دے دوں اور اچھے طریقے سے تم کو آزاد کردوں اور اگر تم اللہ، اس کے رسول اور عالم آخرت کی طلب گار ہو تو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے اچھے عمل کرنے والیوں کے لئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔)

ازواجِ مطہراتؓ کی ترجمانی کرتے ہوئے جب حضرت عائشہؓ نے نفقے کا مطالبہ کیا تھا تو انکا یہ مطلب نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر دنیاوی آسائشیں حاصل کی جائیں؛ بلکہ وہ تو آپ کی رفاقت کے شرف سے بہرہ ور ہوتے ہوئے آسائشوں کی طلبگار تھیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے واضح کردیا کہ آپ کی رفاقت اور متاعِ دنیا یکجا نہیں ہوسکتے، ان میں سے کسی ایک کو بہر حال چھوڑنا پڑے گا، تو ایسی کون سی زوجہ مطہرہ ہوسکتی تھی جو آپ ﷺ کی رفاقت پر دنیاوی عیش وتنعم کو ترجیح دیتی---!؟

چنانچہ حضرت عائشہؓ نے فی الفور جواب دیا

"کیا میں آپ پر دنیا کو ترجیح دینے کے سلسلے میں اپنے والدین سے مشورہ کروں!؟ نہیں یارسول اللہ---! میں دنیا کے مقابلے میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار اور پسند کرتی ہوں۔"

رفاقت رسول کے لئے دنیا کی نعمتوں کو یوں ٹھکرادینے سے رسول اللہ خوش ہوئے اور آپ کے روئے انور پر مسرت جھلکنے لگی۔ بعد میں باقی ازواج مطہراتؓ نے بھی یہی

---

(۱) قرآن مجید، سورہ ۳۳، آیات ۲۸، ۲۹۔

جواب دیا۔ اس طرح رسول اللہ کا ملال یکسر جاتا رہا اور پھر سے خوشگوار زندگی کی بہاریں لوٹ آئیں۔

الحمد للہ کہ آیاتِ تحریم کی تفسیر مکمل ہوئی اور ضمناً آیاتِ تخییر کی وضاحت بھی ہوگئی۔

بحمد اللہ، یہ تفسیر رسول اللہ ﷺ کی عظمت، امہات المؤمنین کی حرمت، روایت و درایت اور معانی و بلاغت کے ہر معیار پر پوری اترتی ہے، اس لئے یقین ہے کہ اہل علم میں بہت پسند کی جائے گی؛ تاہم اس میں اگر کوئی غلطی یا خامی ہو تو ضرور آگاہ فرمائیں تاکہ اصلاح کر لی جائے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی النَّبِیِّ الْاَمِیْنِ وَ عَلٰی اَزْوَاجِہٖ اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ صَلَاۃً مُسَلْسَلَۃً مُتَوَاتِرَۃً اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ.

❁❁❁

دُرودوں کی سوغاتیں

مولانا محمد علی جوہرؔ

تنہائی کے سب دن ہیں، تنہائی کی سب راتیں
اب ہونے لگیں اُن سے خلوت میں ملاقاتیں
ہر لحظہ تشفی ہے، ہر آن تسلی ہے
ہر وقت ہے دل جوئی، ہر دم ہیں مداراتیں
کوثر کے تقاضے ہیں، تسنیم کے وعدے ہیں
ہر روز یہی چرچے ہیں، ہر روز یہی باتیں
معراج کی سی حاصل سجدوں میں ہے کیفیت
اک فاسق و فاجر، مَیں اور ایسی کراماتیں!
بے مایہ سہی لیکن شاید وہ بلا بھیجیں
بھیجی ہیں درودوں کی کچھ ہم نے بھی سوغاتیں

❁❁❁

باب ۹

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ ﴾

تکمیلِ کار - وِصالِ یار

- ----حجۃُ الوداع------اتمامِ نعمت، تمہیدِ رحلت و وداع
- -انتقال و ارتحال- دنیا سے رخصت، رفیقِ اعلیٰ سے اتصال

صورتے آمد زبے صورت بروں
باز شد ، اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن

حج کی تیاری

ہجرت سے پہلے جانِ دو عالم ﷺ نے متعدد حج کئے تھے، مگر ہجرت کے بعد کچھ ایسے موانع اور رکاوٹیں پیدا ہوتی رہیں کہ آپ نو سال تک حج نہ کر سکے۔ ان نو سالوں میں آپ کی شبانہ روز جدوجہد کے طفیل تقریباً پورا جزیرہ نمائے عرب حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکا تھا اور اللہ کے فضل و کرم سے تمام رکاوٹیں دور ہو چکی تھیں، چنانچہ ۱۰ھ میں آپ نے حج کا ارادہ کیا اور اپنے اس ارادے سے لوگوں کو بھی مطلع کر دیا۔ جس نے بھی یہ خوشخبری سنی، وہ آپ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کرنے کے لئے بے قرار ہو گیا اور تمام مصروفیات ترک کر کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ مخلوقِ خدا کا ایک سیلاب امنڈ آیا۔ جن کو سواریاں میسر تھیں، وہ اونٹوں اور گھوڑوں وغیرہ پر کارواں در کارواں مدینہ منورہ پہنچنے لگے اور جن کے پاس سواریاں نہیں تھیں وہ پیدل ہی شہرِ دلدار کی جانب گامزن ہو گئے۔

جانِ دو عالم ﷺ کی معیت میں حج کی سعادت سے بہرہ ور ہونے کی خوشی میں سب کے چہرے دمک رہے تھے اور عقیدت و محبت کے انوار ان کی پیشانیوں سے جھلک رہے تھے۔ حجۃ الوداع کا واقعہ بیان کرنے والے صحابی حضرت جابر فرماتے ہیں

فَقَدِمَ الْمَدِيْنَةَ بَشَرٌ كَثِيْرٌ كُلُّهُمْ يَلْتَمِسُ اَنْ يَّأتَمَّ بِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَ يَعْمَلَ مِثْلَ عَمَلِهٖ.

(حج کا اعلان سن کر بہت زیادہ لوگ مدینہ میں پہنچ گئے۔ سب کی ایک ہی تمنا تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے نقشِ قدم پر چلیں اور آپ کے معمولات کو اپنائیں۔)

ذی قعدہ کے اختتام میں پانچ روز باقی تھے کہ جانِ دو عالم ﷺ قدسیوں کی اس جماعت کے ہمراہ --- جس میں مرد بھی شامل تھے اور عورتیں بھی --- مدینہ سے روانہ ہوئے اور ذوالحلیفہ --- جسے بئر علی بھی کہا جاتا ہے --- میں آ کر قیام پذیر ہوئے۔ یہی

مقام اہل مدینہ کی میقات ہے، جو مدینہ منورہ سے صرف چند کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہاں آپ نے ایک رات گزاری۔ اگلے دن غسل فرمایا، حضرت عائشہؓ نے نہایت قیمتی عطر آپ کی مانگ میں لگایا، اس کے بعد سلے ہوئے کپڑے اتار کر ان سلی چادروں سے احرام باندھا۔ قربانی کے لئے جو ناقہ ساتھ لے جا رہے تھے اس کی کوہان کی دائیں جانب چھری سے ہلکا سا نشان لگایا، پھر اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور تلبیہ پڑھتے ہوئے بیداء نامی ایک بلند ٹیلے پر تشریف لے گئے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ اس وقت میں نے آپ کے سامنے نظر دوڑائی تو جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی، لوگ ہی لوگ تھے۔ آپ کے دائیں بائیں اور پیچھے بھی ہجوم خلائق کا یہی عالم تھا۔ بیداء پر کھڑے ہو کر آپ نے بآوازِ بلند تلبیہ کہا، تاکہ سب لوگ سن لیں --- لَبَّیْکَ، اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ، لَاشَرِیْکَ لَکَ.

(حاضر ہوں میں اے اللہ! حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں ہے، میں حاضر ہوں، یقیناً تو ہی سزاوار حمد ہے، تو ہی نعمتیں بخشنے والا ہے اور تیری ہی پادشاہی ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔)

اللہ اللہ!! کیسا ولولہ انگیز نظارہ رہا ہوگا، جب جانِ دو عالم ﷺ یہ کلمات پڑھ رہے ہوں گے اور ایک لاکھ سے زائد انسان آپ کی آواز میں آواز ملا کر بارگاہِ رب العزت میں حاضری کا اعلان کر رہے ہوں گے!

اور وہ شہنشاہِ عرب وعجم جس کے لئے ایک دنیا دیدہ ودل فرش راہ کئے ہوئی تھی، اس کے اپنے فقر کا یہ عالم تھا کہ اس وقت بھی ایک پرانے اور خستہ حال کجاوے میں بیٹھا تھا اور کجاوے کے اندر جو کپڑا بچھایا گیا تھا، وہ اس قدر معمولی تھا کہ اس کی قیمت چار روپے سے بھی کم تھی!!

تلبیہ پڑھنے کے بعد آپ نے دعا فرمائی --- اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا لَا رِیَاءَ فِیْهِ وَلَا سُمْعَةَ (اے اللہ! اس حج کو ایسا بنا کہ نہ اس میں ریاء ہو نہ فخر۔)

اونٹ کی گمشدگی

روانگی سے پہلے صدیق اکبرؓ نے اپنا اور جانِ دو عالم ﷺ کا سامانِ خورد ونوش

ایک اونٹ پر لاد کر اپنے ایک غلام کے حوالے کر دیا تھا۔ عرج نامی جگہ پر پہنچ کر جانِ دو عالم ﷺ نے پڑاؤ کیا تو صدیق اکبرؓ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان کا غلام اونٹ کے بغیر چلا آ رہا ہے۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ اونٹ کدھر ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ گزشتہ رات کو مجھ سے گم ہو گیا تھا۔ صدیق اکبرؓ کو سخت غصہ آیا اور یہ کہہ کر غلام کو مارنا شروع کر دیا کہ تجھ سے ایک اونٹ کی حفاظت نہ ہو سکی اور اس کو گم کر بیٹھے!

جانِ دو عالم ﷺ، صدیق اکبر کے غصے اور جھلاہٹ سے محظوظ ہوئے اور مسکراتے ہوئے فرمایا۔۔۔ "ذرا اس مُحرِم کو تو دیکھو، حالتِ احرام میں کیا کر رہا ہے!"

حضرت فضالہ اسلمیؓ کو پتہ چلا کہ جانِ دو عالم ﷺ کے کھانے پینے کا سامان جس اونٹ پر لدا تھا، وہ گم ہو گیا ہے تو انہوں نے حلوے سے لبریز بڑا پیالہ لا کر پیش کیا۔ جانِ دو عالم ﷺ نے صدیق اکبرؓ سے کہا۔۔۔ "اِدھر آؤ ابوبکر! اللہ تعالیٰ نے بہت عمدہ کھانا ہمارے لئے بھیج دیا ہے۔ غلام کو چھوڑو اور نرمی اختیار کرو، کیونکہ حالات نہ تمہارے بس میں ہیں نہ ہمارے۔"

یعنی یہ سب کچھ اللہ کی مشیت سے ہے۔

چنانچہ صدیق اکبرؓ بھی آ کر آپ کے ساتھ کھانے میں شامل ہو گئے۔

تھوڑی دیر بعد ایک صحابی حضرت صفوانؓ اسی گمشدہ اونٹ کی مہار تھامے حاضر خدمت ہوئے اور بتایا کہ یہ اونٹ پیچھے رہ گیا تھا، اِدھر اُدھر بھٹک رہا تھا کہ مجھے نظر آ گیا اور میں اسے پکڑ لایا۔ (۱)

اسی دوران حضرت سعدؓ اور ان کے صاحبزادے حضرت قیسؓ (۲) سامان سے لدا ہوا ایک اونٹ لائے اور عرض کی کہ ہمیں پتہ چلا ہے کہ آپ کا بار بردار اونٹ کھو گیا

---

(۱) حضرت صفوان کی ڈیوٹی یہی تھی کہ وہ کارواں کے پیچھے پیچھے سفر کریں اور اگر کسی کی کوئی چیز گر جائے یا کوچ کرتے وقت بھول جائے تو اس کو اٹھا لائیں۔

(۲) دونوں کا تعارف علی الترتیب جلد دوم ص ۲۵۷ اور ۲۵۸ پر گزر چکا ہے۔

ہے، اس لئے ہم یہ اونٹ نذر کرنے کے لئے لائے ہیں۔ جانِ دو عالم ﷺ ان کے اس ایثار سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ہمارا اونٹ واقعی گم ہو گیا تھا مگر اب مل گیا ہے، اس لئے تم اپنا اونٹ واپس لے جاؤ۔ اللہ تمہیں برکتیں عطا کرے۔

کیسے خوش اطوار اور خوش نصیب لوگ تھے---! اپنا سب کچھ آقا ﷺ پر قربان کر دینے والے اور اس کے صلے میں دمبدم دعاؤں کے خزینے سمیٹنے والے۔

وادی عسفان میں

مکہ کے قریب ایک وادی ہے۔ وہاں پہنچے تو جانِ دو عالم ﷺ نے صدیق اکبرؓ سے پوچھا

''ابوبکر! یہ کون سی وادی ہے؟''

''وادی عسفان ہے یا رسول اللہ!'' صدیق اکبرؓ نے جواب دیا۔

''اس وادی سے اپنے اپنے وقت میں ہود علیہ السلام اور صالح علیہ السلام بھی گزرے تھے۔'' جانِ دو عالم ﷺ نے بتانا شروع کیا ''دونوں سرخ رنگ کے جوان اونٹوں پر سوار تھے۔ اونٹوں کی ناک کے گرد چھال کی بے قیمت رسی لپیٹی ہوئی تھی اور احرام کی جو چادریں انہوں نے پہن رکھی تھیں، وہ بھی معمولی درجے کی اون سے بُنی ہوئی تھیں۔ دونوں یہیں سے تلبیہ کہتے ہوئے حج کے لئے گئے تھے۔''

وادی ازرق میں

وادی ازرق سے گزرتے وقت جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا --- ''کَاَنِّیْ اَنْظُرُ...... گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ موسیٰ کانوں میں انگلیاں ڈالے، بآوازِ بلند تلبیہ کہتے ہوئے اس وادی کی گھاٹی سے اتر رہے ہیں--- گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ یونس اُون کے جبے میں ملبوس، گھنگھریالے بالوں والے سرخ اونٹ پر سوار ہیں اور لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کہتے ہوئے یہاں سے گزر رہے ہیں۔''(۱)

---

(۱) بخاری و مسلم کی ان روایات میں کَاَنِّیْ اَنْظُرُ (گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں۔) کے ☜

سرف میں

مقامِ سرف میں تھوڑا قیام فرمایا اور صحابہ کرام سے کہا کہ جو افراد قربانی کے جانور ساتھ نہیں لائے، انہیں چاہئے کہ صرف عمرہ کر کے احرام کھول دیں۔ (یعنی تمتع کرلیں) اور جن کے پاس جانور موجود ہیں، وہ احرام نہ کھولیں۔ (یعنی قِران کریں)

الفاظ کا صحیح مفہوم متعین کرنے میں محدثین کو خاصی دقتیں پیش آئی ہیں۔ حافظ ابن حجر کی رائے یہ ہے کہ جانِ دو عالم ﷺ نے اس سے پہلے خواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت یونس علیہ السلام کو اس حالت میں دیکھا تھا۔ اسی منظر کو ذہن میں تازہ کرتے ہوئے فرمایا---''گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں۔''

لیکن یہ رائے اس صورت میں درست ہوسکتی ہے، جب اس بات کا کوئی ثبوت مل جائے کہ جانِ دو عالم ﷺ نے ان کو پہلے خواب میں دیکھا تھا، حالانکہ ان روایات میں ایسا کوئی اشارہ تک نہیں پایا جاتا۔

بعض محدثین نے یہ توجیہہ کی ہے کہ جن انبیاء کو آپ نے دیکھا تھا وہ روحانی طور پر فی الواقع حج کے لئے آئے ہوئے تھے، جس طرح بیت المقدس میں نماز کے لئے جمع ہوئے تھے---یہ توجیہہ ہے تو قرینِ قیاس، مگر کَاَنِّیْ اَنْظُرُ کے الفاظ سے مطابقت نہیں رکھتی، کیونکہ اس صورت میں آپ یہ فرماتے کہ میں انہیں دیکھ رہا ہوں۔ یہ نہ فرماتے گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں۔ نیز عالم ارواح میں معمولی درجے کی اون سے بنے ہوئے لباس کو پہننا بھی ناقابلِ فہم ہے۔

کچھ محدثین نے کہا ہے کہ ماضی میں انبیاء اپنے اپنے وقت میں جو حج کرتے رہے ہیں، جانِ دو عالم ﷺ کو انہی مناظر کا مشاہدہ کرایا گیا تھا۔ اس لئے آپ نے کَاَنِّیْ اَنْظُرُ فرمایا ہے۔

یہ توجیہہ زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ انبیاء کو ماضی و مستقبل کے مشاہدات ہوتے رہتے ہیں، جس طرح جانِ دو عالم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ میں نے جنت میں تمہارے جوتوں کی آہٹ اپنے سے آگے سنی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ حال کا واقعہ نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس وقت دنیا میں زندہ موجود تھے؛ بلکہ بروزِ قیامت وقوع پذیر ہونے والی آہٹ کو آپ نے ہزاروں سال پہلے سن لیا تھا۔ بعینہٖ اسی طرح، انبیاء نے اپنے اپنے دور میں جو حج کیے تھے، ان کا جانِ دو عالم ﷺ نے ہزاروں سال بعد مشاہدہ کرلیا ہو تو اس میں کیا تعجب کی بات ہے!

بعض صحابہ کو اس حکم میں تردد ہوا کہ ہم تو شروع سے حج کی نیت کر کے چلے ہیں، پھر حج سے پہلے ہی احرام کس طرح کھول دیں!

جانِ دو عالم ﷺ کو ان کا یہ تذبذب پسند نہ آیا اور قدرے غصے سے فرمایا

''اِفْعَلُوْا مَا اَقُوْلُ لَکُمْ'' (جیسے میں کہتا ہوں ویسے ہی کرو!)

سرف میں ہی حضرت عائشہؓ کا نماز پڑھنا موقوف ہو گیا۔ اس سے وہ بہت پریشان ہوئیں اور جب جانِ دو عالم ﷺ ان کے پاس گئے تو رو پڑیں۔ جانِ دو عالم ﷺ نے پوچھا

''کیا بات ہے، کیوں روتی ہو؟''

عرض کی ---''یا رسول اللہ! میں نماز پڑھنے کے قابل نہیں رہی۔''

فرمایا ---''یہ کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ یہ عارضہ تو آدم کی تمام بیٹیوں کو ہر ماہ لاحق ہوتا ہی ہے اور تم بھی انہی میں سے ایک ہو۔ اب عمرہ چھوڑ دو اور حج کا احرام باندھ کر حج کے جملہ مناسک ادا کرو، صرف طواف کو طہارت تک مؤخر کر دو!''

ذی طوٰی میں

مکہ کے بالکل قریب ایک جگہ ذی طوٰی ہے۔ وہاں تک پہنچتے پہنچتے رات ہو گئی اور اندھیرا چھا گیا، اس لئے جانِ دو عالم ﷺ تو رات بھر کے لئے وہیں ٹھہر گئے اور صحابہ کرامؓ کو اختیار دے دیا کہ جس کا جی چاہے یہاں ٹھہرے، جس کا جی چاہے مکہ چلا جائے۔ (۱)

اس رات کا بیشتر حصہ آپ نے ایک کھردری اور سخت چٹان پر عبادت کرتے ہوئے گزارا۔ صبح دم غسل کیا۔ پھر ناقہ پر سوار ہوئے اور ذی الحجہ کی چار تاریخ کو بروز اتوار مکۂ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ اہل مکہ بے تابی سے آپ کے منتظر تھے اور بنی ہاشم کے معصوم

---

(۱) اس تخییر کی وجہ یہ تھی کہ صحابہ کرامؓ کہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ رات کو مکہ میں داخل ہونا ممنوع ہے۔ خود جانِ دو عالم ﷺ اس لئے ٹھہر گئے کہ اندھیرے میں لوگ آپ کو دیکھنے سے محروم رہ جاتے اور صحیح طور پر پیروی نہ کر پاتے۔ اس لئے آپ نے مناسب یہی سمجھا کہ رات یہاں گزاری جائے اور دن کی روشنی میں مکہ کی طرف جایا جائے۔

بچے گلیوں میں آپ کے استقبال کے لئے کھڑے تھے۔آپ کی سواری پر نظر پڑی تو سب کے چہرے دمک اٹھے؛ خصوصاً بچوں کی خوشی اور مسرت تو دیدنی تھی --- اور جانِ دو عالم ﷺ نے ان کی خوشیوں اور مسرتوں کو اس طرح دوبالا کر دیا کہ ناقہ پر بیٹھے ہی بیٹھے، جھک کر کسی بچے کو اٹھا کر اپنے سامنے بٹھا لیتے اور کسی کو پیٹھ کے پیچھے۔تھوڑی دیر بعد ان کو اتار دیتے اور دوسرے بچوں کو اٹھا کر آگے پیچھے بٹھا لیتے۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ! رأفت و شفقت کے ایسے روح پرور نظارے چشمِ فلک نے کہاں دیکھے ہوں گے!

تری خلق کو حق نے جمیل کیا، ترے خلق کو حق نے عظیم کہا
کوئی تجھ سا ہوا ہے، نہ ہوگا شہا، ترے خالقِ حسن و ادا کی قسم

باب بنی شیبہ کی جانب سے آپ حرم میں داخل ہوئے۔بیت اللہ پر نظر پڑی تو دعا فرمائی

اَللّٰھُمَّ! زِدْ بَیْتَکَ ھٰذَا تَشْرِیْفًا وَّ تَعْظِیْمًا وَّتَکْرِیْمًا وَّبِرًّا وَّمَھَابَۃً ۔

(اے اللہ! اپنے اس گھر کو مزید شرف وعظمت اور کرامت عطا فرما اور اس کی اچھائی اور جلال میں اضافہ فرما۔)

اس کے بعد حجرِ اسود کے پاس تشریف لے گئے اور بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ (۱) کہتے ہوئے اس پر ہاتھ پھیرا۔پھر اسے بوسہ دیا --- طویل بوسہ۔

---

(۱) بوسہ دیتے وقت ان کلمات کے سوا کچھ کہنا صحیح روایات سے ثابت نہیں ہے؛ البتہ ایک ضعیف روایت میں ہے کہ کچھ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ہم حجرِ اسود کو بوسہ دیتے ہوئے کیا کہا کریں تو آپ نے فرمایا کہ یوں کہا کرو۔

''بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ. اَللّٰھُمَّ اِیْمَانًا بِکَ وَتَصْدِیْقًا بِکِتَابِکَ وَوَفَاءً بِعَھْدِکَ وَاِتِّبَاعًا لِسُنَّۃِ نَبِیِّکَ.'' (اللہ کے نام سے اور اللہ بہت بڑا ہے۔اے اللہ! تجھ پر ایمان لاتے ہوئے، تیری کتاب کی تصدیق کرتے ہوئے، تیرے عہد سے وفا کرتے ہوئے اور تیرے نبی کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے (میں حجرِ اسود کو بوسہ دے رہا ہوں۔)

حجراسود

مقام ابراہیم

اس کے بعد طواف کیا جس کے تین پھیروں میں رمل (۱) کیا۔ ہر پھیرے کے اختتام پر بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے ہوئے، کبھی حجرِ اسود کو بوسہ دیا، کبھی دور ہی سے استلام کرنے پر اکتفا کیا۔

طواف سے فارغ ہونے کے بعد مقامِ ابراہیم کے پاس تشریف لے گئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى. (اور مقام ابراہیم کے پاس نماز کی جگہ بناؤ۔)

پھر ایسی جگہ کھڑے ہوئے کہ مقام ابراہیم آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان آ گیا۔ یہاں دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ پہلی رکعت میں سورت قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ اور دوسری میں قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ پڑھی۔ سلام پھیر کر ایک بار پھر حجرِ اسود کا استلام کیا اور کوہِ صفا کی جانب چل پڑے۔ قریب پہنچ کر یہ آیت پڑھی۔ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ. (بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔) اور فرمایا

''اللہ تعالیٰ نے صفا کا ذکر پہلے کیا ہے، اس لئے میں بھی سعی کا آغاز صفا سے کر رہا ہوں۔'' پھر کوہِ صفا پر چڑھ کر قبلہ رو کھڑے ہو گئے اور کعبہ کی طرف دیکھتے ہوئے یہ کلمات ادا فرمائے --- ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ، لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ''(اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ، اللہ واحد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لئے حمد ہے اور وہ ہر شئے پر قادر ہے۔)

اس کے بعد دعا فرمائی (۲) اور آخر میں پھر توحید کا اعلان کیا --- لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ اَنْجَزَ وَعْدَہٗ، وَنَصَرَ عَبْدَہٗ، وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ. (کوئی معبود نہیں ہے سوائے اللہ کے، وہ اکیلا ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور کفار و مشرکین کی جماعتوں کو اکیلے ہی بھگا دیا۔)

صفا سے آپ مروہ کی جانب روانہ ہوئے، جب وادی کی گہرائی میں اتر

---

(۱) پہلوانوں کے انداز میں ہلکی رفتار سے دوڑنے کو ''رمل'' کہتے ہیں۔

(۲) تلاشِ بسیار کے باوجود اس دعا کے الفاظ کسی مستند روایت میں دستیاب نہیں ہو سکے۔

دوڑنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ گہرائی (۱) کو عبور کر لیا۔ پھر حسب معمول چلنے لگے۔ مروہ پہنچ کر آپ نے پھر کعبہ کی جانب رخ کیا اور صفا ہی کی طرح یہاں بھی اپنے رب کی حمد وثنا کہی اور دعا فرمائی۔ اسی طرح سات چکر مکمل کئے جن میں ابتدائی چند چکر تو آپ نے پیدل ہی لگائے، مگر بعد میں ناقہ پر سوار ہو گئے۔

حضرت ابن عباسؓ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے آگے آگے ''ہٹو، بچو'' کی صدائیں نہیں لگائی جاتی تھیں، اس لئے مشتاقانِ دید کا ہجوم بہت بڑھ گیا، حتیٰ کہ کنواری لڑکیاں بھی آپ کے شوقِ زیارت میں گھروں سے نکل پڑیں اور لوگ رسول اللہ کی طرف اشارے کر کر کے ایک دوسرے کو پرمسرت لہجے میں بتانے لگے

هٰذَا مُحَمَّد، هٰذَا مُحَمَّد (ﷺ)

یہ ہیں محمد، یہ ہیں محمد (ﷺ)

والہانہ محبت کے یہ انبساط آفریں جذبات اپنی جگہ، مگر اس طرح سعی میں رکاوٹ پڑنے لگی، اس لئے آپ اونٹنی پر سوار ہو گئے تاکہ دور و نزدیک سے لوگ آپ کو بآسانی دیکھ سکیں اور آپ کی پیروی کر سکیں۔

سعی کے بعد آپ نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ جو لوگ قربانی کے جانور ساتھ نہیں لائے ہیں، وہ حلق یا قصر کر کے احرام کھول دیں اور فرمایا کہ اگر میں قربانی کا جانور ساتھ نہ لایا ہوتا تو میں بھی اسی طرح کرتا، مگر پہلے مجھے اس کا خیال نہیں آیا۔

حضرت سراقہؓ نے پوچھا---''یارسول اللہ! کیا حج کے ایام میں عمرے کی اجازت اسی سال کے ساتھ مخصوص ہے یا ہمیشہ کے لئے ہے---؟''

---

(۱) اسی گہرائی میں اترتے وقت حضرت ہاجرہ کی نگاہوں سے ننھے اسمٰعیل اوجھل ہو جاتے تھے اور وہ دوڑ پڑتی تھیں تاکہ جلد از جلد اس حصے کو عبور کر لیں اور اپنے بیٹے پر نظر رکھ سکیں۔ آج کل اس گہرائی کا تو کوئی وجود نہیں ہے کیونکہ صفا سے مروہ تک زمین ہموار کر دی گئی ہے اور وسیع وکشادہ دورویہ راستہ بنا کر اس میں سنگ مرمر کا فرش لگا دیا گیا ہے؛ تاہم اس نشیب کے آغاز واختتام کی علامت کے طور پر سبز رنگ کی ٹیوبیں لگی ہیں، جو ہمہ وقت روشن رہتی ہیں۔ سعی کرنے والے اب انہی سبز روشنیوں کے درمیان دوڑتے ہیں۔

جانِ دو عالم علیہ السلام نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کیں اور فرمایا --- ''حج اور عمرہ ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے میں اس طرح پیوست ہو گئے جس طرح میری یہ انگلیاں۔''(۱)

اسی دوران حضرت علیؓ یمن سے آئے اور اپنے ساتھ سو[۱۰۰] اونٹ لائے۔ جب حضرت فاطمہؓ کی قیام گاہ پر پہنچے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ انہوں نے خوشبو کا چھڑکاؤ کر رکھا ہے اور آنکھوں میں سرمہ ڈالے بنی سنوری بیٹھی ہیں۔ حضرت علیؓ کو چونکہ ابھی تک پتہ نہیں تھا کہ جانِ دو عالم علیہ السلام نے احرام کھولنے کا حکم دے دیا ہے، اس لئے ان کو حضرت فاطمہؓ کا احرام کی حالت میں بننا سنورنا ناگوار گزرا اور غصے سے پوچھا کہ تمہیں اس کی اجازت کس نے دی ہے؟

حضرت فاطمہؓ نے بڑے دلار سے جواب دیا کہ میرے ابا جان نے۔

ظاہر ہے کہ حضرت فاطمہؓ کے ابا جان علیہ السلام جس چیز کی اجازت دے دیں، اس پر اعتراض کرنے کی کسی مؤمن کو جرأت نہیں ہوسکتی، اس لئے حضرت علیؓ خاموش ہو گئے اور مزید تصدیق کے لئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ فاطمہ نے احرام ختم کر دیا ہے اور کہتی ہے کہ آپ نے اس کو اجازت دی ہے---!

جانِ دو عالم علیہ السلام نے فرمایا---''وہ سچ کہتی ہے، وہ سچ کہتی ہے۔ جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں ہیں، انہیں میں نے احرام کھولنے کا کہا ہے۔''

پھر حضرت علیؓ سے پوچھا---''تم جب حج کے لئے روانہ ہوئے تھے تو کیا نیت کی تھی؟ (یعنی قران کی، تمتع کی یا افراد کی؟)

''میں نے کسی نوع کی تعیین نہیں کی تھی یا رسول اللہ!'' حضرت علیؓ نے جواب دیا---''میں نے تو بس اتنا ہی کہا تھا کہ اے اللہ! میں وہی نیت کرتا ہوں جو تیرے رسول نے کی ہے۔''

---

(۱) دراصل زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا عقیدہ تھا کہ حج کے ایام میں عمرہ کرنا سخت گناہ اور بہت بڑا جرم ہے۔ اس تصور کو باطل کرنے کے لئے جانِ دو عالم علیہ السلام نے صحابہ کرامؓ کو احرام کھولنے کا حکم دیا تھا اور جن لوگوں نے اس میں تذبذب کیا تھا، ان سے ناراضگی کا اظہار فرمایا تھا۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

جانِ دو عالم علیہ السلام نے فرمایا --- "پھر تم بھی ابھی میری طرح احرام باندھے رکھو۔"

منٰی و عرفات کی جانب

ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ کو جانِ دو عالم علیہ السلام منٰی کی طرف روانہ ہوئے اور ایک رات یہاں قیام کرنے کے بعد ۹ ذوالحجہ کو عرفات کی جانب چل پڑے۔

اس سے پہلے قریش کا معمول یہ تھا کہ وہ مزدلفہ کی حدود سے باہر نہیں نکلتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم حرم کے باسی اور بیت اللہ کے مجاور ہیں، اس لئے حدود حرم سے باہر نہیں جاسکتے جب کہ عرفات حرم سے خارج ہے۔ چنانچہ قریش مشعر حرام کے پاس رک جاتے تھے اور باقی لوگ عرفات چلے جاتے تھے۔

جانِ دو عالم علیہ السلام بھی چونکہ قریشی تھے، اس لئے عام خیال یہی تھا کہ آپ بھی مشعرِ حرام تک ہی جائیں گے، مگر آپ تو نسبی امتیازات مٹانے اور قرآنی تعلیمات سکھانے آئے تھے اور قرآن کریم کا حکم یہ ہے کہ ثُمَّ اَفِيضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ. (پھر تم وہیں سے چلو جہاں سے عام لوگ چلتے ہیں۔)

چنانچہ جانِ دو عالم علیہ السلام مشعرِ حرام کے پاس رکے بغیر آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ عرفات کے قریب، نمرہ کے مقام پر پہنچ گئے۔ وہاں پہلے سے آپ کے ستانے کے لئے خیمہ نصب کر دیا گیا تھا، اس لئے وہاں اتر پڑے اور خیمے میں تھوڑی دیر آرام فرمایا۔ سورج ڈھلنے کے بعد ناقہ پر سوار ہو کر حدودِ عرفات میں واقع وادیٔ عرنہ کے وسیع و عریض میدان میں تشریف لائے اور تا حد نظر پھیلے ہوئے عشاق سے مخاطب ہو کر وہ عظیم الشان خطبہ دیا جسے حقوقِ انسانی کے اولیں عالمی منشور کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ خطبہ دیتے وقت آپ جبلِ رحمت کی چوٹی پر کھڑے تھے۔

فصاحت و بلاغت کے اس شاہکار و آبشار میں انتہائی اختصار و جامعیت کے ساتھ ہر وہ ہدایت موجود ہے جس کی نسلِ انسانی کو عموماً اور اہلِ ایمان کو خصوصاً، زندگی کے نوع بنوع مراحل میں ضرورت پڑ سکتی ہے۔

--- آپ نے فرمایا ---

[تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لئے

جبلِ رحمت

اتنی ہی حرام ہیں، جتنی کہ اِس دن میں، اِس مہینے میں اور اِس شہر میں حرام ہیں۔(۱)

آ گاہ رہو کہ نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت ہے، نہ کسی گورے کو کسی کالے پر---تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔(۲)

آ گاہ رہو کہ جاہلیت کے تمام غلط کام میرے قدموں تلے روندے جا چکے ہیں، حتیٰ کہ اس دور میں بہائے گئے خون بھی رائگاں قرار دیئے جا رہے ہیں اور اس کا آغاز میں اپنے ہی خاندان سے کر رہا ہوں اور اپنے چچازاد بھائی ربیعہ کے بیٹے کا خون معاف کرتا ہوں۔(۳)

اسی طرح زمانۂ جاہلیت میں مروج سودی کاروبار بھی ختم کیا جا رہا ہے اور اس کی

---

(۱) یعنی یہ تو شروع سے تمہارا پختہ عقیدہ چلا آ رہا ہے کہ ماہِ ذوالحجہ میں عرفہ کے دن، مکہ مکرمہ کے اندر کسی کا خون بہانا، اس کا مال لوٹنا یا اس کی عزت سے کھیلنا بہت بڑا جرم ہے، اب اس میں اتنا اضافہ کر لو کہ ان حرکتوں کی ممانعت اسی دن اور اسی مقام کے ساتھ مخصوص نہیں ہے؛ بلکہ سال کے دیگر ایام میں بھی اور مکہ سے باہر بھی یہ حرکتیں ممنوع اور گناہ ہیں۔

(۲) آپ کا یہ فرمان اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تفسیر و تشریح ہے

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا، اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ. ﴾

(اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہیں گروہوں اور قبیلوں میں محض اس لئے تقسیم کیا کہ تم ایک دوسرے کو بآسانی پہچان سکو (نہ کہ ایک دوسرے پر برتری جتانے کے لئے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ برتر اور مکرم وہی ہے جو زیادہ متقی ہے۔ (یعنی اس میں عربی عجمی، یا گورے کالے کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔)

(۳) ربیعہ کا یہ بیٹا، جس کے نام میں اختلاف ہے---کوئی ایاس بتاتا ہے، کوئی حارثہ اور کوئی تمام---بنی سعد میں رضاعت کے لئے بھیجا گیا تھا اور قبیلہ ہذیل نے اس کو نوعمری میں قتل کر دیا تھا۔ جانِ دو عالم ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ سب لوگوں کو اسی طرح کرنا چاہئے اور نسل در نسل انتقام کا سلسلہ ترک کر دینا چاہئے۔

ابتداء بھی اپنے ہی خاندان سے کرتا ہوں اور اپنے چچا عباس کی جو سودی رقم لوگوں پر واجب الاداء ہے اس کو باطل قرار دیتا ہوں۔(۱)

اپنی بیویوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کا امین بنایا ہے اور اللہ ہی کے حکم اور اجازت سے تم ان کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم کرتے ہو۔

تمہاری بیویوں پر لازم ہے کہ جس آدمی کے ساتھ ان کا میل جول تمہیں پسند نہ ہو، اس کو گھر میں نہ آنے دیں۔ یہ تمہارا ان پر حق ہے۔ اگر وہ اس پر عمل نہ کریں تو تم تنبیہ و نصیحت کے لئے انہیں ہلکا سا مار بھی سکتے ہو۔

تم پر لازم ہے کہ اپنی بیویوں کے کھانے پینے اور لباس و پوشاک کا حسب ضرورت مناسب انتظام کرو۔ یہ ان کا حق ہے تم پر۔

میں تمہارے پاس ایک ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اس کو مضبوطی سے تھامے رکھا تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے---وہ اللہ کی کتاب ہے۔]

صحیح مسلم کی روایت میں اسی قدر احکام مذکور ہیں۔ لیکن حدیث و سیرت کی دیگر کتابوں میں آپ کے مزید فرامین بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً

[ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ تمام مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔

تمہارے غلام! تمہارے غلام!(۲) (یعنی ان کے حقوق کا بہت خیال رکھو۔) ان

---

(۱) دورِ جاہلیت میں حضرت عباسؓ سود پر رقمیں دیا کرتے تھے اور ان کا کافی سود لوگوں پر واجب الاداء تھا، مگر جانِ دو عالم ﷺ نے اصل زر کے علاوہ تمام سودی رقمیں باطل قرار دے دیں۔

(۲) اللہ اللہ! جہاں غلاموں کو جانوروں سے بدتر قرار دیا جاتا تھا اور ان کے ساتھ وہ سلوک بھی روا سمجھا جاتا تھا، جو امیہ حضرت بلالؓ کے ساتھ کیا کرتا تھا، اس معاشرے میں مساوات انسانی کے داعی اعظم ﷺ نے یہ زریں قانون نافذ کر کے بیک جنبشِ لب، غلاموں کو آقاؤں کا ہمسر اور انسانی شرف سے بہرہ ور کر دیا۔ خود آپ کا اپنا عمل بھی اس کے مطابق تھا اور بقول مولانا رومؒ، ابوجہل کو آپ سے سب سے بڑی شکایت یہی تھی کہ ☜

کو وہی کھلاؤ، جو خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے۔ اب وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں ہے۔ کسی عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنے خاوند کے مال سے خاوند کی اجازت کے بغیر کسی کو کچھ دے۔]

اسی طرح کی متعدد نصیحتیں کرنے کے بعد آپ نے حاضرین سے پوچھا

''قیامت کے روز تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اس وقت تم کیا جواب دو گے؟''

سب نے کہا

''ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے بھرپور تبلیغ کی تھی۔ جو امانت آپ کے سپرد کی گئی تھی، وہ پوری پوری ہم تک پہنچا دی تھی اور نہایت اخلاص سے ہماری تربیت کی تھی۔''

اللہ اکبر---! کیسا روح پرور اور جاں فزا نظارہ رہا ہوگا؛ جب ایک لاکھ سے زیادہ افراد یک زبان ہو کر اپنے آقا کے احسانات کا اعتراف کر رہے ہوں گے اور عرفات کا وسیع وعریض خطہ--- نَشْهَدُ اَنَّکَ قَدْ بَلَّغْتَ، وَاَدَّیْتَ وَ نَصَحْتَ. --- کے ولولہ انگیز نعروں سے گونج رہا ہوگا---!

جانِ دو عالم ﷺ لمحہ بھر توقف کر کے حاضرین کا پر جوش اعتراف سنتے رہے۔ پھر آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور اسے زمین کی جانب جھکاتے ہوئے تین بار فرمایا

اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ، اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ، اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ. (اے اللہ! گواہ رہنا، اے اللہ! گواہ رہنا، اے اللہ! گواہ رہنا۔)

''اے اللہ!'' کہتے ہوئے جانِ دو عالم ﷺ اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھا لیتے تھے، اور ''گواہ رہنا'' کہتے وقت حاضرین کی جانب جھکا لیتے تھے۔ یعنی اے اللہ! اس منظر

درنگاہِ او کیے بالا و پست   با غلام خویش بریک خواں نشست

یعنی اس کی نگاہ میں چھوٹا بڑا سب یکساں ہیں، وہ اپنے غلام کے ساتھ ایک ہی دسترخوان پر بیٹھ جاتا ہے۔

پر اورلوگوں کے اس اعتراف واقرار پر گواہ رہنا۔

اس کے ساتھ ہی دین مکمل ہو گیا اور جبریل امین یہ مژدہ جانفزا لے کر نازل ہوئے۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ

(آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو بطورِ دین پسند کر لیا ہے۔)

فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ ؕ

جمع بین الصلاتین اور موقف میں دُعا

خطبہ سے فارغ ہوئے تو حضرت بلالؓ نے اذان کہی اور جانِ دو عالم ﷺ نے ظہر وعصر کو ایک ہی وقت میں ادا فرمایا۔ پھر ناقہ پر سوار ہو کر جبلِ رحمت پر تشریف لائے اور روبقبلہ ہو کر دیر تک حمد وثنا اور دعا ومناجات میں مصروف رہے۔(۱)

---

(۱) زیادہ تر تو آپ --- لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ يُحْيِ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ؕ --- پڑھتے رہے۔ یعنی کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے۔ وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کی حمد ہے۔ وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کے علاوہ آپ سے متعدد دعائیں بھی منقول ہیں۔ ہم صرف ایک دعا پیش کر رہے ہیں --- الحاح وزاری، خشوع وخضوع اور ابتہال وتضرع کا یہ شہپارہ طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے

اَللّٰهُمَّ! اِنَّكَ تَرٰى مَكَانِيْ، وَتَسْمَعُ كَلَامِيْ، وَتَعْلَمُ سِرِّيْ وَعَلَانِيَتِيْ، وَلَا يَخْفٰى عَلَيْكَ شَيْءٌ مِنْ اَمْرِيْ.

اَنَا الْبَائِسُ، اَلْفَقِيْرُ، اَلْمُسْتَغِيْثُ، اَلْمُسْتَجِيْرُ، اَلْوَجِلُ، اَلْمُشْفِقُ، اَلْمُقِرُّ، اَلْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِهٖ.

اَسْئَلُكَ مَسْئَلَةَ الْمِسْكِيْنِ، وَاَبْتَهِلُ اِلَيْكَ اِبْتِهَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِيْلِ، ☜

دعا کے بعد نجد سے آئے ہوئے کچھ لوگ آپ سے حج کے مسائل پوچھنے لگے۔ آپ نے ان کو جواب دینے سے پہلے ایک شخص کو حکم دیا کہ یہاں کھڑے ہو جاؤ اور جو کچھ میں کہوں، لوگوں کو بتاتے جاؤ۔ مقصد یہ تھا کہ سب لوگ ان مسائل سے آگاہ ہو جائیں۔ چنانچہ جانِ دو عالم ﷺ اہل نجد کو جو کچھ بتاتے، منادی اس کا بآوازِ بلند اعلان کر دیتا۔ اس طرح سب حاضرین کو مسائل سے آگاہی ہوگئی۔

وَاَدْعُوْکَ دُعَآءَ الْخَائِفِ الْمُضْطَر --- دُعَآءَ مَنْ خَضَعَتْ لَکَ رَقَبَتُه، وَفَاضَتْ لَکَ عَيْنَاه، وَنَحَلَ لَکَ جَسَدُه، وَرَغِمَ لَکَ اَنْفُه.

اَللّٰهُمَّ! لَا تَجْعَلْنِیْ بِدُعَائِکَ رَبِّ شَقِيًّا، وَکُنْ بِیْ رَءُ وْفًا رَّحِيْمًا، يَاخَيْرَ الْمَسْئُوْلِيْنَ، وَيَاخَيْرَ الْمُعْطِيْنَ.

(اے اللہ! تو میری جائے قیام کو دیکھتا ہے، میری باتوں کو سنتا ہے، میرے پوشیدہ وظاہر کو جانتا ہے اور تجھ پر میرا کوئی کام مخفی نہیں ہے۔

میں مبتلائے تکلیف ہوں، محتاج ہوں، فریادی ہوں، پناہ گیر ہوں، خوفزدہ ہوں، ڈرنے والا ہوں اور اپنے گناہوں کا اقرار واعتراف کرنے والا ہوں۔

میں تجھ سے مسکین کی طرح سوال کرتا ہوں، گنہگار ذلیل کی طرح تیرے روبرو عاجزی کرتا ہوں اور خائف ومجبور کی طرح تجھے پکارتا ہوں --- جیسے وہ شخص پکارتا ہے جس کی گردن تیرے سامنے خم ہو، جس کی آنکھوں سے تیرے لئے آنسو رواں ہوں، جس کا جسم تیری ہیبت سے لاغر وناتواں ہو، اور جس کی ناک تیرے آگے خاک آلود ہو۔

اے اللہ! اے میرے رب! اس پکارنے میں مجھے بدبخت وناکام نہ کرنا اور مجھ سے رأفت ورحمت کا برتاؤ کرنا۔ اے ان سب سے بہتر، جن سے سوال کیا جاتا ہے اور ان سب سے بھی بہتر جو عطا کرنے والے ہیں۔)

واضح رہے کہ یہ دعائیں تعلیم امت کے لئے ہیں، ورنہ جانِ دو عالم ﷺ تو بالاتفاق ہر قسم کے گناہوں سے پاک اور معصوم ہیں۔

اسی دوران ایک شخص اپنی سواری سے گر کر وفات پا گیا۔ جانِ دو عالم ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دیا جائے اور احرام ہی کی چادروں کا کفن پہنایا جائے۔ کسی قسم کی خوشبو استعمال نہ کی جائے، نہ اس کے چہرے اور سر کو ڈھانپا جائے۔ یہ قیامت کے دن اسی حالت میں لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کہتا ہوا اٹھے گا۔

سبحان اللہ! کیا خوش نصیب شخص تھا، جبلِ رحمت کی آغوش میں رحمتِ حق سے ہمکنار ہوا اور بروزِ محشر تلبیہ کہتے ہوئے اٹھنے کی بشارت سے سرفراز ہوا---! رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ.

عرفات سے واپسی، مزدلفہ میں قیام

جب سورج غروب ہوگیا اور اس کی زردی جاتی رہی تو جانِ دو عالم ﷺ نے حضرت اسامہؓ کو ناقہ پر اپنے پیچھے بٹھایا اور عرفات سے واپس روانہ ہوگئے۔ راستے میں لوگوں کو دیکھا کہ تیز چلنے کے لئے اونٹوں اور گھوڑوں کو مار رہے ہیں اور چلا رہے ہیں۔ فرمایا

''لوگو! سکون اور وقار سے چلو۔ جلد بازی کا کوئی فائدہ نہیں ہے، نہ جانوروں کو تیز دوڑانے میں کوئی نیکی ہے۔''

ایک جگہ ناقہ سے اتر کر طہارت کی اور ہلکا سا وضو کیا۔ حضرت اسامہؓ نے کہا

''یارسول اللہ! نماز کا وقت ہے۔''

فرمایا---''نماز آگے جا کر پڑھیں گے۔''

چنانچہ مزدلفہ پہنچ کر مغرب و عشاء اکٹھی پڑھیں اور پھر محوِ استراحت ہوگئے۔ چونکہ دن بھر کی غیر معمولی مصروفیت اور مشقت کی وجہ سے جسمِ اقدس تھک گیا تھا اس لئے پوری رات آرام فرمایا اور تہجد کے لئے نہیں اٹھے۔ محدثین نے لکھا ہے کہ یہ واحد رات ہے جس میں جانِ دو عالم ﷺ نے قیام لیل نہیں فرمایا۔

ہاں! قیام لیل نہیں کیا، تہجد نہیں پڑھی، فریاد و زاری نہیں کی، لمبی چوڑی دعائیں نہیں مانگیں؛ بلکہ رات بھر سوئے رہے، مگر اس کے باوجود ہمراہیوں کا ہر چھوٹا بڑا گناہ بخشوا لیا۔ حتیٰ کہ حقوق العباد بھی معاف کرا دئیے---ایسی نیند پہ ہم جیسوں کی لاکھوں شب بیداریاں قربان

عالمِ خوابِ راحت پہ لاکھوں سلام

چنانچہ عباس ابن مرداس راوی ہیں کہ عرفات میں جبل رحمت پر شام کے وقت رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے لئے بخشش و مغفرت طلب فرمائی۔تو بارگاہ رب العزت سے جواب آیا---''میں نے اپنے تمام حقوق معاف کر دیئے ہیں، لیکن اگر کسی نے دوسرے کا حق غصب کیا ہو تو وہ معاف نہیں ہے۔''

رسول اللہ نے عرض کی---''اے میرے رب! تو یہ بھی کر سکتا ہے کہ غاصب کو معاف کر دے اور جس کا حق غصب ہوا ہے اس کو جنت میں اعلیٰ مقام دے کر خوش کر دے۔''

اللہ اکبر---! کیا نکتہ نکالا ہے گناہگاروں کے وکیل و شفیع نے---!! ﷺ۔ یعنی جس کا حق چھینا گیا ہے، اس کی داد رسی کے لئے کوئی ضروری تھوڑا ہی ہے کہ غاصب کو مبتلائے عذاب کیا جائے یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ جس سے چھینا گیا ہے، اس سے کہا جائے کہ چھیننے والے کو معاف کر دے اور اس کے عوض جو مانگنا ہے مانگ لے۔ اس پیش کش کے بعد جس کا حق غصب ہوا ہے، اس نے غاصب سے کیا لینا۔ وہ بسر و چشم اس کو معاف کر دے گا اور منہ مانگا انعام پائے گا۔ اس طرح جس سے غصب کیا گیا ہے، وہ بھی مسرور ہو جائے گا اور غصب کرنے والا بھی مغفور ہو جائے گا۔

احکم الحاکمین نے اس لاجواب نکتے کا جواب تو کوئی نہ دیا؛ البتہ اتنا ضرور ہوا کہ سابقہ فیصلہ موقوف ہو گیا۔ پھر مزدلفہ میں رات بھر آرام کرنے کے بعد صبحدم جانِ دو عالم ﷺ نے دوبارہ اصرار و التجاء سے مغفرت مانگی اور ایک بار پھر وہی سوال و جواب ہوئے۔ مگر اب کے احکم الحاکمین نے جو ارحم الراحمین بھی ہے، فیصلہ سنا دیا۔ چنانچہ جبریل امین حاضر ہوئے اور عرض کی

''آپ کا رب آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں نے حقوق العباد بھی معاف کر دیئے ہیں۔ میں غاصب کو بخش دوں گا اور جس سے غصب کیا گیا ہے، اس کو اپنی طرف سے خوش کر دونگا۔''(۱)

---

(۱) واضح رہے کہ جمہور کے نزدیک یہ خصوصی اعزاز و اکرام اور مغفرت و انعام صرف انہی خوش نصیبوں کے لئے ہے جو سرور کونین کے ہمرکاب تھے۔ عام مسلمانوں کے لئے وہی حکم ہے کہ حقوق العباد اور مظالم معاف نہیں ہوتے۔

یہ مژدۂ دل افروز سن کر جانِ دو عالم ﷺ بے حد مسرور ہوئے اور ہنس پڑے

خندۂ صبحِ عشرت پہ نوری درود

ابوبکرؓ و عمرؓ نے کہا ---''یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ ہنستا مسکراتا رکھے--- اس وقت کس بات پر ہنسی آرہی ہے---؟''

فرمایا---''اللہ کے دشمن ابلیس کو جب پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا سن لی ہے اور ہر قسم کے گناہ گاروں کو بخش دیا ہے تو اس کو ازحد دکھ ہوا اور وہ اپنے سر پر خاک ڈالتے ہوئے واویلا کرنے لگا۔ اس کے جزع وفزع کو دیکھ کر مجھے ہنسی آگئی۔''

نمازِ صبح کے بعد آپ مشعرحرام پر تشریف لے گئے اور دیر تک حمد وثنا اور تکبیر وتہلیل میں مصروف رہے۔ بعد میں امت کی سہولت کے لئے فرمایا کہ میں نے مشعرحرام پر وقوف کیا ہے، لیکن مزدلفہ سارے کا سارا موقف ہے۔ (اس لئے جہاں کسی کو جگہ میسر آئے وہیں حمد وثنا اور مناجات ودعا کرسکتا ہے۔)

دس ذی الحجہ کو آپ مزدلفہ سے واپس تشریف لائے اور کنکریاں ماریں۔ یہ کنکریاں حضرت فضل ابن عباسؓ نے آپ کو چن کردی تھیں۔ مزدلفہ سے روانگی کے وقت فضل ابن عباس کو بھی آپ نے اپنے پیچھے ناقہ پر بٹھالیا تھا۔ وہ آپ کے چچازاد بھائی تھے اور بہت ہی دلکش ورعنا جوان تھے۔ اچانک ایک حسین وجمیل جوان عورت آگے بڑھی اور جانِ دو عالم ﷺ سے مسئلہ پوچھنے لگی کہ میرا والد بہت ضعیف وسن رسیدہ ہے۔ ارکانِ حج ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ کیا میں اس کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟

چونکہ حضرت فضلؓ جانِ دو عالم ﷺ کے پیچھے سوار تھے، اس لئے قدرتی طور پر وہ بھی اس کی طرف متوجہ ہوگئے اور اس کو دیکھنے لگے۔ عورت کی نگاہ بھی بار بار بے ساختہ حضرت فضلؓ کی طرف اٹھ جاتی تھی۔

جانِ دو عالم ﷺ کو ان کا ایک دوسرے کی طرف دیکھنا پسند نہ آیا اور حضرت فضلؓ کی گردن کو سختی سے دوسری طرف پھیر دیا۔ پھر عورت سے کہا

''ہاں، تم اپنے والد کی طرف سے حج کرسکتی ہو۔''

اس کے جانے کے بعد حضرت فضلؓ کے والد حضرت عباسؓ نے عرض کی

''یارسول اللہ! آپ نے تو فضل کی گردن تقریباً مروڑ ہی ڈالی تھی۔''

فرمایا---''ہاں! یہ بھی جوان تھا، وہ بھی جوان تھی۔ میں نے سوچا کہ کہیں شیطان ان کو کسی آزمائش میں مبتلا نہ کر دے۔''

رمی کرتے وقت آپ نے چھوٹی چھوٹی کنکریاں استعمال فرمائی تھیں اور لوگوں کو متوجہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ایسی ہی کنکریوں سے رمی کیا کرو اور دین میں غلو سے بچو۔ کیونکہ پہلی امتیں اسی غلو کی وجہ سے ہلاک و تباہ ہوئی تھیں۔ اس کے بعد اللہ اکبر کہتے ہوئے تینوں جمرات پر یکے بعد دیگرے آپ نے رمی فرمائی۔

یہ ہدایت بار بار فرمائی کہ مجھ سے حج کے مسائل پوچھ لو اور اچھی طرح سمجھ لو، ہوسکتا ہے کہ یہ میرا آخری حج ہو اور اس کے بعد میں حج نہ کر سکوں۔

رمی سے فراغت کے بعد میدانِ منیٰ میں تشریف لائے اور ایک مختصر سا خطبہ ارشاد فرمایا اس وقت حضرت بلالؓ نے آپ کے ناقہ کی مہار تھامی ہوئی تھی اور حضرت اسامہؓ نے سایہ کے لئے آپ پر کپڑا تان رکھا تھا۔ آپ نے فرمایا

''زمانہ پھر پھرا کر آج پھر اسی مقام پر آ گیا ہے جہاں اس وقت تھا، جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق فرمائی تھی۔

سال بارہ مہینوں کا ہوتا ہے، جن میں سے چار محترم مہینے ہیں۔ ان میں سے تین یکجا ہیں یعنی ذی القعدہ، ذی الحجہ اور محرم اور ایک جدا ہے۔ یعنی رجب، جو جمادی ثانیہ اور شعبان کے درمیان آتا ہے۔''(۱)

---

(۱) اہل عرب قدیم زمانے سے ان چار مہینوں کو محترم سمجھتے تھے اور ان میں جنگ کو ناجائز سمجھتے تھے۔ مگر قتال و لڑائی کی رسیا اس قوم نے یہ عجیب حیلہ نکال لیا تھا کہ خود ہی ان مہینوں کو آگے پیچھے کر لیتے تھے۔ مثلاً رجب کا مہینہ آ گیا اور لڑائی ناگزیر ہے تو فریقین طے کر لیتے تھے کہ اس دفعہ رجب کا مہینہ بیس بائیس دن کی تاخیر سے شروع ہوگا، اس لئے فی الحال جنگ میں کوئی حرج نہیں۔ اس طرح وہ لوگ ☜

پھر صحابہ کرامؓ سے پوچھا---''آج کون سا دن ہے؟''

سب نے کہا---''اللہ اور اس کے رسول ہی کو بہتر علم ہے۔''

آپ دیر تک خاموش رہے۔ پھر کہا---''کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہے؟''

''کیوں نہیں یا رسول اللہ!'' (یہ قربانی ہی کا دن ہے) سب نے کہا

پھر پوچھا---''یہ کون سا مہینہ ہے؟''

''اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔'' لوگوں نے جواب دیا۔

آپ حسبِ سابق تھوڑی دیر خاموش رہے۔ پھر فرمایا---''کیا یہ ذی الحجہ نہیں ہے؟''

''بے شک، ذی الحجہ ہی ہے۔''

پھر پوچھا---''یہ کون سا شہر ہے؟''

''اللہ اور اس کا رسول زیادہ علم رکھتے ہیں۔''

چند لمحے خاموش رہنے کے بعد فرمایا---''کیا یہ بلد حرام نہیں ہے؟''

''جی ہاں، بلاشبہ بلد حرام ہی ہے۔'' سب نے جواب دیا۔

جانِ دو عالم ﷺ کے سوال کرنے سے لوگ ہر دفعہ یہی سمجھتے رہے کہ شاید آپ اس دن، اس مہینے اور اس شہر کا کوئی اور نام رکھنا چاہتے ہیں، مگر آپ نے وہی نام برقرار رکھے اور جب لوگوں کے ذہن پوری طرح آپ کی طرف متوجہ ہو گئے تو جان و مال کے تحفظ

جنگ بھی کر لیتے تھے اور بزعم خویش ان مہینوں کی حرمت پر بھی آنچ نہیں آنے دیتے تھے۔ مگر اس طرح رجب شعبان میں چلا جاتا تھا اور شعبان رمضان میں۔ یہ طریقہ کار مدتوں سے رائج تھا اور اس کی وجہ سے مہینے اس قدر ادھر اُدھر اور خلط ملط ہو چکے تھے کہ صحیح مہینوں کا تعین ہی ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ان مہینوں کی حرمت تا ابد برقرار رکھنے کے لئے یہ انتظام فرمایا کہ جس سال جانِ دو عالم ﷺ حج کے لئے تشریف لے گئے، اس مرتبہ اتفاق سے مہینے پھر پھرا کر دوبارہ اپنے اصل مقام پر آ گئے تھے۔ جانِ دو عالم ﷺ کے اس فرمان کا---کہ زمانہ پھر پھرا کر آج پھر اسی مقام پر آ گیا ہے جہاں سے چلا تھا---یہی مطلب ہے۔

کی وہی ہدایت دہرائی جو عرفات میں دے چکے تھے اور فرمایا

''تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے کے لئے اتنی ہی محترم ہیں، جتنا کہ اس مہینے میں اور اس شہر میں، قربانی کا یہ دن محترم ہے۔

خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔

یاد رکھو کہ عنقریب تم اپنے رب کے سامنے پیش ہو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں باز پرس کرے گا۔ آگاہ رہو کہ ہر شخص اپنے جرم کا خود ذمہ دار ہے۔ باپ کے جرم کا بیٹا اور بیٹے کے جرم کا باپ ذمہ دار نہیں۔ اگر کوئی ناک کٹا حبشی غلام بھی تمہارا حکمران بن جائے، جو تمہیں اللہ کی کتاب کے مطابق چلائے تو اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا۔

آگاہ رہو کہ شیطان اس بات سے تو مایوس ہو چکا ہے کہ قیامت تک اس شہر میں اس کی کبھی پرستش ہو سکے گی؛ تاہم چھوٹی چھوٹی باتوں میں تم اس کی اطاعت کرو گے اور وہ اسی پر خوش ہو جائے گا۔

اپنے رب کی عبادت کرو، پانچ نمازیں پڑھو، رمضان کے روزے رکھو اور میرے حکم کی پیروی کرو۔ اس طرح تم اللہ کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''

پھر مجمع کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ''سنو! کیا میں نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے؟''

سب نے کہا--- ''بے شک، بے شک۔''

پھر فرمایا--- ''اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ!'' (اے اللہ! گواہ رہنا۔)

اس کے بعد حاضرین کو تلقین کی کہ یہاں پر جو لوگ موجود ہیں، ان کو چاہیے کہ یہ تمام باتیں ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں حاضر نہیں ہیں۔

اختتام خطبہ پر آپ نے تمام حاضرین کو الوداع کہا اور قربان گاہ تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے سو اونٹوں کی قربانی کی جن میں تریسٹھ اپنے دست مبارک سے ذبح فرمائے اور باقی حضرت علی کے حوالے کر دیئے کہ میری طرف سے تم قربانی کر دو۔

بشکار خواہی آمد

جب جانِ دو عالم ﷺ اونٹوں کو ذبح کرنے کے لئے آگے بڑھے تو ایک عجیب ایمان افروز نظارا دیکھنے میں آیا!

اونٹ جانور سہی، بے زبان اور بے شعور سہی، مگر اتنی سمجھ انہیں بہر حال تھی کہ جانِ دو عالم ﷺ کو خنجر بدست دیکھ کر جان گئے کہ آج محبوب کے ہاتھوں قتل ہونے کی آرزو پوری ہونے والی ہے---بس پھر کیا تھا---اسی وقت اونٹوں کا ایک جتھا بے تابانہ آگے بڑھا اور بکمالِ خود سپردگی اپنی گردنیں جانِ دو عالم ﷺ کے روبرو رکھ دیں۔ اس حیرت انگیز منظر کو دیکھنے والے بتاتے ہیں کہ ان میں سے ہر اونٹ اپنی گردن جانِ دو عالم ﷺ کے قریب تر کرنے کی کوشش کر رہا تھا، تا کہ محبوب کا پہلا وار میری گردن پر ہو اور یہ سعادت سب سے پہلے مجھے حاصل ہو---!

ہوسکتا ہے، امیر خسرو کے ذہن میں یہی واقعہ رہا ہو، جب انہوں نے یہ انوکھا اور البیلا تخیل پیش کیا تھا

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ برکف
بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

(صحرا کے سارے ہرنوں نے اپنے سر، ہتھیلیوں پر رکھ لئے ہیں، اس امید پر کہ شاید تم کسی روز شکار کے لئے آنکلو۔)

حلق

قربانی سے فارغ ہوکر آپ نے سرِ انور سے بال اتروائے۔ بال اتارنے کی سعادت حضرت معمر بن عبداللہؓ کو حاصل ہوئی۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے بلایا اور سر مونڈنے کا حکم دیا۔ جب میں استرا لے کر حاضرِ خدمت ہوا تو آپ نے میرے چہرے کی طرف دیکھا اور خوش طبعی کے انداز میں فرمایا

''معمر! اللہ کے رسول نے اپنا سر، کان کی لو تک تیرے اختیار میں دے دیا ہے، جبکہ تیرے ہاتھ میں استرا پکڑا ہوا ہے۔''

میں نے عرض کی---"بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر بڑا احسان وانعام ہے۔"

آپ نے فرمایا---"درست کہتے ہو۔"

جانِ دو عالم ﷺ نے پہلے سر مبارک کی دائیں طرف سے بال اتروائے، پھر بائیں طرف سے اور حضرت ابوطلحہ انصاریؓ کو دے کر ارشاد فرمایا کہ انہیں لوگوں میں تقسیم کر دو

اللہ اکبر---! جو صحابہ کرامؓ آپ کے جسم اطہر سے مس ہونے والا پانی نیچے نہیں گرنے دیتے تھے، ان میں سے ہر ایک کو جب جانِ دو عالم ﷺ کی معطر اور معنبر زلفوں کا ایک آدھ موئے مبارک ملا ہوگا تو ان کی فرحت و مسرت کا کیا عالم ہوگا---!

حلق کے بعد آپ نے ناخن کٹوائے اور خوشبو لگائی، پھر دعا فرمائی

"اے اللہ! سر منڈانے والوں کو بخش دے۔"

صحابہ کرامؓ نے عرض کی---"یارسول اللہ! بال چھوٹے کرانے والوں کو بھی!"

آپ نے پھر وہی دعا فرمائی---"اے اللہ! سر منڈانے والوں کو بخش دے۔"

صحابہ کرامؓ نے پھر التجا کی---"یارسول اللہ! بال ترشوانے والوں کو بھی۔"

آپ نے تیسری بار بھی وہی دعا فرمائی---"اے اللہ! حلق کرانے والوں کو بخش دے۔"

صحابہ کرامؓ نے بھی تیسری مرتبہ التماس کی---"یارسول اللہ! قصر کرانے والوں کو بھی!"

تب جانِ دو عالم ﷺ نے ان کی التجاؤں کو شرفِ قبولیت سے نوازا اور فرمایا---"اے اللہ! قصر کرنے والوں کو بھی بخش دے۔"(۱)

اس دن بے شمار لوگوں نے آپ سے حج کے مسائل پوچھے۔ زیادہ تر سوالات تقدیم و تاخیر کے بارے میں تھے۔

---

(۱) اسی حدیث کے پیشِ نظر علماء نے حج کرنے والوں کے لئے حلق کو افضل قرار دیا ہے۔ کیونکہ قصر کرانے والوں کے لئے آپ نے صرف ایک مرتبہ دعاء مغفرت فرمائی اور وہ بھی صحابہ کرام کے اصرار کے بعد، جبکہ حلق کرانے والوں کے لئے بغیر کسی مطالبے کے آپ نے تین دفعہ دعا فرمائی۔ علاوہ ازیں آپ نے خود بھی حلق کرایا تھا۔ ان حقائق سے واضح ہے کہ اس موقع پر حلق افضل ہے۔

کوئی کہتا---"یارسول اللہ! میں حلق سے پہلے قربانی کر چکا ہوں۔"

کوئی عرض کرتا---"یارسول اللہ! میں قربانی سے پہلے کنکریاں مار بیٹھا ہوں۔"

مگر اس دن مختارِ کونین آقا کا دریائے کرم جوش پر تھا، اس لئے نہ کسی کو فدیہ دینے کا حکم دیا، نہ دَم دینے کا؛ بلکہ ہر ایک کو یہی فرماتے رہے کہ اِفْعَلْ وَلَا حَرَجَ. جو کام رہ گیا ہے، اسے اب کر لے۔ تجھ پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہے۔

طواف افاضہ

اس کے بعد آپ مکہ مکرمہ تشریف لائے اور طواف افاضہ کرنے کے بعد چاہِ زمزم پر تشریف لے گئے۔ اس وقت خاندانِ عبدالمطلب کے افراد لوگوں کو پانی پلا رہے تھے۔ آپ نے انہیں دیکھ کر فرمایا---"پلاتے رہو۔ یہ بہت اچھا کام ہے---اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ لوگ تم کو اِس خدمت کا موقع نہ دیں گے تو میں خود پانی نکال کر پیتا۔"(۱)

اس کے بعد آپ منٰی واپس تشریف لے گئے اور بقیہ ایام تشریق تک وہیں جلوہ افروز رہے اور روزانہ کنکریاں مارتے رہے۔

واپسی اور خطبہ غدیر خم

۱۳ ذی الحجہ کو زوال کے بعد منٰی سے رخصت ہو کر وادی محصب میں قیام فرمایا اور وہیں رات بسر کی۔ آخر شب مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ وہاں آخری طواف کیا، صبح کی نماز ادا کی اور مہاجرین و انصار کی معیت میں مدینہ منورہ کی طرف واپس روانہ ہو گئے۔ راستے میں جحفہ کے قریب ایک جگہ تھی جس کو خم کہا جاتا تھا۔ وہاں ایک حوض بھی تھا اور حوض کو عربی میں غدیر بھی کہتے ہیں۔ اس لئے یہ جگہ تاریخ و سیرت کی کتابوں میں غدیر خم کے نام سے معروف ہے۔ اس مقام پر جانِ دو عالم ﷺ تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا

---

(۱) یعنی اگر میں خود نکال کر پیتا تو لوگ اس کو سنت سمجھ کر یہ کام خود کرنے لگتے اور اس طرح خاندانِ عبدالمطلب اس سعادت سے محروم رہ جاتا۔

''اے لوگو! میں بھی ایک انسان ہوں، ہوسکتا ہے کہ میرے رب کا فرستادہ کسی وقت آجائے اور مجھے اس کے ساتھ جانا پڑے (یعنی میرا وصال ہو جائے) میں تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں۔ایک اللہ کی کتاب، جس میں ہدایت اور نور ہے، اس کو مضبوطی سے تھامے رکھنا۔دوسری اپنے اہل بیت۔''

(پھر تین مرتبہ فرمایا) ''میں تمہیں اہل بیت کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔''

یعنی ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا اوران پر کسی قسم کا ظلم وتعدی روا، نہ رکھنا۔

صحیح مسلم میں اسی حد تک ہے اوراس کی صحت پر اتفاق ہے؛ لیکن حدیث کی کچھ اور کتابوں مثلاً ترمذی، نسائی اور طبرانی وغیرہ میں مزید الفاظ بھی مذکور ہیں، لیکن ان کی صحت متفقہ نہیں ہے؛ بلکہ ابوداؤد اور ابوحاتم رازی نے ان روایات پر جرح کر رکھی ہے؛ تاہم یہ جملے ان تمام روایات میں پائے جاتے ہیں

''مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ، اَللّٰهُمَّ! وَالِ مَنْ وَّالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ.'' (جس کا میں مولیٰ ہوں، اس کا علی بھی مولیٰ ہے۔الٰہی! جو شخص اس کو محبوب جانے، اس کے ساتھ تو بھی محبت رکھ اور جو اس کا دشمن ہو، اس کے ساتھ تو بھی عداوت رکھ!)

اللہ اللہ!! کیا شان ہے علی مرتضیٰ کی ---- کَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ عَلٰى آلِهٖ.

مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو ذوالحلیفہ میں قیام فرمایا اور رات گزاری۔صبح مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔مدینہ کی عمارات پر نظر پڑی تو مندرجہ ذیل کلماتِ ثنا وتشکر زبان مبارک پر جاری ہوگئے۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، يُحْيِ وَيُمِيْتُ، وَهُوَ حَيٌّ لَّايَمُوْتُ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ. صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ.

وفود کی آمد

جب مکہ مکرمہ فتح ہوگیا تو اہل عرب کو یقین ہوگیا کہ اب خود ساختہ معبودوں کا دور

ختم ہو چکا ہے اور اللہ وحدہٗ لاشریک کا دین تمام ادیان پر غالب آ چکا ہے۔ چنانچہ ---
وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللهِ اَفْوَاجًا --- کے مصداق لوگ گروہ در گروہ جانِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہونے لگے۔ دور دراز سے آنے والے انہی گروہوں کو وفود کہا جاتا ہے۔

اگر چہ وفود کی آمد ابتداء اسلام ہی سے شروع ہو چکی تھی اور جانِ دو عالم ﷺ کے وصال سے چند ماہ پہلے تک جاری رہی؛ تاہم زیادہ تر وفد فتح مکہ کے بعد ۹ ہجری میں آئے۔ اسی بنا پر اس سال کو "سَنَةُ الْوُفُوْدِ" کہا جاتا ہے، یعنی وفدوں کا سال۔

ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ کسی نے کم ذکر کیے ہیں، کسی نے زیادہ۔ ابن اسحٰق نے صرف پندرہ وفدوں کا حال بیان کیا ہے۔ جب کہ سیرتِ شامی میں ایک سو چار وفود کے حالات مذکور ہیں؛ لیکن زیادہ تر وفدوں کی حاضری کا خلاصہ یہی ہے کہ فلاں قبیلے کے لوگ جانِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے۔ آپ نے ان کو ارکانِ اسلام بتائے اور ان کے مخصوص حالات کے پیشِ نظر چند ضروری نصیحتیں فرمائیں، پھر انعام و اکرام سے نواز کر رخصت کر دیا؛ البتہ بعض وفود کے حالات میں دلچسپی اور تنوع بھی پایا جاتا ہے، چنانچہ ہم نے "سیدالوریٰ" کے لئے ایسے نو وفدوں کے حالات منتخب کیے ہیں۔ امید ہے کہ قارئین کو ہمارا انتخاب پسند آئے گا۔

واضح رہے کہ زیادہ تر وفد تو اسلام لانے کے لئے ہی حاضرِ خدمت ہوتے رہے؛ تاہم چند افراد وفد کی آڑ میں جانِ دو عالم ﷺ کو نقصان پہنچانے کے ارادے سے بھی آئے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو اسلام تو پہلے سے لا چکے تھے، صرف دیدار کرنے اور مسائل معلوم کرنے کے لئے حاضر ہوئے تھے۔

۱--- وفد بنی عامر

قبیلہ بنی عامر کے تین افراد --- عامر، اربد اور جبار --- مدینہ منورہ آئے تینوں اپنے علاقوں کے بگڑے ہوئے رئیس تھے اور درحقیقت جانِ دو عالم ﷺ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ عامر نے اربد سے کہا کہ میں محمد کو باتوں میں لگاؤں گا، جب وہ پوری

طرح میری جانب متوجہ ہو جائے تو تم مناسب موقع دیکھ کر اس کا سر قلم کر دینا!

اربد نے ہامی بھر لی تو تینوں جانِ دو عالم علیہ السلام کے پاس آ بیٹھے اور عامر گویا ہوا

''یا محمد! ہم تنہائی میں بات کرنا چاہتے ہیں۔''

''اگر تم اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لے آؤ تو علیحدگی میں بات کی جا سکتی ہے، ورنہ جو کہنا ہے سب کے سامنے کہو!'' جانِ دو عالم علیہ السلام نے جواب دیا۔

''ایمان لانے کی صورت میں مجھے کیا ملے گا؟''

''وہی جو عام مسلمانوں کو ملتا ہے--- نہ اس سے کم، نہ زیادہ۔''

''کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تمہارے بعد حکومت میری ہو؟''

''نہیں، قطعاً نہیں۔''

''پھر اس طرح کرو کہ گاؤں پر تم راج کرو اور شہر میرے حوالے کر دو!''

''نہیں، یہ بھی نہیں ہو سکتا۔''

''تو پھر آگاہ رہو کہ میں ہزاروں سواروں اور پیادوں پر مشتمل اتنا بڑا لشکر لے کر آؤں گا کہ یہ سارا علاقہ اس سے بھر جائے گا۔''

''اس ارادے میں اللہ تعالیٰ تمہیں کامیاب نہیں ہونے دے گا۔''

اس گفتگو کے دوران عامر بار بار، اربد کی طرف دیکھتا تھا اور حیران تھا کہ اربد طے شدہ منصوبے پر عمل کیوں نہیں کرتا! آخر بات چیت ختم ہو گئی، مگر اربد ٹس سے مس نہ ہوا۔ عامر سخت جھنجلایا ہوا تھا، چنانچہ جب تینوں جانِ دو عالم علیہ السلام کی مجلس سے باہر نکلے تو عامر اربد پر برس پڑا۔

''تو ہلاک ہو جائے، تجھے کیا مار پڑ گئی تھی کہ میرے کہنے پر عمل نہ کیا---؟ میں تو تجھے بہت جری اور بہادر سمجھتا تھا؛ بلکہ خود بھی تجھ سے خوفزدہ رہا کرتا تھا، مگر آج معلوم ہوا کہ تو پرلے درجے کا بزدل اور ڈرپوک ہے۔''

اربد نے کہا---''اتنی جلدی مجھ کو موردِ الزام نہ ٹھہراؤ، پہلے میری بات تو سنو! اللہ کی قسم! میں جب بھی محمد کو قتل کرنے کا ارادہ کرتا تھا، مجھے اس کے بجائے تم اپنے روبرو

بیٹھے نظر آتے تھے --- کیا میں تم کو مار ڈالتا؟!"

جب یہ لوگ جانِ دو عالم ﷺ کے پاس سے اٹھے تھے، جانِ دو عالم ﷺ نے اسی وقت اپنے رب سے کہہ دیا تھا

"الٰہی! تو جس طرح مناسب سمجھے، مجھے عامر کے شر سے محفوظ رکھنا!"

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کے شر سے یوں محفوظ رکھا کہ ابھی وہ تینوں مدینہ سے تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ رات ہوگئی اور ان کو ایک عورت کے ہاں ٹھہرنا پڑا۔ اسی رات عامر کو طاعون کی گلٹی نکل آئی۔ اس سے وہ اتنا دہشت زدہ ہوا کہ دماغ پر اثر ہوگیا۔ چنانچہ اپنا گھوڑا منگایا، اس پر سوار ہوا، ہاتھ میں نیزہ لیا اور گھوڑے کو دوڑاتے ہوئے ملک الموت کو آوازیں دینے لگا

"او ملک الموت! کہاں ہے تو ---؟ سامنے آ کر مقابلہ کر!"

اسی طرح چیختے چلاتے اور واہی تباہی بکتے ہوئے بے دم ہو کر گھوڑے سے گر پڑا اور تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

اربد اور جبار اس کو دفن کرنے کے بعد جب اپنے قبیلے میں پہنچے تو لوگوں نے ان سے پوچھا --- "کیسا رہا؟"

جبار تو خاموش رہا، البتہ اربد کی سرکشی میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ اس نے کہا

"محمد نے ہمیں ایسے دین کی طرف دعوت دی ہے کہ اس وقت تو میرا بس نہیں چلا لیکن میرا جی چاہتا ہے کہ کاش وہ اس وقت میرے سامنے ہوتا تو میں اس کو قتل کر دیتا۔"

اس بکواس سے ایک یا دو روز بعد اربد پر آسمانی بجلی گری اور اس کو راکھ کر گئی۔

گستاخانِ مصطفےٰ ﷺ کا یہ انجام دیکھ کر قبیلے والے ڈر گئے اور تیرہ آدمی باقی قبیلے کی نمائندگی کرتے ہوئے جانِ دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہو گئے۔ ان تیرہ خوش نصیبوں میں عامر اور اربد کا تیسرا ساتھی جبار بھی شامل تھا، جو بالآخر راہِ ہدایت پر گامزن ہو گیا۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ وَعَنْ جَمِیْعِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی مِنْ قَبِیْلَتِهٖ.

۲---وفد بنی عبدالقیس

ایک روز جانِ دوعالم ﷺ صحابہ کرامؓ کے جھرمٹ میں رونق افروز تھے اور گفتگو فرمارہے تھے کہ اچانک ارشاد فرمایا

''ابھی ابھی ایک قافلہ آئے گا، وہ مشرق کے بہترین لوگ ہیں۔''

حضرت عمرؓ کو تجسس ہوا اور اٹھ کر اس طرف چل دیئے جدھر جانِ دوعالم ﷺ نے اشارہ کیا تھا۔ دیکھا تو واقعی کچھ سوار چلے آرہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ تم لوگ کون ہو---؟

''ہم عبدالقیس کی اولاد میں سے ہیں۔'' انہوں نے جواب دیا۔

''کیا تجارت کے سلسلے میں آنا ہوا ہے؟''

''نہیں، ہم اس غرض سے نہیں آئے۔''

حضرت عمرؓ سمجھ گئے کہ جانِ دوعالم ﷺ نے انہی کی آمد کا تذکرہ کیا تھا، اس لئے ان سے کہا

''مبارک ہو کہ نبی ﷺ نے تمہارے آنے کی ابھی تھوڑی دیر پہلے ہمیں اطلاع دی ہے اور تمہاری بہت تعریف فرمائی ہے۔''

پھر انہیں ساتھ لے کر جانِ دوعالم ﷺ کی طرف چل پڑے۔ جب جانِ دوعالم ﷺ پر نظر پڑی تو حضرت عمرؓ نے کہا

''یہ ہیں وہ ہستی جن کی ملاقات کے لئے تم آئے ہو۔''

یہ سنتے ہی سب جلدی جلدی سواریوں سے اتر آئے اور اسی طرح گردوغبار سے اَٹے ہوئے کپڑوں کے ساتھ جانِ دوعالم ﷺ کی طرف بے تابانہ دوڑے۔

جانِ دوعالم ﷺ نے انہیں خوش آمدید کہا اور شرمندگی وندامت سے محفوظ رہنے کی دعا فرمائی۔ ان کی وارفتگیٔ شوق کا یہ عالم تھا کہ کبھی آپ کے ہاتھ چومتے تھے، کبھی پاؤں پر بوسے دیتے تھے۔

البتہ ایک شخص نے اس جلد بازی میں ان کا ساتھ نہ دیا۔ اس کا نام منذر تھا اور

لقب اشج۔ اس نے پہلے تو اونٹوں کو ایک جگہ بٹھایا اور ساتھیوں کا سامان وغیرہ اکٹھا کیا۔ پھر اپنی گٹھڑی سے سفید رنگ کے صاف ستھرے کپڑے نکالے اور اپنے جسم سے گردوغبار جھاڑ کر لباس تبدیل کیا۔ اس کے بعد جانِ دوعالم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور دست اقدس کو بوسہ دیا۔ جانِ دوعالم ﷺ کو اس کا یہ انداز پسند آیا اور فرمایا

''تمہارے اندر دو ایسی عادتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں ---تحمل اور ہر کام کو سوچ سمجھ کر کرنا۔''

منذر نے پوچھا---''یارسول اللہ! یہ عادتیں میں نے خود اپنائی ہیں، یا اللہ تعالیٰ نے میری طبیعت ہی ایسی بنائی ہے؟

آپ نے فرمایا---''اللہ تعالیٰ نے طبیعت ہی ایسی بنائی ہے۔''

منذر نے کہا---''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ایسی عادتیں میری فطرت میں ودیعت کی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کو پسند ہیں۔''

پھر جب بیعت کا وقت آیا تو جانِ دوعالم ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم صرف اپنی طرف سے بیعت ہوگے، یا پوری قوم کی طرف سے---؟

سب نے کہا کہ پوری قوم کی طرف سے، مگر منذر نے ان سے اختلاف کیا اور عرض کی

''آپ جانتے ہی ہیں کہ آبائی مذہب کو چھوڑنا انسان کے لئے کتنا مشکل ہوتا ہے، اس لئے فی الحال ہم صرف اپنی طرف سے بیعت ہوں گے؛ البتہ واپس جا کر دوسرے لوگوں کو بھیجیں گے۔ ان میں سے جس نے ہمارے ساتھ اتفاق کیا، وہ ہمارا ساتھی ہوگا اور جس نے اختلاف کیا، اس کو ہم بارِ حیات سے سبکدوش کر دیں گے۔''

منذر کی یہ رائے بھی جانِ دوعالم ﷺ کو پسند آئی اور ان سے بیعت لے لی۔

انہوں نے عرض کی---''یارسول اللہ! ہم بہت دور کے رہنے والے ہیں۔ ہمارے اور آپ کے درمیان ''مضر'' کا غیر مسلم قبیلہ بھی حائل ہے۔ اس لئے ہم صرف حرمت کے مہینوں میں آپ کے پاس آسکتے ہیں۔ براہِ مہربانی ہمیں واضح احکام دے دیجئے جن پر ہم خود بھی عمل کریں اور دوسروں کو بھی کہیں۔''

جانِ دوعالم ﷺ نے فرمایا

''میں تمہیں چار چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور چار چیزوں سے منع کرتا ہوں۔

حکم دیتا ہوں کہ :-

۱---اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ---جانتے ہو کہ اللہ پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟''

انہوں نے کہا---''اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔''

فرمایا---''یہ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد اس کے رسول ہیں۔'' صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمْ.

۲---نماز قائم کرو۔۳---زکوٰۃ ادا کرو۔۴---اور رمضان کے روزے رکھو۔علاوہ ازیں مال غنیمت کا پانچواں حصہ بھی بیت المال کے لئے دینا ہوگا۔(۱)

اور میں تمہیں منع کرتا ہوں۔۱---دباء۔۲---حنتم۔۳---نقیر۔۴---اور مزفت کے استعمال سے۔(یہ سب برتن شراب کشید کرنے کے لئے استعمال ہوتے تھے۔)

منذر نے عرض کی---''یارسول اللہ! ہماری سرزمین ڈھیلی اور ست ہے۔اگر ہم شراب نہیں پئیں گے تو ہمارے پیٹ بڑھ جائیں گے، اس لئے ہمیں اتنی سی (یعنی چلو بھر) شراب پینے کی اجازت دے دیجئے۔''

آپ نے فرمایا---''اگر میں تمہیں اتنی سی پینے کی اجازت دے دوں تو تم اتنی پینے لگو گے۔(اس موقع پر جانِ دوعالم ﷺ نے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کر کے مفہوم واضح کیا، یعنی بہت زیادہ۔) پھر ترنگ میں آکر کوئی ایک اٹھ کھڑا ہوگا اور تلوار سے اپنے چچا زاد کی ٹانگ کاٹ ڈالے گا۔''

فی الواقع ان میں ایک ایسا آدمی موجود تھا جس کی ٹانگ اسی طرح کٹ گئی تھی۔

---

(۱) واضح رہے کہ جس زمانے میں یہ لوگ آئے تھے اس وقت تک حج فرض نہیں ہوا تھا، اس لئے جانِ دوعالم ﷺ نے اس کا ذکر نہیں کیا اور مال غنیمت کا خمس ہر شخص پر فرض نہیں ہوتا، صرف مجاہدین کے لئے اس کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے، اس لئے جانِ دوعالم ﷺ نے خمس کو چار احکام سے علیحدہ بیان فرمایا۔

اس نے شرما کر اپنی ٹانگ کو چھپانے کی کوشش شروع کر دی اور دوسرے اس کی اس کیفیت سے محظوظ ہو کر ہنسنے لگے۔

بنی عبدالقیس کے ایک اور وفد کا ذکر بھی مؤرخین کے ہاں ملتا ہے جس کا قائد جارود تھا۔ جارود ایک صاحب حیثیت سردار ہونے کے ساتھ ساتھ بہت اچھا شاعر بھی تھا۔ مذہباً عیسائی تھا اور سابقہ الہامی کتابوں کا وسیع مطالعہ رکھتا تھا۔ ایک دن اپنے دوست سلمہ سے کہنے لگا کہ سنا ہے مکہ کے ایک باشندے نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ اگر تم میرا ساتھ دو تو دونوں چلے چلتے ہیں اور اس سے مل لیتے ہیں۔ اگر اس کی باتیں ہمارے دل کو لگ گئیں اور وہ واقعی اللہ کا نبی ہوا تو ہم بھی اس کی پیروی اختیار کر لیں گے، ورنہ واپس چلے آئیں گے۔ ویسے مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہو، نہ ہو یہ وہی نبی آخرالزمان ہے جس کی بشارت تمام سابقہ کتابوں میں موجود ہے۔

سلمہ بخوشی تیار ہو گیا۔ قبیلے والوں سے ذکر کیا تو چودہ آدمی مزید ہم رکاب ہو گئے اور سولہ افراد پر مشتمل یہ قافلہ سوئے مدینہ چل پڑا۔

راستے میں جارود نے سلمہ سے کہا کہ آؤ، ہم دونوں تین تین باتیں اپنے اپنے دل میں یوں چھپا لیتے ہیں کہ ایک دوسرے کو بھی مطلع نہیں کرتے، پھر ان کے بارے میں محمد سے سوال کریں گے۔ اگر اس نے صحیح صحیح جواب دے دیئے تو پھر اس کے سچا نبی ہونے میں کوئی شک نہیں رہے گا۔

چنانچہ دونوں نے تین تین باتیں اپنے دلوں میں سوچ لیں اور حاضر خدمت ہو گئے جارود نے پوچھا۔۔۔ ''یا محمد! آپ کو اللہ تعالیٰ نے کس مقصد کے لئے مبعوث فرمایا ہے؟''

جانِ دوعالم ﷺ نے فرمایا

''یہ گواہی دینے کے لئے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔

علاوہ ازیں اس لئے بھی بھیجا ہے کہ اللہ کے ساتھ لوگوں نے جو خود ساختہ شریک بنا

رکھے ہیں اور طرح طرح کے دین اور مذہب ایجاد کر لئے ہیں، ان سب سے براٴت اور بیزاری کا اعلان کروں۔ نماز قائم کرنے، زکوٰۃ دینے، روزے رکھنے اور صاحب استطاعت کو حج کرنے کا حکم دوں۔

اور یہ اصول واضح طور پر بتا دوں کہ جس کسی نے اچھا کام کیا، اس کا اجر بھی اس کو ملے گا اور جس نے برا عمل کیا، اس کا گناہ بھی اسی کو ہوگا اور اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔''

جارود نے کہا---''یا محمد! میں نے اور سلمہ نے اپنے اپنے دلوں میں کچھ باتیں سوچ رکھی ہیں۔ کیا آپ ان کے بارے میں ہمیں بتائیں گے؟''

جانِ دو عالم ﷺ نے چند لمحے مراقبہ سا کیا اور فرمایا---''ہاں، تم دونوں تین، تین مسئلے معلوم کرنا چاہتے ہو۔''

اس کے بعد آپ نے ہر ایک کے دل میں پوشیدہ سوالات پوری وضاحت سے بیان فرمائے اور ان کے جواب بھی دے دیئے۔

یہ دیکھ کر سب کے سب بے ساختہ پکار اٹھے۔

''نَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.''

اس موقع پر جارود نے ایک بہت ہی عمدہ نعت پیش کی اور جب دیکھا کہ جانِ دو عالم ﷺ مسرور ہو گئے ہیں تو عرض کی

''یا رسول اللہ! میں عیسائیت پر بہت پختہ یقین رکھتا تھا، مگر محض آپ کی خوشنودی اور رضا کی خاطر اس کو ترک کر دیا ہے۔ اب آپ بھی اتنا سا کرم کر دیجئے کہ میرے تمام گناہوں کے ضامن بن جایئے!''

اللہ اللہ!!---کیا سلیقہ ہے آرزو کا---!

جانِ دو عالم ﷺ اس وقت خوش تو تھے ہی؛ فوراً فرمایا

''نَعَمْ، اَنَا ضَامِنٌ لِذُنُوْبِکَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ.''

(ہاں، میں تیرے سارے گناہوں کا ذمہ لیتا ہوں، انشاء اللہ۔)

سبحان اللہ! کیا اختیارات ہیں شفیع المذنبین کے---! صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمْ.

۳---نصارٰی نجران کا وفد

نجران کے علاقے کی زیادہ تر آبادی عیسائی مذہب کی پیروکار تھی۔ ان میں سے اَسی [۸۰] افراد حاضر ہوئے اور جانِ دو عالم ﷺ کے ساتھ مذہبی معاملات میں گفتگو کی۔ بات چیت کے دوران انہوں نے آپ سے شکوہ کیا کہ آپ بار بار حضرت عیسٰی (علیہ السلام) کو اللہ کا بندہ کہہ کر ان کی توہین کر رہے ہیں۔

''اگر وہ اللہ کے بندے نہیں تھے تو کیا تھے؟'' جانِ دو عالم ﷺ نے پوچھا۔

''وہ خدا تھے۔'' نجرانیوں نے کہا ''کیونکہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے، مُردوں کو زندہ کرتے تھے، بیماروں کو شفا دیتے تھے اور غیب کی باتیں بتاتے تھے۔''

جانِ دو عالم ﷺ نے انہیں سمجھایا کہ یہ کام کرنے سے وہ خدا نہیں بن جاتے؛ بلکہ ان سب معجزات کے باوجود اللہ کے بندے اور رسول ہی تھے۔

مگر انہوں نے کج بحثی کی اور جانِ دو عالم ﷺ کو آزردہ خاطر کیا۔ اسی وقت جبریل امین سورہ آل عمران کے ابتدائی آٹھ رکوع لے کر نازل ہوئے، جو اسی [۸۰] آیات پر مشتمل ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے جانِ دو عالم ﷺ کی بھرپور تائید کی اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش اور نبوت وغیرہ کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے واضح کیا، کہ عیسٰی علیہ السلام ہوں، یا آدم علیہ السلام سب اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ ساتھ ہی عیسائیوں کو مباہلے کا چیلنج بھی دے دیا اور فرمایا

﴿فَمَنْ حَآجَّکَ فِیْہِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا وَاَبْنَآءَ کُمْ وَنِسَآءَ نَا وَ نِسَآءَ کُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَہِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَةَ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ o﴾

(اے نبی!) اس مسئلے میں جو کوئی تیرے ساتھ جھگڑا کرے، بعد اس کے کہ تیرے پاس یقینی علم آ چکا ہے، تو ان سے کہہ دو کہ آؤ، ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں، تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ۔ ہم اپنی عورتوں کو بلاتے ہیں، تم اپنی عورتوں کو بلاؤ۔ ہم اپنی جانوں کو پیش کرتے ہیں، تم

اپنی جانوں کو پیش کرو، پھر ہم مباہلہ کریں اور کہیں کہ جھوٹ بولنے والوں پر اللہ کی لعنت ہو۔)

چنانچہ جانِ دو عالم ﷺ، حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو لے آئے اور فرمایا---''آؤ، مباہلہ کرتے ہیں۔''

جانِ دو عالم ﷺ کے تیور دیکھ کر وہ لوگ ڈر گئے۔ ان کے مذہبی رہنما نے کہا کہ میں ایسے مقدس چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں کہ فلاں پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو یقیناً وہ اپنی جگہ چھوڑ دے گا۔ اس لئے مباہلے کا ارادہ ترک کر دو اور صلح مصالحت کی کوشش کرو۔

غرضیکہ وہ مباہلے کی جرأت نہ کر سکے اور جزیہ دینے پر مصالحت کر لی۔

۴--- وفد کندہ

یمن کے معروف قبیلے کندہ کے سَتر، اَسی افراد مدینہ منورہ آئے۔ ان کی خوبصورت لمبی زلفیں کندھوں تک پہنچی ہوئی تھیں، آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا تھا اور انتہائی قیمتی دھاری دار ریشمی عبائیں پہن رکھی تھیں۔ غرضیکہ بہت بن ٹھن کر اور سج سنور کر آئے تھے۔ جانِ دو عالم ﷺ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے، اس لئے وہیں حاضری دی اور کہا---''اَبَیْتَ اللَّعْنَ''

یہ ایک دعائیہ جملہ ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ لعنت و ملامت کا باعث بننے والی چیزوں سے ہمیشہ انکاری رہیں اور ان کو کبھی قبول نہ کریں۔ چونکہ یہ جملہ شاہی دربار میں حاضری کے وقت بادشاہ سے مخاطب ہو کر بولا جاتا تھا، اس لئے جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا

''میں بادشاہ نہیں ہوں، میں محمد ابن عبداللہ ہوں۔''

''مگر ہم آپ کا نام لے کر تو آپ کو مخاطب نہیں کر سکتے۔'' یعنی یہ خلاف ادب ہے۔

''تو پھر میری کنیت ابوالقاسم ہے۔'' یعنی نام نہیں لینے ہو تو کنیت سے مخاطب کر لو!

''اے ابوالقاسم!'' انہوں نے عرض کی ''ہم آپ سے پوچھنے کے لئے ایک چیز چھپا کر لائے ہیں۔''

اس دور میں کاہنوں اور نجومیوں وغیرہ کا کمال جانچنے کے لئے یہی طریقہ مروج

تھا کہ لوگ کسی چیز میں کچھ چھپا کر لے جاتے تھے اور پوچھتے تھے کہ بتایئے اس میں کیا ہے؟ اگر وہ شخص صحیح طور پر بتانے میں کامیاب ہو جاتا تو اس کو بڑا صاحب کمال کاہن تصور کیا جاتا تھا۔ کندہ نے بھی اسی دستور کے مطابق گھی میں مکڑی کی آنکھ چھپائی تھی اور جانِ دو عالم ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھنا چاہتے تھے، مگر آپ نے فرمایا

''سُبْحَانَ اللہ! ایسی باتیں کاہنوں سے پوچھی جاتی ہیں؛ جبکہ میں کاہنوں اور کہانت وغیرہ کو جہنم کا ایندھن سمجھتا ہوں۔''

''پھر ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں؟''

جانِ دو عالم ﷺ نے اپنی ہتھیلی پر چند کنکریاں اٹھائیں اور فرمایا

''یہ گواہی دیں گی میری صداقت کی۔''

اس کے ساتھ ہی کنکریوں نے سُبْحَانَ اللہ، سُبْحَانَ اللہ، سُبْحَانَ اللہ کہہ کر اللہ کی تسبیح بیان کرنی شروع کر دی۔

یہ حیرت انگیز معجزہ دیکھ کر انہوں نے بے ساختہ کہا

''ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔''

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا---''بے شک اللہ نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اور مجھ پر ایسی کتاب نازل کی ہے کہ نہ اس کے آگے سے باطل آ سکتا ہے، نہ پیچھے سے۔''

''پھر ہمیں بھی اس کتاب کا کچھ حصہ سنایئے!'' انہوں نے خواہش ظاہر کی۔

جانِ دو عالم ﷺ نے سورہ الصّٰفّٰت کی ابتدائی آیتیں، رَبُّ الْمَشَارِقِ تک پڑھیں۔ اس دوران آپ کی چشمانِ اقدس سے اشکوں کے موتی ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے رہے اور آپ کی ریش مبارک میں جذب ہوتے رہے۔

انہوں نے کہا---''ہم آپ کو روتا دیکھ رہے ہیں۔ کیا آپ اس رب کے خوف سے روتے ہیں جس نے آپ کو بھیجا ہے؟''

''ہاں، اسی کی خشیت مجھے رلاتی رہتی ہے۔'' جانِ دو عالم ﷺ نے بتایا'' کیونکہ اس نے مجھے ایسے صراطِ مستقیم کے ساتھ بھیجا ہے جو تلوار کی دھار سے زیادہ باریک ہے۔ اگر

میں اس سے ذرا بھی اِدھر اُدھر ہو جاؤں تو باقی نہ رہوں۔"

اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیٓ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ...... الاٰیة

جب آپ نے دیکھا کہ وہ لوگ پوری طرح متاثر ہو گئے ہیں تو فرمایا

"کیا تم مسلمان نہیں ہو چکے ہو؟"

"کیوں نہیں یارسول اللہ! ہم اسلام لا چکے ہیں۔"

"پھر تم نے ریشمی کپڑے کیوں پہن رکھے ہیں؛ جبکہ اسلام میں اس کی اجازت نہیں ہے؟"

انہوں نے بغیر کسی توقف کے اپنی قیمتی ریشمی عبائیں اتاریں اور چیر پھاڑ کر پھینک دیں۔ جانِ دو عالم ﷺ ان کی تسلیم و اطاعت سے بہت خوش ہوئے اور رخصت کرتے وقت ہر شخص کو دس اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔

۵---وفد تجیب

یہ لوگ بھی یمن سے آئے تھے، لیکن یہ پہلے سے اسلام لا چکے تھے۔ صرف دیدار کرنے اور چند مسائل پوچھنے آئے تھے۔ علاوہ ازیں اپنے اموال کی زکوٰۃ بھی جانِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے ساتھ لائے تھے۔

جانِ دو عالم ﷺ ان کی آمد پر بہت مسرور ہوئے اور اعزاز و اکرام سے ان کو مدینہ میں ٹھہرایا۔ انہوں نے عرض کی

"یارسول اللہ! ہمارے اموال میں اللہ تعالیٰ کا جو حق بنتا ہے، وہ ہم ساتھ لائے ہیں۔"

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا---"اسے واپس لے جاؤ اور اپنے علاقے کے فقراء میں تقسیم کر دو!"

انہوں نے کہا---"فقراء کا حق ہم ان کو دے چکے ہیں۔ اس کے باوجود ہمارے پاس کافی مال بچ گیا تھا۔ ہم وہ باقی ماندہ مال آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے لائے ہیں۔"

ان کی اس بے غرضی و استغنا سے سب حیران ہوئے۔ صدیق اکبرؓ نے عرض کی ---''یارسول اللہ! ہمارے پاس عرب کے مختلف علاقوں سے وفد آتے ہی رہتے ہیں، مگر تجیب جیسا کوئی وفد نہیں آیا۔''

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا---''ہاں، ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے۔ جس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے، اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔''

یہ لوگ چند روز تک مدینہ میں مقیم رہے اور جانِ دو عالم ﷺ سے قرآن وسنت کے مسائل معلوم کرتے رہے۔ ان کے دینی شوق اور لگن کو دیکھ کر آپ بے حد خوش ہوئے اور حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ ان کی خوب مہمان نوازی کرو۔

جب انہوں نے واپسی کا ارادہ ظاہر کیا تو اہل مدینہ نے ان سے کہا کہ اتنی جلدی کیا ہے، ابھی کچھ دن اور ٹھہر جاؤ!

انہوں نے کہا کہ یہاں ہم نے رسول اللہ ﷺ کی جو زیارت کی ہے اور ان سے جو سوال و جواب کئے ہیں، ان سب چیزوں کی تفصیل اپنی قوم کو بتانے کے لئے اب ہم بے قرار ہو رہے ہیں، اس لئے مزید نہیں ٹھہر سکتے۔

پھر جانِ دو عالم ﷺ کے حضور حاضر ہوئے اور الوداعی ملاقات کی۔ حضرت بلالؓ نے جانِ دو عالم ﷺ کی طرف سے انہیں وافر مقدار میں تحفے عطا کئے۔

جانِ دو عالم ﷺ نے پوچھا---''کوئی رہ تو نہیں گیا؟''

''ایک چھوٹی عمر کا لڑکا باقی رہ گیا ہے۔'' انہوں نے بتایا ''اس کو ہم نے سامان کی دیکھ بھال کے لئے سواریوں کے پاس چھوڑ رکھا ہے۔''

فرمایا---''اب تم جاؤ اور اسے بھیج دو۔''

چنانچہ وہ رخصت ہو گئے اور جا کر لڑکے سے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے الوداع ہو آئے ہیں، تم بھی جا کر مل آؤ۔ وہ تمہیں بلا رہے ہیں۔

لڑکا حاضر ہوا تو عرض کی

''یارسول اللہ! میں ان لوگوں میں سے ہوں جو ابھی یہاں سے گئے ہیں۔ آپ

نے ان سب کی حاجت روائی فرمائی ہے، میری حاجت بھی پوری فرما دیجئے!''

''تمہاری کیا حاجت ہے؟''

''یا رسول اللہ! میری حاجت ان لوگوں کی حاجات سے مختلف ہے۔ میں تو صرف اس لئے آیا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لئے سوال کیجئے کہ وہ مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرمائے اور میرا دل غنی کر دے۔''

جانِ دو عالم ﷺ نے اس کی خواہش کے مطابق انہی الفاظ میں دعا فرما دی

''اے اللہ! اس کو بخش دے، اس پر رحم فرما دے اور اس کا دل غنی کر دے۔''

پھر اس کو بھی اتنا ہی عطا فرمایا جتنا باقی افراد کو دیا تھا اور اسے رخصت کر دیا۔

کئی سال بعد یہی لوگ منیٰ میں جانِ دو عالم ﷺ سے ملے، مگر اس دفعہ وہ لڑکا ساتھ نہیں تھا۔ آپ نے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ آپ کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس کا دل غنی کر دیا ہے۔ اب اس کی یہ کیفیت ہے کہ اگر ساری دنیا کی دولت تقسیم ہو رہی ہو تو وہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرے گا۔

جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا۔۔۔''الحمد للہ۔ مجھے امید ہے کہ جب اس کی موت آئے گی تو وہ پورے کا پورا مرے گا۔''

''کیا ہر آدمی پورے کا پورا نہیں مرتا، یا رسول اللہ!؟'' انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں۔'' آپ نے جواب دیا ''کسی آدمی کی آرزوئیں اور تمنائیں دنیا کی وادیوں میں بٹ جاتی ہیں اور کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ طلب دنیا کی کس وادی میں موت اس کو آ دبوچے۔''

مؤرخین نے لکھا ہے کہ وہ نوجوان عمر بھر زہد و قناعت اور استغنا و سیر چشمی کی اعلیٰ مثال بنا رہا اور تا دمِ واپسیں دینِ حق پر ثابت قدم رہا۔

رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وَعَنْ جَمِیْعِ الصَّحَابَہ

۶۔۔۔وفد صُداء

۸ ہجری میں جانِ دو عالم ﷺ نے حضرت قیس ابن سعدؓ کو چار سو آدمیوں کا قائد

بنا کر صداء کی تسخیر کے لئے بھیجا۔ یہ قبیلہ بھی یمن کے علاقے میں آباد تھا اور اپنے مورثِ اعلیٰ صداء ابن حرب کی نسبت سے صداء کہلاتا تھا۔

حضرت قیس کی روانگی سے تھوڑی دیر بعد اس قبیلے کا ایک معزز آدمی زیاد، مدینہ منورہ آیا۔ اس کو جب حضرت قیسؓ کی مہم کا پتہ چلا تو وہ جانِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی

''میں قبیلہ صداء کا نمائندہ بن کر آیا ہوں اور اپنی قوم کی طرف سے ضمانت دیتا ہوں کہ وہ آپ کی مکمل اطاعت کرے گی، اس لئے قیس کو واپس بلا لیجئے!''

جانِ دو عالم ﷺ نے اس کی پیش کش کو پسند فرمایا اور حضرت قیسؓ کو واپس بلا لیا۔

اس کے بعد زیاد اپنی قوم کی طرف لوٹ کر گیا اور پندرہ آدمی ساتھ لایا۔

حضرت سعد بن عبادہؓ کے اس قبیلے کے ساتھ شاید کوئی قدیمی مراسم تھے۔ اس لئے عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو میں ان کو اپنے پاس ٹھہرا لوں۔ جانِ دو عالم ﷺ نے اجازت دے دی تو حضرت سعدؓ ان کو اپنے گھر لے گئے اور ان کی خوب خاطر مدارات کی۔ پھر انہیں لے کر دربارِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ سب نے توحید و رسالت کا اقرار کیا اور کہا کہ ہم اپنے قبیلے کے باقی تمام لوگوں کی طرف سے اسلام کی ضمانت دیتے ہیں۔

یہ سب کچھ حضرت زیادؓ کی کوششوں سے ہوا تھا، اس لئے جانِ دو عالم ﷺ نے ان سے کہا

''زیاد! تم تو اپنی قوم میں بہت ہی مطاع و معزز ثابت ہوئے ہو کہ سب نے تمہاری مان لی اور اسلام قبول کر لیا۔''

حضرت زیادؓ نے کہا ---''اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے۔ یہ سب اللہ اور اس کے رسول کا احسان ہے۔''

انہی دنوں جانِ دو عالم ﷺ کسی سفر پر روانہ ہوئے تو حضرت زیادؓ بھی ہمرکاب ہو گئے۔ اس سے آگے کا واقعہ حضرت زیادؓ کی زبانی سنئے۔

''رسول اللہ ﷺ رات کے وقت سفر پر روانہ ہوئے۔ چند دیگر اصحاب کے علاوہ

میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ جب صبح کے آثار ہویدا ہوئے تو آپ نے مجھے حکم دیا کہ اذان کہو۔ میں نے سواری پر بیٹھے ہی بیٹھے اذان کہی، پھر ایک جگہ آپ نے پڑاؤ کیا اور مجھ سے پوچھا کہ تمہارے پاس پانی ہے؟ میں نے کہا کہ جی ہاں، تھوڑا سا ہے۔ فرمایا کہ اس کو کھلے منہ کے پیالے میں ڈالو! میں نے تعمیل حکم کی تو آپ نے اپنا دستِ مبارک پیالے میں رکھ دیا اور میں نے دیکھا کہ پانی آپ کی انگلیوں سے ابلنے لگا۔

فرمایا۔۔۔ ''اعلان کردو کہ جس کسی نے وضو کرنا ہو، آ کر کر لے۔''

میں نے اعلان کیا تو سب ساتھیوں نے آ کر وضو کرنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ سب فارغ ہو گئے۔ حسبِ معمول بلال اقامت کہنے کے لئے آگے بڑھے تو آپ نے فرمایا کہ چونکہ اذان زیاد نے کہی ہے، اس لئے اقامت بھی وہی کہے گا۔ چنانچہ میں نے اقامت کہی اور سب نے آپ کی اقتداء میں صبح کی نماز پڑھی۔

اس سے پہلے میں نے آپ سے التجاء کی تھی کہ مجھے میری قوم پر امیر نامزد فرما دیجئے اور زکوٰۃ وغیرہ کے طور پر ان سے جو مال وصول کروں، اس میں بھی میرا حصہ مقرر فرما دیجئے!

نماز کے بعد آپ نے میری امارت، زکوٰۃ وغیرہ وصول کرنے کے اختیار اور اس میں میرے حصے کی تعیین پر مشتمل دو دستاویزات لکھ کر میرے حوالے کر دیں۔ اسی دوران کسی اور علاقے کا ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی

''یارسول اللہ! آپ نے جس آدمی کو ہمارے علاقے کی امارت سپرد کی ہے، وہ بڑا ظالم ثابت ہوا ہے۔ اس کے اور ہمارے درمیان زمانہ جاہلیت سے کچھ اختلاف تھا، اس وجہ سے وہ ہمیں ناجائز تنگ کرتا رہتا ہے۔''

''اچھا۔۔۔! اس نے اس قسم کی حرکتیں شروع کر دی ہیں۔۔۔!'' آپ نے ناراضگی آمیز حیرت سے کہا، پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا۔۔۔ ''مؤمن آدمی کے لئے امارت میں کچھ بھلائی نہیں ہے۔''

آپ کی یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی۔

پھر ایک سائل اٹھا اور کہا کہ مجھے زکوٰۃ میں سے کچھ دیجئے!

فرمایا ---''زکوٰۃ کی تقسیم اتنا اہم معاملہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نہ کسی فرشتے کی صوابدید پر چھوڑا ہے، نہ کسی نبی مرسل کی مرضی پر؛ بلکہ اس کے حق دار خود متعین فرمائے ہیں۔ اگر تم ان میں شامل ہو تو تمہارے لئے زکوٰۃ کا مال جائز ہے اور اگر تم غنی ہوتے ہوئے زکوٰۃ مانگ رہے ہو تو یاد رکھو کہ ایسے شخص کے لئے زکوٰۃ کا مال سر دردی اور پیٹ کی بیماریوں کا باعث بن جاتا ہے۔''

آپ کی یہ باتیں بھی میرے دل کو لگیں اور میں نے وہ دو دستاویزیں جو آپ نے میرے لئے لکھوائی تھیں، واپس کر دیں۔ آپ نے وجہ پوچھی تو میں نے کہا کہ یارسول اللہ! آپ نے فرمایا ہے کہ امارت میں مومن بندے کے لئے کوئی خیر نہیں ہے، اس لئے میں اپنی امارت سے دستبردار ہو رہا ہوں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص غنی ہوتے ہوئے زکوٰۃ کا مال استعمال کرے، اس کو بیماریاں گھیر لیتی ہیں اور میں چونکہ غنی ہوں اس لئے زکوٰۃ میں آپ نے میرا جو حصہ مقرر فرمایا ہے، وہ بھی اب نہیں لوں گا۔

میری دستبرداری سے آپ خوش ہوئے اور فرمایا کہ اگر تم یہ کام نہیں کرنا چاہتے تو پھر جو شخص تمہاری نظر میں موزوں ہو، اس کے بارے میں بتاؤ، تاکہ اس کو وہاں کا عامل مقرر کر دیا جائے۔

میں نے ایک دیانت دار آدمی کا نام بتا دیا اور آپ نے اس کو ہمارا حاکم اور امیر نامزد فرما دیا۔

پھر میں نے عرض کی کہ ہمارے علاقے میں پانی کی بہت قلت ہے۔ صرف ایک کنواں ہے، وہ بھی گرمیوں میں خشک ہو جاتا ہے۔ دعا فرمایئے کہ آئندہ اس کا پانی ختم نہ ہو۔ فرمایا کہ تم سات کنکریاں مجھے لا دو! میں نے کنکریاں چن کر پیش کیں تو آپ چند لمحوں تک انہیں اپنے ہاتھوں میں الٹتے پلٹتے رہے۔ پھر مجھے واپس کر دیں اور فرمایا کہ ان کو ایک ایک کر کے اپنے کنویں میں ڈال دینا۔

میں نے وہ کنکریاں سنبھال کر رکھ لیں اور جب اپنے علاقے میں واپس آیا تو حسب ارشاد کنویں میں ڈال دیں۔ اس کے بعد آج تک اس کے پانی میں کبھی کمی واقع نہیں ہوئی۔

۷---وفد ازد

ازد کا قبیلہ جانِ دو عالم ﷺ کے بھیجے ہوئے مبلغین کی تبلیغ سے متاثر ہو کر مسلمان ہو چکا تھا۔ اس قبیلے کے سات افراد حاضر ہوئے۔ جانِ دو عالم ﷺ کو ان کی عادات و اطوار اور گفتگو کا انداز پسند آیا اور پوچھا کہ تم کس دین کے پیروکار ہو؟

''ہم دین اسلام کے ماننے والے ہیں اور مؤمن ہیں۔'' انہوں نے جواب دیا۔

جانِ دو عالم ﷺ مسکرائے اور فرمایا---''ہر چیز کی کوئی نشانی ہوتی ہے، تمہارے ایمان کی کیا نشانی ہے؟''

''ہمارے اندر پندرہ اوصاف ہیں جو ہمارے ایمان کی علامات ہیں۔'' انہوں نے بتایا ''ان میں سے دس کا تو آپ کے مبلغین نے ہمیں حکم دیا ہے، جن میں سے پانچ پر ایمان لانا ہے اور پانچ پر عمل کرنا ہے اور پانچ کو ہم نے از خود زمانۂ جاہلیت سے اختیار کر رکھا ہے۔ اگر آپ نے ان کو پسند فرمایا تو ہم ان پر عمل جاری رکھیں گے، ورنہ ترک کر دیں گے۔''

جانِ دو عالم ﷺ نے پوچھا---''وہ پانچ چیزیں کون سی ہیں جن پر ایمان لانے کا مبلغین نے حکم دیا ہے؟''

''۱-اللہ پر ایمان ۲-اس کے رسولوں پر ایمان ۳-اس کی کتابوں پر ایمان ۴-اس کے فرشتوں پر ایمان ۵- مرنے کے بعد جی اٹھنے پر ایمان۔''

''اور وہ پانچ کون سی ہیں جن پر عمل کرنے کا مبلغین نے کہا ہے؟''

''۱-لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہنا ۲-نماز پڑھنا ۳-زکوٰۃ دینا ۴-رمضان کے روزے رکھنا ۵-اور بشرط استطاعت حج کرنا۔''

''اور وہ پانچ صفات کون سی ہیں جو تم نے زمانۂ جاہلیت میں از خود اختیار کر لی تھیں؟''

''۱-آسائش کے وقت شکر ۲-مصیبت آنے پر صبر ۳-رضا بالقضاء ۴-میدان جنگ میں ثابت قدمی ۵-دشمنوں کی تکلیف پر خوش نہ ہونا۔''

زمانۂ جاہلیت یعنی کفر و شرک کے دور میں جو لوگ ایسی بلند پایہ صفات و عادات از خود اپنا لیں، ان کی بصیرت و فراست اور دانش و بینش میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ چنانچہ جانِ دو

عالم ﷺ نے ان کو بھرپور داد دیتے ہوئے ارشاد فرمایا

''بلاشبہ تم بہت ہی دانا اور صاحب علم لوگ ہو اور اپنی فقاہت کے اعتبار سے انبیاء کے قریب تر ہو۔''

پھر فرمایا---اگر یہ پندرہ صفات تمہارے اندر موجود ہیں تو میں مزید پانچ چیزیں بتا دیتا ہوں۔اس طرح کل تعداد بیس ہو جائے گی۔

۱---ضرورت سے زیادہ سامانِ خوردونوش مت جمع کرو۔

۲---بے ضرورت مکانات مت تعمیر کرو۔

۳---جو چیز کل کلاں تمہارے ہاتھ سے نکل جانے والی ہے، اس کے لئے اپنے آپ کو ہلکان مت کرو۔

۴---اس اللہ سے ہر دم ڈرتے رہو جس کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور اس کے روبرو پیش ہونا ہے۔

۵---اور جہاں جا کر ہمیشہ رہنا ہے (یعنی جنت) اس کے حصول کے لئے بھرپور جدوجہد کرتے رہو۔''

سب نے یقین دلایا کہ ہم آپ کے ارشادات پر ہمیشہ عمل پیرا رہیں گے اور حتی الوسع کوئی کوتاہی نہیں کریں گے۔پھر رخصت لی اور واپس چلے گئے۔

۸---وفد بنی فزارہ

بنی فزارہ کے علاقہ میں قحط پڑا ہوا تھا، اس لئے ان کی سواریاں انتہائی کمزور اور لاغر تھیں۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں وارد ہونے اور اسلام لانے کے بعد انہوں نے پہلی عرض یہی گزاری کہ یارسول اللہ! ہمارے شہر قحط کی لپیٹ میں آئے ہوئے ہیں، جانور بھوک سے مر رہے ہیں، زمینیں خشک ہو چکی ہیں اور اہل وعیال فاقہ کشی کا شکار ہیں۔دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ ہم پر بارش برسائے۔اس غرض کے لئے ہم اللہ کے دربار میں آپ کو اپنا شفیع بناتے ہیں اور آپ کی بارگاہ میں اللہ کو اپنا سفارشی بناتے ہیں۔

نادان لوگ تھے---انہیں جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا مقام ومرتبہ کیا ہے۔اس

لئے یہ کہہ بیٹھے کہ ''آپ کی بارگاہ میں اللہ کو اپنا سفارشی بناتے ہیں۔''

جانِ دو عالم علیہ السلام کو یہ جملہ از حد ناگوار گزرا اور جس شخص نے یہ بات کہی تھی، اس سے مخاطب ہوتے ہوئے سخت غصے کے عالم میں گویا ہوئے

''اللہ، پاک ہے---! تو ہلاک ہو جائے، یہ کیا کہہ دیا ہے تو نے---!! میں تو عزت و جلال والے رب کے حضور تمہاری سفارش کر سکتا ہوں مگر وہ میرے سامنے تمہاری سفارش کیسے کر سکتا ہے---!! اس کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ وہ کسی کے آگے سفارش کرے۔ کوئی معبود نہیں ہے اس کے بغیر، وہ بہت عالی اور عظیم ہے۔ اس کی حکومت واقتدار کی کرسی آسمانوں اور زمین سے بھی وسیع تر ہے، مگر اس کے باوجود اس کی ہیبت وجلال سے ہر وقت لرزتی اور چرچراتی رہتی ہے، جیسے نئی زین سوار کے بوجھ سے چرچرانے لگتی ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کو واشگاف الفاظ میں واضح کرنے کے بعد اس کے لطف وعنایت کی جھلک دکھاتے ہوئے ارشاد فرمایا

''اللہ تعالیٰ کو تمہاری خستہ حالی و درماندگی پر ہنسی آ رہی ہے، کیونکہ تمہاری فریاد رسی کا لمحہ بالکل قریب آ پہنچا ہے۔''

''کیا ہمارے رب کو ہنسی بھی آتی ہے، یا رسول اللہ!؟'' ان میں سے ایک نے تعجب سے پوچھا

فرمایا---''ہاں!''

اس نے کہا---''ہنسنے والا رب، ہم پر بھلائیاں نازل کرانے کے لئے آپ کو ہمیشہ سلامت رکھے۔''

اس دلچسپ دعا سے جانِ دو عالم علیہ السلام محظوظ ہوئے اور ہنس پڑے، پھر منبر پر کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھائے اور بے حد خوبصورت الفاظ میں بارش کے لئے دعا مانگی۔ اس واقعہ کے راوی بیان کرتے ہیں کہ اس وقت پورے آسمان میں کہیں ذرا سا بھی بادل کا ٹکڑا نہ تھا، اچانک کوہ سلع کے پیچھے سے ڈھال کی طرح لبوترا بادل نمودار ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے سارے آسمان پر چھا گیا، پھر برسنے لگا---اور اللہ کی قسم، پورا ایک ہفتہ مسلسل برستا رہا۔

آخر وہی شخص جس نے بارش کے لئے دعا کرائی تھی، اٹھ کر گویا ہوا

''یارسول اللہ! اب تو مکان گرنے لگے ہیں، مویشی ہلاک ہو رہے ہیں اور راستے بند ہو چکے ہیں۔ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ اس بارش کو روکے۔''

جانِ دو عالم ﷺ، حسب سابق منبر پر چڑھے اور بارش تھمنے کی دعا فرمائی۔ اس کے ساتھ ہی بادل پھٹ گئے اور یوں پیچھے ہٹ گئے، جیسے کپڑے کی چادر کو ایک طرف سے کھینچ لیا جائے۔

۹--- وفد بنی حنیفہ

مکہ مکرمہ اور یمن کے درمیان یمامہ کے علاقے میں ایک بڑا قبیلہ آباد تھا۔ جو اپنے مورث اعلیٰ حنیفہ ابن لجیم کی نسبت سے بنی حنیفہ کہلاتا تھا۔ اس قبیلے کے سترہ آدمیوں پر مشتمل وفد مدینہ طیبہ آیا۔ ان میں سے ایک معمر شخص کا نام مسیلمہ تھا۔ تمام قبیلے والے اس کا بہت احترام کرتے تھے اور اگر وہ کہیں آتا جاتا تھا تو اس کے گرد تعظیم و اکرام کے طور پر کپڑا تانے رکھتے تھے۔

جانِ دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں بھی وہ اسی طرح حاضر ہوئے کہ مسیلمہ کو انہوں نے کپڑوں میں چھپا رکھا تھا۔ اس وقت آپ نے ہاتھ میں کھجور کی ایک ٹہنی پکڑی ہوئی تھی اور صحابہ کرامؓ سے گفتگو فرما رہے تھے۔

مسیلمہ نے آپ کے ساتھ بات چیت کی اور مطالبہ کیا کہ مجھے اپنی نبوت میں حصہ دار بنائیے اور اپنے بعد مجھے اپنا جانشین نامزد کر دیجئے۔

جانِ دو عالم ﷺ کو اس لایعنی اور احمقانہ مطالبے پر غصہ آیا اور فرمایا

''اگر تم مجھ سے کھجور کی یہ خشک شاخ مانگو تو یہ بھی تمہیں نہ دوں۔ اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ تمہارے لئے کر دیا ہے، اس سے تم اِدھر اُدھر نہیں ہو سکتے ہو۔ اگر تم نے حق کی مخالفت کی تو اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کر دے گا۔ میرے خیال میں تم وہی ہو جس کے بارے میں مجھے خواب میں کچھ دکھایا گیا ہے۔''

اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

خواب میں دیکھا تھا کہ سونے کے دو کنگن آپ کی ہتھیلی پر رکھے ہیں۔ آپ انہیں دیکھ کر ابھی حیران ہی ہو رہے تھے کہ آپ سے کہا گیا کہ ان کو پھونک ماریں۔ آپ نے جونہی پھونک ماری، وہ دونوں کنگن اڑ کر غائب ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ خواب دیکھنے کے بعد ارشاد فرمایا

''اس کی تعبیر میں نے یہ کی ہے کہ عنقریب دو جھوٹے نبی ظاہر ہوں گے۔''

یعنی ان کی ظاہری شان و شوکت اور سج دھج ایسی ہوگی جیسے سونے کے کنگن، مگر حقیقت میں وہ اس قدر بے وزن اور بے وقعت ہوں گے کہ ایک پھونک سے اڑ جائینگے۔

ان دو جھوٹے نبیوں میں ایک یہی مسیلمہ تھا، جو بعد میں کذاب کے لقب سے مشہور ہوا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کی ضیافت طبع کے لئے اس موقع پر ''ائمہ تلبیس'' سے ایک اقتباس نقل کر دیا جائے۔

''اسلام کے قرنِ اول میں جن گمراہوں نے خانہ ساز نبوت کا لباسِ فریب پہن کر خلقِ خدا کو ابدی خسارے کی لعنت میں گرفتار کیا، ان میں مسیلمہ بن کبیر بن حبیب سب سے زیادہ کامیاب اور سر بر آوردہ متنبی (خود ساختہ نبی) تھا۔ یہ شخص کذابِ یمامہ کے لقب سے بھی مشہور ہے۔ ابو ثمامہ اور ابو ہارون اس کی کنیتیں تھیں۔ مسیلمہ نے حضور سرورِ دو جہاں ﷺ کے عہدِ رحمت میں ایسے وقت میں نبوت کا دعوٰی کیا تھا جب کہ اس کا سن سو [۱۰۰] سال سے بھی متجاوز تھا۔ وہ عمر میں حضرت خیر البشر ﷺ کے والدِ محترم حضرت عبداللہ سے بھی بڑا تھا۔ رسول اللہ کے والد ماجد جناب عبداللہ کی ولادت سے پہلے یہ شخص عام طور پر رحمانِ یمامہ کے نام سے مشہور تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت ختم المرسلین ﷺ کی بعثت پر قرآن نازل ہوا اور قریش نے حضور کی زبان سے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سنی تو قریش کا ایک آدمی بے ساختہ بول اٹھا کہ اس میں رحمانِ یمامہ کا ذکر ہے۔

مسیلمہ دربار نبوی میں

جب فخرِ بنی آدم سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کا عالم میں شہرہ بلند ہوا اور سرچشمۂ نبوت سے سیراب ہونے کے لئے لوگ ملک کے کونے کونے سے امنڈ آئے تو مسیلمہ نے بھی وفد بنی حنیفہ کی معیت میں آستانۂ نبوی میں حاضر ہو کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، مگر

ساتھ ہی یہ درخواست بھی پیش کر دی کہ حضور اسے اپنا جانشین مقرر فرما دیں۔ یہ عرضداشت انتہائی لغو تھی اس لئے مزاج اقدس پر بہت گراں گزری۔ اس وقت آپ کے سامنے کھجور کی ایک ٹہنی رکھی تھی، آپ نے فرمایا

''اے مسیلمہ! اگر تم امرِ خلافت میں مجھ سے یہ شاخِ خرما بھی طلب کرو تو میں دینے کو تیار نہیں۔''

مگر بعض صحیح تر روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نے حضور سے بیعت نہ کی تھی۔ بلکہ بیعت کو مشروط ٹھہرایا تھا اور کہا تھا کہ اگر آپ مجھے اپنا جانشین متعین فرمائیں یا اپنی نبوت میں شریک کریں تو میں بھی حضور سے بیعت کرتا ہوں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیلمہ منصب نبوت کو عطائے الٰہی کے بجائے ایک دنیاوی اعزاز سمجھتا تھا اور شاید اسی زعمِ فاسد کی بنا پر وہ متمنی تھا کہ آنحضرت ﷺ اسے نبوت میں شریک وسہیم بنالیں لیکن حق پر مبنی حضور کے اس جواب نے اس کے نخلِ آرزو کو بالکل خشک کر دیا۔

دعوائے نبوت کا محرک اور اس کا آغاز

جب مسیلمہ ادھر سے مایوس ہوا تو اس کے دل ودماغ میں ازخود نبوت کی دکان کھول دینے کے خیالات موجزن ہوئے۔ وہ ذاتی وجاہت اور قابلیت کے لحاظ سے ابنائے وطن میں ممتاز تھا اور فصاحت وانشا پردازی میں اقران وامائل میں ضرب المثل تھا اور یہی وہ چیز تھی جو اسے ہر گھڑی کامیابی کا یقین دلا رہی تھی۔ مدینہ منورہ سے انہی خیالات کی کھچڑی پکاتے ہوئے وہ یمامہ گیا۔ وہاں پہنچ کر دعوائے نبوت کی ٹھان لی اور اہل یمامہ کو یقین دلایا کہ محمد رسول اللہ (ﷺ) نے اسے اپنی نبوت میں شریک کر لیا ہے۔ اب اس نے من گھڑت وحی والہام کے افسانے سنا سنا کر اپنی قوم (بنی حنیفہ) کو راہِ حق سے منحرف کرنا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بعض ''خوش اعتقاد'' لوگ جناب سید المرسلین ﷺ کی رسالت کے ساتھ اس کی نبوت کے بھی قائل ہو گئے۔

جب مسیلمہ کی ان حرکتوں کی اطلاع آستانہ نبوت میں پہنچی تو حضور خواجۂ دو

عالم ﷺ نے قبیلہ بنو حنیفہ کے ایک ممتاز رکن رحال بن عنفوہ، جو نہار کے نام سے بھی مشہور تھا اور چند روز پیشتر یمامہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آیا تھا، اس غرض سے یمامہ روانہ فرمایا کہ مسیلمہ کو سمجھا بجھا کر راہِ راست پر لائے۔ مگر اس بدبخت نے یمامہ پہنچ کر الٹا مسیلمہ کا اثر قبول کر لیا اور سید کائنات ﷺ کے ساتھ مسیلمہ کی نبوت کا بھی اقرار کر لیا اور اپنی قوم سے بیان کیا کہ خود جناب محمد رسول اللہ (ﷺ) فرماتے تھے کہ ''مسیلمہ نبوت میں میرا شریک ہے۔''

بنو حنیفہ نے اس کی شہادت پر اعتماد کر کے مسیلمہ کی نبوت مان لی اور ساری قوم اس کے دامِ ارادت میں پھنس کر مرتد ہو گئی۔ اب دجالی ارواح ہر طرف سے ہجوم کر کے مسیلمہ کے دل و دماغ پر مسلط ہونے لگیں اور اس کے باطن میں القائے شیطانی کا سرچشمہ موجیں مارنے لگا۔ مسیلمیت کی ترقی و اشاعت میں نہار (رحال بن عنفوہ) کا ہاتھ بہت کام کر رہا تھا اور اس جدید مسلک کے نشر و توزیع میں اس کی وہی حیثیت تھی، جو حکیم نور الدین صاحب بھیروی کو مرزائیت کی ترقی میں حاصل تھی۔ نہار نے مسیلمہ کی جعلی نبوت کو انجام کار اتنی بلندی پر پہنچا دیا کہ کوئی دوسرا متنبی وہاں تک نہ پہنچ سکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مسیلمہ اس کی حد سے زیادہ خاطر مدارات کرتا تھا۔

بعض لوگ مسیلمہ کو کذاب اور جھوٹا یقین کرنے کے باوجود محض قومی عصبیت کی بنا پر اس کے پیرو ہو گئے تھے۔ ایک مرتبہ طلیحہ نمری یمامہ گیا اور لوگوں سے پوچھنے لگا کہ مسیلمہ کہاں رہتا ہے؟ وہ لوگ بگڑ کر کہنے لگے---''خبردار! آئندہ سرکارِ عالم کا نام کبھی زبان پر نہ لانا بلکہ رسول اللہ کہہ کر پکارنا۔''

طلیحہ نے کہا---''میں اسے دیکھے اور اس سے کلام کئے بغیر اس کو اللہ کا رسول نہیں مان سکتا۔''

آخر مسیلمہ کے پاس گیا اور دریافت کرنے لگا کہ تم ہی مسیلمہ ہو؟

اس نے کہا---''ہاں''

پوچھا---''تمہارے پاس کون آتا ہے؟''

''کہنے لگا---''رحمان۔''

طلیحہ نے پوچھا---''روشنی کے وقت آتا ہے یا تاریکی میں؟''

کہا---''تاریکی میں۔''

طلیحہ بولا---''میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ تو جھوٹا ہے اور محمد (ﷺ) سچے ہیں۔ کیونکہ ان پر انبیائے سلف کی طرح دن کی روشنی میں وحی نازل ہوتی ہے۔ تاہم میرے لئے ربیعہ کا جھوٹا نبی، قبیلہ مضر کے سچے نبی سے بہرحال زیادہ عزیز و محبوب ہے۔''

یہ طلیحہ مسیلمہ کے ساتھ جنگ عقرباء میں بحالتِ کفر ہلاک ہوا۔

تیس میں سے ایک کذاب

اس کے تھوڑے دن بعد بنو حنیفہ کا ایک اور وفد مدینہ منورہ آیا۔ یہ لوگ مسیلمہ کے اقوال کو لوگوں کے سامنے وحی آسمانی کی حیثیت سے پیش کر رہے تھے۔ جب حضرت خیر البشر ﷺ کو وفد کی اس ماؤف ذہنیت کا حال معلوم ہوا اور آپ نے یہ بھی سنا کہ بنو حنیفہ نے اسلام سے منحرف ہو کر مسیلمہ کا نیا طریقہ اختیار کر لیا ہے تو حضور نے کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا، جس میں حمد و ثنائے الٰہی کے بعد فرمایا کہ مسیلمہ ان تیس مشہور کذابوں میں سے ایک کذاب ہے جو دجال اعور (کانے دجال) سے پہلے ظاہر ہونے والے ہیں۔ اس دن سے مسلمان، مسیلمہ کو ''مسیلمہ کذاب'' کے نام سے یاد کرنے لگے۔

حضرت سیّدالمرسلین کے نام مسیلمہ کا مکتوب اور اس کا جواب

کسی نے بالکل سچ کہا ہے کہ ''دروغ گو را حافظہ نباشد'' اور علم النفس کا یہ ایک مسلم اصول ہے کہ جو شخص ہمیشہ جھوٹ بولتا رہے، وہ آخرکار اپنے تئیں سچا سمجھنے لگتا ہے اور یہ بات اس کے ذہن سے اتر جاتی ہے کہ یہ محض اس کا دماغی اختراع تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اسی اصول کے ماتحت مسیلمہ بھی اپنے آپ کو رسول برحق محمد مصطفےٰ ﷺ کی نبوت میں شریک سمجھنے لگا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ اس نے کمال جسارت و بیباکی کے ساتھ فخر انبیاء ﷺ کو ایک خط لکھا، جس کے الفاظ یہ تھے۔

مِنْ مُسَیْلَمَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰی مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ. اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ قَدْ اُشْرِکْتُ مَعَکَ فِی الْاَمْرِ وَ اَنَّ لَنَا نِصْفَ الْاَرْضِ وَلِقُرَیْشٍ نِصْفَهَا وَلٰکِنَّ قُرَیْشًا قَوْمٌ یَعْتَدُوْنَ ۝

(مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کے نام۔

معلوم ہو کہ میں امرِ نبوت میں آپ کا شریک کار ہوں۔ (عرب کی) سرزمین نصف ہماری اور نصف قریش کی ہے۔لیکن قریش کی قوم زیادتی اور بے انصافی کر رہی ہے۔)

یہ خط اس نے اپنی قوم کے دو شخصوں کے ہاتھ مدینہ منورہ روانہ کیا۔ پیغمبر علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ مسیلمہ کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم بھی وہی کہتے ہیں جو ہمارے پیغمبر کا ارشاد ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا---''اگر قاصد کا قتل کرنا جائز ہوتا تو میں تم دونوں کی گردن مار دیتا۔''

اس دن سے دنیا میں یہ اصول مسلم اور زبان زدِ خاص و عام ہو گیا کہ قاصد کا قتل جائز نہیں۔

مسیلمہ کے خط کے جواب میں حضرت صادق مصدوق علیہ التحیۃ والسلام نے لکھوا بھیجا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰی مُسَیْلَمَةَ الْکَذَّابِ. سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی. اَمَّا بَعْدُ. فَاِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ. وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ.

(بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔منجانب محمد رسول اللہ بنام مسیلمہ کذاب۔ سلام اس شخص پر ہو، جو ہدایت کی پیروی کرے۔اس کے بعد معلوم ہو کہ زمین اللہ کی ہے۔ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا مالک بنا دیتا ہے اور عاقبت کی کامرانی متقیوں کے لئے ہے۔)

(ائمہ تلبیس ص ۲۷، ۲۸، ۲۹)

اس گمراہ انسان نے بعد میں بہت عروج حاصل کیا اور اس کے ہاتھوں مسلمانوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ آخر خلافت صدیقی میں طویل محاربات کے بعد واصل جہنم ہوا۔ جس کو تفصیلات جاننے کی خواہش ہو وہ ''ائمہ تلبیس'' کا مطالعہ کرے۔ ہم چونکہ وفود کے حالات

بیان کرر ہے ہیں، اس لئے اسی پر بس کرر ہے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی وفدوں کا تذکرہ بھی مکمل ہوگیا ہے، کیونکہ ہم نے نو وفدوں کے واقعات بیان کرنے کا وعدہ کیا تھا اور اللہ کے فضل سے یہ تعداد پوری ہوگئی ہے۔

وصال ، بربِ ذوالجلال

قارئین کرام! اب ہم جانِ دو عالم ﷺ کی وفات حسرت آیات اور انتقال پر ملال کا بیان کرنے لگے ہیں۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس پل صراط کو بطریق احسن عبور کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ جس نے بھی اس دنیا میں آنا ہے، اس نے ایک مقرر وقت گزار کر دوبارہ اپنے رب کی طرف جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۖ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ○

(ہر ذی روح نے موت کو چکھنا ہے۔ پھر تم نے ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے۔)

اس قانون میں کوئی استثناء نہیں ہے۔ علماء صلحاء اولیاء، شہداء حتیٰ کہ انبیاء بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ سب پر موت نے بہر حال وارد ہونا ہے اور سب نے اس کا ذائقہ بہر صورت چکھنا ہے؛ البتہ انبیاء کی موت اور دوسروں کی موت میں یہ واضح اور نمایاں فرق ہے کہ انبیاء دنیا سے رخصت ہوجانے کے بعد بھی زندہ ہوتے ہیں اور ان کی یہ حیات اتنی کامل و مکمل ہوتی ہے کہ نہ ان کا ترکہ تقسیم ہوتا ہے، نہ ہی ان کی ازواجِ مطہرات سے نکاح جائز ہوتا ہے۔ اس حقیقت کو مولانا احمد رضا خان بریلویؒ نے اپنی ایک نظم میں بہت خوبصورت انداز سے واضح کیا ہے۔ فرماتے ہیں

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے ‎ ‎ مگر ایسی کہ فقط آنی (۱) ہے

---

(۱) پہلے مصرع میں ''آنی'' کا مطلب یہ ہے کہ آنے والی ہے اور دوسرے مصرع میں ''آنی'' ''آن'' کی طرف منسوب ہے۔ یعنی لمحاتی ہے۔ (راقم)

پھر اسی آن کے بعد ان کی حیات | مثلِ سابق وہی جسمانی ہے
روح تو سب کی ہے زندہ ، اُنکا | جسمِ پُر نور بھی روحانی ہے
اوروں کی روح ہو کتنی ہی لطیف | ان کے اجسام کی کب ثانی ہے
پاؤں جس خاک پہ رکھ دیں وہ ہی | پاک ہے ، روح ہے ، نورانی ہے
اُس کی ازواج کو جائز ہے نکاح | اُس کا ترکہ بٹے جو فانی ہے
یہ تو ہیں حیِ ابدی ، انکو رضا | صدقِ وعدہ کی قضا آنی ہے

غرضیکہ موت کے بعد انبیاء کی حیات تو اہل حق کے ہاں قطعی طور پر مسلم ہے، لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ موت نے ان پر وارد ضرور ہوتا ہے اور صدقِ وعدہ کی قضا بہر حال آنی ہے۔

جانِ دو عالم ﷺ چونکہ سیدالانبیاء اور محبوب خدا ہیں، اس لئے آپ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ یہ لمحاتی موت بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کی منشاء ورضا کے بغیر آپ پر مسلط نہیں کی؛ بلکہ آپ کو اختیار دیا کہ چاہیں تو دنیا میں رہیں، چاہیں تو میرے پاس چلے آئیں۔حتی کہ عین وفات کے وقت جب ملک الموت قبضِ روح کے لئے حاضر ہوا، تو اس نے بھی عرض کی کہ مجھے آپ کی مکمل اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔اگر اجازت ہو تو روح مبارک قبض کرلوں، ورنہ واپس چلا جاؤں۔

اگر آپ چاہتے تو ملک الموت کو واپس بھیج دیتے اور قیامت تک دنیا ہی میں رہتے مگر آپ نے اپنے رب سے ملاقات ووصال کو ترجیح دی اور صحابہ کرام کو سوگوار چھوڑ کر عازمِ خلد بریں ہوگئے۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمْ.

صورتے آمد زبے صورت برون
بازشد ، اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

اسی طرح اگر آپ چاہتے تو آخر تک صحتمند رہتے اور کسی قسم کی بیماری آپ کو لاحق نہ ہوتی۔مگر آپ نے اسی انداز میں دنیا سے جانا پسند کیا، جیسے ایک متقی و پرہیز گار انسان دنیا سے رخصت ہوتا ہے تاکہ امت کے لئے آپ کی زندگی کے یہ لمحات اسوہ اور نمونہ بن جائیں

اور ہر امتی جان لے کہ آخری بیماری کی تکالیف و شدائد کا کس طرح سامنا کرنا ہے اور کیونکر سرخرو ہو کر بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہونا ہے۔

جب میں جانِ دو عالم ﷺ کے آخری مرض اور وفات پر تحقیق کر رہا تھا تو جناب عبدالرزاق ملیح آبادی کا ایک رسالہ ہاتھ لگا، جس کا نام ہے "رحلتِ مصطفیٰ"۔ یہ رسالہ صرف اسی موضوع پر لکھا گیا ہے اور مصنف نے جس محنت اور عرق ریزی سے تمام متعلقہ روایات کو بیسیوں کتب تفسیر و احادیث سے چن چن کر جمع کیا ہے، اس کی کوئی مثال کم از کم میرے علم میں نہیں ہے۔ پھر انداز بیان اتنا مربوط و رواں ہے کہ کہیں بوجھ اور ثقل کا احساس نہیں ہوتا۔ اس لئے مناسب یہی معلوم ہوا کہ اس موقع پر "رحلتِ مصطفیٰ" کی تلخیص پیش کر دی جائے۔ حسب ضرورت بعض عنوانات تبدیل کر دیئے ہیں۔ کچھ تعبیرات مقامِ ادب سے مناسبت نہیں رکھتی تھیں، ان میں مناسب رد و بدل کر دیا ہے۔ چند روایات کا سمجھنا طویل تشریحات و توجیہات کا محتاج تھا، ان کو کلی یا جزئی طور پر حذف کر دیا ہے۔ کہیں کہیں تشریح و توضیح اور حک و اضافہ بھی کیا ہے اور یوں اتنا جامع اور مکمل مضمون تیار ہو گیا ہے کہ قارئین کو اس موضوع پر اتنی وافر معلومات کسی بھی قدیم یا جدید کتاب میں یکجا نہیں ملیں گی۔

فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِکَ.

جناب عبدالرزاق ملیح آبادی لکھتے ہیں:-

پورے ۲۳ برس کی وحی و نبوت کے بعد بالآخر دینِ الٰہی کامل ہو گیا، حق درخشندہ آفتاب کی طرح روشن ہو گیا، توحید اٹل بنیادوں پر استوار ہو گئی، جامۂ کفر و شرک تار تار ہو گیا، تمام پاک مسرتوں کا راستہ کھل گیا اور عقلِ انسانی تمام پرانی بندشوں سے چھوٹ کر آزاد ہو گئی۔ اب نبوت کا مشن پورا ہو چکا تھا، نبی کی زندگی کا مقصد حاصل ہو چکا تھا اور وقت آ گیا تھا کہ اللہ کا حبیب دارِ فانی سے کوچ کرے اور روحِ اطہر ۶۳ سال مادی عناصر میں محصور رہنے کے بعد اپنے نورانی منبع و مستقر کی طرف واپس جائے۔

پاک روحیں شفاف آئینہ ہیں۔ جس طرح آئینہ کی سطح پر محسوسات منعکس ہوتی ہیں اسی طرح پاک روحوں پر کبھی غیر مرئیات اور عالم بالا کے حوادث و احوال کا پرتو پڑتا ہے اور

وہ عالم مادہ میں ان کے مجسم و متشکل ہونے سے پہلے ہی محسوس کر لیتی ہیں کہ کیا ہونے والا ہے۔ پیغمبرِ خدا کی روح مجلّٰی و مصفّٰی کا کیا کہنا؟ مرض الموت ابھی شروع بھی نہیں ہوا تھا کہ وہاں معلوم ہو گیا کہ چل چلاؤ قریب ہے۔ چنانچہ روح مبارک، جوارِ خداوندی میں پہنچنے کے لئے غیر معمولی طور پر مضطرب تھی۔ ہر لحظہ اسی کا خیال تھا اور ہر لمحہ اسی کا اشتیاق تھا۔ زندگی کے جتنے بھی مرحلے طے کئے تھے، سب اسی منزل پر شادکام پہنچنے کے لئے طے کئے تھے۔ اسی کی دھن میں دنیا کی مسرتوں سے بیزار رہے تھے۔ اسی کی طلب میں دل و دماغ و جسم قربان کئے ہوئے تھے۔ اب جوں جوں اس سے نزدیکی ہوتی جاتی تھی، آتشِ شوق بھی تیز ہوتی جاتی تھی۔ نسک و عبادت بڑھتی جاتی تھی۔ حتی کہ آخری دنوں میں ریاضت تمام پچھلے زمانوں سے زیادہ تیز ہو گئی تھی اور جسم مبارک اس قدر رختہ، لاغر اور پژمردہ ہو گیا تھا کہ ''شنِ بالی''(۱) (پرانی مشک) کی طرح سوکھ کر رہ گیا تھا۔ ہر سال رمضان المبارک کا آخری عشرہ اعتکاف کے لئے مخصوص تھا، مگر اس سال بیس دن معتکف رہے۔(۲)

شدید عبادتوں اور ریاضتوں کے پہلو بہ پہلو نہایت اولوالعزمی کے ساتھ دنیاوی الجھنیں سلجھانے، مشکلیں حل کرنے اور امت کی ترقی و سعادت کی راہیں ہموار کرنے میں بھی لگے ہوئے تھے۔ موت کی دہشت سے روپوش نہیں ہو گئے تھے۔ دنیا سے ڈر کر کوہ و بیابان میں جا نہیں بیٹھے تھے --- اور ایسا کرتے بھی کیوں؟ جب کہ دنیا کے سب کام خدا ہی کے لئے کرتے تھے۔ حتی کہ کھانا، پینا، سونا، جاگنا، اٹھنا، بیٹھنا سب کچھ اسی لئے تھا کہ اس آقا کی خوشنودی حاصل ہو اور اسی کا بول بالا رہے۔ یہی سبق اپنی زندگی سے بھی امت کو دیا تھا اور یہی سبق اپنی وفات سے بھی دے گئے۔

حجۃ الوداع

عمر کے آخری سال اور وفات سے کل نوے [۹۰] روز پہلے حج کا موسم پیش آیا۔ اس تقریب میں مسلمانوں کا سب سے بڑا اجتماع ہوتا ہے۔ امت کو فلاح دارین کا سبق از سر

---

(۱) المواھب وابن رجب فی اللطائف. (۲) بخاری.

نو دینے کے لئے یہ بہترین موقع تھا۔ اب تک خود بھی حج نہیں کیا تھا اور یہ اہم فریضۂ دینی باقی رہا جاتا تھا۔ چنانچہ اپنے سفرِ حج کی منادی کر دی اور مسلمان جوق در جوق ہر طرف سے روانہ ہونے لگے، تا کہ اپنے نبی کا دیدار کریں اور خود اس کی زبان سے پیغامِ الٰہی سنیں۔

یہ حج درحقیقت تاریخِ اسلام کا ایک اہم ترین واقعہ ہے اور صحیح معنوں میں ''حجِ اکبر(۱)'' ہے۔ اس میں آپ نے جو خطبہ دیا، وہ اصولِ دین کا لب لباب، دین و دنیا کی سعادت کا دستور العمل، قومی زندگی کے قوانین کا مجموعہ، شخصی زندگی کا ضابطہ، محاسنِ اخلاق کا گنجینہ، کتاب و سنت کا خلاصہ، تمام آسمانی شریعتوں کا نچوڑ ہے اور اس لائق ہے کہ ہر کلمہ گو بلکہ ہر نیکوکار انسان اس پر غائر نظر ڈالے اور اس سے اپنی زندگی میں شمعِ ہدایت کا کام لے۔

(خطبۂ حج کی بیشتر تفصیلات حجۃ الوداع میں گزر چکی ہیں۔) (راقم)

اس یادگار خطبے اور مناسکِ حج سے فارغ ہو کر مدینہ کو واپس ہوئے۔ مکہ جاتے ہوئے ممکن ہے موت کی نزدیکی میں کچھ شک ہو، مگر اب لوٹتے ہوئے یقین تھا، کیونکہ آیت ''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا'' (۲) عرفہ میں نازل ہو چکی تھی۔ (۳) جس میں تکمیلِ دین اور اتمامِ نعمت کی صاف خبر موجود تھی۔ پھر سورۂ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ یوم النحر (دسویں ذوالحجہ) منیٰ میں نازل ہوئی تھی اور وہ آپ کی وفات قریب ہونے پر قطعی دلیل تھی۔ چنانچہ راستہ میں خم نام مقام میں صحابہ کو پھر

---

(۱) اس حج کو ''حجۃ الوداع'' کہتے ہیں، کیونکہ اس میں آپ مسلمانوں سے رخصت ہوئے تھے۔ (بخاری، زاد المعاد) معلوم ہوتا ہے اس حج سے بہت پہلے ''حجۃ الوداع'' کا صحابہ میں چرچا تھا اور وہ اس کا مطلب نہیں سمجھتے تھے۔ جیسا کہ عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ ہم میں حجۃ الوداع کا چرچا ہوا کرتا تھا۔ حالانکہ نبی ﷺ ہمارے اندر زندہ موجود تھے اور ہم حجۃ الوداع کا مطلب نہ سمجھتے تھے (یہاں تک کہ وہ واقع ہوا اور آپ رخصت ہو گئے۔)

(۲) آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا۔ اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے اسلام ہی کو دین پسند کر لیا۔ (۳) بخاری حجۃ الوداع۔

جمع کیا اوران کے سامنے تقریر کی

''اے لوگو! میں بھی تمہارے ہی جیسا ایک انسان ہوں۔ قریب ہے میرے رب کا قاصد آئے اور میں داعی اجل کو لبیک کہوں۔ میں تم میں دو چیزیں (ثقلین) چھوڑے جا رہا ہوں کتاب اللہ اور اپنی عترت (اہل بیت) کتاب اللہ ایک رسی ہے جو آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی ہے اور لطیف وخبیر نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے کبھی جدا نہ ہوں گے، یہاں تک حوض پر میرے پاس آ جائیں۔ اب تم دیکھو کہ میرے بعد ان سے کیا سلوک کرو گے؟''

آخری فوج کشی

حج ختم کر کے آپ صحیح وسالم مدینہ پہنچ گئے اور حسب معمول وعظ وارشاد اور نسک و تعبد میں مصروف رہے۔ مرض الموت کے آغاز تک کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا؛ البتہ بیماری سے صرف دو دن پہلے مسلمانوں کو بلقاء پر حملے کے لئے تیاری کا حکم دیا۔ اب سے پہلے غزوۂ موتہ کے سلسلہ میں آپ کے چچیرے بھائی جعفرؓ ابن ابی طالب اور منہ بولے بیٹے زیدؓ بن حارثہ شہید ہو چکے تھے۔ چنانچہ اس نئی مہم کے لئے انہی زید کے بیٹے اسامہؓ کو منتخب فرمایا اور اس فوج کا سپہ سالار مقرر کیا۔ یہ فوج تیار ہو کر مدینہ سے باہر نکلی مگر چونکہ آپ کی علالت فوراً شروع ہو گئی تھی، اس لئے آگے بڑھنے سے رک گئی اور مدینہ کے باہر پڑاؤ ڈالے پڑی رہی، جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔

آخر عمر میں بیماریوں کی کثرت

مرض کی تفصیلات بیان کرنے سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ عمر کے آخری برسوں میں بمقتضائے بشریت، پیری کے بعض عوارض وحالات جسم اطہر پر طاری ہونا شروع ہو گئے تھے۔ چنانچہ فربہی زیادہ ہو گئی تھی۔ عام کمزوری بھی محسوس ہونے لگی تھی اور نفل نمازیں عموماً بیٹھ کر پڑھنے لگے تھے۔ یہی نہیں بلکہ طبیعت بھی اکثر ناساز ہو جایا کرتی تھی۔ جیسا کہ عروہ ابن زبیر کی حدیث میں ہے کہ میں نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے کہا ''میں آپ کی سمجھ کی تیزی سے متعجب نہیں ہوں، کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی بی بی اور ابوبکر کی بیٹی کو ایسا ہی ہونا

چاہئے۔ شعراور تاریخ عرب میں آپ کی علمیت پر حیران نہیں ہوں۔ کہتا ہوں کہ ابوبکر کی بیٹی ہیں، جو اس علم کے سب سے بڑے عالم تھے؛ البتہ جس بات پر مجھے نہایت حیرت ہے، وہ علم طب میں آپ کی مہارت ہے۔ سوچتا ہوں کہ یہ علم آپ کو کیونکر اور کہاں سے حاصل ہوُا!

عروہ کہتے ہیں کہ یہ سن کر ام المؤمنین نے میرے شانہ پر ہاتھ مارا اور پیار سے فرمانے لگیں

''میرے عروہ! سن، رسول اللہ ﷺ آخر عمر میں بیمار ہو جایا کرتے تھے۔ اس دوران عرب کے ہر حصہ سے آپ کی خدمت میں وفد حاضر ہوتے اور طرح طرح کے نسخے بتاتے تھے۔ میں ان نسخوں سے آپ کا علاج کیا کرتی تھی۔ اسی سے مجھے علم طب میں دخل ہو گیا۔''(۱)

حضرت عباسؓ کا خواب

مرض سے پہلے جس طرح خود رسول اللہ ﷺ کو اپنی وفات کا علم ہو گیا تھا، اسی طرح بعض صحابہ کو بھی خوابوں کے ذریعے پتہ چل گیا تھا۔ چنانچہ آپ کے چچا حضرت عباسؓ کہتے ہیں

''میں نے ایک رات خواب دیکھا کہ زمین مضبوط رسوں سے بندھی آسمان کی طرف کھچی چلی جا رہی ہے۔ میں نے یہ خواب آنحضرت ﷺ سے بیان کیا تو فرمایا

''یہ آپ کے بھتیجے کی موت ہے۔''(۲)

حضرت عائشہؓ کا خواب

اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بھی ایک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر گو اس وقت ان کی سمجھ میں نہیں آئی، مگر اس کا تعلق آپ کی وفات سے تھا۔ فرماتی ہیں

''میں نے دیکھا کہ میرے حجرہ میں تین چاند اُتر آئے ہیں۔ میں فوراً اپنے والد ابوبکر کے پاس گئی اور خواب بیان کیا۔ کہنے لگے ''تم اس کی کیا تعبیر کرتی ہو؟'' میں نے کہا ''میرے خیال میں رسول اللہ سے اولاد ہو گی۔'' اس پر آپ چپ ہو گئے۔ یہاں تک کہ نبی ﷺ کا وصال ہوُا تو فرمانے لگے ''یہ تیرا سب سے اچھا چاند تھا۔''(۳)

---

(۱) مسند عائشہ. (۲) خصائص. (۳) ابن سعد.

پھر خود حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ دفن ہوئے اس طرح اسلام کے تین چاند عائشہؓ کے حجرہ میں اتر کر ہمیشہ کے لئے تاباں ہو گئے اور ان کے خواب کی تعبیر پوری ہوئی۔

صحابہ کا خیال

عام طور پر صحابہ فرطِ محبت وعقیدت کی وجہ سے آپ کی وفات کا وہم بھی دل میں لانا نہیں چاہتے تھے۔ یہ خیال ان سے بہت دور تھا کہ سرورِ دو جہاں ﷺ بھی اور سب آدمیوں کی طرح وفات پا جائیں گے۔ عام طور پر یہ خیال تھا کہ اگر آپ فوت بھی ہوں گے، تو سب سے آخر میں۔ لیکن خود آپ اس غلط اور متوہمانہ خیال کی ہمیشہ تردید کرتے رہتے تھے۔

چنانچہ جب آپ کو پہلی مرتبہ لوگوں کے اس خیال کا حال معلوم ہوا تو صحابہ میں خطبہ دیا

''تم خیال کرتے ہو کہ میں تم سب کے بعد کوچ کروں گا، حالانکہ میں تم سے پہلے جانے والا ہوں۔ تم میرے بعد گروہ در گروہ ایک دوسرے کے پیچھے چلے آؤ گے۔''(۱)

حضرت فاطمہؓ سے راز کی باتیں

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ آپ کو اپنی وفات کی نزدیکی کا علم پہلے سے ہو گیا تھا۔ علاوہ روحانی احساس کے عمر کے آخری سال میں دو باتیں ایسی ہوئی تھیں جن سے آپ کو پورا یقین ہو گیا تھا۔ ایک یہ کہ ہر سال مقرب فرشتہ روح الامین (جبریل) آپ کے ساتھ قرآن کا ایک دور کرتا تھا، لیکن اس سال خلافِ معمول دو دور کیے۔

چنانچہ حضرت عائشہؓ کی مشہور حدیث میں ہے کہ فاطمہ گھر میں اس طرح چل کر آئیں گویا خود رسول اللہ چلے آرہے ہیں۔ آپ نے دیکھا تو خوش ہو کر بولے ''بیٹی! مرحبا!'' پھر اپنے دائیں یا بائیں پہلو میں انہیں بٹھایا۔ وہ آپ پر جھک پڑیں اور بوسے لینے لگیں۔(۲) آپ نے ان کے کان میں کچھ فرمایا تو وہ رونے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد آپ نے پھر ان کے کان میں کچھ کہا تو وہ ہنسنے لگیں! یہ تماشہ دیکھ کر میں نے جی میں کہا، آج کی طرح میں نے رنج اور خوشی اتنی نزدیک نہیں دیکھی۔ میں تو اس عورت کو (فاطمہ کو) سب سے

---

(۱) احمد و الطبرانی، بسند صحیح.

(۲) ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن حبان، حاکم.

زیادہ عاقل عورت سمجھتی تھی، مگر معلوم ہوا کہ وہ بھی ایک عورت ہی ہے۔(۱)

پھر میں نے فاطمہ سے یہ معما دریافت کیا تو کہنے لگیں ''میں ایسی کب ہوں کہ رسول اللہ کا راز فاش کر دوں گی؟''

چنانچہ انہوں نے کچھ نہ بتایا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا۔ میں نے ان سے پھر پوچھا تو کہنے لگیں ''رسول اللہ نے پہلی دفعہ میرے کان میں یہ کہا تھا کہ جبریل ہر سال میرے ساتھ قرآن کا ایک دور کرتے تھے، مگر اس سال دو دور کئے۔ اس سے میں سمجھتا ہوں کہ میرا وقت قریب آ پہنچا ہے۔ بیٹی! مسلمانوں میں کسی عورت کی مصیبت تجھ سے بڑھ کر نہیں ہوگی۔ لہٰذا ایسا نہ ہو کہ تو ان میں سب سے کم صابر عورت ثابت ہو۔''(۲) یہ سن کر میں رونے لگی۔ آپ نے پھر کان میں فرمایا۔ ''کیوں روتی ہے؟ کیا تجھے پسند نہیں کہ میرے خاندان میں سب سے پہلے تو ہی مجھ سے آ کر ملے، جنت کی عورتوں کی سردار ہو اور میں تیرے لئے بہترین پیش خیمہ بنوں۔'' یہ سن کر میں ہنسنے لگی۔''(۳)

سورہ نصر کا نزول

دوسری بات جس سے آپ کو یقین ہوا، وہ (جیسا کہ اوپر مذکور ہوا) سورۂ اذا جاء نصر اللہ کا نزول تھا۔ جب یہ سورہ نازل ہوئی تو آپ نے صحابہ کے سامنے تلاوت کی اور فرمایا ''لو، اللہ کی فتح و نصرت آ گئی۔'' پھر فرمایا ''مجھے میری موت کی خبر مل گئی ہے۔ شاید اسی سال رخصت ہو جاؤں گا۔''(۴)

اس کے بعد آپ کا دستور ہو گیا کہ ہر نماز (۵) کے بعد بلکہ اٹھتے بیٹھتے، آتے

---

(۱) المواھب۔ (۲) طبرانی، بیہقی، خصائص۔ (۳) بعض روایتوں میں یہ واقعہ دورانِ مرض کا بیان کیا گیا ہے۔ اس حدیث کے آخری الفاظ۔ مختلف طریقوں سے مروی ہیں۔ ہم نے جن حدیثوں پر اعتماد کیا ہے وہ بخاری (علامات النبوہ) مشکوٰۃ اور ابن ماجہ (مرض رسول اللہ) میں موجود ہیں۔(۴) تفسیر طبری۔(۵) مسند عائشہ و فی البخاری مافی معناہ۔

جاتے، (۱) یہ دعا کیا کرتے تھے۔ ''سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ وَاَسْتَغْفِرُاللّٰہَ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔ '' (۲) اور کبھی یوں فرماتے ''سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّاب، اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ. سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ. ''(۳)

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک دن میں نے عرض کی

''یارسول اللہ! میں یہ کیا دیکھتی ہوں کہ اب آپ ایسی دعا مانگتے ہیں جو پہلے کبھی نہیں مانگتے تھے؟''

فرمایا۔۔۔''میرے رب نے مجھے خبر دی تھی کہ میں اپنی امت میں ایک علامت دیکھوں گا اور حکم دیا تھا کہ جب وہ علامت دیکھوں تو اس کی حمد وستائش اور تسبیح کروں اور اس سے مغفرت چاہوں۔ اب میں نے وہ علامت دیکھ لی ہے۔

﴿ اِذَاجَآءَ نَصْرُاللّٰہِ وَالْفَتْحُ۝ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ۝ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا۝ ''﴾(۴)

یہی نہیں؛ بلکہ اس سورہ کے نزول کے بعد آپ نے تمام زمانوں سے زیادہ عبادت شروع کردی تھی اور ہروقت امرِ آخرت پیشِ نظر رہنے لگا تھا۔(۵)

بیمار ہونے سے پہلے ہی آپ کی یہ کوشش تھی کہ صحابہ کے ذہن میں اپنی وفات کا خیال پیدا کردیں، تاکہ جب یہ واقعہ پیش آئے تو خالی الذہن ہونے کی وجہ سے ان میں کوئی تشویش اور بے اعتدالی پیدا نہ ہو۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کا حال ہوا تھا اور جیسا کہ بعد میں خود صحابہ کو پیش آتے آتے رہ گیا۔

وعظ جس سے دل کانپ گئے

چنانچہ بیماری سے پہلے ایک نہایت ہی مؤثر خطبہ ارشاد فرمایا۔ عرباضؓ بن ساریہ

(۱) تفسیر طبری۔(۲) ابن سعد (۳) مسند ابن مسعود (۴) مسند عائشہ

(۵) طبرانی، مواھب۔

راوی ہیں کہ اس وعظ پر آنکھوں نے آنسو بہائے اور دل خوف سے کانپ گئے۔ ہم نے عرض کی---''یارسول اللہ! یہ نصیحت تو ایسی ہے جیسی رخصت کے وقت کی جاتی ہے۔ فرمایئے، ہمیں کیا وصیت کرتے ہیں؟''

آپ نے اس کی تردید نہیں کی؛ بلکہ ارشاد فرمایا---''میں تمہیں ایک ایسے صاف راستہ پر چھوڑے جارہا ہوں جس کی رات بھی ویسی ہی روشن ہے، جیسا اس کا دن۔ میرے بعد اس راہ سے وہی بھٹکے گا جو لامحالہ ہلاک ہونے والا ہے۔ تم میں سے جو جیئیں گے، وہ عنقریب بہت اختلاف دیکھیں گے۔ ایسی حالت میں تم اپنی جانی بوجھی میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہنا۔ تم پر سمع و طاعت واجب ہے اگرچہ حاکم ایک حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ اسے دانتوں سے مضبوطی کے ساتھ پکڑو، کیونکہ مومن نرم ناک والے اونٹ کی طرح ہے، جدھر چلایا جاتا ہے، چلا جاتا ہے۔''(۱)

معاذ بن جبلؓ سے رخصتی

بیماری سے پہلے بھی کبھی کبھی صحابہ کو یہ پیش آنے والا معاملہ یاد دلایا کرتے تھے۔ چنانچہ جب معاذؓ بن جبل کو یمن بھیجنے لگے تو انہیں بھی اشارۃً اپنی وفات کی خبر دے دی۔ حدیث میں ہے کہ معاذؓ کی مشایعت کو آپ نکلے۔ وہ گھوڑے پر سوار تھے اور آپ سواری کے ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ انہیں رخصت کرتے وقت فرمایا

''میں تمہیں ایسے لوگوں کی طرف بھیج رہا ہوں جن کے دل نرم ہیں اور وہ حق پر سرفروشی کے لئے کمربستہ ہیں۔ لہٰذا ان میں سے جو تیری اطاعت کریں، انہیں لے کر نافرمانوں سے لڑنا۔ اسلام اس تیزی سے پھیلے گا کہ اس میں داخل ہونے کے لئے عورت اپنے شوہر پر پیش قدمی کرے گی، بیٹا باپ سے آگے نکلنا چاہے گا اور بھائی بھائی پر سبقت لے جانے کی کوشش کرے گا۔''

اس کے بعد فرمایا---''معاذ! شاید اس سال کے بعد تو مجھے نہ پائے گا۔ جب تُو

---

(۱) مسند عرباض بن ساریہ.

لوٹے گا تو شاید میری اس مسجد اور قبر کو دیکھے گا۔"

اس پر معاذ، رسول اللہ ﷺ کی جدائی کے غم میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

آپ نے رونے سے منع کیا

"رو نہیں معاذ! رونا شیطان کی طرف سے ہے۔"

پھر مدینہ کی سمت مڑ کر دیکھا اور فرمایا---"مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ ہوں گے جو پرہیزگار ہیں۔کوئی بھی ہوں، کہیں بھی ہوں۔"(۱)

محمد نبی اُمّی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ سَلَّمۡ

بیماری سے کچھ پہلے ایک دن باہر تشریف لائے اور خطبہ دیا، گویا رخصت ہو رہے ہیں۔فرمایا---"میں محمد، نبی امی ہوں۔ میں محمد نبی امی ہوں۔ میں محمد نبی امی ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ مجھے فواتح الکلم، جوامع الکلم اور خواتم الکلم عطا کر دیئے گئے اور بتایا گیا کہ دوزخ کے کتنے نگہبان ہیں اور عرش کے اٹھانے والے کتنے ہیں۔ مجھے خیریت دی گئی، میری امت کو خیریت دی گئی۔ جب تک میں تم میں ہوں میری سنو اور اطاعت کرو۔ جب بلا لیا جاؤں تو کتاب اللہ کو مضبوطی سے پکڑو۔ جو اس نے حلال رکھا ہے، اسے حلال سمجھو اور جسے حرام بتایا ہے، اسے حرام جانو۔"

مرض کا آغاز

یوم سہ شنبہ ۲۸ ر ماہ صفر ۱۱ ہجری کو رات تک کوئی شکایت نہ تھی۔ آپ حضرت عائشہؓ کے گھر میں تھے۔ وہ کہتی ہیں

"لیٹے لیٹے آدھی رات کو آپ اچانک تیزی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں نے کہا "میرے ماں باپ قربان! کہاں؟" فرمایا---"مجھے حکم ملا ہے کہ بقیع کے مردوں کے لئے مغفرت کی دعا کروں۔" پھر اپنے خادم ابو مویہبہ کو یاد فرمایا اور کہا---"مجھے بقیع کے مردوں کے لئے دعا کرنے کا حکم ہوا ہے۔ سواری تیار کر اور میرے ساتھ چل۔"

---

(۱) مسند معاذ (روایات عدیدہ) (۲) مسند عبداللہ بن عمرو بن العاص

ابو مویہبہؓ کہتے ہیں، میں نے سواری تیار کر دی اور ہمرکاب روانہ ہوا۔ قبرستان پہنچ کر سواری سے اتر پڑے۔ میں نے لگام پکڑ لی اور آپ نے قبروں کے سامنے کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ اٹھا دیئے اور فرمانے لگے

''اے قبروں کے بسنے والو! تم پر سلام۔ تمہیں اپنی حالت مبارک! کاش تم جانتے کہ خدا نے تمہیں کن کن آفتوں سے نجات دی ہے۔ اندھیری رات کی تاریکیوں جیسے فتنے آ پہنچے۔ ایک کے پیچھے ایک چلا آ رہا ہے۔ ہر دوسرا پہلے سے بدتر ہے۔''

پھر میری جانب مڑے اور فرمایا ''سن! مجھے دنیا جہان کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئیں اور ہمیشہ کی زندگی بخشی گئی۔ پھر جنت لائی گئی اور اختیار دیا گیا کہ چاہوں تو دنیا اور اس کی نعمتیں لوں یا لقاءالٰہی اور جنت قبول کروں۔''

ابو مویہبہؓ کہتے ہیں، میں نے عرض کی---''میرے ماں باپ نثار! آپ دنیا کے خزانے اور اس کی دائمی زندگی بھی لیں اور جنت بھی نہ چھوڑیں۔''

یہ سن کر فرمانے لگے ''ابو مویہبہ! نہیں، میں نے جوارِ خداوندی اور جنت پسند کر لی ہے۔'' پھر مردوں کے لئے دعائے مغفرت کی اور واپس ہوئے۔ اسی کے بعد صبح سے بیماری شروع ہوئی۔''(۱)

تکلیف کا اظہار

بقیع سے اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ کے گھر واپس تشریف لائے اور وہیں طبیعت ناساز ہوئی۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں

''جس دن بیماری شروع ہوئی، آپ میمونہ کے گھر میں تھے۔ صاحب فراش ہونے سے پہلے دو تین مرتبہ میرے دروازے پر سے آئے گئے، مگر مجھ سے کچھ بولے نہیں۔ حالانکہ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب میرے دروازے پر سے گزرتے تھے تو کچھ نہ کچھ فرماتے ضرور تھے۔ مجھے اس بات سے بہت تکلیف ہوئی اور میں نے آپ کی توجہ منعطف کرانے

---

(۱) ابن هشام و مسند ابی مویهبه و ابن سعد و دارمی باختلاف الفاظ.

کیلئے کنیز سے کہا کہ میرا گدا دروازہ پر ڈال دے۔ پھر سر پر پٹی باندھ کے گدے پر جا بیٹھی۔

اسی اثنا میں آپ پھر گزرے اور مجھے سر باندھے دیکھ کر فرمانے لگے

''عائشہ! تیرا کیا حال ہے؟'' (۱)

میں نے جواب دینے کے بجائے کہا ''ہائے میرا سر گیا۔''

اس پر آپ فرمانے لگے ''عائشہ! تیرا سر نہیں، میرا سر گیا۔''

یہ پہلا موقع تھا کہ آپ نے تکلیف کا اظہار کیا، ورنہ عادت تھی کہ کبھی کسی بیماری کی شکایت نہیں کرتے تھے۔

نیز فرمایا---''میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ تیرے باپ (ابوبکر) اور اس کے بیٹے (عبدالرحمٰن) کو بلاؤں اور اپنا حکم سنا دوں تا کہ طمع کرنے والوں کو طمع کا، کہنے والوں کو کہنے کا اور تمنا کرنے والوں کو تمنا کا موقع نہ ملے، مگر پھر میں نے سوچا، ہرگز نہیں۔ یہ اللہ کو منظور نہ ہوگا اور مؤمنین صادقین اسے رد کر دیں گے۔'' (۲)

یہ کہہ کر آپ میمونہ کے گھر لوٹ گئے اور بیماری نے زور پکڑا۔'' (۳)

درد سر اور بخار کی شدت

بیماری، سخت سر درد سے شروع ہوئی۔ (۴) چنانچہ دورانِ علالت، سر مبارک پر برابر پٹی باندھے رہتے تھے۔ پھر فوراً تیز بخار چڑھا۔ اس کی حدت کو کم کرنے کے لئے بار بار غسل فرماتے تھے اور پانی میں ہاتھ بھگو کر چہرہ تر کرتے تھے۔ بخار اتنا سخت تھا کہ بقول حضرت عائشہؓ---''آپ کی سانس اس قدر تیز چلتی تھی جیسے منقیٰ کھانے والا، بیج پھونک پھونک کر منہ سے پھینکتا ہے۔'' (۵)

---

(۱) مسند عائشہ. (۲) اس سے اشارہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی طرف ہے۔

(۳) یہ واقعہ ابن ہشام، ابن سعد، مسند عائشہ، مسلم، بخاری (کتاب الطب) کی متعدد روایتوں سے ماخوذ ہے۔ (۴، ۵) المواھب.

آپ کو زہر دیا گیا تھا

بیماری دراصل اس زہر کا نتیجہ تھی جو تین سال پہلے آپ کو یہودیوں نے خیبر میں دیا تھا۔ تفصیل یہ ہے کہ جب آپ فتح خیبر سے فارغ ہوئے تو مرحب کی بھتیجی زینب بنت الحارث زوجۂ سلام بن مشکم نے زہر ملا کر ایک بکری بھونی۔ بازوں اور پٹھوں میں زہر خاص طور سے زیادہ کر دیا، کیونکہ سن چکی تھی کہ آپ کو ان جگہوں کا گوشت بہت مرغوب ہے۔ نماز مغرب کے بعد آپ نے اس عورت کو اپنے پیروں کے پاس بیٹھے دیکھا۔ دریافت کرنے پر کہنے لگی

''ابوالقاسم! (رسول اللہ کی کنیت ہے) میں آپ کے لئے ہدیہ لائی ہوں، قبول کر لیجئے۔''

آپ نے بکری قبول فرمالی اور چند صحابہ کے ساتھ کھانے بیٹھ گئے۔ انہی میں ایک حضرت بشر بن البراء بن معرور بھی تھے۔

آپ نے حسب عادت بازو کاٹا اور ایک بوٹی نوچ کر چابنے لگے۔ بشر نے بھی کچھ گوشت کاٹا اور منہ میں لے لیا۔ بشر پر تو وہیں بیٹھے بیٹھے زہر کا اثر ہو گیا۔ لیکن آپ نے فوراً شانہ اقدس پر فصد کھلوائی۔ (یعنی رگ سے خون نکلوایا) اور دوسرے صحابہ کو بھی اس کا حکم دیا۔ (۱)

اس کے بعد اگرچہ آپ تین برس اور زندہ (۲) رہے، مگر زہر اندر موجود تھا اور بتدریج اپنا اثر کر رہا تھا۔ کبھی اس کا زور ہو جاتا تو آپ فصد کھلوا ڈالتے تھے (۳) اور تخفیف ہو جاتی تھی۔ حضرت انس کہتے ہیں ''جب سے آپ کو زہر دیا گیا، میں اس کا اثر آپ کے کوے اور تالو میں برابر دیکھا کرتا تھا۔'' (۴)

---

(۱) اس واقعہ کی تفصیل غزوۂ خیبر جلد دوم ص ۲۲۳ میں گزر چکی ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ زہر کی وجہ سے وفات پانے میں حکمت یہ تھی کہ آپ کو شہادت کا درجہ بھی حاصل ہو جائے۔ (راقم)

(۲) ابن سعد۔ (۳) مسند عباس۔

(۴) تالو کے آخری سرے پر لٹکنے والے مخروطی گوشت کو ''کوا'' کہا جاتا ہے۔

پس مرض الموت درحقیقت اسی زہر کا نتیجہ تھا۔ خود آپ بھی اس آخری بیماری میں حضرت عائشہؓ سے اکثر فرمایا کرتے تھے

''خیبر میں جو لقمہ میں نے کھایا تھا، اس کا فساد برابر پاتا رہا ہوں۔ یہاں تک کہ اب رشتۂ حیات (۱) کٹ جانے کا وقت آ گیا ہے۔'' (۲)

اسی طرح دورانِ مرض میں جب بشرؓ بن براء کی ماں نے عرض کی

''آپ پر میرے ماں باپ قربان! کسی بیماری کا خیال نہ کیجئے۔ اگر آپ کو کوئی بیماری ہے تو وہی لقمہ ہے جو آپ کے ساتھ کھانے والے (یعنی بشر) نے کھایا تھا۔''

آپ نے ان کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا --- ''میں بھی یہی سمجھتا ہوں، اب رشتۂ حیات منقطع ہو جانے کی گھڑی آ پہنچی ہے۔'' (۳)

ابوبکرؓ کے سوا کسی کی امامت منظور نہیں

اوپر گزر چکا ہے کہ بیماری حضرت میمونہؓ کے گھر میں شروع ہوئی۔ یہیں یہ واقعہ پیش آیا کہ نماز کا وقت آ گیا مگر آپ ضعف کی وجہ سے مسجد نہ جا سکے، مجبوراً عبداللہؓ بن زمعہ سے فرمایا --- ''لوگوں سے جا کر کہہ دو، نماز پڑھ لیں۔''

عبداللہؓ گئے مگر حضرت ابوبکرؓ ملے نہیں کیونکہ وہ سنح میں اپنی بیوی کے گھر گئے ہوئے تھے۔ اتفاق سے حضرت عمرؓ مل گئے۔ انہوں نے انہی سے نماز پڑھانے کو کہہ دیا۔ حضرت عمرؓ بلند آواز تھے، ان کی قرأت آپ کے کان تک پہنچی تو آواز پہچان کر فرمانے لگے

''نہیں نہیں۔ ابن ابی قحافہ (ابوبکر) کہاں ہے؟ کیا یہ عمر کی آواز نہیں ہے؟''

---

(۱) حدیث میں ''ابہر'' کا لفظ آیا ہے۔ لغت میں یہ ایک رگ کا نام ہے، جو پیٹھ کے اندر قلب سے جڑی ہوتی ہے۔ جب یہ کٹ جاتی ہے، تو آدمی مرجاتا ہے۔ اسی لئے ہم نے ''رشتۂ حیات'' ترجمہ کیا ہے۔

(۱) مسلم باب السم. (۲) ابن سعد، بخاری باب مرض النبی و وفاته

(۳) مسند امراة كعب بن مالک.

عرض کیا گیا ''جی ہاں، عمرؓ ہی ہیں۔''

فرمایا ''مگر اللہ اور مومنین کو منظور نہیں۔ ابوبکرؓ سے کہو نماز پڑھائے۔''

راوی کہتا ہے کہ اس پر صفیں ٹوٹ گئیں، حضرت عمرؓ امامت سے ہٹ گئے اور اس وقت تک نماز ملتوی رہی جب تک حضرت ابوبکرؓ آ نہ گئے۔ (۱)

حضرت عائشہ کی باری کا انتظار

بیماری شروع ہوتے ہی ضعف بہت بڑھ گیا تھا، مگر قدیم دستور کے مطابق ہر بی بی کے پاس باری باری سے ضرور جاتے تھے۔ جب مرض نے زیادہ زور پکڑا تو فرمانا شروع کیا

''کل کس کے پاس ہوں گا؟''

عرض کیا گیا --- ''فلاں بی بی کے ہاں۔''

فرمایا --- ''پرسوں کس کی باری ہے؟''

عرض کیا گیا --- ''فلاں بی بی کی!''

آپ کے اس طرح بار بار سوال کرنے سے حضرت فاطمہؓ سمجھ گئیں کہ آپ حضرت عائشہؓ کے پاس رہنا چاہتے ہیں، چنانچہ ازواجِ مطہرات سے کہنے لگیں

''رسول اللہ کو اب تمہارے ہاں آنے جانے سے تکلیف ہوتی ہے۔'' (۲)

اس پر ان سب نے مل کر عرض کی --- ''یارسول اللہ! آپ عائشہ ہی کے ہاں رہئے۔ ہم نے اپنی اپنی باری عائشہ کو بخش دی۔'' (۳)

یہ واقعہ دوشنبہ کے دن کا ہے۔ یعنی وفات سے ایک ہفتہ قبل اور بیماری سے چھ دن بعد کا۔ (۴)

نماز کی فکر

نماز سے آنحضرت ﷺ کو اس قدر محبت تھی کہ آخری لمحات میں بھی اسی کا اشتیاق

---

(۱) مسند عائشہ و ابن سعد بروایات عدیدہ۔ (۲) ابن سعد۔ (۳) ابن ابی شیبہ بحوالہ کنز و بخاری کتاب الجنائز باختلاف الفاظ۔ (۴) فتح الباری۔

ذہن اقدس پر حاوی تھا، حالانکہ اس وقت نقاہت کا یہ عالم تھا کہ بار بار غشی طاری ہو جاتی تھی

حضرت عائشہؓ کی ایک روایت میں ہے

"جب تمام ازواج نے میرے گھر میں تیمارداری کی اجازت دے دی تو آپ اپنے خاندان کے دو آدمیوں، عباس بن عبدالمطلب اور ایک اور شخص پر ٹیک لگائے میمونہ کے گھر سے نکلے۔ سر پر پٹی بندھی تھی اور کمزوری سے زمین پر پاؤں جھولتے تھے۔ اس حال میں میرے گھر پہنچے۔ تھوڑی دیر بعد بیماری اور بھی زیادہ سخت ہو گئی۔ یہاں تک کہ بے ہوش ہو گئے۔ افاقہ ہوا تو پوچھنے لگے---"لوگ نماز پڑھ چکے؟"

میں نے کہا---"نہیں، آپ کے منتظر ہیں۔"

فرمایا---"میرے لئے طشت میں پانی رکھ دو۔"

ہم نے رکھ دیا اور آپ نے غسل فرمایا، مگر اٹھنے لگے تو بے ہوش ہو گئے۔ افاقہ ہوا تو پھر دریافت کیا---"لوگوں نے نماز پڑھ لی؟"

میں نے کہا---"نہیں، آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

فرمایا---"تو طشت میں پانی رکھ دو۔"

ہم نے رکھ دیا۔ آپ نے غسل کیا، مگر جب اٹھنے لگے تو پھر غشی طاری ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد پھر افاقہ ہوا تو پوچھا---"نماز ہو گئی؟"

میں نے عرض کی---"نہیں، آپ کا انتظار ہے۔"

فرمایا---"تو طشت میں پانی رکھ دو۔"

ہم نے رکھ دیا اور آپ نے غسل کیا، پھر دریافت کیا "لوگ نماز پڑھ چکے؟"

ہم نے کہا---"نہیں، آپ کا راستہ دیکھ رہے ہیں۔"

حضرت ابوبکرؓ کی امامت اور آہ وبکا

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں---"واقعی لوگ مسجد میں عشاء (۱) کی نماز کے لئے

---

(۱) ابن سعد.

رسول اللہ ﷺ کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ آخری مرتبہ غسل کر کے آپ نے باہر جانے کا ارادہ ظاہر نہیں کیا؛ بلکہ فرمایا---"ابوبکر سے کہو، نماز پڑھائے۔"

اس پر میں نے عرض کی---"اے نبی اللہ! ابوبکر ایک رقیق القلب اور کمزور آواز کے آدمی ہیں۔ قرآن پڑھتے ہیں تو گریہ طاری ہو جاتا ہے۔"

مگر آپ نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی اور دوبارہ فرمایا

"ابوبکر سے کہو، نماز پڑھائے۔"

حضرت ابوبکرؓ کو فرمانِ نبوی پہنچا تو انہوں نے حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ تم نماز پڑھاؤ۔ مگر وہ راضی نہ ہوئے، کہنے لگے

"آپ ہی پڑھایئے۔ آپ اس کے زیادہ مستحق ہیں۔"(۱)

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ امامت کے لئے کھڑے ہو گئے۔ مگر جب قرأت شروع کی تو جیسا حضرت عائشہؓ کا خیال تھا، گریہ و بکا ان پر غالب آ گیا اور زار و قطار رونے لگے۔ یہی حال پیچھے مقتدیوں کا ہوا۔ سب کی ہچکی بندھ گئی، کیونکہ وہ آج محراب، کو اپنے نبی سے خالی دیکھ رہے تھے۔(۲)

اس کے بعد پھر جب نماز کا وقت آیا تو مؤذن نے حاضر ہو کر کہا

"رسول اللہ سے کہو کہ کسی اور کو نماز پڑھانے کا حکم دیں، کیونکہ گزشتہ نماز میں ابوبکر اور ان کے مقتدی گریہ و بکاء سے فتنہ میں پڑ گئے تھے۔"

حضرت حفصہؓ نے اپنی طرف سے کہہ دیا

"عمر کو نماز پڑھانے کے لئے کہہ دو۔"

چنانچہ حضرت عمرؓ کھڑے ہو گئے، مگر ان کی تکبیر بلند ہوتے ہی رسول اللہ ﷺ آواز پہچان گئے اور فرمانے لگے---"یہ میں کس کی تکبیر سن رہا ہوں؟"

ازواج مطہرات کہنے لگیں---"عمر ہیں۔ مؤذن آیا تھا۔ یہ یہ کہتا تھا۔ حفصہ

---

(۱) مسند ابن عمر. (۲) ابن سعد.

نے اس سے کہہ دیا کہ عمر امامت کریں۔“

یہ سن کر آپ بہت خفا ہوئے۔ فرمایا۔۔۔ ”تم یوسف والیاں ہو!! ابوبکر سے کہو، نماز پڑھائے۔“(۱)

طبیعت کی بحالی

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ حضرت عائشہؓ کے گھر میں صاحب فراش تھے۔ ایک دن طبع مبارک کسی قدر بحال ہوگئی اور دو آدمیوں (جن میں ایک عباسؓ تھے) پر ٹیک دیئے اس طرح برآمد ہوئے کہ پاؤں مبارک زمین پر گھسٹتے جاتے تھے۔ لوگوں نے آپ کو تشریف لاتے دیکھا تو سبحان اللہ، سبحان اللہ کہہ کر ابوبکر کو آگاہ کیا۔ ابوبکر پیچھے ہٹنے لگے، مگر آپ نے اشارہ سے ٹھہرنے کو کہا اور برابر آگے بڑھتے چلے گئے، یہاں تک کہ ان کے بائیں جانب بیٹھ گئے۔ اب آپ امام تھے، ابوبکر آپ کی اقتداء کرتے تھے اور باقی سب لوگ ابوبکر کی۔(۲)

روئے تاباں

بیماری کے اثناء میں ایک دن بلال نے آکر نماز کی اطلاع دی تو ان سے فرمایا

”ابوبکر سے نماز پڑھانے کو کہہ دو۔“

چنانچہ ابوبکرؓ امامت کر رہے تھے کہ اچانک حجرہ کا پردہ اٹھا۔ راوی کہتا ہے کہ ہم نے آپ کو دیکھا۔ آپ سیاہ چادر اوڑھے تھے اور چہرۂ مبارک یوں تاباں و درخشاں تھا۔ جیسے قرآن کا صفحہ کھلا ہو۔ حضرت ابوبکرؓ سمجھے کہ آپ برآمد ہونا چاہتے ہیں، اس لئے پیچھے ہٹنے لگے۔ مگر آپ نے اشارہ کیا کہ نماز پڑھے جاؤ۔(۳)

---

(۱) ابن سعد (یعنی جس طرح مصر کی عورتوں نے حضرت یوسفؑ کو پریشان کیا تھا، اسی طرح تم مجھے پریشان کر رہی ہو۔(داتم)(۲) مسند ابن عباس و بخاری، بمعناہ۔

(۳) ابو یعلیٰ فی مسندہٖ، ابن عساکر فی تاریخہٖ، بحوالہ کنز العمال۔

بے مثال خطبہ

اسلامی مساوات کا حال سارے جہاں پر روشن ہے۔ سب سے زیادہ عملی طور پر اسلام ہی نے یہ اصول دنیا کے سامنے پیش کیا کہ تمام انسان برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر کوئی ترجیح وامتیاز نہیں۔ خدا کی نظر میں بلاشبہ زیادہ نیک، زیادہ افضل ہے۔ لیکن قانونِ شریعت کے سامنے سب ہم رتبہ ہیں۔ نسل، رنگ، جنسیت، قومیت وغیرہ کے امتیاز بے اصل ہیں۔ شریعت الٰہی سب کو ایک نظر سے دیکھتی ہے اور سب پر یکساں حاوی ہے۔

پیغمبرِ اسلام تمام عمر اسی اصول کو پیش کرتے اور مضبوط بناتے رہے۔ اپنے لئے کوئی بھی دنیاوی امتیاز خاص نہیں کیا؛ بلکہ سب مسلمانوں سے زیادہ عسرت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اب جب پیمانۂ حیات لبریز ہو چکا تھا تو چلتے چلاتے اس زریں اصول کی ایک مرتبہ پھر نہایت مؤثر طور پر تبلیغ ضروری سمجھی۔ چنانچہ مرض کی شدت اور سخت نقاہت کے عالم میں ایک دن سر پر رومال کسے اور فضلؓ ابن عباسؓ کے ہاتھ پر ٹیک دیئے مسجد میں تشریف لائے اور مسلمانوں کو جمع کر کے حسب ذیل خطبہ دیا

''اب تم سے میری جدائی نزدیک آ پہنچی ہے۔ میں بھی ایک آدمی ہوں، جس کسی کی آبرو کو مجھ سے کچھ بھی گزند پہنچا ہو تو یہ میری آبرو موجود ہے، آئے اور بدلہ لے لے، جس کسی کے جسم کی چمڑی کو مجھ سے کچھ بھی تکلیف پہنچی ہو تو یہ میرے جسم کی چمڑی موجود ہے، آئے اور قصاص لے لے، جس کسی کے مال کو مجھ سے کچھ بھی نقصان پہنچا ہو تو یہ میرا مال موجود ہے، آئے اور اس میں سے لے لے۔ خوب اچھی طرح سمجھ لو، تم میں میرا سب سے زیادہ خیر خواہ وہی ہے، جس کا اس قسم کا کوئی حق مجھ پر ہو اور وہ مجھ سے وصول کر لے، یا معاف کر دے۔ تا کہ تمام مطالبوں سے آزاد ہو کر میں اپنے پروردگار کے حضور میں پہنچوں۔

دیکھو! کوئی یہ خیال نہ کرے کہ ---''میں رسول اللہ کے بغض وعداوت سے ڈرتا ہوں'' --- یہ دونوں باتیں نہ میری طبیعت سے ہیں، نہ میری عادت میں داخل ہیں۔ جو شخص کسی بات میں بھی اپنے نفس سے مغلوب ہو گیا ہو، وہ بھی آئے اور مجھ سے مدد مانگے، تا کہ میں اس کے حق میں دعا کر دوں۔''

یہ سن کر ایک شخص کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا ---''آپ کے پاس ایک سائل آیا تھا اور آپ نے اسے کچھ دینے کا مجھے حکم دیا تھا، میں نے اسے تین درہم دیئے تھے۔''

فرمایا---''سچ ہے، فضل، اسے دے دے۔''

پھر ایک اور شخص اٹھا ---''یارسول اللہ! میں بخیل ہوں، میں منافق ہوں، میں بزدل ہوں، میں بہت سونے والا ہوں، میں بڑا ہی جھوٹا ہوں۔ دعا کیجئے کہ مجھ سے نفاق، بخل، بزدلی، نیند اور جھوٹ دور ہو جائے۔''

آپ نے اس کے حق میں دعا شروع کی ---''اے خدا! اسے ایمان اور سچائی بخش، اس سے نیند اور بخل دور کر دے اور اس کے دل کو بہادر بنا دے۔''(۱)

پھر ایک عورت نے پکار کر کہا ---''یارسول اللہ! مجھ میں یہ یہ عیب ہیں۔'' اور اپنی زبان کی طرف اشارہ کیا ''دعا کیجئے کہ یہ سب عیب دور ہو جائیں۔''

اس سے آپ نے فرمایا ---''عائشہ کے گھر جا کر میرا انتظار کر۔''

چنانچہ جب آپ مسجد سے فارغ ہو کر حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں تشریف لے گئے تو اپنا عصا مبارک اس کے سر پر رکھا اور دعا شروع کی۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ وہ دیر تک سجدے کرتی رہی۔

آپ نے فرمایا ---''خوب دراز سجدے کر، کیونکہ بندہ اللہ سے سب سے قریب سجدہ ہی کی حالت میں ہوتا ہے۔''

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں بخدا وہ میرے پاس سے گئی بھی نہ تھی کہ رسول اللہ کی دعا کا اثر اس میں مجھے نظر آنے لگا۔ پھر تو اس کی یہ حالت ہو گئی کہ خود مجھے نصیحت کیا کرتی تھی --- ''عائشہ! اپنی نماز اچھی طرح ادا کیا کر۔''(۲)

---

(۱) حضرت فضلؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے جنگ میں دیکھا کہ اس سے زیادہ جری، اس سے زیادہ بہادر اور اس سے کم سونے والا ہماری فوج میں کوئی نہ تھا۔ (کنز العمال)

(۲) ابویعلیٰ، طبرانی بیہقی (خصائص) ابن سعد۔

انصار سے محبت

انصار سے ان کے اخلاص، محبت، پاک دلی اور فدائیت کی وجہ سے آپ کو جو محبت تھی، سب کو معلوم ہے۔ یہ محبت ہمیشہ بڑھتی ہی رہی اور آخر دم تک اس میں ذرا بھی کمی نہیں ہوئی۔

اوپر آپ دیکھ چکے ہیں کہ آغازِ مرض والے خطبہ میں مسلمانوں کو انصاریوں سے حسن سلوک کی کتنی تاکید فرمائی تھی؟ دورانِ مرض بھی بار بار ان کی محبت کا جوش اٹھتا تھا اور برابر ان کا ذکر خیر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دن سر پر رومال باندھے برآمد ہوئے تو دروازہ پر انصاری مردوں، عورتوں اور بچوں کا ہجوم دیکھا۔ یہ آپ کی بیماری سے سخت مضطرب و پریشان تھے۔ آپ ان کے معصوم مگر پژمردہ چہرے دیکھ کر بے چین ہو گئے اور بڑے جوش سے فرمانے لگے

''قسم ہے اس ذات کی، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اے انصار! میں تم سے بڑی ہی محبت کرتا ہوں۔''

پھر مسلمانوں کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا

''انصاریوں نے تو وہ سب بے باق کر دیا جو ان کے ذمہ تھا، لیکن تمہارے ذمہ ان کے تمام حقوق باقی ہیں۔ دیکھو، ان کے نیکوں سے نیکی کرنا اور بدوں (۱) سے درگزر کرنا۔

ایک اور موقع پر ایسا ہوا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما دونوں انصاریوں کی ایک بیٹھک کی طرف سے گزرے تو وہ زاروقطار رو رہے تھے۔ انہوں نے سبب پوچھا تو کہنے لگے

''ہمیں رسول اللہ کی صحبتیں یاد آتی ہیں۔''

---

(۱) حضرت مصعب بن الزبیرؓ نے ایک مرتبہ ایک انصاری عریف کی شکایت سنی اور اسے سزا دینا چاہی۔ حضرت انسؓ کو معلوم ہوا تو فوراً پہنچے اور رسول اللہ ﷺ کی انصار کے حق میں یہ وصیت سنائی۔ مصعبؓ پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ اپنے تئیں تخت سے گرا دیا اور فرش پر رخسار رکھ کر کہنے لگے ''رسول اللہ کا حکم سر آنکھوں پر۔'' پھر انصاری کو معاف کر دیا۔ (مسند انس و ابن سعد)

دونوں صحابیوں نے لوٹ کر آنحضرت کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ آپ نہایت متاثر ہوئے۔ کندھے پر چادر ڈالے، فرق مبارک پر سیاہی مائل بھوری پٹی باندھے فوراً برآمد ہو کر منبر پر بیٹھ گئے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا

''امابعد، میں تمہیں انصار سے حسنِ سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔ وہ میرا صندوق اور تھیلی تھے۔ انہوں نے وہ سب ادا کر دیا جو ان کے ذمہ تھا، لیکن تمہارے ذمہ ان کے تمام حقوق باقی ہیں۔ سب لوگ زیادہ ہو جائیں گے مگر انصار کم ہوتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ کھانے میں نمک کی طرح رہ جائیں گے۔ پس تم میں جو کوئی ایسا مرتبہ پائے جس میں کسی کو وہ نفع نقصان پہنچا سکتا ہو تو اسے چاہئے کہ انصار کے اچھوں سے اچھا سلوک کرے اور بروں کو معاف کر دے۔''

ایک اور موقع پر انصار آپ کی بڑھتی ہوئی بیماری کا حال سن کر مسجد میں جوق در جوق اکٹھے ہو گئے اور بے چینی ظاہر کرنے لگے۔ کسی نے آ کر خبر دی کہ انصار مسجد میں جمع ہیں اور رو رہے ہیں۔

فرمایا---''کیوں روتے ہیں؟''

بتایا گیا---''آپ کی وفات سے خائف ہیں۔''

اسی اثناء میں حضرت عباسؓ آ گئے اور عرض کرنے لگے۔

''مسجد میں انصار جمع ہیں۔''

پھر فضلؓ ابن عباس یہی خبر لائے۔ پھر حضرت علیؓ نے بھی آ کر یہی کہا۔ اس پر آپ بے چین ہو گئے۔ سر میں درد بہت تھا۔ نقاہت سے زمین پر پاؤں نہ ٹکتے تھے۔ مگر اٹھے اور حضرت علیؓ اور فضلؓ کے گلے میں بانہیں ڈال کر بڑی جدوجہد سے مسجد میں تشریف لے گئے۔ مسلمانوں نے اپنے نبی کو دیکھا تو دوڑ پڑے۔ آپ ﷺ نے حمد و ثنا کے بعد خطبہ دیا

---

(۱) مسند انس و ابن سعد مامعناه.

''لوگو! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے نبی کی وفات سے بہت ڈرتے ہو۔ لیکن کیا مجھ سے پہلے کوئی نبی بھی اپنی امت میں ہمیشہ زندہ موجود رہا ہے کہ میں تم میں ہمیشہ جیتا رہوں؟ لوگو، سنو، میں اپنے رب سے جلد مل جانے والا ہوں اور تم سب بھی اس کے پاس پہنچنے والے ہو۔ میں تمہیں مہاجرین اولین سے اچھے برتاؤ کی وصیت کرتا ہوں۔ خود مہاجرین کو میری وصیت یہ ہے کہ آپس میں نیک سلوک کرتے رہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿''وَالْعَصْرِo اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍo اِلَّاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْابِالصَّبْرِo''﴾(۱)

اور اے لوگو! میں تمہیں انصار سے مہربانی کی وصیت کرتا ہوں۔ یہ وہی ہیں جو تم سے پہلے ایمان لائے ہیں۔ کیا انہوں نے اپنے رزق میں تمہارا حصہ نہیں لگایا؟ کیا انہوں نے تمہیں اپنی آدھی روزی بانٹ نہیں دی؟ کیا انہوں نے اپنے گھروں میں تمہارے لئے جگہ نہیں نکالی؟ کیا انہوں نے خود تکلیف نہیں جھیلی اور اپنے اوپر تمہیں ترجیح دے کر آرام نہیں پہنچایا؟

پس سنو، جس کسی کو دو آدمیوں پر بھی حکومت کا کوئی اختیار حاصل ہو، اسے چاہئے کہ ان کے نیکوں کی نیکی قبول کرے اور ان کے بروں سے درگزر کرے۔ خبردار ان کے مقابلہ میں خود غرضی نہ کرنا۔ سنو! میں تمہارے آگے پیش خیمہ ہوں اور تم میرے پیچھے آنے والے ہو۔ تم سے ملاقات کا وعدہ حوض پر ہے۔

سنو سنو، تم میں سے جو چاہتا ہے کہ کل حوض پر مجھ سے آملے تو اسے چاہئے کہ اپنی زبان اور ہاتھ روکے اور انہی کاموں میں انہیں استعمال کرے جن میں استعمال کرنا مناسب ہے۔

اے لوگو! گناہ نعمتوں کو بدل ڈالتے ہیں اور قسمتوں کو پلٹ دیتے ہیں۔ اگر لوگ نیک رہیں گے تو اپنے حکام کو بھی نیک پائیں گے، اگر بگڑ جائیں گے تو حکام بھی ان سے

---

(۱) قسم زمانہ کی، انسان خسارہ میں ہے بجز ان کے جو ایمان لائے، نیک کام کیے اور باہم حق و صبر کی وصیت کی۔

بدی کریں گے۔"(۱)

مخصوص صحابہ کرامؓ کو وصیت

دورانِ مرض ایک دن حضرت اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں چند مخصوص صحابہ کرام کو جمع کیا اور نہایت ہی مؤثر گفتگو فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اسے یوں نقل کیا ہے

"ہمارے نبی اور حبیب نے --- میرے ماں باپ اور خود میں آپ پر قربان --- ! اپنی وفات سے ایک مہینہ پہلے ہی ہمیں ہماری ماں عائشہ کے گھر میں جمع کیا اور اپنے تئیں بہت سنبھال کے ہم سے کہا

"خوش آمدید! اللہ تمہیں سلامت رکھے، اللہ تم پر رحم کرے، اللہ تمہاری نگہبانی کرے، اللہ تمہاری درستگی کرے، اللہ تمہیں رزق دے، اللہ تمہیں بلند کرے، اللہ تمہیں نفع پہنچائے، اللہ تم سے اپنا وعدہ پورا کرے، اللہ تمہیں بچائے رکھے۔ میں تمہیں اسی ذاتِ برتر سے خوف کھانے کی وصیت کرتا ہوں، اسی کی سپردگی میں تمہیں دیتا ہوں، اسی کو تم پر اپنا قائم مقام بناتا ہوں اور اسی سے تمہیں ڈراتا ہوں۔ میں اس کی جانب سے تمہارے لئے کھلا ہوا نذیر ہوں۔ خبردار، اللہ پر اس کے نیک بندوں اور ملکوں میں سرکشی نہ کرنا، کیونکہ اس نے مجھ سے اور تم سے کہہ دیا ہے

﴿تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ نَجْعَلُھَا لِلَّذِیْنَ لَایُرِیْدُوْنَ عَلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَافَسَادًا وَّالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ٥﴾ (۲)

اور فرمایا

اَلَیْسَ فِیْ جَھَنَّمَ مَثْوًی لِّلْمُتَکَبِّرِیْنَ٥﴾ (۳)

---

(۱) المواھب.

(۲) دارِ آخرت ہم ان لوگوں کے لئے مخصوص کریں گے، جو زمین پر نہ سرکشی کرتے ہیں نہ فساد اور آخرت پرہیزگاروں ہی کے لئے ہے۔ (۳) کیا جہنم ہی میں متکبروں کا ٹھکانہ نہیں ہے؟

ہم نے عرض کی---''یارسول اللہ! آپ کی اجل کب ہے؟''

فرمایا---''تم سے جدائی اور اللہ کی طرف، جنت الماوٰی کی طرف، سدرۃ المنتہیٰ کی طرف، رفیقِ اعلیٰ کی طرف، لبریز جام کی طرف، مبارک لذت اور زندگی کی طرف واپسی قریب آ پہنچی ہے۔''(۱)

جذبۂ دل

عورتوں کے حقوق کا ہمیشہ بڑا خیال رہتا تھا۔ تمام ازواج مطہراتؓ کے ساتھ برتاؤ میں انصاف کرتے تھے۔ سب کی باری بندھی تھی۔ سب کے ہاں باقاعدہ جاتے تھے۔ تاہم جانتے تھے کہ دل میں سب کی محبت یکساں نہیں ہے۔ عائشہ کا خیال سب پر غالب ہے۔ کمال تقوٰی و محاسبۂ نفس کا یہ عالم تھا کہ اس غیر اختیاری جذبہ پر بھی ہمیشہ منفعل رہتے تھے۔ چنانچہ مرض الموت میں بھی اسے نہیں بھولے اور برابر دعا کرتے تھے

''الٰہی! جو میرے بس کی بات ہے، اسے کرتا ہوں اور جو میرے بس کی نہیں، تُو اسے معاف کرنے والا ہے۔'' یعنی دل کی محبت۔(۲)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ سے آپ کو غایت درجہ الفت تھی۔ دورانِ مرض بھی اکثر فرمایا کرتے تھے---''مجھ پر اب موت آسان ہوگئی ہے، کیونکہ میں نے جنت میں عائشہ کی گوری ہتھیلی دیکھ لی ہے۔''(۳)

نیز ایک دن فرمایا---''عائشہ! سبز مسواک لے آ، اپنے منہ سے چبا کر مجھے دے تاکہ میرا تیرا لعاب ملے اور موت کی سختیاں مجھ پر آسان ہو جائیں۔''(۴)

ابوذرؓ کو سینہ سے لگالیا

حضرت ابوذرؓ سے بڑی محبت تھی۔ مرض الموت میں ایک دن انہیں یاد فرمایا، وہ آئے تو آپ کو سوتا پایا۔ وہ اوپر جھک کر آپ کو دیکھنے لگے تو آپ نے آنکھ کھول دی اور انہیں سینہ سے لگالیا۔(۵)

(۱، ۲) ابن سعد. (۳) مسند احمد بحوالہ المواہب. (۴) المواہب

(۵) ابو یعلیٰ فی مسندہٖ (کنز)

مشہور واقعۂ قرطاس

پنجشنبہ کے دن بیماری کا زور زیادہ تھا۔ اسی شدت کے عالم میں آپ نے کاغذ دوات مانگی کہ وصیت لکھوا دیں۔ مگر صحابہ کرامؓ نے اس خیال سے کہ آپ مرض کی شدت سے متاثر ہو کر بلاقصد ایسا فرما رہے ہیں، کاغذ اور دوات پیش نہیں کی۔

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ پر اس واقعہ کا بڑا اثر تھا اور وہ اسے بڑے تأثر سے بیان کیا کرتے تھے۔

سلیمان بن ابی مسلم سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہؓ نے ایک دن مجلس میں فرمایا

''پنجشنبہ! آہ، تم کیا جانو پنجشنبہ کیا ہے؟''

یہ کہہ کر آپ رونے لگ گئے اور اس قدر روئے کہ آنسوؤں سے زمین تر ہوگئی۔

سلیمان کہتے ہیں، میں نے کہا---''یا حضرت! پنجشنبہ کا کیا معاملہ ہے؟''

کہنے لگے---''اس دن رسول اللہ پر تکلیف بہت تھی۔ اسی حالت میں آپ نے فرمایا ''کاغذ (۱) لاؤ، تاکہ میں تمہیں ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔'' اس پر صحابہ میں جھگڑا پیدا ہوا، حالانکہ نبی کے حضور میں جھگڑا روا نہیں۔ صحابہ کہنے لگے---''آپ کی یہ کیا حالت ہو رہی ہے؟ ہذیانی کیفیت تو نہیں ہے؟ اچھی طرح مطلب دریافت کرو۔''(۲)

چنانچہ آپ سے مطلب پوچھنے لگے تو فرمایا---''مجھے رہنے دو، مجھے چھوڑ دو۔ میں جس حال میں ہوں، وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو۔''

پھر تین باتوں کی وصیت کی۔

[الف] ''مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دو۔ [ب] وفد کو ویسا ہی عطیہ دو، جیسا میں خود دیتا ہوں۔''(۳)

---

(۱) حدیث میں کتف اور طبق کے لفظ آئے ہیں اس کے معنی شانہ کی ہڈی کے ہیں۔ اس زمانہ میں ہڈی پر لکھا کرتے تھے۔ (فتح الباری)

(۲) بعض روایتوں میں ہے کہ یہ الفاظ حضرت عمرؓ نے کہے تھے۔

(۳) معلوم ہوتا ہے کوئی وفد آپ کی خدمت میں آیا ہوا تھا، جسے کچھ عطیہ دینا تھا۔

راوی کہتا ہے تیسری بات حضرت ابن عباسؓ نے نہیں بتائی یا بتائی اور میں بھول گیا۔'' (۱)

دوسری روایت میں ہے کہ جب آپ نے تحریر لکھنے کے لئے فرمایا تو بعض صحابہ نے کہا---''رسول اللہ ﷺ پر بیماری کا غلبہ ہوگیا ہے۔ ہمارے پاس کتاب اللہ موجود ہے اور کتاب اللہ ہی ہمارے لئے کافی ہے۔''

اور بعض کہنے لگے---''نہیں کاغذ پیش کر دو، تاکہ آپ ایسی تحریر لکھ دیں جس کے بعد پھر کبھی تم گمراہ نہ ہو۔''

اور بعضوں نے کچھ اور کہنا شروع کیا۔ جب اختلاف بڑھا اور شور مچنے لگا تو آپ نے فرمایا---''میرے پاس سے جاؤ۔''(۲)

---

(۱) متعدد علماء نے تیسری وصیت یہ بتائی کہ''اسامہ کی فوج بھیج دینا''(فتح الباری)

(۲) متفق علیہ.

یہ روایت اگرچہ متفق علیہ ہے اور عبدالرزاق ملیح آبادی بھی اس کو درست تسلیم کرتے ہیں لیکن درایت کے لحاظ سے قابلِ تسلیم نہیں ہے۔ علامہ شبلی نے اپنی مشہور کتاب''الفاروق''میں اس پر بھرپور جرح کی ہے اور اسے متعدد وجوہ سے ناقابلِ اعتبار قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں

قرطاس کا واقعہ

بیماری کا بڑا مشہور واقعہ قرطاس کا واقعہ ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ آپ نے وفات سے تین روز پہلے قلم اور دوات طلب کی اور فرمایا

''میں تمہارے لئے ایسی چیز لکھوں گا کہ آئندہ تم گمراہ نہ ہوگے۔''

اس پر حضرت عمرؓ نے لوگوں کی طرف مخاطب ہوکر کہا

''آنحضرت ﷺ کو درد کی شدت ہے اور ہمارے لئے قرآن کافی ہے۔''

حاضرین میں سے بعض نے کہا کہ رسول اللہ بہکی باتیں کر رہے ہیں۔ (نعوذ باللہ) روایت میں هجر کا لفظ ہے، جس کے معنی ہذیان کے ہیں۔ ☜

سات مشکوں سے غسل

جب مرض میں افاقہ ہوا تو فرمایا---''متفرق کنوؤں سے سات مشکیں لاؤ جن کے منہ بندھے ہوں اور مجھ پر انڈیلو، تاکہ باہر نکلوں اور لوگوں کو اپنا عہد پہنچاؤں۔''

یہ واقعہ بظاہر تعجب انگیز ہے۔ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا گستاخی اور سرکشی ہوگی کہ جناب رسول اللہ ﷺ بسترِ مرگ پر ہیں اور امت کے درد و غمخواری کے لحاظ سے فرماتے ہیں ''لاؤ، ایک ہدایت نامہ لکھ دوں جو تم کو گمراہی سے محفوظ رکھے۔''

یہ ظاہر ہے کہ گمراہی سے بچانے کے لئے جو ہدایت ہوگی، وہ منصب نبوت کے لحاظ سے ہوگی اور اس لئے اس میں سہو وخطا کا احتمال نہیں ہوسکتا۔ باوجود اس کے حضرت عمرؓ بے پروائی ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کچھ ضرورت نہیں، ہم کو قرآن کافی ہے۔طرّہ یہ کہ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کیا تھا۔ (نعوذ باللہ)

یہ اعتراض ایک مدت سے چلا آتا ہے اور مسلمانوں کے دو مختلف گروہوں نے اس پر بڑی طبع آزمائیاں کی ہیں۔لیکن چونکہ اس بحث میں غیر متعلق باتیں چھڑ گئیں اور اصول درایت سے کسی نے کام نہیں لیا۔ اس لئے مسئلہ نامفصل رہا اور عجیب عجیب بے کار بحثیں پیدا ہوگئیں۔ یہاں تک کہ یہ مسئلہ چھیڑا گیا کہ پیغمبر سے ہذیان ہونا ممکن ہے، کیونکہ ہذیان انسانی عوارض میں ہے اور آنحضرت ﷺ عوارضِ انسانی سے بَری نہ تھے۔

یہاں دراصل یہ امر غور طلب ہے کہ جو واقعہ جس طریقے سے روایتوں میں منقول ہے، کیا اس سے کسی امر پر استناد ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس بحث کے لئے پہلے واقعات ذیل کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

۱---آنحضرت ﷺ کم و بیش ۱۳ دن تک بیمار رہے۔

۲---کاغذ اور قلم طلب کرنے کا واقعہ جمعرات کے دن کا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں بتصریح مذکور ہے اور چونکہ آنحضرت ﷺ نے دوشنبہ کے دن انتقال فرمایا اس لئے اس واقعہ کے بعد آنحضرت ﷺ چار دن تک زندہ رہے۔

۳---اس تمام مدت بیماری میں آنحضرت ﷺ کی نسبت اور کوئی واقعہ اختلالِ حواس کا کسی روایت میں کہیں مذکور نہیں۔ ☜

ام المومنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں

''ہم نے آپ کو حفصہ بنتِ عمر کے تانبے کے طشت میں بٹھایا اور اوپر سے پانی

۴---اس واقعہ کے وقت کثرت سے صحابہ موجود تھے، لیکن یہ حدیث باوجود اس کے کہ بہت سے طریقوں سے مروی ہے۔ (چنانچہ صرف صحیح بخاری میں سات طریقوں سے مذکور ہے۔) بایں ہمہ بجز عبداللہ بن عباسؓ کے اور کسی صحابی سے اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں۔

۵---حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی عمر اس وقت صرف ۱۳، ۱۴ برس کی تھی۔

۶---سب سے بڑھ کر یہ کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے، اس موقع پر حضرت عبداللہ ابن عباسؓ خود موجود نہ تھے اور یہ معلوم نہیں کہ یہ واقعہ انہوں نے کس سے سنا ہے۔ (بخاری باب کتابة العلم میں جو حدیث مذکور ہے، اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس واقعہ میں موجود تھے۔ اس لئے محدثین نے اس پر بحث کی ہے اور بزور دلائل قطعی ثابت کیا ہے کہ موجود نہ تھے۔ دیکھو فتح الباری باب کتابة العلم)

۷---تمام روایتوں میں مذکور ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے کاغذ اور قلم مانگا تو لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ بہکی ہوئی باتیں کر رہے ہیں۔

اب سب سے پہلے یہ امر قابل لحاظ ہے کہ جب اور کوئی واقعہ یا قرینہ آنحضرت ﷺ کے اختلالِ حواس کا کہیں کسی روایت میں مذکور نہیں تو صرف اس قدر کہنے سے کہ ''قلم دوات لاؤ....'' لوگوں کو ہذیان کا خیال کیوں کر پیدا ہوسکتا تھا! فرض کرلو (العیاذ باللہ) کہ انبیاء سے ہذیان سرزد ہوسکتا ہے، لیکن اس کے یہ تو معنی نہیں کہ وہ معمولی بات کہیں تو ہذیان سمجھی جائے۔ ایک پیغمبر کا وفات کے قریب یہ کہنا کہ ''قلم دوات لاؤ، میں ایسی چیز لکھ دوں کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو'' اس میں ہذیان کی کیا بات ہے؟

(ہمارے نکتہ سنجوں نے یہ مضمون آفرینی کی ہے کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ لکھنا نہیں جانتے تھے، اس لئے آپ کا یہ فرمانا کہ---''میں لکھ دوں''---ہذیان کا قرینہ تھا۔ لیکن ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ لکھنے کے معنی لکھوانے کے بھی آتے ہیں اور یہ مجاز عموماً شائع اور ذائع ہے۔)

یہ روایت اگر خواہ مخواہ صحیح سمجھی جائے، تب بھی اس قدر بہرحال تسلیم کرنا ہوگا کہ راوی ☜

چھوڑنے لگے یہاں تک کہ آپ نے ہاتھ سے اشارہ کیا ---''بس کرو!'' پھر آپ باہر تشریف لے گئے اور نماز پڑھائی۔ پھر بطور اس کے کہ زندوں اور مردوں سے رخصت ہو رہے ہیں، ۸ برس بعد شہداء اُحد پر نماز پڑھی۔(۱) اور دیر تک ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہے۔ پھر منبر پر تشریف لے گئے اور حسب ذیل خطبہ دیا۔(جس میں پہلے تو ان عظیم انعامات الٰہیہ کا ذکر کیا، جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر کئے۔ پھر چند نصیحتیں فرمائیں اور آخر میں اشارتاً بتایا کہ میں عنقریب تم سے رخصت ہونے والا ہوں۔ آپ نے فرمایا)

''میں تمہارا امیر منزل ہوں اور تم پر شہید ہوں۔ تم سے ملاقات کا وعدہ حوض کوثر پر ہے۔ میں اس وقت حوض پر کھڑا ہوں اور اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئیں۔ مجھے یہ خوف نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک میں مبتلا ہو

نے روایت میں وہ واقعات چھوڑ دیئے ہیں، جن سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ آنحضرت ﷺ ہوش میں نہیں ہیں اور بے ہوشی کی حالت میں قلم دوات طلب فرمارہے ہیں۔ پس ایسی روایت سے جس میں راوی نے واقعہ کی نہایت ضروری خصوصیتیں چھوڑ دیں، کسی واقعہ پر کیونکر استدلال ہو سکتا ہے---!!

اس کے ساتھ جب ان امور کا لحاظ کیا جائے کہ اتنے بڑے عظیم الشان واقعہ میں تمام صحابہ میں سے صرف حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اس کے راوی ہیں اور یہ کہ ان کی عمر اس وقت ۱۳، ۱۴ برس کی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ واقعہ کے وقت موجود نہ تھے، تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس روایت کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔

ممکن ہے کہ کسی کوتاہ نظر پر یہ امر گراں گزرے کہ بخاری اور مسلم کی حدیث پر شبہ کیا جائے، لیکن اس کو سمجھنا چاہئے کہ بخاری اور مسلم کے کسی راوی کی نسبت یہ شبہ کرنا کہ وہ واقعہ کی پوری ہیئت محفوظ نہ رکھ سکا، اس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نسبت ہذیان اور حضرت عمرؓ کی نسبت گستاخی کا الزام لگایا جائے۔'' الفاروق ص ۱۱۱ تا ص ۱۱۵۔

(ہمیں علامہ شبلی کی تحقیق سے مکمل اتفاق ہے---راقم)

(۱) روایتوں میں ''صلاۃ'' کا لفظ آیا ہے جس کے معنی نماز اور دعا دونوں ہیں۔ محدثین میں اختلاف ہے کہ آپ نے شہداء پر نماز پڑھی تھی یا ان کے لئے دعا کی تھی۔

جاؤ گے، لیکن جس بات سے ڈرتا ہوں، وہ دنیا ہے۔ کہیں اس کی ہوس میں باہم منافست (ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش) نہ کرنے لگو۔ (۱) اور آپس میں لڑ کر اسی طرح ہلاک ہو جاؤ جس طرح اگلی قومیں ہلاک ہو چکی ہیں۔

اے مہاجرین! انصار کے حق میں میری نیک وصیت کا خیال رکھنا۔ سب لوگ زیادہ ہو جائیں گے مگر انصار نہیں بڑھیں گے۔ انصار میری تھیلی تھے جس میں میں نے پناہ لی، پس ان کے اچھوں سے اچھا سلوک کرنا اور بدوں سے درگزر کرنا۔ (۲)

سنو! اللہ نے ایک بندے کو اختیار دیا کہ دنیا اور دنیا کی نعمتوں اور مسرتوں میں سے جتنا چاہے لے لے، یا جوارِ خداوندی کی سعادتوں کو قبول کرے۔ اس بندے نے جوارِ خداوندی کی سعادت پسند کر لی۔"

حضرت ابوبکر صدیقؓ یہ سنتے ہی سمجھ گئے کہ آپ خود اپنے ہی بارے میں فرما رہے ہیں۔ چنانچہ زار زار رونے لگے اور عرض کرنے لگے۔

"یا رسول اللہ! بلکہ ہم، ہمارے ماں باپ اور ہماری تمام آل اولاد آپ پر قربان ہیں۔"

لیکن اور صحابہ کچھ نہ سمجھے، نہ آنحضرت ﷺ کا اشارہ سمجھے، نہ حضرت صدیقؓ کا جواب ہی سمجھے؛ بلکہ ان کے اس بظاہر بے موقع جواب پر تعجب کرنے لگے۔

چنانچہ حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں --- "ہمیں ابوبکر کے رونے پر بہت حیرت ہوئی اور ہم میں سے بعضوں نے تو یہاں تک کہہ دیا

"اس بوڑھے کو دیکھو، رسول اللہ تو ایک شخص کا قصہ سنا رہے ہیں جسے خدا نے اختیار دیا کہ چاہے دنیا اور اس کی مسرتیں لے لے، چاہے تو اس کا جوار پسند کرے، اور یہ کہتا ہے --- "بلکہ ہم اور ہمارے ماں باپ آپ پر قربان۔"

بعد میں ابو سعیدؓ افسوس سے کہا کرتے تھے --- "لیکن بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ ابوبکر ہم میں رسول اللہ کو سب سے بہتر جاننے والے تھے اور یہ کہ آپ نے یہ اشارہ

---

(۱) بخاری میں بھی باختلافِ الفاظ یہی مضمون ہے۔ (۲) ابن ھشام.

خود ہی اپنی ہی وفات کی طرف کیا تھا۔"

خلّتِ الٰہی اور اخوّتِ اسلام

غرضیکہ جب ابوبکرؓ روئے اور رسول اللہ ﷺ کو یہ جواب دیا تو آپ نے انہیں تسلی دی کہ "بس ابوبکر، بس۔" پھر صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا

"دیکھو! یہ مسجد میں دروازے نکلے ہوئے ہیں۔ ان سب کو بند کر دو۔ صرف ابوبکر کے گھر کا ایک دروازہ باقی رہنے دو۔ (۱) کیونکہ کوئی ایسا نہیں جس کا ہم پر احسان ہو اور ہم نے اس کا بدلہ اتار نہ دیا ہو، بجز ابوبکر کے جس کا احسان مجھ پر باقی ہے۔ قیامت میں خدا اسے اس کا عوض دے گا۔ (۲) میں کسی کو نہیں جانتا جس نے میری رفاقت میں ابوبکر سے زیادہ مجھ پر احسان کیا ہو۔ اس نے اپنی جان اور مال (۳) سے میری ہمدردی کی، اپنی بیٹی سے میرا نکاح کیا، بلال کو آزاد کیا اور مجھے دارالہجرہ تک سوار کر کے لایا۔ (۴)

---

(۱) حضرت ابوبکرؓ کا یہ گھر برابر ان کے قبضہ میں رہا، یہاں تک کہ بعض آدمیوں کو عطیہ دینے کے لئے انہیں روپیہ کی ضرورت ہوئی اور حفصہؓ کے ہاتھ چار ہزار درہم میں فروخت کر ڈالا۔ پھر حضرت حفصہؓ اس پر خلافت عثمانی تک قابض رہیں۔ جب مسجد نبوی میں اضافہ کی ضرورت محسوس ہوئی تو حضرت عثمانؓ نے انہیں ایک اور اس سے بہتر گھر دے کر یہ مکان لے لیا اور مسجد میں داخل کر دیا۔ (فتح الباری، فضل ابی بکر)

اس سلسلہ میں یہ معلوم کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ جب آپ نے تمام دروازے بند کرنے کا حکم دیا تو حضرت عمرؓ نے منت کی کہ میرے گھر میں ذرا سا سوراخ ہی رہنے دیجئے تا کہ جب آپ نماز کے لئے باہر آئیں تو میں دیکھ سکوں، مگر آپ نے منظور نہیں کیا۔ (ابن سعد)

(۲) ترمذی. فتح الباری فضائل ابی بکر. (۳) حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ ﷺ پر چالیس ہزار درہم خرچ کئے تھے اور آخر میں اس قدر غریب ہو گئے تھے کہ وفات کے وقت نہ کوئی دینار پاس تھا۔ نہ درہم۔ (فتح الباری فضل ابی بکر.)

(۴) طبرانی و ابن عساکر (فتح الباری فضل ابی بکر)

میں ہر خلیل سے برأت کا اعلان کرتا ہوں۔ اگر میں بندوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو بے شک ابوبکر کو خلیل بناتا، لیکن ہمارے درمیان صحبت اور اسلام کی محبت واخوت ہے۔ یہاں تک کہ اللہ ہمیں اپنے پاس جمع کر لے۔ تمہارا ساتھی (یعنی خود آپ) صرف اللہ کا خلیل ہے۔(۱)

اپنے غسل کی وصیت

خطبہ کے بعد آپ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں واپس تشریف لے گئے اور حضرت علیؓ کو وصیت کی ---''تو ہی مجھے نہلانا، کیونکہ جو کوئی میرا ستر دیکھے گا، اس کی آنکھیں پھوٹ جائیں گی۔'' (۲)

حضرت علیؓ نے عرض کی ---''لیکن یارسول اللہ میں ڈرتا ہوں کہ آپ کو غسل نہ دے سکوں گا۔''

فرمایا ---''نہیں، تجھے اس کی توفیق عطا کی جائے گی۔''(۳)

خلافت اور حضرت علیؓ و عباسؓ

وفات سے تین دن پہلے، یعنی جمعہ کے دن اچانک طبیعت بحال ہوگئی اور لوگوں کو امید بندھی کہ انشاء اللہ اب صحت ہو جائے گی۔ چنانچہ جب حضرت علیؓ آپ کے پاس سے باہر نکلے تو صحابہ نے بڑی بے تابی سے پوچھا

''ابوالحسن! آج رسول اللہ ﷺ کی کیا حالت ہے۔''

حضرت علیؓ نے کہا ---''آج بحمداللہ تندرست اٹھے ہیں۔''

لیکن حضرت عباسؓ جو تجربہ کار تھے، آج آپ کو دیکھتے ہی سمجھ گئے تھے کہ خیریت

---

(۱) یہ واقعہ ابن ھشام، بخاری (باب احد و باب الھجرۃ الی المدینہ و کتاب الفضائل و کتاب الصلوٰۃ و باب مرض النبی) وابن سعد و مسند عائشہ و مسند ابن مسعود و مسند ابی سعید الخدری کی متعدد روایات سے ماخوذ ہے۔ (۲) ابن سعد. (۳) ابن عساکر فی تاریخہ.

نہیں ہے۔ چنانچہ ہاتھ پکڑ کر حضرت علیؓ کو الگ لے گئے اور کہنے لگے

''......واللہ میں سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ شفا نہیں پائیں گے اور عنقریب اسی بیماری میں قضا کر جائیں گے، کیونکہ موت کے وقت خاندانِ عبدالمطلب کے چہرے میں پہچانتا ہوں، آؤ، ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں چلیں اور اس معاملہ (یعنی خلافت) کے متعلق دریافت کرلیں۔ اگر یہ ہم میں رہے گا تو معلوم ہو جائے گا، اگر دوسروں میں ہوگا تو ہمارے حق میں اچھی وصیت فرمادیں گے۔''

حضرت علیؓ نے جواب دیا---''اگر ہم رسول اللہ ﷺ سے خلافت مانگیں گے اور آپ انکار کردیں گے تو لوگ ہمیں پھر کبھی نہیں دیں گے۔ واللہ! میں رسول اللہ ﷺ سے اس قسم کی خواہش نہیں کروں گا۔''(۱)

خلافت اور حضرت ابوبکرؓ

خود رسول اللہ ﷺ کو بھی اس کا احساس تھا کہ کہیں آپ کے بعد لوگ خلافت میں جھگڑا نہ ڈالیں۔ چنانچہ بار بار اس بات کا فیصلہ کردینا چاہتے تھے، مگر خلافت کو کامل جمہوری معنوں میں چھوڑ جانے کی خاطر رک جاتے تھے۔ چنانچہ جب ایک دن مرض نے بہت سختی اختیار کی تو عبدالرحمٰن ابن ابی بکرؓ سے فرمایا

''جا، اور کوئی جلد (یا تختی) لے آ، تاکہ میں ابوبکر کے حق میں ایک تحریر لکھ کر اختلاف کی راہ بند کردوں۔''

مگر جب عبدالرحمٰنؓ لینے جانے لگے تو انہیں یہ کہہ کر روک دیا---''اے ابوبکر! اللہ کو اور مومنین کو یہ منظور نہ ہوگا کہ تجھ پر اختلاف کیا جائے۔''(۲)

رسول اللہ کا محبوب

اوپر گزر چکا ہے کہ مرض الموت سے دو دن پہلے آپ نے رومیوں پر حملہ کے لئے

---

(۱) بخاری، مرض النبی و وفاتہ۔ (۲) مسند عائشہ۔ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق یہ واقعہ عین وفات کے دن کا ہے۔ (فتح الباری)

ایک فوج مرتب کی تھی۔ فوج میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابی، مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، (۱) ابوعبیدہؓ، سعدؓ، سعیدؓ، قتادہ بن النعمانؓ، سلمہ بن اسلمؓ وغیرہم بطور سپاہی کے داخل تھے اور اس کی سپہ سالاری اپنے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے زیدؓ بن حارثہ کے لڑکے اسامہؓ کے سپرد کی تھی۔ یہ بہت کم سن تھے۔ کل اٹھارہ برس کی عمر تھی۔ اس پر عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی (۲) جیسے لوگوں نے نکتہ چینی شروع کی کہ ایسے ایسے معزز مہاجرین وانصار پر اس کم سن لڑکے کو افسر بنا دیا ہے!

نیز آپ نے محسوس کیا کہ فوج کی روانگی میں دیر کی جا رہی ہے۔ چنانچہ یوم شنبہ ۱۱ ربیع الاوّل (۳) کو جب کہ مرض کافی سخت ہو چکا تھا، کمزوری بہت بڑھ گئی تھی اور وفات میں صرف دو دن (۴) باقی تھے، آپ سر پر پٹی باندھے مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر بیٹھ کر حمد و ثنا کے بعد خطبہ دیا۔

''لوگو! اسامہ کی فوج روانہ کر دو۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اسامہ کے بارے میں نکتہ چینی کرتے ہو اور اس کی سرداری پر معترض ہو۔ قسم خدا کی، اگر تم اس کی سرداری میں کلام کرتے ہو تو اس سے پہلے اس کے باپ کی سرداری میں بھی کلام کر چکے ہو۔ حالانکہ وہ بھی امارت کا اہل تھا اور میرے محبوب ترین لوگوں میں سے تھا اور یہ بھی اس کا اہل ہے اور اپنے باپ کے بعد میرے سب سے زیادہ محبوب لوگوں میں سے ہے۔ اے لوگو! میں تمہیں اسامہ سے اچھا سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں، کیونکہ وہ تمہارے اخیار میں سے ہے۔ (۵)

اللہ تعالیٰ سے حسن ظن

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ وفات سے تین دن پہلے (یعنی سنیچر کے روز) آپ ﷺ نے فرمایا

---

(۱) بعض لوگ ان دونوں کے فوج میں ہونے کو تسلیم نہیں کرتے۔ (۲) ابن سعد (۳) فتح۔ (۴) فتح۔ (۵) بخاری کتاب الفضائل (باب مرض النبی و وفاتہ) کی مختلف حدیثوں اور مسند ابن عمر سے یہ واقعہ لیا گیا ہے۔

''دیکھو! تم میں سے ہر ایک ایسی حالت میں مرے کہ اللہ تعالیٰ سے حسنِ ظن رکھتا ہو۔ کیونکہ بہت سے لوگ اس ذات برتر سے سوءِ ظن رکھنے کی وجہ سے ہلاک ہوگئے۔
وَذٰلِکُمْ ظَنُّکُمُ الَّذِیْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّکُمْ اَرْدٰکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخَاسِرِیْنَ٥ (۱)

تعظیم قبور

آپ کی دعوت، ابطال شرک اور تاسیسِ توحید تھی۔ شرک کا سب سے بڑا ذریعہ قبروں کی ایسی تعظیم ہے جو پرستش کی حدوں کو چھونے لگے۔ مرض الموت میں اس کی بار بار سخت ممانعت فرماتے تھے۔

چنانچہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ازواجِ مطہرات میں سے اُمِ سلمہؓ اور اُمِ حبیبہؓ ملک حبش کی طرف ہجرت کر چکی تھیں۔ ایک دن انہوں نے آپ کی بیماری کے زمانہ میں حبش کے ایک گرجا کا ذکر کیا جس کا نام ''ماریہ'' ہے اور اس کی خوبصورتی اور تصویروں کی بہت تعریف کی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی باتیں سن کر فرمایا

''اس قوم کی یہی حالت ہے کہ جب اس میں کوئی نیک آدمی ہوتا ہے اور مر جاتا ہے تو یہ اس کی قبر پر عبادت گاہ قائم کر دیتی ہے اور پھر اس میں تصویریں بناتی ہے۔ یہ لوگ اللہ کے نزدیک قیامت کے دن بدترین خلائق ہیں۔'' (۲)

اس بات کا اس قدر خیال تھا کہ مرض الموت میں لعنت کرتے تھے اور فرماتے تھے

''یہود و نصارٰی پر خدا کی لعنت، کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ ٹھہرالیا۔''

یہ حدیث روایت کر کے حضرت عائشہؓ کہا کرتی تھیں۔

''اگر یہ بات نہ ہوتی تو آپ کی قبر بھی کھلی جگہ میں بنائی جاتی، لیکن ڈر پیدا ہوا کہ مبادا اسے بھی مسجد ٹھہرالیا جائے۔'' (۳)

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ خود اپنے بارے میں بار بار دعا کرتے تھے

---

(۱) ابن سعد مسند جابر۔ (۲) بخاری (ہجرۃ الحبشہ) ابن سعد۔
(۳) بخاری (مرض النبی و وفاتہ و کتاب الجنائز)۔

''اے خدا! میری قبر کو بُت نہ ہونے دیجیو کہ اس کی پرستش کی جائے۔ ان لوگوں پر خدا کا غضب سخت ہو گیا جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد ٹھہرالیا ہے۔''(۱)

یہی نہیں؛ بلکہ زندگی کے آخری لمحوں میں بھی جب کہ شدت مرض سے کپڑا کبھی منہ پر ڈالتے اور کبھی ہٹاتے تھے، برابر فرمائے جاتے تھے

یہود و نصارٰی پر خدا کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ ٹھہرالیا تھا۔''

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ یہ حدیث روایت کر کے کہتی تھیں

''مسلمانوں کو آپ نے یہ کہہ کر یہود و نصارٰی کی طرح عمل کرنے سے ڈرایا ہے۔(۲)

بخار بہت تیز تھا

حضرت عبداللہؓ ابن مسعود کی روایت ہے کہ میں آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو جسم مبارک بے حد گرم تھا۔ میں نے آپ پر ہاتھ رکھا(۳) اور کہا---''بہت تیز بخار ہے!''

فرمایا---''ہاں! مجھے اتنا بخار ہے، جتنا تمہارے دو آدمیوں کو ہوتا ہے۔''

میں نے کہا---''یہ اس لئے کہ آپ کو دو ثواب ملیں گے۔''

فرمایا---''بے شک، جس مسلمان کو بھی ایک کانٹے اور اس سے زیادہ کی تکلیف پہنچتی ہے تو خدا اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح درخت کی پت جھاڑ ہوتی ہے۔''(۴)

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں عیادت کو حاضر ہوا تو آپ کو شدید بخار تھا۔ میں نے کپڑے پر سے ہاتھ رکھا تو حرارت سے فوراً ہاتھ کھینچنے پر مجبور ہوا۔ میں نے کہا

''یارسول اللہ! آپ کو کتنا تیز بخار ہے۔''

فرمایا---''ہاں! باوجود اس کے میں نے بحمد اللہ گزشتہ شب سترہ سورتیں تلاوت

---

(۱) ابن سعد. (۲) ابن سعد، ابن هشام بخاری. (مرض النبی و وفاته).

(۳) مسند ابن مسعود. (۴) بخاری طب.

کی ہیں جن میں سبع الطوال (سات لمبی سورتیں) بھی داخل ہیں۔"

حضرت عمرؓ نے عرض کی---"اے نبی اللہ! خدا نے آپ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے ہیں، پھر کیوں اتنی مشقت اٹھاتے ہیں۔ کچھ تو اپنے حال پر ترس کھایئے۔"

فرمایا---"کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟!"(۱)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے راز کی باتیں

انہی آخری دنوں میں ایک دن اس طرح بے ہوش ہو گئے کہ حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ سمجھیں کہ وفات ہو گئی۔ اسی کرب و بلا کی حالت میں آپ نے حضرت عثمانؓ سے دیر تک کان میں باتیں کیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ گفتگو ان کے زمانہ میں ہونے والے فتنہ کے بارے میں تھی۔

ابو عبداللہ الجسری نے یہ واقعہ حضرت عائشہؓ کی زبانی اس طرح بیان کیا ہے

"ایک دن میں اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کے ہاں حضرت حفصہ بنت عمر بھی موجود تھیں۔ وہ مجھ سے کہنے لگیں "یہ رسول اللہ کی بیوی حفصہ ہیں۔" پھر ان کی طرف متوجہ ہو کر بولیں "میں تمہیں خدا کی قسم دیتی ہوں کہ نہ میرے کسی جھوٹ کی تصدیق کرنا اور نہ سچ کی تکذیب۔" پھر یہ واقعہ بیان کیا "میں اور تم رسول اللہ کے پاس بیٹھی تھیں کہ آپ نے فرمایا "دروازہ کھول دو۔" ہم نے دروازہ کھولا تو عثمان کھڑے تھے۔ آنحضرت کی ان پر نظر پڑی تو ان سے کہا "قریب آؤ۔" وہ آئے اور آپ پر جھک پڑے۔ آپ نے ان سے کان میں کچھ باتیں کیں جن کی بابت نہ میں کچھ جانتی ہوں، نہ تم۔ پھر سر اٹھایا اور فرمایا، "جو کچھ میں نے کہا، تُو سمجھ گیا؟" عثمان نے کہا "جی ہاں۔" آپ نے انہیں پھر قریب بلایا اور پہلی مرتبہ کی طرح ان پر جھک پڑے اور کچھ کان میں کہتے رہے، جسے ہم بالکل نہ جان سکے۔ پھر سر اٹھایا اور فرمایا "جو کچھ میں نے کہا، تُو نے سمجھ لیا؟" عثمان نے کہا "جی ہاں۔" پھر کہا "قریب آ۔" وہ آئے تو بہت زیادہ جھک پڑے اور کان میں کچھ

(۱) ابن سعد۔

باتیں کیں۔ پھر سر اٹھایا اور فرمایا ''تو سمجھ گیا؟'' انہوں نے کہا ''جی ہاں! میرے کانوں نے خوب سن لیا اور دل نے اچھی طرح سمجھ لیا۔'' آپ نے فرمایا ''اچھا! اب جا۔'' یہ قصہ سن کر حضرت حفصہ نے تصدیق کی۔

آخری رات

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اس آخری رات کی حالت یوں بیان کی ہے کہ

''مجھ پر کبھی کوئی رات ایسی نہیں گزری، جیسی یہ وفات کے دن کی رات تھی۔ آپ بار بار پوچھتے تھے ''عائشہ! کیا صبح ہوگئی ہے؟'' اور میں برابر کہے جاتی تھی ''نہیں'' یہاں تک کہ بلال نے صبح کی اذان دی۔ پھر بلال دروازہ پر حاضر ہوئے اور حسب دستور پکار کر کہنے لگے--- ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ'! نماز کا وقت آ گیا ہے، آپ پر خدا کی رحمت!'' --- ان کی آواز سن کر آپ نے پوچھا ''یہ کیا ہے؟'' میں نے عرض کی ''بلال آئے ہیں۔'' فرمایا ''اپنے باپ سے کہہ، نماز پڑھا دیں۔''(۱)

دوشنبہ کی صبح کو مسجد میں نمازیوں کا بڑا ہجوم تھا۔ مدینہ میں کوئی مسلمان مرد یا عورت ایسا نہ تھا جو شب کو آپ کی نازک حالت سننے کے بعد بے تابانہ مسجد میں دوڑ نہ آیا ہو۔(۲)

آخری دن (آخری دیدار)

بارہ دن بیماری پر گزر چکے تھے۔ تیرھواں دن ''دوشنبہ''(۳) دارِ فانی سے رحلت، عالم جاودانی میں داخلہ اور جوارِ خداوندی میں پہنچنے کا دن تھا۔ اس لئے قدرتی طور پر روح از حد مسرور اور پرنشاط تھی۔ صبح اٹھے تو باوجود حد درجہ نقاہت کے نہایت ہشاش بشاش تھے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں

''نماز فجر ہو رہی تھی، صفیں جمی تھیں، ابوبکر امامت کر رہے تھے کہ اچانک اُمّ

---

(۱) ابو الشیخ (کنز) (۲) ابن سعد۔

(۳) یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ آپ کی ولادت، بعثت، ہجرت میں مکہ سے خروج اور مدینہ میں داخلہ، فتح مکہ اور وفات، یہ تمام اہم ترین واقعات جنہوں نے دنیا کی تاریخ پلٹ دی، سب کے سب دوشنبہ ہی کے دن واقع ہوئے ہیں۔ (احمد بیہقی عن ابن عباس، خصائص)

المؤمنین عائشہ کے حجرہ کا دروازہ کھلا، پردہ ہٹا اور ہم اپنی صفوں سے کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سامنے کھڑے ہیں اور ہماری صفیں اور نماز کی ترتیب دیکھ کر مسرت سے تبسم فرما رہے ہیں۔ جمال نبوی دیکھ کر مسلمان خوشی سے اس قدر وارفتہ ہوئے کہ قریب تھا، اپنی نماز کے اندر فتنہ میں پڑ جائیں۔ میں نے آنحضرت کو اس گھڑی ایسے حسن و جمال میں دیکھا، جیسا کبھی نہیں دیکھا تھا۔ حضرت ابوبکر نے خیال کیا کہ آپ تشریف لا رہے ہیں۔ چنانچہ صف میں مل جانے کے لئے الٹے پاؤں ہٹنے لگے، مگر آپ نے اشارہ سے ٹھہرنے کو کہا اور خود سر پر پٹی باندھے تشریف لائے، یہاں تک کہ ابوبکر کے دائیں پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھنے لگے۔(۱) اس وقت دھاری دار چادر اوڑھے تھے اور اس کے پلو کاندھوں پر پڑے تھے۔(۲)

آخری خطبہ

نماز کے بعد آپ نے مسلمانوں کو مخاطب کیا اور اس قدر بلند آہنگی سے خطبہ دیا کہ آواز مسجد کے دروازہ سے باہر تک گئی۔ فرمایا

''مبشراتِ نبوت میں سے بجز رؤیائے صادقہ (سچے خواب) کے کچھ باقی نہیں رہا، جنہیں مسلمان سوتے میں دیکھے۔ سنو! مجھے رکوع و سجود میں قرآن پڑھنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ رکوع میں رب کی عظمت ظاہر کرو اور سجود میں خوب گڑگڑا کر دعا مانگو، کیونکہ اس حال میں دعا قبول ہونے کی زیادہ امید ہے۔(۳)

لوگو! دوزخ بھڑکا دی گئی اور فتنے تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح آ پہنچے۔ واللہ تم مجھے کوئی الزام نہیں دے سکتے۔ میں نے وہی چیز حلال کی ہے جو قرآن نے حلال ٹھہرائی

---

(۱) صحاح کی روایتوں میں صرف اس قدر ہے کہ آپ مسکرائے اور اشارہ سے ٹھہرنے کو کہا پھر حجرہ کا پردہ گر گیا۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسجد میں تشریف نہیں لائے۔ لیکن مسند احمد وغیرہ میں آپ کا برآمد ہونا، نماز پڑھنا اور خطبہ دینا بتصریح خود حضرت انسؓ سے مروی ہے۔ اسی لئے ہم نے یہ تمام روایتیں لے لی ہیں۔ دونوں میں کوئی مخالفت نہیں ہے۔ صحاح میں صرف ایک حصہ مروی ہے اور ان کتب میں پورا واقعہ درج ہے۔(۲) مسند انس۔ (۳) ابن سعد۔

ہے اور اسی کو حرام بتایا ہے جو قرآن میں حرام ہے۔

اے خاندانِ عبد مناف! میں خدا کے مقابلہ میں تمہارے کچھ بھی کام نہ آؤں گا۔

اے عباس! عبدالمطلب کے بیٹے! میں خدا کے مقابلہ میں تیرے ذرا بھی کام نہ آؤں گا۔ اے صفیہ! عبدالمطلب کی بیٹی اور رسول اللہ کی پھوپھی! اے فاطمہ! محمد (ﷺ) کی بیٹی! ثوابِ خداوندی کے لئے عمل کرو۔ میں خدا کے مقابلے میں تمہارے کچھ بھی کام نہ آؤں گا۔ خود مجھ سے جو چاہو، مانگ لو۔''

پھر فرمایا---''اے لوگو! تم میں سے جس کسی کو میرے بعد کوئی مصیبت پیش آئے، اسے میری موت یاد کر کے دل کو تسکین دے لینا چاہیے۔ کیونکہ میری امت میں کسی کو بھی اتنی بڑی مصیبت لاحق نہیں ہوسکتی، جتنی میری وفات سے لاحق ہوگی۔''(۱)

صحابہ کی غلط فہمی

آج آپ کو روبصحت دیکھ کر صحابہ بہت خوش تھے اور یقین کرتے تھے کہ بفضلِ خدا خطرہ دور ہوگیا اور آپ تندرست ہو جائیں گے۔ حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی یہی سمجھے اور عرض کرنے لگے---''اے نبی اللہ! میں دیکھتا ہوں کہ اللہ کے فضل و احسان سے آپ ایسی حالت میں ہوگئے ہیں، جیسی ہم سب کو پسند ہے۔ آج بنتِ خارجہ (۲) کا دن ہے، کیا میں اس کے ہاں چلا جاؤں؟''

فرمایا---''ہاں جاؤ''(۳) پھر اسامہ کو آواز دی اور پشت مبارک ان کے سینہ سے لگا کر فرمایا---''مجھے اٹھا دے۔''(۴)

---

(۱) طبرانی الاوسط (خصائص) بخاری (مرض النبی) ابن ہشام، ابن سعد کی متفرق روایتوں سے یہ واقعہ مرتب کیا گیا ہے۔

(۲) حضرت ابوبکرؓ کی ایک بیوی تھیں جو مدینہ سے قریب سخ نامی مقام میں رہتی تھیں۔

(۳) بخاری (مرض النبی) ابن ہشام، ابن سعد۔

(۴) مسند انس۔

سیدہ فاطمہؓ سینہ سے چمٹ گئیں

مسجد سے حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں واپس آئے اور اسامہؓ سے فرمایا
''اپنی فوج لے کر خدا کی برکت کے ساتھ روانہ ہو جا۔''(۱)
اسامہؓ رخصت ہوئے تو آپ عائشہؓ کے سینہ سے ٹیک لگا کے بیٹھ گئے اور طبیعت ناساز ہونے لگی۔ اس مرتبہ مرض کا حملہ بڑا ہی سخت تھا۔ حتیٰ کہ ایک پاؤں پھیلاتے تھے اور دوسرا سمیٹتے تھے۔
سیدہ فاطمہؓ سینہ سے چمٹ (۲) گئیں اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔
''آہ، میرے ابا جان کی تکلیف! آہ، میرے ابا جان کی تکلیف!''
اس پر آپ نے فرمایا---''آج کے بعد تیرے باپ پر کوئی تکلیف بھی باقی نہ رہے گی۔(۳) تیرے باپ کو اب وہ منزل درپیش ہے جس سے خدا کسی کو بھی چھوڑنے والا نہیں۔(۴) قیامت کے دن ملاقات ہوگی۔(۵)
بیٹی! رو نہیں۔ جب میں تم سے رخصت ہو جاؤں تو کہنا---''اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۝''---کیونکہ اس میں آدمی کے لئے ہر مصیبت کی تسلی موجود ہے۔''
سیدہ فاطمہؓ نے پوچھا---''کیا آپ کی بھی، یارسول اللہ؟''
فرمایا---''ہاں! میری بھی۔''(۶)

انفاق فی سبیل اللہ

ساری زندگی تنگ دستی میں بسر ہوئی تھی۔ دنیا کے عیش و آرام سے ہمیشہ بیزاری رہی تھی، مال و دولت جمع کرنے سے نفرت چلی آتی تھی۔ کبھی گھر میں روپیہ پیسہ نہ رکھا تھا۔ لیکن اتفاق سے مرض الموت سے پہلے کچھ دینار آ گئے تھے جو بانٹ دیئے تھے، صرف

---

(۱) ابن سعد. (۲) ابو یعلیٰ فی مسندہ و ابن عساکر فی تاریخه (کنز) (۳) عقدالفرید جلد دوم. (۴) ابو یعلیٰ فی مسند و ابن جزیمه (کنز). (۵) ابن ماجه، مسند انس. (۶) ابن سعد.

چھ سات باقی بچے تھے اور حضرت عائشہؓ کے حوالے کر دیئے تھے کہ خرچ کر ڈالنا، مگر آپ کی تیمارداری میں وہ ایسی مصروف ہوئیں کہ دینار یاد نہ رہے۔ آپ کو اچانک ان کا خیال آیا۔

حضرت عائشہ کہتی ہیں---"آپ میرے سینہ سے ٹیک لگائے تھے کہ فرمانے لگے

"عائشہ! اس سونے کا کیا حشر ہوا؟"

میں نے بتایا کہ میرے پاس موجود ہے تو فرمایا "اسے خیرات کر ڈال۔"

پھر میرے سینہ ہی پر بے ہوش ہو گئے۔ جب ذرا ہوش آیا تو پھر پوچھا

"عائشہ! تو نے وہ دینار خرچ کر ڈالے!؟"

میں نے عرض کی---"یارسول اللہ! ابھی تک نہیں۔ آپ کی اس حالت نے مجھے بالکل مہلت نہ دی۔" فرمایا "لے آ۔" چنانچہ میں لے آئی۔ آپ نے تمام دینار اپنی ہتھیلی پر ایک ایک کر کے چنے اور گنے۔ پھر فرمایا---"محمد (ﷺ) اپنے رب کی بابت کیا سمجھتا ہے اگر ان کی موجودگی میں اس سے جا کر ملتا؟"

پھر سب کے سب اللہ کی راہ میں خرچ کر دیئے۔

غلاموں کے متعلق وصیت

غلاموں سے حسن سلوک کی وصیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا

"اَللہَ، اَللہَ فِیْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ!........"

(اپنے غلاموں کے معاملہ میں خدا سے ڈرتے رہو، ان کا جسم کپڑے سے ڈھکو، ان کے پیٹ کھانے سے بھرو اور ان سے نرم زبان سے بولو۔)

دعا سے منع کر دیا

حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں---"آپ میری گود میں تھے اور ہم ازواج نبوی کا دستور تھا کہ آپ جب کبھی بیمار ہوتے تھے تو وہی دعا پڑھ کر آپ پر دم کیا کرتی تھیں جو آپ دوسرے مریضوں پر دم کرتے تھے، دعا یہ تھی اَذْھِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ، اِشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَاشِفَاءَ اِلَّا شِفَآءُکَ، شِفَاءً لَایُغَادِرُ سَقَمًا۔ (۱) (بیماری دور کر دے

---

(۱) بخاری میں ہے کہ وہ دعا "معوذات" تھیں اور حضرت عائشہؓ وہی دم کر رہی تھیں۔

اے لوگوں کے پالنے والے! شفا دے، صرف تو ہی شفا دینے والا ہے، تیری شفا کے سوا کوئی شفا نہیں، ایسی شفا دے کہ ذرا بیماری باقی نہ رہے۔) چنانچہ اس وقت میں بھی یہی دعا پڑھ کر آپ کی ہتھیلی میں پھونکتی تھی اور زیادہ برکت کے خیال سے سینہ مبارک پر اسے پھیرتی تھی، مگر آپ نے ایسا کرنے سے منع کیا۔ ''ہاتھ ہٹالے، اس سے مجھے اس وقت نفع ہوتا تھا جب زندگی میں درازی باقی تھی۔'' پھر سر آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا ''اَلرَّفِیْقُ الْاَعْلٰی! اَلرَّفِیْقُ الْاَعْلٰی!''

طہارت کا اہتمام

جسمانی طہارت خصوصاً مسواک کا زندگی بھر جو اہتمام تھا، معلوم ہے۔ آخری لمحوں میں بھی مسواک سے غافل نہیں رہے، تاکہ اپنے پروردگار کے حضور باوجود طاہر و مطہر ہونے کے پاک دہن پہنچیں۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ اس اثنا (زندگی مبارک کے آخری لحات) میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر، حجرے میں داخل ہوئے۔ وہ ہاتھ میں تازہ سبز مسواک لئے دانتوں میں مل رہے تھے۔ آپ نے مسواک پر ٹکٹکی باندھ دی۔ میں سمجھ گئی کہ آپ اسے چاہتے ہیں۔

میں نے کہا---''کیا آپ یہ مسواک لیں گے؟''

آپ نے اشارہ سے جواب دیا---''ہاں۔''

میں نے مسواک عبدالرحمٰن کے ہاتھ سے لے لی، توڑی اور آپ کے ہاتھ میں دے دی۔ لیکن ضعف کی وجہ سے اسے چبا نہ سکے۔ میں نے عرض کی ''کیا نرم کردوں؟'' آپ نے اشارہ سے فرمایا ''ہاں۔'' میں نے اپنے منہ میں لے کر چبائی۔ (۱) جب نرم ہوگئی

---

(۱) حضرت عائشہ ساری زندگی فخر کرتی رہیں کہ اللہ کی منجملہ بے شمار عنایتوں کے ایک بڑی عنایت مجھ پر یہ ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے میرے گھر، میری باری کے دن میں اور میری گردن اور سینہ کے درمیان اور یہ کہ دنیاوی زندگی کے آخری لمحہ میں ٹھیک موت کے وقت میرا اور آپ کا لعاب یکجا ہوا۔ (بخاری مرض النبی ووفاتہٗ)

واقعی یہ ایک ایسی سعادت ہے جس پر ان کا فخر بالکل بجا ہے۔

تو آپ کے ہاتھ میں دے دی۔ آپ نے اسے اتنے اہتمام سے استعمال کرنا شروع کیا کہ میں نے اتنے اہتمام سے آپ کو کبھی مسواک کرتے نہیں دیکھا تھا۔ پاس ہی پانی سے لبریز پیالہ رکھا تھا۔ آپ بار بار اس میں ہاتھ ڈالتے، چہرۂ مبارک تر کرتے تھے اور فرماتے تھے---''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٌ.''

ذرا دیر بعد مسواک انگلیوں میں بھاری ہوگئی۔ مجھے دینے لگے تو چھوٹ کر گری اور میں نے محسوس کیا کہ خود آپ بھی میری گود میں بھاری ہو رہے ہیں۔ آپ کی انگلی چھت کی طرف اٹھی ہوئی ہے اور فرما رہے ہیں

فِیْ الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی، فِیْ الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی، فِیْ الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی، اَللّٰهُمَّ الْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی مِنَ الْجَنَّةِ.

میں سینۂ مبارک پر ہاتھ پھیرنے اور تندرستی کے لئے دعا کرنے لگی۔ جب ذرا افاقہ ہوا تو فرمانے لگے

اَسْئَلُ اللهَ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی الْاَسْعَدَ مَعَ جِبْرِیْلَ وَمِیْکَائِیْلَ وَ اِسْرَافِیْلَ.
اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاَلْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی.

گردن جھک گئی

پھر گردن جھک گئی اور میں سمجھی کہ فوت ہو گئے اور لگی کہنے

''آپ کو انتخاب کا اختیار دیا گیا اور قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا، آپ نے انتخاب کر لیا!''

یہ میں نے اس لئے کہا کہ خود آپ تندرستی کی حالت میں فرمایا کرتے تھے، کوئی نبی نہیں مرتا جب تک کہ اسے جنت میں اس کا ٹھکانا دِکھا کر دنیا میں رہنے یا آخرت قبول کرنے کا اختیار نہ دے دیا جاتا ہو۔ مجھے یہ بات یاد تھی، اسی لئے میں نے یہ لفظ کہے تھے۔ (۱)

---

(۱) اختیار دیئے جانے کے سلسلے میں حضرت ابومویہبہؓ کی ایک روایت پہلے گزر چکی ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور روایت بھی ہے، جس سے جانِ دو عالم ﷺ کی بے پایاں شان وعظمت اور انتہائی قرب ومحبوبیت کا اظہار ہوتا ہے۔ ☜

طائر روح پرواز کر گیا

لیکن چند لمحہ بعد آپ میں پھر جنبش ہوئی اور آنکھیں کھول دیں، پھر سر مبارک جو میرے شانہ پر رکھا تھا، اچانک جھک گیا۔ میں سمجھی کہ آپ میرا سر چھونا چاہتے ہیں۔ میں فوراً جھکی نظریں نیچی کر کے چہرۂ مبارک دیکھا اور غور سے سنا کہ آپ بہت ہی آہستہ آہستہ فرما رہے ہیں

''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاَلْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی.''

عین اسی وقت دہن مبارک سے ایک نورانی مادہ اچھل کر نکلا اور میرے سینے کی ہڈی پر جا ٹھہرا۔ یہ اس قدر سرد تھا کہ میرا تمام بدن لرز اٹھا اور ایک ایسی خوشبو پھیلی جیسی میں

روایت کی تلخیص یوں ہے کہ بیماری کے آخری ایام میں جبریل امین تین دن تک حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پوچھتے رہے کہ آپ کا کیا حال ہے؟ (محض اظہار محبت کے لئے، ورنہ اللہ تعالیٰ سے کیا چیز پوشیدہ ہو سکتی ہے!) آخری دن حاضر ہوئے تو عرض کی---''یارسول اللہ! باہر ملک الموت آیا کھڑا ہے اور اندر آنے کے لئے اجازت کا طلب گار ہے۔ حالانکہ اس نے نہ اس سے پہلے کبھی کسی سے اجازت طلب کی ہے، نہ آئندہ طلب کرے گا۔''

جانِ دو عالم ﷺ نے جبریل سے فرمایا---''اس کو اجازت دے دو، وہ اندر آ سکتا ہے۔''

چنانچہ ملک الموت حاضر ہوا اور سلام پیش کیا پھر عرض کی---''یا محمد! مجھے اللہ نے آپ کی روح قبض کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں اپنا کام کروں، ورنہ واپس چلا جاؤں۔''

آپ نے حیرت سے پوچھا---''کیا واقعی تم اسی طرح کرو گے جس طرح میں کہوں گا!؟''

اس نے کہا---''جی ہاں! کیونکہ مجھے یہی حکم دیا گیا ہے کہ آپ کی مکمل اطاعت کروں۔''

جانِ دو عالم ﷺ نے جبریل کی طرف نگاہ اٹھائی تو انہوں نے عرض کی

''یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اِنَّ اللّٰہَ قَدِ اشْتَاقَ اِلٰی لِقَائِکَ'' (یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کی ملاقات کا مشتاق ہے۔)

یہ مژدۂ جانفزا سنتے ہی جانِ دو عالم ﷺ کا دل مسرت سے لبریز ہو گیا اور ملک الموت کو قبض روح کی اجازت مرحمت فرما دی۔ (مشکوٰۃ باب وفات النبی) (دائم)

نے کبھی پہلے نہ سونگھی تھی۔

میں سمجھی کہ آپ بے ہوش ہو گئے ہیں۔ چنانچہ منہ پر کپڑا ڈال دیا، حالانکہ اس مرتبہ آپ فوت ہو چکے تھے، مگر مجھے خبر تک نہ ہوئی۔(۱)

میں دیگر ازواج کی بنسبت کم سنی کی وجہ سے ایسی تھی کہ آپ کا سر مبارک تکیہ پر رکھ دیا اور عورتوں کے ساتھ مل کر رونے کھڑی ہوگئی۔ اب مجھے اپنی اس حرکت پر تعجب ہے کہ آپ کا سرِ اقدس اپنے سے کیوں جدا کیا؟ غسل تک کیوں نہ لئے بیٹھی رہی؟''

اس طرح اللہ کا آخری رسول (ﷺ) دوشنبہ کے دن ۱۳ (۲) ربیع الاول ۱۱ ہجری کو (۳) زوال کے بعد اس دارِ فانی سے عالم جاودانی کو رخصت ہوا۔ وفات کے وقت آپ کھری اونی چادر اوڑھے اور موٹی تہہ بند باندھے تھے۔ ابو برزہؓ راوی ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے یہ دونوں کپڑے مجھے نکال کر دکھائے اور کہا کہ نبی ﷺ انہی میں فوت ہوئے تھے۔

عبرت

اللہ! اللہ! کیا استقلال تھا۔ نہ مرض کی سختیوں اور موت کی ہولناکیوں سے خائف ہوئے، نہ کوئی حرفِ شکایت زبان پر آیا! کیا محبتِ الٰہی تھی کہ دوا کیا، دعا سے بھی منع کر دیا، کہ اب جوارِ حبیب میں جلد پہنچ جانے دو۔ درمیان میں کوئی روک بھی پیدا نہ کرو! کیا عبدیت تھی کہ باوجود معصوم و پاک ہونے کے، پروردگار کے حضور گرے پڑتے تھے اور گڑگڑاتے جاتے تھے کہ---''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ'' (خدایا! مجھے بخش دے)

آہ، یہ حال، اللہ کے رسول کا تھا کہ نزع کی حالت میں بھی مغفرت کے لئے بے

---

(۱) یہ پورا واقعہ زیادہ تر بخاری (کتاب الوصایا) اور ابن ہشام سے لیا گیا ہے۔

(۲) محدثین واصحاب سیر میں آپ کی تاریخ وفات کے بارے میں سخت اختلاف ہے۔ ہم اس بحث میں پڑ کر کتاب کو طول دینا نہیں چاہتے۔ ہم نے وہ تاریخ درج کی ہے، جو زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔

(۳) ایک روایت میں ہے کہ ضحی کے وقت آپ کا انتقال ہوا۔ ہجرت میں ٹھیک اسی وقت آپ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تھے۔ (ماثبت بالسنۃ)

قرار تھے (حالانکہ وہ قطعی مغفور تھے) اور ایک ہم ہیں کہ گناہوں پر جری اور استغفار سے قطعی غافل ہیں! ایک طرف سے آگ لگاتے جاتے ہیں اور دوسری طرف سے گھر کو بے حفاظت چھوڑے ہوئے ہیں۔ پھر سلامتی کی کیا امید ہوسکتی ہے؟

وفات کے وقت جسمانی حالت

وفات کے وقت عمر ۶۳ سال تھی۔ نبوت کے بعد تیرہ برس مکہ میں گزرے تھے اور دس برس مدینہ میں۔ عمر اگرچہ پختہ تھی مگر دماغی وجسمانی صحت مجموعی طور پر قابلِ اطمینان تھی۔ پیری اور اس کی کمزوریاں مغلوب نہ کرسکی تھیں۔

حضرت انسؓ سے پوچھا گیا ''وفات کے وقت آپ کی جسمانی حالت کیسی تھی؟''

کہا---''نہایت تروتازہ، خوبصورت، وجیہہ اور تندرست۔ سر اور ریش مبارک میں سفیدی تک نہیں دوڑی تھی۔ داڑھی کے آگے سے صرف تیس بال سفید ہوئے تھے۔''

توکل

وفات کے وقت آپ کی حیثیت محض ایک دینی پیشوا کی نہ تھی؛ بلکہ دنیاوی بول چال میں آپ پورے عرب کے بالکل خودمختار اور مطلق العنان بادشاہ تھے۔ یمن، حجاز حضرموت، نجد، عسیر، تہامہ، مسقط، عمان، قطیف وغیرہ تمام علاقوں پر سربلند علم محمدی بے روک ٹوک لہرا رہا تھا۔ تم خیال کرتے ہوگے کہ اس شہنشاہِ عرب نے مرتے وقت ضرور ایک بڑا خزانہ چھوڑا ہوگا--- خدم وحشم ہوں گے، اونٹ گھوڑے ہوں گے، توشہ خانے ہونگے، جواہرات سے بھرے صندوق ہوں گے، سونے چاندی سے لبریز تہہ خانے ہوں گے۔

آہ! نہیں، وہاں اس طرح کی کوئی چیز بھی نہ تھی۔ اس کے شاہی خزانہ میں نہ کوئی دینار تھا، نہ درہم۔ اس کے اصطبل میں نہ کوئی اونٹ تھا، نہ بکری، نہ گھوڑا۔ اس کے پیش خدمتوں میں نہ کوئی غلام تھا، نہ کنیز۔ اس اللہ والے سلطان کے پاس کوئی چیز بھی موجود نہ تھی۔ صرف سواری کا ایک خچر تھا، چند آہنی ہتھیار تھے، جن میں کچھ تلواریں، نیزے اور زرہیں شامل تھیں، اور ان میں بھی ایک زرہ چند سیر جو کے عوض ایک یہودی کے پاس گروی پڑی تھی۔ یہ قرض اس بادشاہ نے اپنے گھر والوں کی شکم پری کے لئے لیا تھا۔

شہنشہ دونوں عالم کا، مگر نفرت تجمل سے
حریمِ ناز میں تکیہ خدا پر اس کی مسند کا

دو اہم مسئلے اور اُسوۂ نبوی

ہاں چند بیگھہ زمین بھی تھی، مگر نہ تو زندگی میں اس نے کبھی اسے اپنا سمجھا اور نہ مرتے وقت اپنے ورثاء میں تقسیم ہونے کے لئے چھوڑ گیا۔ زندگی میں بھی وہ مسلمانوں کے لئے وقف تھی اور مرتے وقت بھی اسے مسافروں پر صدقہ کر گیا۔ یہی نہیں؛ بلکہ اپنے وارثوں کو یہ اعلان کر کے صاف لفظوں میں وراثت سے خارج کر گیا کہ

''جس گروہ سے ہم ہیں (یعنی انبیاء کے گروہ سے) اس کے ہاں وراثت نہیں ہوتی۔''(۱)

پچھلے صفحوں میں پڑھ چکے ہو کہ چند دینار جو اتفاقیہ گھر میں رہ گئے تھے، انہیں کس نفرت کی نگاہ سے دیکھا اور ان کی موجودگی سے پریشان ہو گئے تھے۔

آپ کی زندگی اور مرض الموت کے یہ واقعات صاف بتا رہے ہیں کہ اللہ کے اس آخری پیغمبر اور سب سے زیادہ کامل ہدایت لانے والے رسول نے موجودہ دنیا کے دو سب سے زیادہ پیچیدہ مسئلوں --- سرمایہ داری اور غیر منقولہ جائداد کی شخصی ملکیت و وراثت --- میں کیا اسوہ و نمونہ چھوڑا ہے؟ بلاشبہ اس نے ان میں سے کوئی چیز حرام نہیں ٹھہرائی، کیونکہ عقل انسانی ہنوز عہدِ طفولیت میں تھی، لیکن اپنی ساری عمر عسرت و فلاکت میں گزار کر اور اپنی برائے نام ملکیت غیر موروثی قرار دے کر درحقیقت اس نے ان دونوں مہتم بالشان مسئلوں سرمایہ داری اور شخصی ملکیت، کے حل کے لئے بہترین روشنی دنیا کے سامنے پیش کر دی ہے۔

اس بارے میں تقریباً وہی طریقہ اختیار کیا جو غلامی کی قدیم رسم کے ابطال میں برتا تھا کہ وقتی مصلحتوں کی بنا پر نفس غلامی تو ممنوع قرار نہیں دی، لیکن اسے ایسی پابندیوں سے جکڑ دیا کہ کم سے کم؛ بلکہ موقوف ہو جائے۔

---

(۱) پوری تفصیل ابن سعد، مسند عائشہ اور بخاری (مرض النبی ووفاتہ) سے لی گئی ہے۔

جانِ دو عالم ﷺ کی تلواریں
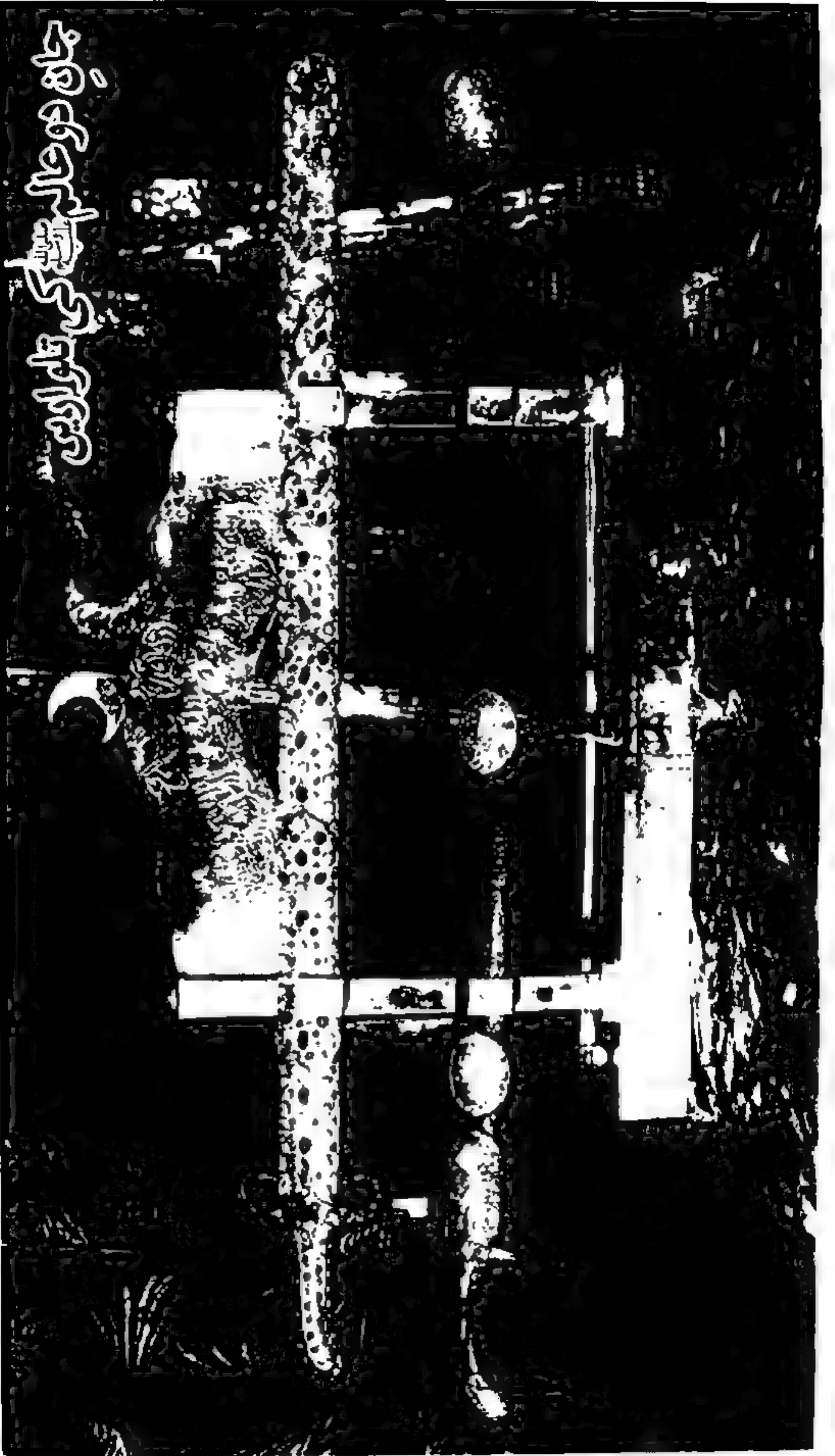
اهل بیت کا دستور

امیر المؤمنین حضرت علیؓ نے آپ کی وفات کے بعد اپنا دستور بنالیا تھا کہ ہر سال یوم النحر کے دن منیٰ میں منادی کراتے تھے

''جس کسی کا رسول اللہ ﷺ کے ذمہ کوئی وعدہ یا قرضہ ہو، میرے پاس آئے۔''

چنانچہ جو کوئی بھی آجاتا تھا، سچا ہو یا جھوٹا، اس کا مطالبہ ضرور پورا کر دیتے تھے۔ آپ کے بعد حضرت حسنؓ اور ان کے بعد حضرت حسینؓ کا بھی یہی دستور رہا۔ ان کی شہادت کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا۔(۱)

وصال کے بعد

رسول اللہ ﷺ کا انتقال کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ یہ ایک ایسی ہستی کا فراق تھا جو خدا کا آخری پیغمبر، حبیب، برگزیدہ اور سب سے افضل انسان تھا۔ اس کے پیروؤں کی حالت یہ تھی کہ اس کے نام پر قربان ہوتے تھے۔ اس کی خوشنودی کو سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے۔ اس کے کترے ہوئے بال تک بانٹ لیتے تھے۔ اس کے وضو کا مستعمل پانی بھی زمین پر گرنے نہ پاتا تھا، ایک ایک بوند تبرک سمجھی جاتی اور آنکھوں سے لگائی جاتی تھی۔ اس کا پسینہ عطر سے زیادہ نفیس سمجھا جاتا اور خوشبو میں ملایا جاتا تھا۔ ہر بڑے آدمی کی موت پر تہلکہ مچ جاتا ہے، پھر رسول اللہ کی وفات پر جو کچھ بھی ہوتا، کم تھا۔

اگرچہ اس برگزیدہ انسان نے اپنے دورانِ مرض برابر اس ہونے والے حادثہ سے لوگوں کو آگاہ کیا، مگر فرط جوش و محبت میں دل اس کا تصور بھی کرنا نہیں چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ پیش آیا تو صحابہ کرام میں ایک سخت دماغی انتشار اور عدم توازن پیدا ہو گیا۔

حضرت فاطمہؓ کا اظہارِ غم

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی زبانی اوپر سن چکے ہیں کہ وہ اپنی کم سنی کی وجہ سے پوری طرح سمجھ نہ سکیں کہ طائر روح پرواز کر چکا ہے۔ لہٰذا وہ دوسری عورتوں کے ساتھ رونے کھڑی ہو گئیں۔

---

(۱) ابن سعد.

حضرت فاطمۃ الزہراءؓ، جن پر قدرتاً حادثہ کا بہت زیادہ اثر تھا، برابر روئے جا رہی تھیں اور یوں کہتی جاتی تھیں

''وَاابَتَاہ! اَجَابَ رَبًّا دَعَاہ.
وَاابَتَاہ! مَنْ جَنَّۃُ الْفِرْدَوْسِ مَأْوَاہ.
وَاابَتَاہ! اِلٰی جِبْرِیْلَ نَنْعَاہ. (۱)
وَاابَتَاہ! رَبُّہ یُکْرِمُہ' اِذَا دَنَاہ.
اَلرَّبُّ وَالرُّسُلُ یُسَلِّمُ عَلَیْہِ حِیْنَ یَلْقَاہ.
وَاابَتَاہ! مِنْ رَّبِّہٖ مَا اَدْنَاہ.''

(ہائے ابا جان! جنہوں نے پروردگار کی پکار پر لبیک کہا، ہائے ابا جان! جن کا ٹھکانہ جنت الفردوس ہے، ہائے ابا جان! جن کی وفات کی خبر ہم جبریل (علیہ السلام) کو سناتے ہیں۔ ہائے ابا جان! ان کا رب انہیں عزت دے، جب وہ اس کے پاس پہنچیں، ہائے ابا جان! ان کا رب ان پر سلامتی بھیجے جب وہ اس سے ملاقات کریں، ہائے ابا جان! جو اپنے رب کے انتہائی قریب ہیں۔)

حضرت اسامہؓ کا جھنڈا

ٹھیک وصال کے وقت مدینہ کے باہر حضرت اسامہؓ اپنی فوج کو جنگی مہم پر روانہ ہونے کا حکم دے رہے تھے۔ اچانک ان کی والدہ حضرت ام ایمنؓ کا قاصد پہنچا۔

''جلدی چلو! آنحضرت ﷺ نزع کی حالت میں ہیں۔''

اب کہاں کی فوج؟ کہاں کی روانگی؟ فوراً اسامہؓ، عمرؓ، ابو عبیدہؓ مدینہ کی طرف دوڑے۔ ان کے پیچھے پیچھے پوری فوج بھی واپس ہوئی۔ بریدہ بن الحصیبؓ، اسامہؓ کا جھنڈا لپیٹے مدینہ میں داخل ہوئے اور حجرۂ نبوی کے دروازہ پر اسے گاڑ دیا۔ (۲)

---

(۱) بخاری (مرض النبی ووفاتہ)

(۲) ابن سعد۔ یہ جھنڈا برابر گڑا رہا یہاں تک کہ حضرت ابوبکر نے خلیفہ ہو کر پھر اسے اسامہ کے سپرد کیا اور فوج روانہ ہوئی۔

منافقوں کی خوشی، صحابہ کی بے چینی

باہر لوگوں نے یہ خبر سنی تو ایک طرف منافقوں نے خوشی ظاہر کرنا اور جرأت سے سر اٹھانا شروع کیا۔(۱) دوسری طرف مسلمانوں میں سخت بے چینی پیدا ہوئی۔ ہر طرف سے دوڑ کر حجرۂ نبوی پر جمع ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کو دیکھنے لگے۔ سب بدحواسی سے چلا رہے تھے

''رسول اللہ کیسے وفات پا سکتے ہیں؛ جبکہ ہم پر شہید ہیں اور ہم ساری دنیا پر شہید ہیں اور جبکہ ہم اب تک سب پر غالب نہیں آئے ہیں؟ نہیں، واللہ نہیں آپ ہرگز مرے نہیں؛ بلکہ آپ اسی طرح آسمان پر اٹھا لئے گئے ہیں، جس طرح عیسیٰ ابن مریم اٹھا لئے گئے تھے اور عنقریب نزول فرمائیں گے۔''

یہی نہیں؛ بلکہ وہ دھمکانے لگے کہ خبردار! کوئی آپ کی موت کا لفظ زبان پر نہ لائے۔

حضرت عمرؓ کا جوش

سب سے زیادہ غلو حضرت عمرؓ کو تھا۔ وہ برابر قسمیں کھائے جاتے تھے

''بخدا! رسول اللہ فوت نہیں ہوئے ہیں۔''

یہی نہیں؛ بلکہ تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ کر خطبہ دینے کھڑے ہو گئے

''جو کوئی بھی منہ سے نکالے گا کہ رسول اللہ انتقال کر گئے ہیں، اس کو میں اپنی اس تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔''(۲)

حضرت ابوبکرؓ صدیق کی آمد

اِدھر یہ ہو رہا تھا، اُدھر حضرت ابوبکرؓ اس حادثۂ جانکاہ سے بے خبر سُنح میں اپنی بیوی ''بنتِ خارجہ'' کے گھر مطمئن بیٹھے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو صبح اچھا بھلا چھوڑ گئے تھے اور دل میں کوئی اندیشہ نہ تھا۔ اچانک لوگوں کو کانا پھوسی کرتے سنا۔ ان کا ماتھا ٹھنکا اور غلام کو تحقیقات کا حکم دیا۔ اس نے آ کر جواب دیا کہ لوگ کہتے ہیں---''محمد ﷺ وفات پا گئے ہیں۔''

---

(۱) ابن ابی شیبہ (المواہب) (۲) کنز العمال.

یہ سنتے ہی آپ یہ کہتے ہوئے گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے

''آہ! میری کیا خرابی ہوگی؟''(۱)

فوراً گھوڑا مدینہ کی طرف دوڑا دیا۔

سالم بن عبداللہ الاشجعیؓ کی روایت ہے کہ جب مسجد میں یہ تمام ہنگامہ برپا تھا تو بعض لوگوں نے مجھ سے کہا---''سالم! جا اور رسول اللہ کے دوست (ابوبکر) کو بلالا۔''

میں مسجد سے نکلا ہی تھا کہ ابوبکرؓ نظر آئے۔ دیکھتے ہی میری ہچکی بندھ گئی، کہنے لگے

''سالم! کیا واقعی رسول اللہ فوت ہوگئے؟''

میں نے کہا---''کیسے کہوں؟ یہ عمر کھڑے کہہ رہے ہیں کہ جو کوئی کہے گا رسول اللہ وفات پاگئے ہیں میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔''(۲)

حضرت ابوبکرؓ اس طرح داخل ہوئے کہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ فرطِ گریہ سے خاموش تھے۔ آہیں دل سے اٹھتی تھیں اور سینہ ہی میں رہ جاتی تھیں کسی سے گفتگو نہیں کی۔ سیدھے حجرے کی طرف بڑھے اور حسب دستور حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔ اندر سے آواز آئی

''آج کے دن اجازت کی ضرورت باقی نہیں رہی!''

کہنے لگے ''سچ ہے۔'' پھر اندر داخل ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی چارپائی کی طرف بڑھے آپ پر چادر پڑی تھی۔ رخ انور سے کپڑا اٹھایا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا۔ پھر اوپر جھکے اور آپ کی آنکھوں کے درمیان پیشانی پر اپنا منہ رکھا، ساتھ ہی روتے تھے اور کہتے تھے

''وَا نَبِيَّاهُ! وَا صَفِيَّاهُ! وَا خَلِيْلَاهُ!''(۳)

پھر سر کی طرف مڑے اور کہا ''وَا نَبِيَّاهُ!''

---

(۱) ابن خسرو (کنز). (۲) المواھب و ترمذی مامعناہ.

(۳) آہ، اللہ کے نبی! آہ، اللہ کے پسندیدہ! آہ، اللہ کے دوست۔

پھر منہ جھکایا اور چہرہ مبارک کا بوسہ لیا۔ پھر سر اٹھایا اور کہا ''وَاخَلِیْلاہ!''
پھر منہ جھکایا اور پیشانی مبارک کا بوسہ لیا، پھر کہا

''میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ وصال سے پہلے اور وصال کے بعد ہر حال میں طیب وطاہر ہیں۔ قسم ہے اس کی، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، خدا آپ پر دو موتیں ہرگز جمع نہیں کرے گا۔ جو موت لکھی تھی، وہ تو آچکی۔ آپ کی وفات سے وہ چیز منقطع ہوگئی جو کسی نبی کی موت سے بھی منقطع نہیں ہوئی تھی۔ آپ ہر طرح کی صفت سے بالا ہیں۔ گریہ وبکا سے ارفع ہیں۔ اگر آپ کی موت خود آپ کی پسند سے نہ ہوتی تو ہم آپ کے رنج میں جانیں قربان کر دیتے۔ اگر آپ نے رونے سے منع نہ کر دیا ہوتا تو ہم آپ پر آنسوؤں سے اپنی آنکھیں خشک کر لیتے۔ لیکن جس چیز کو ہم اپنے سے کسی طرح بھی دور نہیں کر سکتے، وہ رنج اور آپ کی یاد ہے جو ہمیشہ ہمارے ساتھ باقی رہے گی، کبھی جدا نہیں ہوگی۔

اے محمد ہمارا ذکر اپنے رب کے ہاں کیجئے۔ ہم آپ کو برابر یاد رہیں۔ اگر آپ نے اپنے پیچھے یہ سکینت نہ چھوڑی ہوتی تو کوئی اس غم سے نہ بچتا جو آپ نے اپنے پیچھے چھوڑا ہے۔(۱)

ابوبکر صدیق کی یادگار تقریر

پھر کپڑا منہ پر ڈال دیا اور باہر مسجد میں گئے۔ حضرت عمرؓ بدستور بول رہے تھے۔ انہیں مخاطب کر کے حضرت ابوبکرؓ نے کہا

''او، قسمیں کھانے والے، ٹھہر، اپنی جگہ بیٹھ جا!''

مگر وہ اس قدر جوش میں بھرے تھے کہ بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ لوگوں کو پھاندتے آگے بڑھے اور منبر تک پہنچ گئے۔ حاضرین نے انہیں دیکھا تو حضرت عمرؓ کو چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس وقت آپ نے یہ یادگار خطبہ دیا

''میں گواہی دیتا ہوں کہ ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ پورا

---

(۱) ابن ابی الدنیافی کتاب العزاء باسناد ضعیف (احیاء العلوم ج ۴)

کیا، اپنے بندے کو فتحیاب کیا اور تن تنہا تمام جتھوں پر غالب آ گیا۔ پس تمام ستائش اسی ایک خدا کے لئے ہے اور گواہی دیتا ہوں محمد اس کے بندے، پیغمبر اور نبیوں کے خاتم ہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ کتاب ویسی ہی ہے جیسی نازل ہوئی تھی، دین ویسا ہی ہے جیسا مقرر کیا گیا تھا، حدیث ویسی ہی ہے جیسی بیان کی گئی تھی اور بات وہی ہے جو کہی گئی تھی۔ اللہ ہی روشن حق ہے۔

الٰہی! محمد اپنے بندے، رسول، نبی، حبیب، برگزیدہ اور منتخب پر افضل ترین درود بھیج۔ الٰہی! اپنی صلوٰۃ، اپنا عفو، اپنی رحمت، اپنی برکت رسولوں کے سردار، نبیوں کے خاتم اور پرہیزگاروں کے امام، محمد کے شاملِ حال کر، جو نیکی کے رہنما، بھلائی کے رہبر اور رحمت کے قاصد ہیں۔ ان کی قربت نزدیک کر، ان کی برہان عظیم کر، ان کے مقام کو عزت دے اور انہیں اس مقام محمود میں اٹھا جس پر تمام اگلے پچھلے رشک کریں۔ ان کے مقام محمود سے قیامت کے دن ہمیں نفع پہنچا اور انہیں جنت میں درجہ و وسیلہ تک پہنچا۔

اے خدا! محمد پر اور ان کی آل پر تیری صلوٰۃ ہو، محمد پر اور ان کی آل پر تیری برکت ہو، اسی طرح جس طرح تیری صلوٰۃ و برکت ہوئی ابراہیم پر اور ابراہیم کی آل پر، تو ہی ستائش اور بزرگی والا ہے۔

اے لوگو! تم میں سے جو کوئی پوجا کرتا تھا محمد کی تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ محمد کا وصال ہو چکا ہے۔ لیکن جو کوئی عبادت کرتا تھا اللہ کی، سو اللہ زندہ ہے کبھی مرنے والا نہیں۔

رب العزت نے محمد ﷺ سے فرمایا تھا

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ ٥ (۱)

اور فرمایا

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ اَفَاِن مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤی اَعْقَابِکُمْ ۚ وَمَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْهِ فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰهَ شَیْئًا ۚ

---

(۱) آپ نے بھی وفات پانی ہے اور یہ سب بھی مرجانے والے ہیں۔

وَسَیَجۡزِی اللّٰہُ الشّٰکِرِیۡنَ٥(۱)

اور فرمایا

کُلُّ مَنۡ عَلَیۡھَا فَانٍ٥ وَیَبۡقٰی وَجۡہُ رَبِّکَ ذُوالۡجَلٰلِ وَالۡاِکۡرَامِ٥(۲)

پھر کہا---''اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کی وفات کی خبر اس وقت سے دے دی تھی جب وہ تم میں موجود تھے اور خود تمہیں بھی تمہاری موت کی اطلاع پہنچا دی ہے۔ پس موت اٹل ہے۔ سب مرجائیں گے۔ بجز ایک خدا کے کوئی بھی باقی نہ رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو ایک خاص عمر تک زندہ رکھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے دین الٰہی قائم کر دیا، امر خداوندی برملا کر دیا، رسالت پہنچا دی اور راہ خدا میں برابر جہاد کرتے رہے۔ پھر خدا نے انہیں وفات دے دی اور تمہیں سیدھے راستہ پر چھوڑ دیا۔

پس اب جو بھی ہلاک ہونے والا ہلاک ہوگا، وہ واضح دلیل اور بدبختی کے بعد ہلاک ہوگا۔ اس نے اپنے نبی کے لئے تمہارے پاس کی چیز پر اس چیز کو ترجیح دی ہے، جو خود اس کے پاس ہے۔ اس نے انہیں ثواب کی طرف اُٹھالیا ہے اور تم میں اپنی کتاب اور اپنے نبی کی سنت چھوڑ دی ہے۔ جو کوئی ان دونوں کو لے گا، راہِ راست پر رہے گا اور جو ان میں تفریق کرے گا، بھٹک جائے گا۔

اے ایمان والو! عدل کے قائم کرنے والے بنو۔ شیطان تمہارے نبی کی موت کی وجہ سے تمہیں مشغول نہ کر لے۔ تمہارے دین کی طرف سے تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دے۔ شیطان پر نیکی کے ذریعہ حملہ کرنے میں جلدی کرو، تاکہ شکست کھا جائے۔ اسے ڈھیل نہ دو،

---

(۱) نہیں ہیں محمد (ﷺ) مگر ایک رسول۔ اگر وہ وفات پا گئے یا شہید کر دیئے گئے تو کیا تم الٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے؟ جس نے ایسا کیا، وہ اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔

(۲) عالم کائنات میں جو کچھ بھی ہے، فنا ہو جانے والا ہے۔ صرف ایک تیرے بزرگ و برتر پروردگار کی ذات ہی باقی رہ جائے گی۔

ورنہ وہ تم تک پہنچ جائے گا اور تمہیں فتنہ میں ڈال دے گا۔

اے لوگو! اللہ سے ڈرو۔ اپنے دین کو مضبوطی سے پکڑو۔ اپنے رب پر توکل کرو۔ کیونکہ اللہ قائم ہے۔ اس کا کلمہ تام ہے۔ اللہ اسی کو فتحیاب کرتا ہے جو اس کی مدد کرتا ہے۔ وہ اپنے دین کو عزت بخشنے والا ہے۔

کتاب اللہ ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے۔ وہ نور ہے اور شفا ہے۔ اسی کے ذریعہ خدا نے محمد (ﷺ) کی رہنمائی فرمائی۔ اسی میں اللہ کا حلال اور حرام ہے۔ بخدا، ہم کسی کی ذرا بھی پروانہیں کرتے۔ خلق اللہ میں سے کوئی بھی ہم پر غالب نہیں ہوسکتا۔ اللہ کی تلواریں اب تک بے نیام ہیں اور ہمارے ہاتھوں میں بلند ہیں۔ ابھی ہم نے رکھی نہیں ہیں۔ جو کوئی ہماری مخالفت پر آئے گا، ہم اس پر اسی طرح جہاد کریں گے جس طرح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہو کر جہاد کرتے تھے۔ پس ہر شخص کو چاہئے کہ اپنے بچانے کی فکر کرے۔(۱)

صحابہ کو ہوش آگیا

اس خطبہ کا اثر یہ ہوا کہ صحابہ کرامؓ کا وہ دماغی خلفشار دور ہوگیا جو اس حادثۂ عظیم کی وجہ سے پیدا ہوگیا تھا اور تمام لوگ ہوش میں آگئے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب ابوبکر نے آیت **وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ الخ** تلاوت کی تو لوگ اس طرح چونک پڑے، گویا انہیں معلوم ہی نہ تھا کہ یہ آیت قرآن میں موجود ہے۔ پھر مدینہ میں کوئی فرد بشر ایسا نہ تھا جس کی زبان پر یہ آیت نہ ہو۔

خود حضرت عمرؓ کا اپنا بیان ہے کہ جب ابوبکر نے یہ آیت تلاوت کی تو ایسا معلوم ہوا، گویا میرے دونوں پاؤں کسی نے کاٹ ڈالے ہیں اور مجھے اٹھائے ہوئے نہیں ہیں۔ جب میں نے ابوبکر کی زبان سے یہ آیت سنی اور معلوم ہوگیا کہ نبی ﷺ کی وفات ہوگئی ہے تو میں زمین پر گر پڑا۔

---

(۱) یہ واقعہ اور خطبہ بخاری شریف (کتاب الفضائل و باب مرض النبی ووفاتہ) ابن ہشام، احیا جلد چہارم، کنز العمال، مسند عائشہ اور ابن سعد کی روایتوں سے مرتب کیا گیا ہے۔

تجہیز و تکفین

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ جب ہم تجہیز و تکفین پر مستعد ہوئے تو لوگوں کا ہجوم روکنے کے لئے دروازہ بند کرلیا تھا۔ اس پر انصاری آکر پکارے

''ہمارا بھی حق ہے۔ ہم ان کے ماموں زاد ہیں۔ اسلام میں ہمارا درجہ معلوم ہے۔''

قریش آکر پکارے۔۔۔''ہم ان کے خاندان والے ہیں۔''

اس پر بھی جب دروازہ نہ کھلا تو لوگ ابوبکر سے شکایت کرنے لگے، ابوبکر نے پکار کر کہا ''مسلمانو! میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں۔ ہر قوم اپنے جنازے کی زیادہ حقدار ہے۔ اگر تم سب اندر آجاؤ گے تو نبی کے خاندان والوں کو آپ سے دور کردو گے، جسے یہ لوگ اجازت دیں، وہی اندر جائے۔''

لیکن انصار برابر اصرار کرتے رہے۔ مجبوراً ان میں سے ایک شخص اوس بن خولی کو اندر بلا لیا گیا۔

اوپر آپ پڑھ آئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو غسل دینے کی وصیت کی تھی۔ چنانچہ انہوں نے ادب کے خیال سے اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹ لیا۔ پھر کرتے کے اندر ہاتھ ڈال کر ملنے لگے۔

غسل دینے میں حضرت علیؓ کے علاوہ اسامہ بن زیدؓ، فضل بن عباسؓ اور مذکور الصدر انصاری اوس بن خولی شریک تھے۔ فضلؓ پردہ پکڑے تھے۔ انصاری پانی انڈیلتے تھے۔ حضرت علیؓ نہلاتے (۱) تھے اور کہتے جاتے تھے

''بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ، مَا اَطْیَبَکَ حَیًّا وَّ مَیِّتًا!''(۲)

کیونکہ آپ میں اس طرح کی کوئی کثافت موجود نہ تھی جو عام میت میں ہوتی ہے

---

(۱) ابن سعد و بیہقی (کنز) بعض روایتوں میں ہے کہ اسامہ اور فضل کی آنکھوں پر پٹی بندھی تھی اور پردے کے اس پار حضرت علی کو پانی دیتے تھے۔ (ابن سعد)

(۲) میرے ماں باپ قربان! آپ وصال سے پہلے اور بعد میں کیسے طیب و طاہر ہیں!

آپ کو پانی اور بیری سے تین غسل دیئے گئے۔ پانی سعد بن خثیمہ کے کنویں سے لایا گیا تھا۔ یہ کنواں قبا میں واقع تھا اور اس کا پانی پیا بھی جاتا تھا۔

کفن

غسل کے بعد آپ کا کرتہ اتار ڈالا گیا اور سجدے میں زمین سے مس ہونے والے اعضاء ہاتھوں، ہتھیلیوں، چہرہ، پیروں اور جوڑوں میں خوشبو لگائی گئی اور عود و بخور کی دھونی دی گئی۔ پھر کفن پہنایا گیا۔ کفن میں صرف تین سفید یمنی کپڑے تھے۔ ان میں قمیص اور عمامہ شامل نہیں کیا گیا تھا۔ کفن چار آدمیوں نے پہنایا تھا۔ علی، عباس، عقیل، اسامہ انصاری۔ رضی اللہ عنہم۔

نمازِ جنازہ

کفن کے بعد آپ کا جسدِ اطہر اسی تخت پر رکھ دیا گیا جس پر وصال ہوا تھا۔ اب لوگوں نے نمازِ جنازہ پڑھنا شروع کی۔(۱) سب سے پہلے حضرت علیؓ، عباسؓ اور بنی ہاشم نے نماز پڑھی۔ پھر مہاجرین نے، پھر انصار نے، پھر عورتوں نے، پھر بچوں نے۔ کوئی امام نہیں ہوتا تھا۔ حضرت علیؓ نے پہلے ہی سے کہہ دیا تھا

''آپ کی نماز میں کوئی امامت نہ کرے کیونکہ آپ جیتے جی سب کے امام تھے اور وصال کے بعد بھی سب کے امام ہیں۔''

مہاجرین و انصار کی نماز کا حال اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ حجرے میں داخل ہوئے تو پہلے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے، پھر ان کے ساتھ والوں نے کہا---

''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ''--- پھر کسی کو امام بنائے بغیر صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ، رسول اللہ ﷺ کے مقابل کھڑے ہوئے اور یہ دعا شروع کی (سب پیچھے آمین آمین کہتے جاتے تھے۔)

''خدایا! ہم گواہی دیتے ہیں کہ جو کچھ ان پر (یعنی رسول اللہ ﷺ پر) نازل ہوا،

---

(۱) یہ اصطلاحی نمازِ جنازہ نہ تھی؛ بلکہ صلوٰۃ وسلام اور بلندیٔ درجات کی دعا تھی۔ (دائم)

وہ انہوں نے پورا پورا پہنچا دیا، امت کو نصیحت کی، راہ حق میں جہاد کیا، یہاں تک کہ خدا نے اپنا دین غالب کر دیا۔ اس کا بول بالا ہو گیا اور اس تنہا و یگانہ و بے شریک پر ایمان لایا گیا۔ پس اے ہمارے معبود! ہمیں ان لوگوں میں کر دے جو اس قول کی پیروی کرتے ہیں جو ان کے ساتھ نازل ہوا تھا اور ہمیں ان کے ساتھ جمع کر دے تا کہ وہ ہمیں پہچانیں اور ہم آپ کو پہچانیں، کیونکہ آپ مؤمنین کے ساتھ رؤف و رحیم تھے۔ ہم ایمان کا کوئی بدل نہیں چاہتے۔ اسے بیچ کر کوئی چیز خریدنا نہیں چاہتے!''

دفن کہاں کئے جائیں؟

جب آپ کی وفات کا سب کو یقین ہو گیا تو حضرت ابو بکرؓ نے دفن کرنے پر زور دیا، مگر اختلاف پیدا ہوا کہ کس مقام میں دفن کئے جائیں؟ بعضوں نے کہا، منبر کے پاس۔ بعضوں نے کہا، اس مقام پر جہاں آپ کھڑے ہو کر امامت کرتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کہا---''معاذ اللہ! ہم آپ کو بت نہیں بنا سکتے کہ اس کی پرستش کی جائے۔''

اس پر بعضوں نے کہا---''تو آپ کو بقیع میں دفن کریں، جہاں آپ کے بھائی مہاجرین دفن ہیں۔''

حضرت ابو بکرؓ نے اس سے بھی اختلاف کیا، اس پر صحابہ کرامؓ نے کہا

''پھر آپ کی رائے کہاں دفن کرنے کی ہے؟''

انہوں نے جواب دیا---''میں نے نبی اکرم ﷺ کو ایک بات فرماتے سنا ہے اور اب تک اسے بھولا نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا تھا ''نبی کی روح جس جگہ قبض ہوتی ہے، وہیں اسے دفن کیا جاتا ہے۔''

صحابہ نے کہا---''بخدا آپ کا قول ہر طرح پسندیدہ ہے۔''

چنانچہ صحابہ کرامؓ نے اتفاق کر لیا کہ آپ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے ہی میں دفن کئے جائیں۔

قبر کیسے کھودی گئی؟

آپ کے بچھونے کے اردگرد زمین پر ایک نشان کھینچا گیا اور نشان کے اندر

حضرت ابوطلحہؓ نے قبر کھود دی۔

قبر میں کس نے اُتارا؟

قبر تیار ہوگئی تو آپ کو سہ شنبہ کے دن رات کو دفن کیا گیا۔ تخت پائنتی کی طرف سے ہٹایا گیا اور اسی طرف سے آپ کو قبر میں اتارا گیا۔ حضرت علیؓ، عباسؓ، عقیلؓ، اسامہؓ اور اوسؓ نے قبر میں اتارا اور باہر نکل آئے۔ اس کے بعد مٹی دی گئی۔ حضرت بلالؓ نے قبر پر ایک مشک پانی چھڑکا۔ سر کی طرف سے چھڑکنا شروع کیا تھا۔

اس طرح بروز سہ شنبہ بتاریخ ۱۴ ربیع الاول ۱۱ ہجری بوقت شب جسدِ نبوی ﷺ کو سپردِ خاک کیا گیا۔

وفات کے بعد پہلی اذان

ابھی تدفین نہیں ہوئی تھی کہ نماز کا وقت آ گیا۔ حضرت بلالؓ اذان دینے کھڑے ہوئے --- ''اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ الله'' --- کی صدا بلند کی تھی کہ مسجد نبوی میں کہرام مچ گیا۔

دفن کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ کہنے لگے

''اگر آپ نے مجھے اس لئے آزاد کیا ہے کہ ہمیشہ آپ ہی کے ساتھ رہوں تو مجھے ایسا حکم دیجئے۔ لیکن اگر خدا کے لئے آزاد کیا ہے تو مجھے خدا کے لئے چھوڑ دیجئے۔''

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا --- ''میں نے تمہیں خدا ہی کے لئے آزاد کیا ہے۔''

حضرت بلالؓ نے جواب دیا --- ''تو میں اب رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کے لئے اذان نہیں دوں گا۔''

پھر وہ ملکِ شام چلے گئے۔

سوگوار یثرب

پورے مدینہ میں ایک تہلکہ پڑا ہوا تھا۔ گریہ و بکا کے سوا کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ حضرت ابوذویب ہذلیؓ سے مروی ہے کہ --- ''ہمارے قبیلہ کو نبی ﷺ کی علالت کی
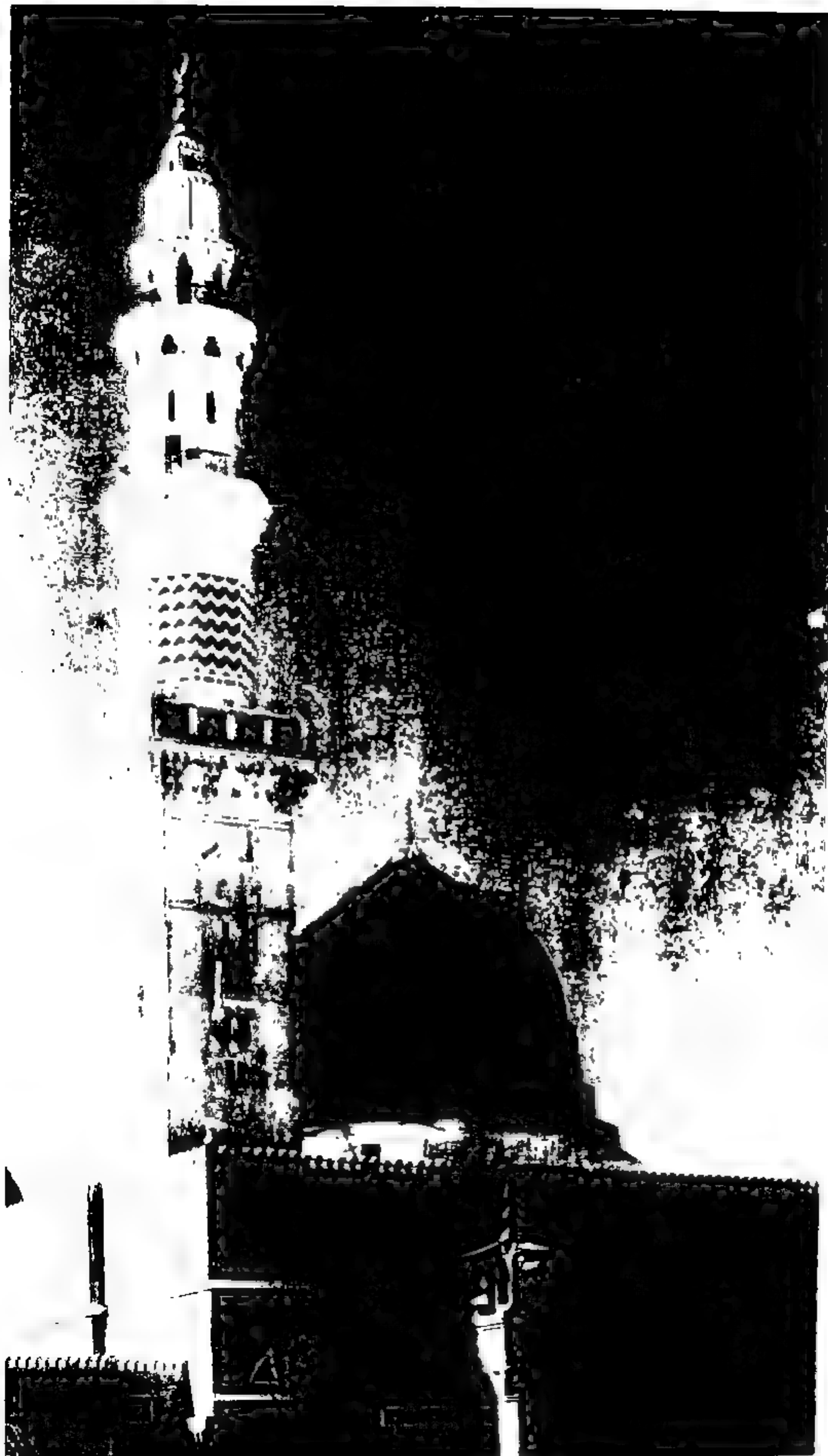
خبر پہنچی تو لوگوں کو بڑی تشویش ہوئی۔ میں نے بھی پوری رات آنکھوں میں کاٹی۔ صبح ہوتے ذرا آنکھ جھپکی تو ایسا معلوم ہوا کوئی یہ شعر پڑھ رہا ہے

خَطْبٌ اَجَلُّ اَنَاخَ بِالْاِسْلَام بَیْنَ النَّخِیْلِ وَمَعْقَدِ الْاٰطَام

نخلستان اور قلعوں کے مابین (مدینہ میں) اسلام پر سخت ہولناک مصیبت ٹوٹ پڑی۔

قُبِضَ النَّبِیُّ مُحَمَّدٌ فَعُیُوْنُنَا تُبْدِیْ الدُّمُوْعَ بِالتِّسْجَام

نبی، محمد ﷺ اٹھا لئے گئے۔ اسی لئے ہماری آنکھیں مسلسل اشکبار ہیں۔

میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا اور سمجھ گیا کہ نبی اکرم ﷺ فوت ہو چکے ہیں، یا عنقریب فوت ہونے والے ہیں۔ فوراً مدینہ کو روانہ ہوا۔ شہر پہنچا تو رونے کا ایسا شور سنا، جیسا حاجیوں میں تکبیر کا ہوتا ہے۔

میں نے پوچھا---''کیا ہوا؟''

جواب ملا---''رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا!''

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ خَیْرِ خَلْقِکَ صَلٰوۃً وَّسَلَامًا اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ط

(''رحلت مصطفیٰ'' کی تلخیص ختم ہوئی۔)

چند مرثیے

اللہ جانے، جانِ دو عالم ﷺ کے ہجر و فراق کے اس دائمی صدمے کو ان وارفتگان عشق نے کیونکر برداشت کیا ہو گا جو چند لمحوں کی جدائی بھی گوارا نہیں کر پاتے تھے اور بے قرار و بے تاب ہو جایا کرتے تھے---!

جانِ دو عالم ﷺ تو وہ مرکز مہر و محبت تھے کہ کھجور کے جس بے جان خشک تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے، وہ بھی آپ کے فراق پر بھرے مجمع میں دھاڑیں مار مار کر رو پڑا تھا۔

استنِ حنانہ از ہجرِ رسول کرد نالہ ہم چو اربابِ عقول

پھر جو لوگ عقل و شعور رکھتے تھے اور جانِ دو عالم ﷺ کے ساتھ والہانہ تعلق اور وابستگی رکھتے تھے، ان کے دلوں پر اس ہجر رسول سے کیا بیتی ہو گی---!!

دلوں کا حال تو اللہ ہی جانتا ہے، مگر ظاہری طور پر اس المناک سانحے کے جو

اثرات مرتب ہوئے، وہ بھی کچھ کم ہوش ربا نہیں تھے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت صدیقِ اکبرؓ انتہائی صبر واستقامت کے باوجود رو رو کر بے حال ہو گئے۔ حضرت عمرؓ ہوش و حواس گم کر بیٹھے۔ حضرت عثمانؓ کی زبان بند ہو گئی اور حضرت علیؓ وقتی طور پر اس قدر بے جان ہو گئے کہ چلنے پھرنے کی طاقت نہ رہی۔

صدیق اکبرؓ کے غم واندوہ کا کچھ اندازہ ان کے مرثیے سے ہوتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجئے---!

يَاعَيْنُ فَابْكِيْ وَلَا تَسْأَمِيْ وَحُقَّ الْبُكَآءُ عَلَى السَّيِّدِ

اے آنکھ خوب رو اور رونے سے نہ اکتا، کیونکہ اس آقا کے لئے رونا بالکل برحق ہے۔

فَكَيْفَ الْحَيَاةُ لِفَقْدِ الْحَبِيْبِ وَ زَيْنِ الْمَعَاشِرِ فِيْ الْمَشْهَدِ

بھلا کیسے زندگی گزرے گی؛ جبکہ وہ ہی نہ رہے جو میرے محبوب تھے اور مجالس میں ہر محفل کی زینت ہوا کرتے تھے۔

فَلَيْتَ الْمَمَاتُ لَنَا كُلِّنَا وَكُنَّا جَمِيْعًا مَّعَ الْمُهْتَدِ

کاش کہ ہم سب کو بھی موت آجاتی اور ہم سب اس ہدایت والے آقا کے ساتھ ہی رہتے!

فَصَلَّى الْإِلٰهُ وَلِيُّ الْعِبَادِ وَ رَبُّ الْعِبَادِ عَلٰى اَحْمَدِ

پس درود بھیجے وہ معبود جو بندوں کا والی اور رب ہے، احمد پر (ﷺ)

فاروقِ اعظم جیسا جی دار بھی جی ہار بیٹھا اور گویا ہوا

وَ وَلَّيْتُ مَحْزُوْنًا بِعَيْنٍ سَخِيْنَةٍ اُكَفْكِفُ دَمْعِيْ وَالْفُؤَادُ قَدِ انْصَدَعْ

اور میں اس حال میں لوٹا کہ میری آنکھ ڈبڈبا آئی تھی۔ میں آنسوؤں کو روک رہا تھا، مگر دل تو پھٹ چکا تھا۔

حضرت عثمانؓ کی تو قوت گویائی ہی مسلوب ہو گئی تھی، اس لئے ان کی خاموشی ہی ایک بے حرف وصوت مرثیہ ہے۔

حیدر کرارؓ جیسا صابر بھی اپنے بے پناہ غم کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکا اور بول اُٹھا،

لَقَدْ غَشِيَتْنَا ظُلْمَةٌ بَعْدَ مَوْتِهٖ نَهَارًا ، فَقَدْ زَادَتْ عَلٰى ظُلْمَةِ الدُّجٰى

ان کی وفات کے بعد ہمیں تاریکی نے دن کے وقت یوں گھیر لیا کہ رات سیاہی سے بھی بڑھ گئی۔

وَكُنَّا بِمَرْاٰهُ نَرَى النُّوْرَ وَالْهُدٰى صَبَاحًا، مَسًا، رَاحَ فِيْنَا اَوِاغْتَدٰى

جب ہم ان کو دیکھتے تھے تو صبح وشام نورِ ہدایت کو دیکھتے تھے، جب وہ رات کو یا سویرے ہمارے پاس تشریف لاتے تھے۔

فَضَاقَتْ فِضَا الْاَرْضِ عَنَّا بِرَحْبَتِه لِفَقْدِ رَسُوْلِ اللهِ، اِذْقِيْلَ قَدْمَضٰى

زمین کی فضا باوجود وسیع ہونے کے ہم پر تنگ ہوگئی، جب رسول اللہ (ﷺ) نہ رہے اور کہا گیا کہ وہ چل بسے ہیں۔

فَلَنْ يَّسْتَقِلَّ النَّاسُ تِلْكَ مُصِيْبَةً وَلَنْ يُّجْبَرَ الْعَظْمُ الَّذِىْ مِنْهُمْ وَهٰى

بلاشبہ یہ ایسی مصیبت ہے جو لوگوں کے لئے ناقابل برداشت ہے اور ملت اسلامیہ کی ہڈی میں جو ضعف پیدا ہوا ہے، وہ ناقابل تلافی ہے۔

سیدہ فاطمۃ الزہرا ؓ کا غم سب سے فزوں تر تھا۔ جب جانِ دوعالم ﷺ کی تدفین سے فارغ ہوکر لوگ واپس آرہے تھے تو سیدہ فاطمہ ؓ نے اشکبار آنکھوں سے حضرت انس ؓ سے پوچھا ''انس! آپ لوگوں نے کیسے گوارا کرلیا کہ رسول اللہ کو مٹی میں لِٹا کر خود لوٹ آئے---!!!''

پھر تربتِ اطہر پر گئیں اور یوں نالہ کناں ہوئیں

اِنَّا فَقَدْ نَاكَ فَقْدَ الْاَرْضِ وَابِلَهَا وَغَابَ مُذْغِبْتَ عَنَّا الْوَحْيُ وَالْكُتُبُ

آپ ہم سے یوں کھوگئے ہیں، جس طرح پیاسی زمین بارانِ رحمت سے محروم ہو جائے۔ جب سے آپ اوجھل ہوئے ہیں وحی کا آنا بھی بند ہوگیا ہے اور کتابوں کا نازل ہونا بھی۔

فَلَيْتَ قَبْلَكَ كَانَ الْمَوْتُ صَادَفَنَا لَمَّا نُعِيْتَ وَحَالَتْ دُوْنَكَ الْكُتُبُ

کاش کہ جب آپ کی وفات کی اطلاع دی گئی اور ہمارے اور آپ کے درمیان مٹی حائل ہوگئی، تو اس سے پہلے ہی ہم مرگئے ہوتے! (اور یہ غم دیکھنے کے لئے زندہ نہ رہتے۔)

پھر قبرِ انور کی مٹی اٹھا کر آنکھوں سے لگائی اور کہا

مَاذَا عَلٰی مَنْ شَمَّ تُرْبَةَ اَحْمَدٍ   اَنْ لَّا یَشُمَّ مُدَی الزَّمَانِ غَوَالِیَا

جس نے تربتِ احمد (ﷺ) کی مہک سونگھ لی ہو، وہ اگر تمام عمر کوئی اور خوشبو نہ سونگھے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے!

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبُ لَوْ اَنَّهَا   صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ عُدْنَ لَیَا لِیَا

مجھ پر غم واندوہ کی ایسی مصیبتیں ٹوٹ پڑی ہیں کہ اگر ''دنوں'' پر پڑتیں، تو دن ''راتوں'' میں بدل جاتے۔''

خاندانِ بنی ہاشم کے اکابرین سے سیدہ فاطمہؓ کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ اس لئے وہ اپنے مرثیوں میں مختلف طریقوں سے سیدہ کو تسلی دینے کی کوششیں کرتے نظر آتے ہیں۔

جانِ دو عالم ﷺ کے تایا زاد حضرت ابوسفیانؓ ابن حارثؓ بن عبدالمطلب نے بہت اعلیٰ مرثیہ کہا ہے اور حضرت فاطمہ کو نہایت عمدہ انداز میں صبر کی تلقین کی ہے۔ فرماتے ہیں

اَرِقْتُ وَبَاتَ لَیْلِیْ لَاَ یَزُوْلُ   وَلَیْلُ اَخِیْ الْمُصِیْبَةِ فِیْهِ طُوْلُ

میری نیند اڑ گئی اور رات ایسی ہوگئی جیسے اب ختم نہ ہوگی اور مصیبت زدہ کی رات تو لمبی ہوتی ہی ہے۔

فَقَدْنَا الْوَحْیَ وَالتَّنْزِیْلَ فِیْنَا   یَرُوْحُ بِهٖ وَیَغْدُوْ جِبْرَئِیْلُ

وحی و تنزیل کا وہ سلسلہ کھو گیا جس کے ساتھ جبریل (امین) کبھی رات کو آتے تھے، کبھی دن کو۔

نَبِیٌّ کَانَ یَجْلُوْ الشَّکَّ عَنَّا   بِمَا یُوْحٰی اِلَیْهِ وَمَا یَقُوْلُ

حضور (ﷺ) وہ نبی تھے جو ہمارے شکوک و شبہات دور کرتے تھے۔ کبھی اس وحی کے ذریعے جو آتی تھی اور کبھی اپنی باتوں سے۔

وَیَهْدِیْنَا فَلَا نَخْشٰی ضَلَاً لَاَ   عَلَیْنَا وَالرَّسُوْلُ لَنَا دَلِیْلُ

وہ ہمیں ایسا راستہ دکھاتے تھے کہ پھر کسی گمراہی کا ڈر ہمارے دلوں میں نہ ہوتا تھا۔ کیونکہ خود رسول اللہ (ﷺ) ہمارے راہ نما ہوتے تھے۔

وَ یُخْبِرُنَا بِظَهْرِ الْغَیْبِ عَمَّا   یَکُوْنُ، فَلَاَ یَخُوْنُ وَلَاَ یَحُوْلُ

وہ ہمیں غیب کی خبریں بھی سنا دیتے تھے کہ کیا ہوگا اور اس خبر میں کوئی خامی ہوتی تھی، نہ ہیر پھیر۔

فَلَمْ نَرَ مِثْلَهٗ فِی النَّاسِ حَیًّا وَلَیْسَ لَهٗ مِنَ الْمَوْتٰی عَدِیْلٗ

نہ زندوں میں ہم نے ان کے جیسا کوئی انسان دیکھا اور نہ مرنے والوں میں کوئی ان کی نظیر ہے۔

اَفَاطِمَ! اِنْ جَزَعْتِ فَذَاکَ عُذْرٌ وَاِنْ لَّمْ تَجْزَعِیْ فَھُوَالسَّبِیْلٗ

اے فاطمہ! اگر صبر کا دامن تجھ سے چھوٹ جائے تو یہ مجبوری ہے۔ لیکن اگر تو دامن صبر نہ چھوڑے تو اصل راستہ یہی ہے۔

فَعُوْذِیْ بِالْعَزَآءِ فَاِنَّ فِیْهِ ثَوَابَ اللّٰهِ وَالْفَضْلَ الْجَزِیْلٗ

تجھے چاہئے کہ صبر و استقامت کا سہارا لے، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جزا ہے اور بے اندازہ فضل۔

وَقُوْلِیْ فِیْ اَبِیْکِ وَلَا تَمَلِّیْ وَھَلْ یَجْزِیْ بِفِعْلِ اَبِیْکِ قِیْلٗ

اور اپنے باپ کی تعریف میں خوب دل کھول کے بول، مگر تیرے باپ نے جو کام کئے ہیں، ان کا بدل کہیں یہ قول ہو سکتے ہیں۔

فَقَبْرُ اَبِیْکِ سَیِّدُ کُلِّ قَبْرٍ وَفِیْهِ سَیِّدُالنَّاسِ الرَّسُوْلٗ

تیرے باپ کی قبر تمام قبروں کی سردار ہے، کیونکہ اس میں وہ رسول مدفون ہے جو تمام انسانوں کا سردار ہے۔

صَلٰوۃُ اللّٰهِ مِنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ عَلَیْهِ لَا تَحُوْلُ وَلَا تَزُوْلٗ

رحمت والے پاک پروردگار کی رحمتیں ہوں حضور ﷺ پر۔ ایسی رحمتیں جو نہ تھمیں، نہ کبھی ختم ہوں۔

جانِ دو عالم ﷺ کی پھوپھیاں بھی اعلیٰ درجے کی قادرات الکلام شاعرات تھیں۔ ان میں سے ہر ایک نے کئی کئی مرثیے کہے اور اپنے دکھ درد کا اظہار کیا۔ فنی لحاظ سے یہ تمام مرثیے اتنے بلند پایہ ہیں کہ ان میں سے کسی کا انتخاب کرنا ازبس دشوار ہے؛ تاہم اپنی

سمجھ بوجھ کے مطابق پانچ مرثیے منتخب کئے ہیں۔ان میں سے دو حضرت اروی کے ہیں، دو حضرت صفیہ کے اور ایک حضرت عاتکہ کا۔(رضی اللہ تعالیٰ عنھن۔)

اروٰی بنتِ عبدالمطلب کے مرثیے

[۱]

اَلاَ یَا عَیْنِ وَیْحَکِ اَسْعِدِیْنِیْ بِدَمْعِکِ مَابَقِیْتِ وَطَا وِعِیْنِیْ

اے میری آنکھ! تو ہلاک ہوجائے، جب تک تو موجود ہے، آنسوؤں کے ساتھ میری امداد کر اور میری بات مان۔

اَلاَ یَا عَیْنِ وَیْحَکِ وَاسْتَہِلِّیْ عَلٰی نُوْرِ الْبَلَادِ وَاَسْعِدِیْنِیْ

اے میری آنکھ! تو ہلاک ہوجائے، تمام دنیا کے نور کی جدائی پر خوب برس کر میری اعانت کر۔

فَاِنْ عَذَلَتْکِ عَاذِلَۃٌ فَقُوْلِیْ عَلَامَ وَفِیْمَ وَیْحَکِ تَعْذِلِیْنِیْ

اگر اس طرح رونے پر کوئی ملامت کرنے والی تجھے ملامت کرے، تو اسے کہہ کہ تو ہلاک ہوجائے، تو کیسے حادثے پر اور کس کے غم میں رونے پر مجھے ملامت کر رہی ہے؟

عَلٰی نُوْرِ الْبِلَادِ مَعًا جَمِیْعًا رَسُوْلِ اللّٰہِ اَحْمَدَ فَاتْرُکِیْنِیْ

کیا اس انسان پر رونے میں تو مجھے ملامت کرتی ہے، جو سارے شہروں کا نور تھا، جو اللہ کا رسول تھا اور جس کا نام احمد تھا؟---میری جان چھوڑ!

فَاِلَّا تُقْصِرِیْ بِالْعَذْلِ عَنِّیْ فَلُوْمِیْ مَابَدَا لَکِ اَوْ دَعِیْنِیْ

پھر بھی اگر تو ملامت کرنے سے باز نہ آئے، تو ملامت کرتی رہ جتنا تیرا جی چاہے، یا مجھے میرے حال پر چھوڑ دے۔

لِاَمْرٍ ھَدَّنِیْ وَ اَذَلَّ رُکْنِیْ وَشَیَّبَ بَعْدَ جِدَّتِھَا قُرُوْنِیْ

اس عظیم حادثے پر رونے کے لئے، جس نے مجھے ہلا ڈالا ہے۔میری کمر جھکا دی ہے اور میرے بالوں کو سفید کر دیا ہے۔

[۲]

اَلا یَارَسُوْلَ اللہِ کُنْتَ رَجَائَنَا وَکُنْتَ بِنَا بَرًّا وَّ لَمْ تَکُ جَافِیًا

یارسول اللہ! آپ ہماری امید تھے اور ہمارے ساتھ انتہائی مہربان تھے، آپ ہرگز سخت طبیعت نہ تھے۔

وَکُنْتَ بِنَا رءُوْفًا رَّحِیْمًا نَبِیَّنَا لَیَبْکِ عَلَیْکَ الْیُوْمَ مَنْ کَانَ بَاکِیًا

اے ہمارے نبی! آپ ہمارے لئے رؤف ورحیم تھے۔ جس نے رونا ہو، اسے چاہئے کہ آج آپ پر کھل کر رولے۔

کَاَنَّ عَلٰی قَلْبِیْ لِذِکْرِ مُحَمَّدٍ وَّمَا خِفْتُ مِنْ بَعْدِ النَّبِیِّ الْمُکَاوِیَا

محمد (ﷺ) کی وفات سے اور ان کے بعد جو کچھ پیش آنے والا ہے، اسے سوچ کر میرے دل میں داغ پڑ جاتے ہیں۔

اَفَاطِمَ! صَلّٰی اللہُ رَبُّ مُحَمَّدٍ عَلٰی جَدَثٍ اَمْسٰی بِیَثْرَبَ ثَاوِیَا

اے فاطمہ! درود بھیجے اللہ تعالیٰ جو محمد (ﷺ) کا رب ہے، اس قبر پر جو یثرب میں پائی جاتی ہے۔

اَبَا حَسَنٍ فَارَقْتَہٗ وَ تَرَکْتَہٗ فَبَکِّ بِحُزْنٍ اٰخِرَ الدَّھْرِ شَاجِیَا

اے حسن کے باپ! (حضرت علی) تو ان سے جدا ہو گیا اور انہیں قبر میں چھوڑ آیا۔ اب ساری عمر ان کے غم میں روتا رہ!

فِدًی لِّرَسُوْلِ اللہِ اُمِّیْ وَ خَالَتِیْ وَ عَمِّیْ وَ نَفْسِیْ قُصْرَۃً ثُمَّ خَالِیَا

رسول اللہ (ﷺ) پر میری ماں، میری خالہ، میرا چچا، میری جان اور میرا ماموں سب قربان ہو جائیں۔

صَبَرْتَ وَ بَلَّغْتَ الرِّسَالَۃَ صَادِقًا وَّ قُمْتَ صَلِیْبَ الدِّیْنِ اَبْلَجَ صَافِیَا

یارسول اللہ! (ﷺ) آپ نے مصائب پر صبر کیا اور سچائی کے ساتھ رسالت کا پیغام پہنچایا اور دین کی پشت کو واضح اور مصفیٰ انداز میں قائم کر دیا۔

فَلَوْ اَنَّ رَبَّ النَّاسِ اَبْقَاکَ بَیْنَنَا سَعِدْنَا وَلٰکِنْ اَمْرُہٗ کَانَ مَاضِیَا

اگر لوگوں کا رب آپ کو ہمارے درمیان باقی رکھتا تو ہمارے لئے سعادت ہوتی،
لیکن اس کا حکم نافذ ہونے والا ہے۔

عَلَیْکَ مِنَ اللہِ السَّلَامُ تَحِیَّۃً وَّاُدْخِلْتَ جَنَّاتٍ مِّنَ الْعَدْنِ رَاضِیَا

آپ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے سلام کا تحفہ ملے اور آپ راضی خوشی جنات عدن
میں داخل ہوں۔

حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کے مرثیے

[۱]

اَفَاطِمَ! بَکِّیْ وَلَا تَسْاَمِیْ بِصُبْحِکِ مَاطَلَعَ الْکَوْکَبُ

اے فاطمہ! روتی رہ، بغیر کسی اکتاہٹ کے صبح سے، ستارے طلوع ہونے تک۔

ھُوَالْمَرْءُ یُبْکٰی وَحُقَّ الْبُکَآءُ ھُوَالْمَاجِدُ السَّیِّدُ الطَّیِّبُ

وہ ایسی ہی ہستی تھی جس کے لئے رویا جاتا ہے اور اس کے لئے رونا بالکل بجا
ہے۔ وہ بزرگ، سردار اور پاکیزہ تھے۔

فَاَوْحَشَتِ الْاَرْضُ مِنْ فَقْدِہٖ وَاَیُّ الْبَرِیَّۃِ لَا یُنْکَبُ

ان کے نہ ہونے سے زمین ویران ہوگئی ہے اور مخلوقات میں کون ہے جسے ان کا
دکھ نہ ہوا ہو۔

فَمَالِیَ بَعْدَکَ حَتّٰی الْمَمَا تِ اِلَّا الْجَوَی الدَّاخِلُ الْمُنْصِبُ

آپ کے بعد زندگی بھر کے لئے میرے پاس کچھ نہیں رہا، سوائے غم کے جو میرے
اندر پایا جاتا ہے اور مجھے تکلیف دے رہا ہے۔

فَبَکِّیْ الرَّسُوْلَ وَ حُقَّتْ لَہٗ شُھُوْدُ الْمَدِیْنَۃِ وَالْغُیَّبُ

اے فاطمہ! رسول اللہ (ﷺ) کے لئے رو اور صرف تجھے ہی نہیں؛ بلکہ مدینہ میں
جو حاضر ہیں یا غائب ہیں، سب کو ان کے لئے رونا چاہئے۔

لَتَبْکِیْکَ شَمْطَآءُ مَضْرُوْرَۃٌ اِذَا حُجِبَ النَّاسُ لَا تُحْجَبُ

ضرور روئے گی آپ کو ہر وہ ادھیڑ عمر، بدحال عورت، جو باپردہ لوگوں میں رہتی ہو،

مگر اسے تن ڈھانپنے کے لئے کپڑا میسر نہ ہو۔

لَیَبْکِیْکَ شَیْخٌ اَبُوْ وِلْدَۃٍ یَطُوْفُ بِعَقْوَتِہٖ اَشْھَبُ

آپ کو وہ بوڑھا بھی روئے گا، جس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں اور اس کے گھر کے گرد قحط سالی نے ڈیرے ڈال رکھے ہوں۔

وَیَبْکِیْکَ رَکْبٌ اِذَا اَرْمَلُوْا فَلَمْ یُلْفَ مَاطَلَبَ الطُّلَّبُ

اور آپ کو ہر وہ قافلہ روئے گا، جو محتاج ہو جائے اور ضرورت کی چیزیں اس کو دستیاب نہ ہو رہی ہوں۔

وَتَبْکِی الْاَ بَاطِحُ مِنْ فَقْدِہٖ وَتَبْکِیْہِ مَکَّۃُ وَالْاَخْشَبُ

آپ کے نہ ہونے سے تمام ریگزار گریہ کناں ہیں اور مکہ اور اخشب پہاڑ رو رہے ہیں۔

[۲]

اَرِقْتُ فَبِتُّ لَیْلِیْ کَالسَّلِیْبِ لِوَجْدٍ فِی الْجَوَانِحِ ذِیْ دَبِیْبٖ

میں جاگتی رہی اور اس آدمی کی طرح رات گزاری جس کا سب کچھ چھن گیا ہو، بوجہ اس غم کے جو میرے پہلوؤں میں سرایت کر گیا۔

فَشَیَّبَنِیْ وَمَا شَابَتْ لِدَاتِیْ فَاَمْسَی الرَّاْسُ مِنِّیْ کَالْعَسِیْبٖ

اس غم نے مجھے بوڑھا کر دیا اور میرے بال گھوڑے کی سفید پیشانی کی طرح ہو گئے۔ حالانکہ میری کوئی بھی ہمعمر بوڑھی نہیں ہوئی۔

لِفَقْدِ الْمُصْطَفٰی بِالنُّوْرِ حَقًّا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَالَکَ مِنْ ضَرِیْبٖ

اس ہستی کے کھو جانے کی وجہ سے، جن کو نور حق کے لئے منتخب کیا گیا۔ اے اللہ کے رسول! آپ کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔

کَرِیْمِ الْخِیْمِ اَرْوَعَ مُضْرَحِیِّ طَوِیْلِ الْبَاعِ مُنْتَخَبٍ نَّجِیْبٖ

کریم گھرانے والے، متقی، سردار، لمبے بازوؤں والے، منتخب، شریف۔

ثِمَالِ الْمُعْدِمِیْنَ وَکُلِّ جَارٍ وَمَاْوٰی کُلِّ مُضْطَھَدٍ غَرِیْبٖ

فقیروں اور ہمسایوں کے نگہبان اور پریشان حال مسافروں کے ملجأ وماویٰ۔

وَكُنتَ مُوَفَّقًا فِيْ كُلِّ اَمْرٍ وَّفِيْ مَانَابَ مِنْ حَدَثِ الْخُطُوْبِ

آپ کو ہر معاملے میں پیش آنے والی مشکلات میں کامیاب ہوجانے کی توفیق بخشی گئی تھی۔

حضرت عاتکہ بنتِ عبدالمطلبؓ کا مرثیہ

يَاعَيْنِ جُوْدِيْ مَابَقِيْتِ بِعَبْرَةٍ سَحًّا عَلٰى خَيْرِ الْبَرِيَّةِ اَحْمَدِ

اے میری آنکھ! تو جب تک موجود رہے، مسلسل آنسوؤں کے ساتھ سخاوت کرتی رہ۔ ان کے غم میں، جو تمام مخلوقات سے بہتر تھے، جن کا نام احمد تھا۔

اَنّٰى لَكِ الْوَيْلَاتُ مِثْلُ مُحَمَّدٍ فِيْ كُلِّ نَائِبَةٍ تَنُوْبُ وَ مَشْهَدِ

(اے میری آنکھ!) تیرے لئے ہلاکتیں ہوں، اب محمد (ﷺ) جیسا کون ہوگا، جب مشکلات آئیں گی اور معرکے برپا ہوں گے۔

فَابْكِيْ الْمُبَارَكَ وَالْمُوَفَّقَ ذَا التُّقٰى حَامِي الْحَقِيْقَةِ ذَا الرَّشَادِ الْمُرْشَدِ

اب ان کے لئے روتی رہ، جو بابرکت تھے، توفیق والے تھے، متقی تھے، حق کے نگہبان تھے، ہدایت دینے والے تھے اور ہدایت یافتہ تھے۔

مَنْ ذَايَفُكُّ عَنِ الْمُغَلَّلِ غُلَّهٗ بَعْدَ الْمُغَيَّبِ فِي الضَّرِيْحِ الْمُلْحَدِ

اس ہستی کے بعد، جو لحد والی قبر میں پنہاں ہوگئی ہے، اب کون طوق والے کی گردن سے اس کا طوق اتارے گا؟

اَمْ مَّنْ لِكُلِّ مُدَفَّعٍ ذِيْ حَاجَةٍ وَّ مُسَلْسَلٍ يَّشْكُوْ الْحَدِيْدَ مُقَيَّدِ

اور کون حاجت روائی کرے گا اس کی، جس کو ہر جانب سے دھکے پڑتے ہوں اور کون ایسے شخص کو آزادی دے گا جو قید میں لوہے کی زنجیروں سے بندھا ہوا شکوہ کناں ہو۔

اَمْ مَّنْ لِّوَحْيِ اللّٰهِ يَنْزِلُ بَيْنَنَا فِيْ كُلِّ مُمْسىً لَيْلَةٍ اَوْ فِيْ غَدِ

اور وہ وحی، جو صبح شام ہمارے درمیان اترا کرتی تھی، اب بھلا کس پر اترے گی؟

فَعَلَيْكَ رَحْمَةُ رَبِّنَا وَ سَلَامُهٗ يَاذَا الْفَوَاضِلِ وَالنَّدٰى وَالسُّوْدَدِ

اے فضیلتوں والے، سخاوت والے اور سرداری والے نبی! آپ پر اللہ تعالیٰ کی

رحمتیں اور سلام ہو۔

حضرت حسانؓ کے مرثیے

آخر میں عندلیب گلشن رسالت حضرت حسانؓ بن ثابت کے، درد والم میں ڈوبے ہوئے دو مرثیوں سے چند منتخب اشعار پیش خدمت ہیں۔ انہیں دل تھام کے پڑھیئے!

[۱]

مَا بَالُ عَيۡنِكَ لَا تَنَامُ كَاَنَّمَا   كُحِلَتۡ مَاقِيۡهَا بِكُحۡلِ الۡاَرۡمَدِ

تیری آنکھ کو کیا ہو گیا ہے کہ سوتی نہیں، گویا اس میں مریض آشوب چشم کے سرمے کی سلائی پھیر دی گئی ہو؟

جَزۡعًا عَلَى الۡمَهۡدِيِّ اَصۡبَحَ ثَاوِيًا   يَاخَيۡرَ مَنۡ وَّطِئَ الۡحَصٰى! لَا تَبۡعَدِ

اس ہدایت یافتہ کے غم میں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا ٹھکانہ بنا لیا ہے۔
اے وہ ہستی! جو زمین پر چلنے والوں میں سب سے افضل ہے، تو کبھی ہم سے دور نہ ہو۔

يَابِكۡرَ اٰمِنَةَ الۡمُبَارَكَ ذِكۡرُه،   وَلَدَتۡهُ مُحۡصِنَةٌ بِسَعۡدِ الۡاَسۡعَدِ

اے آمنہ کے اکلوتے! جس کا ذکر مبارک ہے اور جس کو ایک پاکدامن خاتون نے نیک ساعت میں جنا۔

ءَ اُقِيۡمُ بَعۡدَكَ بِالۡمَدِيۡنَةِ بَيۡنَهُمۡ   يَالَهۡفَ نَفۡسِىۡ لَيۡتَنِىۡ لَمۡ اُوۡلَدِ

کیا میں آپ کے بعد بھی مدینہ میں رہتا رہوں؟ آہ میری ہلاکت! کاش میں پیدا ہی نہ ہوتا۔

بِاَبِىۡ وَ اُمِّىۡ مَنۡ شَهِدۡتُ وَفَاتَه،   فِىۡ يَوۡمِ الۡاِثۡنَيۡنِ النَّبِىُّ الۡمُهۡتَدِ

ان پر میرے ماں باپ قربان، جن کا وصال میں نے دوشنبہ کے دن دیکھا۔ ہدایت والے نبی کا وصال!

وَلَقَدۡ وَلَدۡنَاهُ وَفِيۡنَا قَبۡرُه،   وَفُضُوۡلُ نِعۡمَتِهٖ بِنَا لَا تَجۡحَدِ

ہم عربوں میں وہ پیدا ہوئے اور ہم ہی میں ان کی قبر ہے۔ ہم پر ان کے بے حد احسانوں کا انکار مت کرو۔

صَلَّى الۡاِلٰهُ وَمَنۡ يَّحُفُّ بِعَرۡشِهٖ   وَالطَّيِّبُوۡنَ عَلَى الۡمُبَارَكِ اَحۡمَدِ

اللہ تعالیٰ اور تمام وہ فرشتے جو اس کے عرش کو گھیرے ہوئے ہیں اور سب اچھے لوگ درود بھیجیں برکت والے احمد پر۔

[۲]

بِطَيْبَةَ رَسْمٌ لِلرَّسُوْلِ وَمَعْهَدٌ ‌ مُنِيْرٌ وَّقَدْ تَعْفُوْ الرُّسُوْمُ وَتَهْمَدُ

مدینہ طیبہ میں رسول اللہ ﷺ کی نشانیاں اور روشن یادگاریں ہیں۔ اگرچہ نشانیاں کبھی مٹ بھی جایا کرتی ہیں۔

وَلَا تَمْتَحِيْ الْاٰيَاتُ مِنْ دَارِ حُرْمَةٍ ‌ بِهَا مِنْبَرُ الْهَادِيْ الَّذِيْ كَانَ يَصْعَدُ

لیکن احترام والے گھر کی نشانیاں کبھی نہیں مٹ سکتیں۔ اس میں رہبر کا منبر ہے، جس پر آپ چڑھتے تھے۔

بِهَا حُجُرَاتٌ كَانَ يَنْزِلُ وَسْطَهَا ‌ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ يُسْتَضَآءُ وَ يُوْقَدُ

اس میں وہ حجرے موجود ہیں، جن میں خدا کی طرف سے روشن کرنے والا نور نازل ہوتا تھا۔

عَرَفْتُ بِهَا رَسْمَ الرَّسُوْلِ وَعَهْدَهٗ ‌ وَقَبْرًا بِهَا وَارٰى فِيْ التُّرْبِ مُلْحَدُ

طیبہ میں رسول اللہ ﷺ کی نشانیاں اور ان کا زمانہ مجھے معلوم ہے اور وہ قبر بھی جس کی لحد میں مٹی کے اندر رسول اللہ پوشیدہ ہو گئے ہیں۔

ظَلَلْتُ بِهَا اَبْكِيْ الرَّسُوْلَ فَاَسْعَدَتْ ‌ عُيُوْنٌ وَّمِثْلَاهَا مِنَ الْجِنِّ تُسْعِدُ

میں اس قبر کے پاس جب رسول اللہ (ﷺ) کے غم میں رو رہا تھا، تو کئی انسانوں بلکہ جنوں کی آنکھیں بھی میرے ساتھ ساتھ رو رہی تھیں۔

يَذْكُرْنَ اٰلَآءَ الرَّسُوْلِ وَمَا اَرٰى ‌ لَهَا مُحْصِيًا نَفْسِيْ فَنَفْسِيْ تَبَلَّدُ

یہ تمام آنکھیں رسول اللہ ﷺ کے احسانات کو یاد کر رہی تھیں اور یہ احسانات اس قدر ہیں کہ میں ان کو شمار کرنے سے قاصر ہوں اور میرا نفس بے دانش ہے۔

مُفَجَّعَةٌ قَدْ شَفَّهَا فَقْدُ اَحْمَدَ ‌ فَظَلَّتْ لِاٰلَاءِ الرَّسُوْلِ تُعَدِّدُ

یہ آنکھیں دکھیا ہیں اور انہیں احمد (ﷺ) کے نہ ہونے نے کمزور کر دیا ہے۔

چنانچہ یہ رسول اللہ ﷺ کے احسانات شمار کر کے اپنے آپ کو تسلی دے رہی ہیں۔

اَطَالَتْ وُقُوْفًا تَذْرِفُ الْعَيْنُ جُهْدَهَا عَلٰى طَلَلِ الْقَبْرِ الَّذِىْ فِيْهِ اَحْمَدُ

یہ آنکھیں دیر تک کھڑی آنسو بہاتی رہیں قبر کے اس ٹیلے پر جس میں احمد مدفون ہیں۔

فَبُوْرِكْتَ يَاقَبْرَ الرَّسُوْلِ وَبُوْرِكَتْ بِلَادٌ ثَوٰى فِيْهَا الرَّشِيْدُ الْمُسَدَّدُ

اے قبر رسول! تجھ پر برکت اور اس سرزمین پر برکت جس میں ہدایت یافتہ اور سیدھی روش والے رسول کا ٹھکانہ ہے۔

لَقَدْ غَيَّبُوْا حِلْمًا وَّعِلْمًا وَّرَحْمَةً عَشِيَّةَ عَلَّوْهُ الثَّرٰى لَا يُوَسَّدُ

جس رات انہیں اس مٹی میں دفن کیا گیا جہاں تکیہ بھی میسر نہیں اس رات دراصل حلم،علم اور رحمت کو دفن کر دیا گیا ہے۔

يَبْكُوْنَ مَنْ تَبْكِى السَّمٰوٰتُ يَوْمَهُ وَمَنْ قَدْ بَكَتْهُ الْاَرْضُ فَالنَّاسُ اَكْمَدُ

سب انہیں رو رہے ہیں جن کی یاد میں آسمان روتے ہیں اور جس پر زمین رو چکی ہے اور لوگ انتہائی غمگین ہیں۔

وَهَلْ عَدَلَتْ يَوْمًا رَزِيَّةُ هَالِكٍ رَزِيَّةَ يَوْمٍ مَّاتَ فِيْهِ مُحَمَّدُ

کبھی کسی کی وفات اتنی بڑی مصیبت بھی ہوئی ہے جتنی بڑی محمد کی وفات ہوئی ہے؟

فَبَكِّىْ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَاعَيْنُ عَبْرَةً وَّلَا اَعْرِفَنَّكِ الدَّهْرَ دَمْعُكِ يَجْمَدُ

پس اے آنکھ! رسول اللہ پر آنسوؤں سے رو۔ دیکھ! کبھی تیرے آنسو خشک نہ دیکھوں۔

وَمَا فَقَدَ الْمَاضُوْنَ مِثْلَ مُحَمَّدٍ وَّلَا مِثْلُهٗ حَتّٰى الْقِيَامَةِ يُفْقَدُ

پچھلوں نے کبھی محمد جیسا کوئی وجود نہیں کھویا اور نہ قیامت تک ان جیسا کوئی کھویا جائے گا۔

تیرے نام

پروفیسر اعجاز رانا

رنگ بدلتی مست رُتوں کا لمحہ لمحہ تیرے نام
خوشبو سے لبریز ہوا کا ہر اک جھونکا تیرے نام

ہر اک پھول میں جلوہ تیرا، رنگ ترا ہی غنچوں میں
روش روش بو باس تری ہے، گلشن سارا تیرے نام

قریہ قریہ فضل ترا ہے ، نگر نگر الطاف ترا
عالم عالم کی رحمت کا نام بجیلا تیرے نام

گردوں پہ خورشید کا حلقہ تیرے نام کا حلقہ بگوش
ماہِ مبیں کی گود کا ہر اک نور ستارا تیرے نام

تیرے حُسن کے دروازے پہ سائل ہے یوسف کا جمال
ہر اک درد کا درماں تو ، اعجازِ مسیحا تیرے نام

ملکِ سلیماں ، وادیٔ سینا تیرے آئینوں کا عکس
اے معراج کے تاج! ازل سے طور کا جلوہ تیرے نام

بائے بِسْمِ اللہ سے تا وَالنَّاس تری تصویریں ہیں
سیرت ہے قرآن تری ، قرآن سراپا تیرے نام

ذکر ترا ہے ارفع و اعلیٰ ، جانِ رَفَعْنَا تُو ہی تو ہے
اوج ثریا سے بھی اونچا عرش کا پایہ تیرے نام

میرے آقا! اس سے بڑھ کر اور سعادت کیا ہوگی
ہو جائے اعجازؔ فدا کا مرنا جینا تیرے نام

❁❁❁